



جلد تحقق محفوظ میں

RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED

CHECKED

معاشیات دیہات



تھامس نکسن کارور
۲۲۴۶۰
پنی۔ ایچ۔ ڈی
ایل۔ ایل۔ ڈی (امریکن) ایسا

Checked
1987

CHECKED 1995 جسکو

پنجاب کو اپریٹو یونین لاہور نیشنل شایع کیا

معاشیات دیہات

Checked
1987

یہ نہایت ہی فاضلانہ اور فلسفیانہ کتاب جس کے تعارف کراتے کاراظم الحروف شرف حاصل کر رہا ہے اقتصادیات اور معاشیات دیہات کے باب میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس کے مصنف تھامس نکسن کاروہ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی امریکہ کے نامور فاضل اور علامہ دہرہ ہیں۔ آپ نے اقتصادیات اور معاشیات کے جن گونا گوں شعبوں پر بحث ہو سکتی تھی۔ ان پر ایسے حکیمانہ موثر اور بصیرت افروز طریق پر خامہ فرسائی کی ہے کہ اگر اس لا جواب کتاب کو قاموس معاشیات یا (کنامک انسائیکلو پیڈیا) کہا جائے تو بالکل درست ہے۔ فاضل مصنف نے کسب معاش کے ذرائع۔ کاشتکاری۔ زراعت کی اجمالی تاریخ۔ امریکن زراعت کا آغاز۔ قومی ترقی تنظیم مزارعین۔ زراعتی پیدائش کے عاملین۔ طریقہ ہائے استعمال زمین۔ آلات محنت تنظیم۔ زراعتی پیداوار۔ زراعتی آمدنی کی تقسیم۔ اجرت قدر و قیمت۔ لگان۔ سود۔ نفع۔ دیہات کی اجتماعی زندگی۔ خدمت خلق میجر۔ زندگی۔ دیہاتی کھیل۔ کاشتکار۔ مالک خود کاشت۔ غیر حاضر رہنے والے زمیندار۔ امداد باہمی۔ معاشیات دیہات میں تحریک امداد باہمی کا درجہ وغیرہ وغیرہ عنوانات کثیرہ پر ایسا جامع و مانع تبصرو کیا ہے اور ان کے ماتحت متعدد اقتصادی مسائل کو ایسی بانی نظری اور علمی شان سے حل کیا ہے کہ اس کے متعلق سچر اس کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا

لذت بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشتی

اگرچہ یہ کتاب زیادہ تر امریکہ کے احوال و ظروف پر مشتمل ہے مگر اس کا اسلوب بیان اور پیرایہ توضیح عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں جو محکم اصول بیان کئے گئے

میں۔ ان کا تعلق کسی ایک ملک سے نہیں بلکہ سارے جہان سے ہے۔ پنجاب کیلئے جسکی فلاح بہبود دیہات کی اصلاح پر موقوف ہے۔ اس کتاب کے بیان کردہ اصول مشعل راہ اور چراغ ہدایت کا حکم رکھتے ہیں۔ اس نادر کتاب کے عمیق مطالعہ کے بعد ہر ایک ذی علم اور نکتہ رس پر عیاں ہو سکتا ہے۔ کہ اقتصادیات کس قدر مفید اور لازمی علم ہے۔ اور یہ کہ آج اگر ہمارا ملک اپنے آپ کو عروج و توشیحالی کی مسندوں پر متمکن و بچھنا چاہتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ اس کے ایسے فرزند جنکے ہاتھ میں وطن اور قوم کی باگ ڈور ہے۔ اقتصادیات جہان کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر اس زمانہ میں کوئی رہنما قوم اور ملک کا حقیقی رہنما کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ امداد باہمی دنیا میں اقتصاد کی سوراخ قائم کرنا چاہتی ہے اور اقتصاد کی سوراخ کو اپنی منزل مقصود قرار دینے والوں کا فرض اولین ہے کہ ادھر ادھر کے تمام خیالات سے ماورا ہو کر اقتصادیات کے سلوہات حاصل کریں اور ان کی روشنی میں عملی اور تعمیری کاموں کی بنیادیں استوار کریں۔

تعلیم اور امداد باہمی

تعلیم امداد باہمی کی جان ہے اس تحریک نے علم کی نشر و اشاعت پر ہمیشہ ہی زور دیا ہے۔ یہ تحریک اپنے اندر بے حد فوائد لئے ہوئے ہے۔ یہ تحریک انسانیت کے علم کو بلند کرتی۔ مساوات کا پیغام سناتی اور ساری کائنات کو اور آدم کے تمام فرزندوں کو غواہ وہ کالے بھینگ ہوں یا سالوے۔ گورے ہوں یا سرخ اس راز سے آگاہ کرنا چاہتی ہے کہ دنیا کی نجات اس اصول میں ہے کہ

میں سب کے کام آؤں سب میرا آئیں

اک فرض آدمیت امداد باہمی ہے

باہیں ہمہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان اس تحریک کے اصول کی گیرائی اور گہرائی اور اس کے اثرات سے آگاہ نہ ہو۔ اس پر یہ راز کھل نہیں سکتا کہ

امداد باہمی دنیا کی معاشی زندگی میں کیسا حیرت انگیز مگر خوشگوار انقلاب پیدا کر سکتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ پنجاب نے امداد باہمی کی تعلیم پر بے حد زور دیا ہے اور مختلف عملی طریقوں سے امداد باہمی کے مقاصد و مطالب کی عام اشاعت کے لئے کوشش کی ہے۔ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ پنجاب کو کوآپریشن کا تیرفہ تصور کیا جاتا ہے۔

پنجاب کے دیہاتیوں میں امداد باہمی کی لہر عام طور پر پھیلی ہوئی ہے اور سیدھے سادھے بھولے بھالے کسان بھی سمجھ گئے ہیں کہ اگر انہیں اپنی ساکھ قائم کرنا ہے مناسب اور ارزاں شرح سود پر قرضہ حاصل کرتے ہیں کا میاب ہونا ہے۔ اپنی ضرورتیں خود پوری کرنا ہے۔ اپنے آپ کو دوسروں کی محتاجی سے بے نیاز کرنا ہے۔ اپنی پیداوار کو معقول داموں فروخت کرنا ہے۔ امن کی زندگی بسر کرنا ہے۔ تباہ کن جنگ و جدال سے مجتنب رہنا ہے۔ بری رسموں سے دامن بچنا ہے۔ اصلاح اخلاق پر زور دینا ہے۔ یا مختصر یہ سمجھئے کہ ایک ایک گاؤں کو امن اور خوشحالی کا گہوارا اور راحت و رحمت کا فردوس بنانا ہے۔ تو ان اغراض کی تکمیل کیلئے امداد باہمی کی ان گنت برکتوں سے بہرہ اندوز ہونا لازمی ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ امداد باہمی کو ایک نیا اقتصادی نصب العین۔ نئی عملی سائنس اور نئے اصول جیٹ کے اعتبار سے کم سمجھا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس صداقت کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے کافی بصارت اور کافی علم کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ اہل علم طبقہ دنیا کی معاشی تاریخ سے واقف ہو۔ اسے معلوم ہو کہ اقتصادی اعتبار سے دنیائے کیا کیا انقلابات دیکھے ہیں۔ اس کو ارضی تے کیسے کیسے چکر کاٹے ہیں۔ ابن آدم مختلف حالات اور اثرات کے ماتحت کن کن مشاغل کو اختیار کرنے پر مجبور ہوا ہے کون کونسی تحریکیں اس جہان کے پلیٹ فارم پر نمودار ہوئیں۔ انہوں نے کیسے کیسے پلٹے کھائے۔ قدرت کے خزانوں سے اہل عالم نے مختلف زمانوں میں کس طریق سے فائدہ اٹھایا۔ ان تمام حقائق سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے طویل فرصت اور

غیاث کیلئے
ان کردہ
عین مسئلہ
ات کستند
و خوشحالی
فرزند چنگ
س۔ کیونکہ
ق نہیں
مادی
ہر کے
کی روشنی

زور
کے
کے
رخ

ور
کہ

عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔ مبارک ہیں وہ انسان جو ان امور کو شرح اور لبسط سے بیان کرنے پر قادر ہیں۔ فاضل کار و رہبر بھی انہی نفوس عالیہ میں سے ہیں۔ آپ نے اپنی بے عدیل تصنیف میں سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ آپ نے سمندر کو کوزہ میں بند کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اقتصادیات اور معاشیات کے طالب علم اس کتاب سے بے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

پنجاب کو اپریٹو یونین لاہور

پنجاب کو اپریٹو یونین لاہور کے ۲۰ ہزار سے زائد انجنیئر ہائے امداد باہمی کا واحد مشترکہ مرکز اور ترجمان ہونے کا فخر حاصل ہے۔ فیصلہ کیا کہ مذکورہ صدر قاضی معاشیات کا ترجمہ شائع کرائے۔ اور اس کیلئے زیر کثیر برداشت کرے۔ اس سے پیشتر یونین "امداد باہمی اور برہما" کے نام سے ایک کتاب شائع کر چکی ہے۔ اس کتاب میں تحریک کے ابتدائی اصول اور طریقہ ہائے کار و بار نہایت شستہ اور سیدھے سادھے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔ "معاشیات دیہات" یونین کی دوسری تصنیف ہے یہ کتاب ازلیں عالمانہ ہے۔ اس سے زیادہ تراہل علم ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یونین نے اس کے ترجمے کی کتابت۔ طباعت۔ اشاعت میں زیر خطیر صرف کیا ہے اس کی یہ کوشش ہندوستان کے تمام علمی حلقوں میں بالعموم اور اقتصاد دانوں میں بالخصوص خاص قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جائیگی۔

اردو ترجمہ

اس کتاب کا اردو ترجمہ آسان نہیں بلکہ سخت مشکل تھا اول اسلئے کہ اردو زبان ابھی اتنی ہمہ گیر اور علمی نہیں ہوئی۔ کہ ہر فن اور ہر علم کا ترجمہ اس میں آسانی سے کیا جاسکتا ہو۔ دوم اقتصادیات ایک جدید علم کا حکم رکھتا ہے۔ اس میں اردو تصانیف عملاً اشتقاق کا حکم رکھتی ہیں۔ اسلئے اصطلاحات فنی کا ترجمہ

کرتے

سود

پیشا

دافع

ترجمہ

ہیں

عروضہ

ضرور

لبر

کرد

دیباہ

کہ

رہ

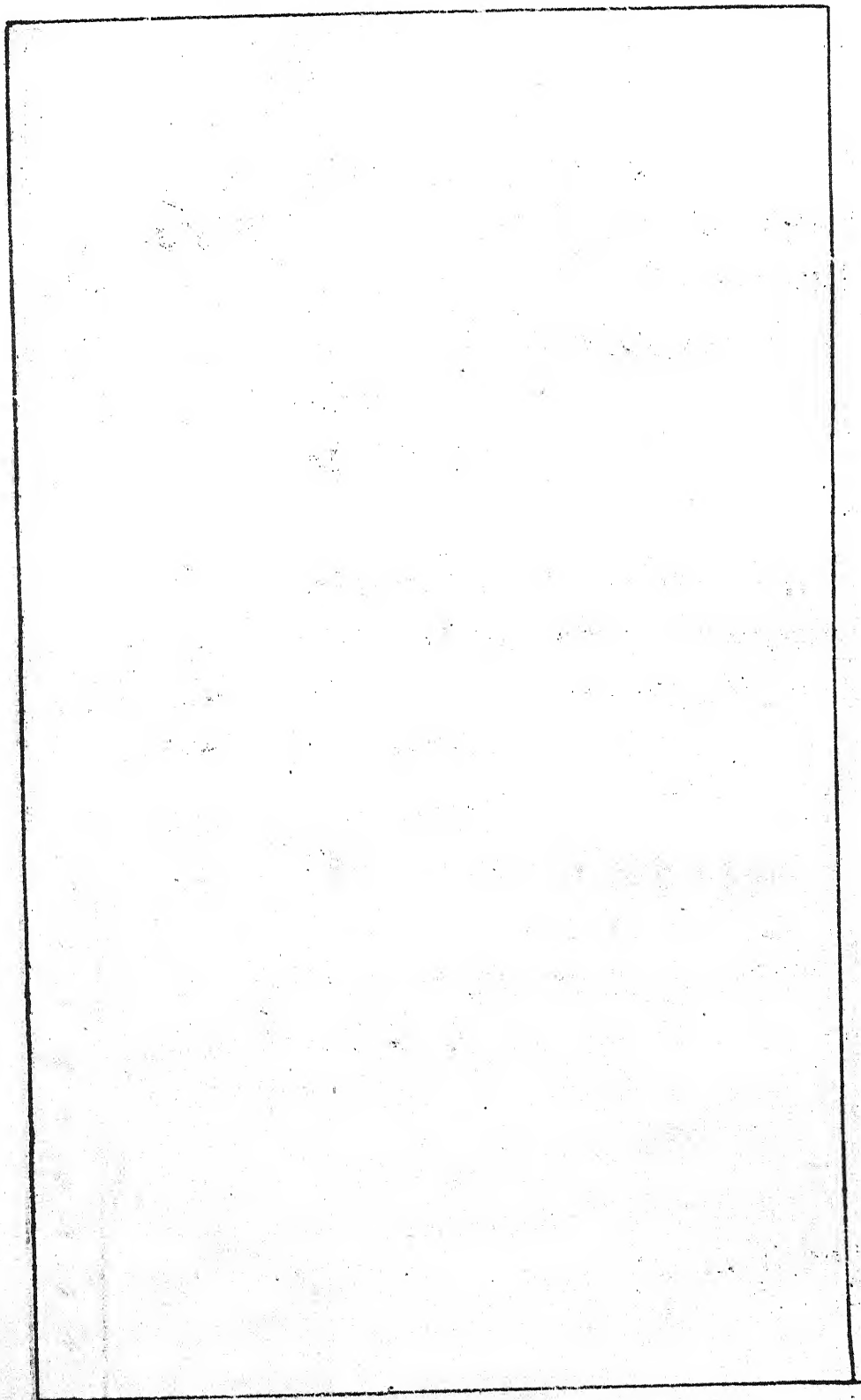
پہ

کے

بھی

کا

کرتے



فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱	پہلا باب - اصول عامہ کسب معاش کے ذرائع	۱
۱۷	کاشتکاری و زریعہ معاش کی حیثیت سے	۱۷
۲	دوسرا باب - زراعت کی اجمالی تاریخ	۳۵
۵۶	جدید انگریزی زراعت کا آغاز	۵۶
۷۵	امریکن زراعت کا آغاز	۷۵
۸۷	قومی ارتقا	۸۷
۱۱۰	مغرب کی جانب وسعت کا دور	۱۱۰
۱۲۸	از سر نو تنظیم کا دور	۱۲۸
۱۳۸	تیسرا باب - زراعتی پیدائش کے عاملین	۱۳۸
۱۵۲	زمین کے کیفیات استعمال کے طریقے	۱۵۲
۲۰۵	محنت زراعتی پیدائش کے ایک عامل کی حیثیت سے	۲۰۵
۲۳۸	اصل زراعتی پیدائش کے ایک عامل کی حیثیت سے	۲۳۸
۲۶۲	چوتھا باب - انتظام زراعتی پیداوار کے ایک عامل کی حیثیت سے	۲۶۲
۲۶۴	بنیادی مسائل یعنی شغل اصل کے متعلق مسائل	۲۶۴
۳۳۸	پانچواں باب - زراعتی آمدنی کی تقسیم	۳۳۸
۳۳۹	اجرت	۳۳۹
۳۵۷	سود	۳۵۷
۳۶۸	نفع	۳۶۸

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۸۹	چھٹا باب - دیہات کی اجتماعی زندگی کے متعلق چند مسائل	۶

پہلا باب

اصول عامہ اکسب معاش کے فرائع

معاشیات کا موضوع۔ انسان کی کسب معاش کے لئے جدوجہد جو معاشیات کا موضوع ہے۔ بجا طور پر ان سنجیدہ ترین اور اہم ترین مباحث میں شمار ہو سکتی ہے۔ جنگی طرف کسی طالب علم کی توجہ مبذول ہونے کا امکان ہے۔ نامناسب نہ ہو گا اگر ہم اپنے مطالعہ کا آغاز اس عام مقولہ سے کریں کہ نوع انسانی کو اپنی روزی اپنے ارد گرد کی مادی دنیا سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ یعنی زمین اور پانی اس کی قوت لایموت کے قطعی و آخری ذرائع ہیں۔ لیکن اگر ہم انسان کو بحیثیت نوع کے نہیں۔ بلکہ بحیثیت فرد واحد کے دیکھیں تو ہم پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی روزی کبھی کبھی براہ راست دوسرے افراد نوع سے بھی حاصل کرتا ہے اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ ہر حالت میں زمین اور پانی ہی کا تعلق ہو۔ تمدن سے پہلے یا بربریت کی حالت میں جب جس انصاف یا کسی ضابطہ قانونی کا خیال اس کو مانع نہ تھا۔ وہ بالعموم کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتا تھا جس میں کوشش بھی تھوڑی سے تھوڑی کرنی پڑے اور حاصل بھی زیادہ سے زیادہ ہو۔ اگر جنگ و جدل

اور قتل و غارت میں فائدہ دیکھتا تو انہی کو اختیار کر لیتا جانوروں پر فائدہ نظر آتا تو انسانوں کی بجائے جانوروں کا شکار کر لے لگتا لیکن جب بالآخر ان میں سے کوئی طریقہ کافی فائدہ بخش ثابت نہ ہوا تو اس نے جانوروں کی گلہ بانی اور بعض اوقات انسانوں کو بھی غلاموں کے طور پر پرورش کرنا شروع کیا۔ اور کبھی زمین جوتنے اور اپنی مرضی کی اجلاس چن کر بونے اور کاٹنے کا طریقہ اختیار کیا۔

جنگ و سبیلہ معاش کی حیثیت سے

یا قبیلہ یا جماعت کی ان مجموعی کوششوں پر ہوتا ہے۔ جو وہ کسی دوسری جماعت سے زمین یا دولت یا کوئی اور معاشیاتی فائدہ حاصل کرنے کے لئے عمل میں لائے جس صورت میں کسی قوم یا قبیلہ یا جماعت کے افراد یہ طریقہ اپنے آپس میں کیساتھ برتنیں۔ ان کا نام قتل۔ رہنرانی اور چوری رکھا جاتا ہے۔ مردم خوری اور بردہ رفتی کے طریقہ اکثر و بیشتر غیر جماعت کے لوگوں ہی کے ساتھ روا رکھے گئے ہیں یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ مل جل کر رہنے کی کوئی رعایت ملحوظ نہ تھی یہ امر بالکل عیاں ہے کہ اس قسم کے وسائل معاش نفع رساں ہونے کی بجائے باعث تخریب ہیں۔ مثلاً جنگ اور قتل و غارت سے دنیا کی کوئی مجموعی معاشی بہتری متصور نہیں۔ گویہ ممکن ہے کہ فریقین میں سے جو کامیاب ہے وہ کچھ مالی فائدہ اٹھائے اور وہ بھی اس شرط پر کہ مالی غنیمت اتنا ہو کہ جنگ کے اخراجات نکال کر بیچ رہے۔

ایک ہی قوم۔ قبیلہ یا جماعت کے افراد کے درمیان بعض اوقات ایسے دستور ہوتے ہیں۔ کہ ایک شخص یا گروہ دوسروں کو نقصان پہنچا کر خود کو دولت مند بناتا ہے۔ ایسے دستور ہمیشہ ایک کمزور اور ناقابل بارشوت ستان حکومت کے نزدیک مستحسن ہوتے ہیں۔ اور جیسے جیسے حکومتیں دیاندار اور قابل ہوتی جاتی ہیں۔ ان رواجوں میں کمی آتی جاتی ہے۔ بعض رواج ایسے بھی ہیں۔ جن کے مطابق

لوگ دوسرے لوگوں کی یا اپنی جماعت کی خدمت کر کے روزی کماتے ہیں۔ ان میں صنعت اور بیوپار کے مروجہ طریقے اور پیشہ وری اور ملازمت کی مختلف صورتیں شامل ہیں۔ کسی قوم میں ایسے اشخاص جو اپنی روزی دوسروں کو نقصان پہنچا کر حاصل کرتے ہیں جتنے کم ہونگے اور ایسے اشخاص جن کا وسیلہ معاش پیداوار اور مفید اخلاق کام ہیں جتنے زیادہ ہونگے اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہے اور اتنی ہی زیادہ قوم خوشحال ہوگی۔

معاشیاتی اور غیر معاشیاتی ذرائع چنانچہ کسب معاش کے مختلف ذرائع ہیں جو پہلی اور بنیادی تفریق کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ کون سے ذرائع غیر معاشیاتی اور غیر پیداوار ہیں اور کونسے معاشیاتی اور پیداوار ہیں۔ غیر معاشیاتی ذرائع بعض اوقات تباہ کن ہوتے ہیں۔ اور ان میں وہ تمام مشاغل شامل ہیں جن میں کامیابی کا انحصار تباہ کرنے پر مبنی ہوتا ہے اور وہ ہو کا دینے کی طاقت پر ہوتا ہے۔ جنگ۔ قتل و غارت رہنری اور جلساڑی کے تمام طریقے اس صنف میں شمار ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کو غیر معاشیاتی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے مطابق جب ایک شخص کوئی چیز حاصل کرتا ہے تو کوئی دوسرا شخص اس سے مستفید نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی شخص کو مفرت پہنچتا یقینی ہوتا ہے بعض دوسرے ذرائع گو ایجابی طور پر ہلک نہیں ہیں تاہم غیر پیداوار اور بے غم ضروری ہیں۔ ان معمول میں کہ جو روزی ان کے مطابق جماعت سے حاصل کیجاتی ہے اس کے بدلے میں جماعت کو کوئی واقعی نقصان نہیں پہنچتا۔ شادی کے ذریعے مالدار ہو جاتا۔ یا ورثہ میں دولت پانا یا الاراضی کی قیثیں چڑھ جانے سے نفع کثیر اٹھانا یہ سب اسی ذیل میں شمار ہوتے ہیں۔ معاشیاتی اور پیداوار ذرائع وہ ہیں جن میں کامیابی کا دارومدار پیدا کرنے یا خدمت کرنے کی قابلیت پر ہو۔ تمام پیداوار صنعتیں۔ تمام مفید تجارتی کاروبار اور پیشے اس صنف میں شامل ہیں۔ ان کو معاشیاتی ذرائع اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی بدولت جب کوئی فرد کوئی چیز حاصل کرتا ہے تو کسی دوسرے کو اس سے نقصان نہیں پہنچتا بلکہ کسی نہ کسی کو فائدہ یقینی ہوتا ہے۔ جو لوگ ان ذرائع

کسبِ معاش کرتے ہیں وہ دوسروں کو متغلس نہیں بناتے بلکہ ان کی دولت میں اضافہ کا باعث ہوتے ہیں۔ ان پیدا آور ذرائع سے کوئی شخص جتنا دولت مند ہونا جائے۔ اتنی ہی دنیا دولت مند ہوتی جاتی ہے اور جس نسبت سے کوئی جماعت یا ساری دنیا یہ طریقہ اختیار کرے گی اُسی نسبت سے وہ جماعت یا ساری دنیا صرفہ الحال ہوگی۔ غیر معاشیاتی ذرائع پر اس قول کا عکس صادق آتا ہے۔

قانون اور حکومت کا مقصد جس قدر تہذیب ترقی کرتی ہے۔ جس قدر جس

بد کا امتیاز پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اور جس قدر قانون کے ضوابط اور حکومت کا نظم و نسق نشو و ارتقا پاتا ہے۔ اسی قدر غیر معاشیاتی ذرائع کا سد باب کرنے اور صرف معاشیاتی ذرائع کو جائز قرار دینے کا رجحان ترقی کرتا جاتا ہے۔ کسی حکومت کو ہم اسی حد تک انصاف پرور اور قایل کہہ سکتے ہیں۔ جس حد تک وہ ان ذرائع میں باہم امتیاز کرے اور غیر معاشیاتی ذرائع کا استیصال کرے۔ تا حال کسی حکومت نے ان میں سے کسی امر میں بوجہ کمال حاصل نہیں کیا۔ تاہم چند حکومتیں مسلسل ترقی کر رہی ہیں۔ بہر کیف ہر حکومت کا فرض اولین یہ ہے کہ اس کے ممالک محروسہ میں جو غیر معاشیاتی طریقے متداول ہوں ان کا سد باب کرے۔ حکومتیں بعض اوقات دوسرے ممالک میں غیر معاشیاتی طریقوں کی ترویج روا رکھتی ہیں۔ بلکہ ان کی اشاعت میں مدد دیتی ہیں۔ یعنی دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ وہ ملک گیری کیلئے جنگ کرتی ہیں۔ یہ بھی ایک غیر معاشیاتی طریقہ ہے اور اس کے انسداد کی طرف ترقی کی رفتار بہت آہستہ ہے۔

دورِ حاضرہ کی حکومتیں بعض مرتبہ خود اپنی حدودِ ملک میں مختلف قسم کی محسوس کاریوں کو جائز قرار دیتی ہیں بہر حال یہاں اس خیال کی تفصیل ضروری نہیں۔ وہ تو ناگہاں اگر جو گزرنے والوں کے دل پر اثر کرنے کیلئے لوٹے لنگرے کا روپ بھرتا ہے۔ وہ جھلسار اور بددیانت جو دوسروں کی چہالت اور طمع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور وہ قمار باز جو دوسروں کی ناجائز کداری اور عاقبت نااندیشی کو اپنی غرض کا وسیلہ بناتا ہے۔ یہ اس فحاش کے

لوگ ہیں۔ جن کو برباد کرنے کیلئے اکثر مذہب ممالک کے قوانین کو نشان ہیں۔ لیکن وہ شخص جو جھول لاجزادہ وائیں بناتا ہے اور انہیں اکیس چھریاں کہہ کر بچتا ہے۔ گھٹیا اور ملاوٹ والی چیزیں تیار کرتا ہے اور خالص کہہ کر فروخت کرتا ہے۔ سستی پیدا کرنے والی دروغ بائیاں کرتا ہے اور ان کا نام مغیر خبریں لکھتا ہے۔ بے نیاز عقل تو ہمت کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں مذہب سے موسوم کرتا ہے۔ القصہ وہ تمام شخص جو دوسروں کو دھوکا دیکر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ بیان کرنا غیر ضروری ہے کہ اس قسم کے کام سوائے ان کے کرنے والوں کے باقی سب کیلئے بجائے نفع کے نقصان کا موجب ہو ہیں۔ یہ یکسر غیر معاشیاتی ہیں۔ اور ان پر عمل کرتے والے لوگوں کی تعداد جتنی زیادہ کسی ملک میں ہوگی اتنا ہی اس ملک کے حق میں بُرا ہے اور اتنا ہی مفلس ہونا جائز لگا۔

معاشیاتی ذرائع کی تقسیم

یعنی ابتدائی صنعتیں۔ ثانوی صنعتیں اور ذاتی یا پیشہ دارانہ خدمت۔ ابتدائی صنعتیں جنہیں بعض اوقات اخراجی صنعتیں بھی کہتے ہیں۔ وہ ہیں جو زمین اور سمندر سے مفید مطلب مصالحہ کے نکالنے پر مبنی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ شکار۔ پھیلیاں پکڑنا۔ زراعت چوپبری اور کانکٹی۔ ثانوی صنعتیں وہ ہیں جو ابتدائی صنعتوں کے ہیبیا کئے ہوئے مواد کو استعمال میں لاتی ہیں۔ اور اس کو ایسے مقامات پر پہنچاتی ہیں۔ جہاں وہ کسی کام آسکیں یا ایسی صورت میں منتقل کرتی ہیں۔ جس میں وہ زیادہ مفید ثابت ہو سکیں یا اس کو محفوظ رکھتی ہیں۔ تا آنکہ اس کی مانگ زیادہ ہو جائے اور وہ حسب ذیل ہیں۔

بار برداری۔ دستکاری۔ سوداگری۔ ذاتی اور پیشہ دارانہ خدمتوں کے فوائد اگرچہ اعلیٰ قسم کے ہیں تاہم وہ براہ راست مادی اشیا کے پیدا کرنے یا استعمال میں لائے پر مبنی نہیں ہیں۔ حجام۔ طبیب۔ معلم۔ گویا اور اس قسم کے اور بہت سے پیشہ ور اس طرح کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اساسی صنعتیں وہ صنعتیں جو مادی دنیا سے مفید مواد حاصل کرتی ہیں ہمیشہ

اساسی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ انسان کے گناہوں کا اصل اور اولین کا وسیلہ تھیں۔ تمدن سے پہلے انسان کی جو حالت تھی۔ اس سے ہم بہت کم واقفیت رکھتے ہیں تاہم یہ خیال کرنا بعید از قیاس نہیں کہ انسان شروع شروع میں اپنی روزی یوں سماتا تھا کہ یہ تو ایسے پھل پھول اور جڑی بوٹیاں جمع کرتا جو بغیر زراعت کے خود بخود زمین سے پیدا ہوتی ہوں۔ یا وحشی جانوروں کا شکار کرنا یا مچھلیاں پکڑنا۔ اس دور میں انسان کی معاشی زندگی جانوروں کی زندگی سے چنداں مختلف نہ تھی۔ ان جانوروں کی طرح اسکی کامیابی کا انحصار اس امر پر تھا۔ کہ وہ اتنی مقدار میں یہ قدرتی چیزیں فراہم کرے جو اسکی قوتِ لایموت کیلئے کافی ہوں جانوروں کا تعلق طبعی دنیا کے ساتھ اب بھی وہی ہے جو قدیم الایام میں تھا۔ اور ان کی زندگی یا موت کا دار و مدار اب بھی اسی امر پر ہے۔ کہ اُن کو قدرتی اشیاء بغیر کسی مشقت کے تیار کی تیار ملتی ہیں یا نہیں۔ برخلاف اس کے انسانوں نے ایک فاعلانہ عمل اختیار کر لیا ہے۔ اور اپنے ماحول کو اپنی ضروریات کے مطابق بنالیا ہے۔ جانوروں نے فقط چند مبتدیانہ کام انجام دیئے ہیں۔ مثلاً بل کھودنا۔ گھونسلا بنانا۔ یا ایسی جگہ پناہ بنالینا جیسی کہ اود بلاق بناتا ہے۔ اس کے سوا انہوں نے اپنے طبعی ماحول کے بہتر بنانے کیلئے کوئی کوشش نہیں کی۔ زمانہ ماقبل تمدن میں انسان کی حالت چاہے کچھ بھی کیوں نہ رہی ہو لیکن آج تو غیر تمدن سے غیر تمدن ملک کے لوگ بھی اس امر میں جانوروں سے بہت آگے نکل گئے ہیں وہ یہی نہیں کہ اپنے لئے رہنے کی جگہ بناسکیں۔ بلکہ اوزار اور ہتھیار بناتے ہیں۔ آگ جلا لیتے ہیں اور چند کس کے سوا باقی کے تمام کسی نہ کسی طرح کے کپڑے بھی تیار کر سکتے ہیں۔ اور زیادہ ترقی یافتہ اقوام نے تو اپنے حالات گرد و پیش کی اصلاح و ترمیم اس درجہ کی کامیابی حاصل کی ہے کہ گویا اپنے لئے ایک نئی اور پہلے سے بدرجہا اچھی دنیا بنالی ہے۔

تبدیل ماحول ادبیات میں یہ ایک مرغوب و محبوب حکایت ہے۔ کہ آپ دان و نکل

سلاہ مار کے مشہور مصنف جاکوین ارون کے افسانہ کا ایک ہیرو ہے امریکہ کی تحریک آزادی کے آغاز میں وہ اپنی بیوی کے ہاتھوں تنگ آکر ایک پہاڑ کی طرف نکل گیا۔ وہاں جن ہیروں نے اسے ایسی شراب ملا دی جس کے نشے نے اسے مقلوں آسلائے رکھا۔ جب وہ جاگا اور اپنے گھر کو لوٹا تو دنیا بدگلی چلی تھی برطانوی حکومت کا دور امریکہ میں گزر چکا تھا اور اسکی جگہ نظام جمہوریت قائم ہو چکا تھا۔ (دستِ رحیم)

کی طرح کوئی شخص ایک معاشرتی یا سیاسی انقلاب کے آغاز میں سوچتا ہے اور پھر ایسا
 مردوں سے شرط باندھ کر سوتا ہے کہ جب آئنگہ کھڑا ہے تو انقلاب اس وقت تک مکمل طور
 پر صحت پذیر ہو چکا ہے اور وہ کیا دیکھتا ہے کہ جگہ تو وہی پرانی جگہ ہے۔ لیکن اب اس میں
 ایک نئی دنیا آباد ہے۔ لیکن ہم یہ واضح کرنے کیلئے کہ ہماری تہذیب زندگی دورِ ماقبل میں
 کی زندگی سے کس حد تک مختلف ہے اس سے بہت سادہ طریقہ اختیار کریں گے۔ ہم یہ تصور
 کریں گے کہ ایک فلسفی مزاج وحشی فضائے بسیط میں کسی طیارے کے ذریعے اڑتا ہوا
 آتا ہے اور کسی ایسے مرکزی مقام پر اتار دیا جاتا ہے جہاں تہذیب حاضرہ اپنی مکمل
 ترین شکل میں جلوہ گر ہے۔ یوں خیال کیجئے کہ وہ کسی بڑے شہر کے ایک نہایت بارونتی
 چوکیں آتا ہے۔ جہاں گھاس کی قدرتی چادر کے بجائے پتھر کا فرش ہے۔ تہ خانوں اور
 زمین دوز راستوں۔ بدروؤں اور نالیوں کی کثرت سے زمین شہد کے چھتے کی ہم صوت
 بن رہی ہے۔ جہاں کئی کئی منزل کے مکانات آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور سطحِ فلک
 زمین سے اونچی ریل کی لائنوں۔ تار کے کھمبوں اور دوسری جاہل اشیاء کی وجہ سے آنکھوں
 سے اوجھل ہو گئی ہے۔ یا یوں تصور کیجئے کہ وہ ایک عدالت میں پہنچتا ہے۔ جہاں جان وڈ
 اور رچرڈ کے لامتناہی مقدمات میں سے ایک مقدمے کی سماعت ہو رہی ہے اور وکلاء
 کے عالمانہ بحث و مباحثہ کے ضمن میں سندراتِ قدیم اور نئی نظیروں کا دھڑلے پایاں
 کھلا ہوا ہے۔ یا یوں اپنے ذہن میں سما باندھیئے کہ وہ ایک دفترِ جواہر اجناس (STOCK EXCHANGE)
 میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں انتہائی موٹاپے سے لیکر انتہائی
 ڈبے پن تک کے تمام درجوں کے آدمی جو ایسے حقوق کے خریدنے یا بیچنے میں مصروف
 ہیں۔ جو مادی صورت میں محسوس نہیں کئے جاسکتے۔ تاکہ اپنی مالیت کے ثبوت ملکیت
 کی غیر محسوس صورتوں میں ہم پہنچائیں! اور اپنے آپ کو یہ خیال کر کر کے دھوکا دیتے
 ہیں کہ ان طریقوں سے ساری دنیا کی خوراک اور پوشاک پیدا ہوتی ہے۔ اب ہم اپنے
 دوست فلسفی مزاج وحشی کی حیرت ادا استعجاب کا اندازہ کرنے کی کوشش کریں تو
 ہمیں معلوم ہوگا کہ جسے تہذیب زندگی کہتے ہیں وہ کس قدر پیچیدہ اور مصنوعی چیز ہے؟

اور میں بھی پتہ چل جائیگا کہ اس جہذبہ زندگی کے تمام شعبوں کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ کسب معاش کے ساتھ ہے۔

انسان نے روزی کی جستجو میں روئے زمین کو کچھ کا کچھ کر دیا ہے اور اسے اپنی ضرورتوں کے حسبِ حال بنا لیا ہے۔

انسان فطرت پر کیوں غالب ہے؟ انسان نے بحیثیت نوع جو یہ اہم کام انجام دیے ہیں ان کو یہ سب اس امر کے طفیل ہے کہ اس کو فطرت کی قوتوں پر قبضہ کرنے اور انہیں استعمال میں لانے کا اگر معلوم تھا۔ اس نے سلسلہ علت و معلول کا بغور مطالعہ کیا۔ اس نے یہ دیکھا کہ خاص خاص حالات و عوارض کے ہونے کی صورت میں خاص خاص خاطر خواہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس لئے اس نے یہ اہتمام کیا کہ وہ حالات و عوارض پیدا کرے تاکہ مطلوبہ نتائج مرتب ہوں۔ اس نے بعض میکانیکی کے اصولوں سے استفادہ کیا۔ مثلاً کمان کی لچک۔ کلہاڑی کے کاٹنے کی طاقت۔ دھیت کی اٹھان کی قوت اور ان کی بدولت اسے کائنات فطرت پر کسی قدر غلبہ حاصل ہوا۔ جسے اس نے بالآخر درجہ بدرجہ ترقی کے بعد کیمیا کی حد تک پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ اب وہ یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اگر چاہے تو ضرور اپنی دنیا طیارہ کر سکتا ہے۔ کم از کم جس دنیا میں وہ رہتا ہے اس کو از میر نو تعمیر کر سکتا ہے۔ اور اپنے لئے ایک نئی اور پہلے سے بہتر پہنے کی جگہ بنا سکتا ہے۔ جہاں بیش از بیش اور اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کی خوراک پیدا ہوتی ہوتی ہو۔ جہاں جھاڑیوں اور غاروں کے بجائے مصنوعی مکانات ہوں۔ مین میں مصنوعی گرمی اور روشنی ہو۔ اور جہاں دھوپ اور سردی۔ کانٹوں اور کیرٹوں سے بچنے کیلئے کپڑے پہنے جاتے ہوں۔ علاوہ بریں اسکی دنیا ایک ایسی دنیا ہے۔ جس سے موفی جانوروں کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اور رہے ہیں خطرناک کیرٹے ککوڑے اور زہریلے جانور جتنے ہیں۔ ان کا نام و نشان بھی یقیناً بہت جلد معدوم ہو جائیگا اور جہاں نقل و حمل کے مصنوعی ذرائع ایسے ہیں کہ وہ اگر

قدرتی ذرائع کا بدل نہیں تو اُن کا تھمہ ضرور ہیں۔

معاشیات کے طالب علم کا رجحان زیادہ تر اس فلسفے کی طرف ہوتا ہے کہ انسان کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض زمین کو اپنے قبضے میں لانا اور اپنے لئے کارآمد بنانا ہے۔ اس فلسفے کے مطابق تمام کردار انسانی۔ تمام ادارات تجارتیہ بلکہ تمام اخلاقی ضابطوں کی صحت کا معیار یہ سوال ہے کہ آیا یہ چیزیں اس کام میں جانور انسانی کے پیش نظر ہے مدد دیتی ہیں یا روکاؤٹ پیدا کرتی ہیں؟ اگر وہ مدد دیتی ہیں تو وہ اچھی اور درست ہیں۔ اگر روکاؤٹ پیدا کرتی ہیں تو بُری اور نادرست ہیں لیکن یہ زمین کو اپنے قبضہ اختیار میں لانے کا کام کس معاش کے کام کا فقط ایک جزو ہے۔ کیونکہ جیسا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ کسب معاش کے معنی ہیں۔ اپنے ارد گرد کی مادی دنیا سے گزراں زندگی۔ آرام اور عیش و مسرت کے سامان بہم پہنچانا۔ بدویت کا دور [جو لوگ شروع شروع میں شکار سے روزی کھاتے تھے۔ یعنی جنگلی خوراک زیادہ تر غذائے حیوانی تھی۔ اُن کے صنعتی ارتقا کی دوسری منزل عموماً بدویت کی زندگی ہوتی تھی۔ یہ وہ دور تھا کہ جس میں انسان کی گذران زیادہ تر پالتو اور گھریلو جانوروں کی گلہ بانی اور پرورش پر تھی۔ یہ کام مختلف وجوہ کی بنا پر شکار سے زیادہ پیداوار اور باکفایت تھا۔ اول لوگ اس کے ذریعے اپنے کام کے جانوروں کو موذی جانوروں کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکتے تھے۔ دوسرے وہ وحشی جانوروں کو کم کارآمد تھے جھگ کی طرف نکال دیتے تھے۔ اور اس طرح وہ گھاس جو اُن کے پالتو جانوروں کو درکار تھی بھی رہتی تھی۔ ان ترکیبوں سے ہر علاقے میں کارآمد جانوروں کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی اور انسانوں کیلئے پہلے سے زیادہ بہتر گزاراں کا انتظام ہو گیا۔ نہ صرف یہ کہ ان کی روزی کی مقدار میں اضافہ ہوا بلکہ اس کے پیسا کرنے میں زیادہ باقاعدگی اور سہولت پیدا ہو گئی۔ زمانہ بدویت کی صنعت و حرفت جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ صرف اس امر پر مشتمل تھی کہ خاص قسم کے جانوروں کو ترجیح دی جائے اور دوسرے جانوروں کو جوان کی افزائش نسل اور نشوونما میں

ماہر ہوں نکال دیا جائے۔ بعدہ دیکھا گیا کہ بعض پودے جانوروں کے چارہ یا انسان کی خوراک کے طور پر دوسرے پودوں کی بہ نسبت زیادہ مفید ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان پودوں کی تعداد میں اضافہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ دوسرے پودے جو زمین پر قبضہ جانے کے لئے مفید پودوں کے ساتھ برسرِ میکا رہتے۔ اگلے دور کرنے کا تدارک کیا جائے۔ جب انسان نے ان مفید پودوں کو تخریب دینا۔ ان کے لئے زمین تیار کرنا اور برکار پودوں کا دور کرنا شروع کر دیا تاکہ مفید پودوں کی تعداد میں ترقی ہو تو اس وقت زراعت ظہور میں آئی۔ آج تک زراعت انہی کاموں پر مشتمل ہے۔ اور جس طرح جانوروں کا پالنا شکار سے بہتر طریقہ تھا۔ اسی طرح زراعت جانوروں کے پالنے پر ایک اصلاح تھی۔ جتنے مفید پودے پہلے اُگتے تھے۔ اُن سے کہیں زیادہ اُگنے لگے تو اس طرح گذرانِ زندگی کے سامان میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ اور یہ اضافہ آج تک لائقِ تہائی طور پر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جو قومیں اپنی روزی شکار کے ذریعے سے نہیں بلکہ خود رو پھولوں اور جڑی بوٹیوں سے حاصل کرتی تھیں۔ وہ غالباً بغیر بدویت کی منزل کو طے کے براہِ راست دورِ زراعت کو پہنچ گئیں۔

شکار اور مچھلیاں پکڑنے کا طریقہ ناقص تھا یہ امر کہ شکار اور مچھلیاں پکڑنے کا طریقہ ناقص تھا۔ وحشیانہ ذریعہ معاش نہایت ناقص اور ناکافی ہے۔ سیل کے امور پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اربابِ رائے کا خیال ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے اس حصے میں جو سس پی او سوی کے مشرق کی طرف واقع ہے۔ کسی زمانے میں بھی انڈین وحشیوں کی تعداد ۵ لاکھ سے تجاوز نہیں ہوئی۔ لیکن یہ مختصر سی تعداد بھی اپنے وسائل معاش کی بدولت جو زیادہ تر شکار اور مچھلیاں پکڑنے پر مشتمل تھے بمشکل اتنی خوراک حاصل کر سکتی تھی کہ جس سے گزارہ چل سکے۔ ہر قبیلہ کو اپنی شکار گاہ کی حفاظت کیلئے مستعد ہونا پڑتا تھا۔ کہ کہیں دوسرے قبیلے حملہ آور نہ ہو جائیں اور اسے اپنی زندگی کے آسے سے محروم نہ کر دیں۔ لیکن زمانہِ حاضرہ میں یہی رقبہ چھ کروڑ آدمیوں کے لئے سامان

معاش مہیا کرتا ہے۔ اور اس کے مزدوروں سے اس عظیم آبادی کی خوراک اور پوشاک کا جوڑ
غالب پیدا ہوتا ہے۔ یہ محال قطعی ہے کہ کوئی ملک جس کا رقبہ اتنا ہو چاہے وہ قدرتی طور
پر کتنا ہی حاصل خیز کیوں نہ ہو۔ شکار اور پھلیاں پکڑنے کے وسائل سے اتنی بڑی
آبادی کے لئے گزرانے کی زندگی کا سامان مہیا کر سکے۔

فی زمانہ مہذب ممالک میں تمام اخراجی صنائع سے زیادہ اہمیت کاشتکاری
نے حاصل کر رکھی ہے۔ بعض قلیل التعداد جماعتوں میں یہ بہت ممکن ہے کہ چوب بڑی
اور کاکنی کاشتکاری کو پس پشت ڈال دیں۔ لیکن بڑے رقبوں میں اور طویل مدت
کے لئے تمام اخراجی صنائع میں سے کوئی زراعت کا پاستنگ بھی نہیں۔ علاوہ بریں چوب
بریں (جس کو جنگل داری FORESTOR سے جو کاشتکاری کی ایک صنف ہے ممتاز
سمجھنا چاہیے) اور کاکنی یہ دونوں وسائل قدرتی کے اس ذخیرے کو جسے یہ نکالتی ہیں کدیم
ختم کر دیتی ہیں۔ یعنی ایک بار نکل کر پھر وہ اُن کے مصرف کا نہیں رہتا۔

کاشتکاری کا معاملہ ان سے جداگانہ ہے۔ اگر زمین کی حفاظت عقلندی سے
کی جائے تو اس کی قوت نمو کو برقرار رکھا جاسکتا ہے بلکہ بہتر بنایا جاسکتا ہے اسلئے
کاشت کا کام ایک غیر متعین اور غیر محدود مدت تک جاری رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے
کہ زراعت پیشہ جماعتوں کی امتیازی خصوصیت اُن کا ثبات و قیام ہے۔ برخلاف
اس کے چوب بڑوں اور کاکنیوں کی جماعتوں کی خصوصیت ان کا عدم ثبات ہے۔
زراعت کی اہمیت عظیمہ اگر ہم دنیا پر ایک عام حیثیت سے غور کریں
تو اپنی روزی کا آپ کفیل ہو۔ تو میں معلوم ہوگا کہ مقابلہ ثانوی حرفتوں کے زراعت
اب بھی بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن زراعت چند اسباب کی بنا
پر جن سے آگے چل کر بحث کی جائیگی۔ یہ فوقیت آہستہ آہستہ ضائع کر رہی ہے
اب بھی بعض ایسے خطے ہیں۔ بلکہ بعض ایسے ممالک ہیں جہاں یہ نسبت اس مقدار
کے جو مصرف ہوتی ہے مصنوعی چیزیں بہت زیادہ بنائی جاتی ہیں اور پیداوار بہت

کم ہوتی ہے۔ یہ ملک اپنی ضرورت سے زیادہ مصنوعی اشیاء دیکر دوسرے غطوں یا دوسرے ممالک کے جہاں زمین زیادہ ہے اور آبادی کم فاضل زرعی پیداوار لیتے ہیں۔ ایسے غطوں یا ممالک میں یہ ہو سکتا ہے کہ زراعت کی حیثیت کچھ مدت کیلئے ادا ہے اور دوسرے دھچکی ہو کر رہ جائے۔

زراعت کیوں ٹیڑھ ال پذیر ہے؟ کم پذیر ہیں جیسے جیسے تہذیب ترقی کرتی ہے اور لوگ اپنے استعمال کے لئے عمدہ تر مصنوعات طلب کرتے ہیں۔ فنون دستکاری، تجارت اور باربرواری، بمقابلہ اخراجی صنائع کے زیادہ اہمیت اور عظمت حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اس غرض کیلئے کہ دنیا جن مصنوعات کو طلب کرتی ہے ان کو بہم پہنچایا جاسکے یہ ضروری ہے کہ وہ مواد خام جو اخراجی صنائع فراہم کرتے ہیں۔ اس کو آمیزش سے پاک و صاف کر کے عمدہ اور خالص بنایا جائے۔

یہ گونگی طور پر نہیں تاہم بالعموم ثانوی دستکاریوں کا کام ہے اور اس طرح ان کی اہمیت بمقابلہ اخراجی صنائع کے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ تاہم عمدہ تر مصنوعات کی یہ طلب کاشتکاری کے بعض عمدہ اقسام مثلاً بازاری بھری ترکاری کی کاشت پھلوں کی کاشت۔ دودھ پیدا کرنا وغیرہ۔ ان کیلئے زبردست محک ثابت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ دودھ پیدا کرنے کیلئے بہ نسبت معمولی قسم کا دودھ پیدا کرنے کے زیادہ محنت درکار ہوتی ہے اور جب بازاریں اچھی قسم کے دودھ کی مانگ ہو اور معقول دام ملنے ہوں تو اس صورت میں ڈیری کے کام میں زیادہ آدمی مشغول ہوں گے۔ اور یہ صنعت ان حالات کے ماتحت اہمیت میں ترقی کریگی۔ گو دودھ جتنا اب پیدا ہوتا ہے اُس سے زیادہ پیدا نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ اعلیٰ اور عمدہ کے تمدن اور اعلیٰ درجے کے معیار زندگی سے فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ صرف ثانوی صنعتوں ہی کا حصہ نہیں ہوتے۔ گو انہیں ان سے سب سے زیادہ نفع پہنچتا ہے۔ بہر حال بعض دوسرے اسباب

ایسے ہیں جو نالوی صنعتوں کی ترقی میں مدد و معاون ہیں۔ اور ابتدائی صنعتوں کے حق میں مضر۔ ان کی فیل میں زراعتی کلوں کی ایجاد ہے جو شہر سے نکلر آتی ہے اور جن کے ذریعے کاشت میں محنت کی بہت بچت ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بمقابلہ شہر کی آبادی کے گاؤں کی آبادی میں کھیت ہونے لگتی ہے۔ مستقبل بعید میں حالت چاہے کچھ بھی ہوں۔ فی زمانہ اگر دنیا پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ زراعت سب صنعتوں اور حرفتوں پر فوقی رکھتی ہے۔

دوسرے افراد سے روزی حاصل کرنا اس باب کے آغاز میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اپنی روزی مادی دنیا سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اسکی انفرادی حیثیت کو لیا جائے تو پتہ چلیگا کہ اس صورت میں بھی جب وہ کسبِ روزی کے کسی معاشیاتی طریقے پر کاربند ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی روزی مادی دنیا ہی سے حاصل کرے۔ اور اسکی انفرادی کامیابی ہر حالت میں اس امر پر نہیں کہ اسے قوائے فطری پر کہاں تک اقتدار و اختیار حاصل ہے۔ بعض اوقات اسکی کامیابی اس امر پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ دوسرے انسان کے نوع پر کہاں تک غلبہ و اقتدار رکھتا ہے اور بعض اوقات اس امر پر کہ وہ ان کو کہاں تک خوش کر سکتا ہے۔ دوسرے انسانوں پر غلبہ و اقتدار رکھنا۔ ان معنوں میں کہ ان پر حکومت کرنا۔ ان کو راہ راست اختیار کرنے کی ترغیب دینا۔ ان کی صحیح صحیح طور پر رہنمائی کرنا۔ اور ان کو مزید مسماعی کی تحریک کرنا۔ یہ کام فطرت کے تسخیر کرنے اور زمین کو از میر نو تعمیر کرنے کے کارہم ہیں ایک بہت بڑی اعانت ہے اور جو شخص اس کام کے کرنے کے قابل ہیں وہ دنیا کے سب سے بڑے آدمی ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ عموماً عالمِ فطری سے بہت کم واقفیت اور قوائے فطری کے مغلوب و محکوم بنانے کی طرف بہت کم میلان رکھتے ہیں۔ تاہم وہ انسانوں کو خوب جانتے ہیں۔ وہ دل انسانی کے راز آشنا ہوتے ہیں اور ان قوتوں کو جو عبادت انسانی پر حکمران ہیں اپنے تابع فرمان کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ انسانوں کو

خوش کرنا۔ بلکہ ان کی تفریح طبع کا سامان بہم پہنچانا بھی بعض اوقات اس کا عظیم میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اُسکی بدولت کام کرنے والوں میں تازہ جوش اور نئی روح پیدا ہو جائے۔

وہ مشاغل جن میں انفرادی کامیابی کا انحصار قوائے فطری اور اشیائے مادی کے مغلوب کرنے کی تہارت پر ہے۔ اور وہ مشاغل جن میں کامیابی قوائے اجتماعیہ اور انسانوں کو مطیع فرمان کرنے کی قابلیت پر موقوف ہے ان دونوں کے درمیان حواصل قائم کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ہر شخص کی کامیابی۔ باستثنا اُس شخص کے جس نے کسی غیر آباد ویرانے کی سیاحت اور انکشاف کا بیڑا اٹھایا ہو۔ کسی نہ کسی حد تک اس امر پر منحصر ہے کہ اس میں کہاں تک اپنے آپ کو اجتماعی و طبعی حالات و عوارض کے مطابق بنانے کی صلاحیت ہے۔ بعض وہ کہاں تک دوسرے افراد انسانی سے اور اشیائے مادی سے عہدہ برا سکتا ہے۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں۔ سوائے سیاسی رہنماؤں کے جس کی کامیابی کا دار و مدار کسی نہ کسی حد تک قوائے فطری اور خواص اشیاء کے علم اور اس علم کے عمل میں لانے کی استعداد پر نہ ہو۔ تاہم بعض مشاغل ایسے ہیں۔ جن میں کامیابی کا انحصار اولاً اس بات پر ہوتا ہے کہ اشیائے مادی پر قدرت حاصل ہو اور بعد اسی بات پر کہ قدرے قلیل انسانوں پر بھی قدرت حاصل ہو۔ اور اس کے بالعکس بعض مشاغل ایسے ہیں جن میں کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ پہلے انسانوں پر اور بعد اشیائے مادی پر قدرت حاصل ہو۔ ملاح۔ مکیٹنگ۔ انجینیر اور تجرباتی سائنس کا عالم یہ سب قسم اول میں شامل ہیں۔ دوسری قسم میں علاوہ سیاست دان کے جو اس کی سب پر فائق نظیر ہے۔ قانون پیشہ۔ ایکٹر۔ واعظ۔ مدرس اور دلال شمار ہو سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں تمام وہ لوگ جن کا کام زیادہ تر باتیں بنانے پر مبنی ہے اور جن کی کامیابی اکثر بیشتر فطرت انسانی کے نبض شناس ہونے پر موقوف ہوتی ہے اس موضوع پر طامس کار لائل کے الفاظ نہ صرف نصیحت آمیز ہیں۔ بلکہ طبع سلیم کیلئے ہمیز ہیں:-

میں صرف وہ شخصوں کی عزت کرتا ہوں اور کسی غیر سے کی عزت نہیں کرتا۔
 اول تو وہ مشقت زدہ دستکار جو انسانوں کے بنائے ہوئے اوزاروں سے انتہائی
 محنت کے ساتھ روئے زمین کو فتح کرتا ہے اور اسے انسان کی ملکیت بناتا ہے قائل
 تعلیم میں میرے نزدیک وہ کھردرے میڑھے اور بھونڈے ہاتھ جن میں ایک
 ایسا جوہر پنہاں ہے جو کسی وصف شانہ سے کم نہیں۔ یہ ہاتھ کرہ ارض کا عصلے
 فرمانروائی ہیں اور قابلِ تعلیم ہے میرے لئے وہ کھردرا چہرہ جس کی رنگت موسم لے
 سیاہ کر دی ہے جو گرد و غبار میں اٹا ہوا ہے۔ اور میں نے گنوار پن لیکن اس کے
 ساتھ ہی ذہانت چمک رہی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ چہرہ اس شخص کا چہرہ جو حقیقی معنوں میں
 انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ میرے مظلوم بھائی تو جتنا زیادہ بے سلیقہ
 اور اچڑ ہے۔ اتنا ہی تو قابلِ عزت ہے۔ جتنا ہم بچہ پر رحم کھاتے ہیں۔ اتنی ہی ہم
 تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ آہ۔ تیری کمر ٹھکی تو ہماری خاطر۔ تیرے ہاتھ پاؤں اور تیری
 انگلیاں اگر ٹیڑھی ہوئیں تو ہماری خدمت کرتے کرتے۔ تو وہ غازی تھا جس کے نام
 پر بنی نوع کا قرعہ فال پڑا۔ اور ہمارے لئے جنگ کرنے میں تیری یہ ہیئت کدائی ہو گئی۔
 ایک دوسرا شخص بھی ہے۔ جسکی میں عزت کرتا ہوں اور پہلے شخص سے کہیں
 زیادہ۔ یہ وہ شخص ہے جو ضروریات روحانی کیلئے جدوجہد کر رہا ہے۔ قوتِ لایموت
 کیلئے نہیں بلکہ غذائے معنوی کیلئے۔ وہ شخص جو سکین یا طن کیلئے کوشش کر رہا
 ہے اور اپنے افعال و اقوال میں اپنی تمام کوششوں میں چاہے وہ اعلیٰ قسم
 کی ہوں یا ادنیٰ قسم کی۔ اس جمعیت کا اظہار کر رہا ہے۔ کیا وہ اپنا فرض انجام نہیں
 دے رہا؟ وہ اپنا فرض اس وقت باحسن و جوہ انجام دیتا ہے جب اس کی ظاہری
 و باطنی مساعی متحدہ موافق ہوں۔ جب ہم اس کا نام صنّاع رکھ سکیں۔ فقط
 ارضی و سفلی دستکار نہیں۔ بلکہ الہامی قوتیں مدد کھنے والا صاحبِ فکر۔ جو آسمانی
 آلات کے ساتھ آسمان کی مملکت کو ہماری خاطر فتح کرتا ہے۔ اگر غریب اور عاجز
 محنت و مشقت کرتے ہیں۔ کہ ہمارے لئے خوراک پیدا کر سکیں۔ تو کیا اونچے رتبے

اور شان و شوکت والوں کو یہ زیبا نہیں کہ اسکی خاطر محنت و مشقت کریں تاکہ اُسے
 نور بصیرت - ہدایت - آزادی اور حیات جاوید حاصل ہو۔
 یہ ہیں وہ جو شخص بن کی تعظیم میں کرتا ہوں۔ باقی سب بیچ و پلٹ اور خس و
 خاشاک ہیں۔ جنہیں ہوا جد ہر چاہے اڑائے لئے پھرے *
 (سارٹر ریپارٹس)

۲۔ کاشتکاری فی بیعہ معاش کی حیثیت سے

زراعتی کامیابی کے لوازم کسی ہند ملک کے بڑے بڑے کاموں میں کوئی کام ایسا نہیں جس میں کامیابی کا انحصار اپنے ہی نوع سے واقفیت رکھنے پر اس قدر کم اور اپنے طبعی ماحول سے واقفیت رکھنے اور اپنے آپ کو اس کے مطابق بنانے کی صلاحیت پر اس قدر زیادہ ہو جتنا کہ کاشتکاری میں ہے۔ کوئی اور شغل ایسا نہیں جس میں فطرت سے اس قدر زیادہ اور انسانوں سے اس قدر کم واسطہ پڑتا ہو۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام دوسری جماعتوں کے افراد کے مقابلے میں وہقان آداب شائستگی اور فضایل مجلس بہت کم حاصل کرتا ہے وہ اپنے بچنوں سے راہ و رسم رکھنے میں اتنا سمجھدار اور ہشیار نہیں ہوتا اور آداب مجلس کی پیچیدگیوں سے اس قدر واقف نہیں ہوتا جتنے دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ جو شخص دوسرے انسانے جنس سے روزی حاصل کرتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ تفریح قلوب کے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہوں۔ یہ ان کے کاروبار کا ایک جزو لازمی ہے۔ برخلاف اس کے جو شخص اپنی روزی زمین سے حاصل کرتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی توہمہ کام کو زمین اور اس کے متعلقات کو بنائیں اور جو تجارت وہ واقفیت وہ حاصل کریں ان کے بجائے اجتماعی راہ و رسم کے ان چیزوں سے زیادہ تعلق ہونا چاہیے یہی وجہ ہے کہ شہری لوگوں کو اکثر دیہاتیوں پر گنوار اور آجہ کی پھٹی کہنے کا موقعہ ملتا آ جاتا ہے۔

بہر حال زمانہ محل کے تجارتی کاشتکاری میں یہ خصوصیت بہ نسبت پہلے زمانے کے آزاد کاشتکار کے جو تجارت سے مستثنیٰ ہوتا تھا کم نمایاں ہوتی جا رہی ہے اگلے وقتوں کا کاشتکار جو صرف کاشت پر گزرا کرتا تھا اپنے کھیتوں میں ہر وہ چیز جو اس کے اور اس کے گھر کے آدمیوں کے مصرفی تھی پیدا کرتا تھا۔ چونکہ اُسے خرید و فروخت کی ضرورت مطلق نہ

تھی۔ اور سفر کا اتفاق بہت کم ہوتا تھا اسلئے اُسے دوسرے لوگوں سے ملنے کا چننا موقع نہ ملتا تھا اور اس بنا پر اُسے شائستگی کا نہ کوئی اقتصادی فائدہ تھا نہ اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت۔ بہر حال دورِ موجودہ میں زراعت کا رجحان روز بروز خاصیت کی طرف زیادہ ہوتا جا رہا ہے یعنی ایک ایسے نظام کی طرف جس کے مطابق ہر مزرعہ صرف وہ پودے پیدا کرے جس کیلئے وہ سب سے زیادہ موزون و مناسب ہو۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کے مطابق ہر کاشتکار خاص خاص اجناس بہ نسبت اُس مقدار کے جو وہ خود صرف کرے زیادہ پیدا کرتا ہے اس لئے اُسے اپنی ساری پیداوار یا اس کا بڑا حصہ فروخت کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ اس کی قیمت سے وہ دوسرے سامان ضروری خرید سکے۔ اس امر کے لئے بہت خرید و فروخت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس طرح کاشتکار روز بروز انسانوں اور اشیائے مادی سے روز بروز زیادہ واسطہ پڑنے لگا ہے زمانہء حاضر میں یہ امر کاشتکار کو جماعت انسانی کی نقل و حرکت۔ اس کے رسوم و آئین اس کے بازاروں کے آثار و چٹھاؤ اس کی تجارتی اور سیاسی تحریکوں اور اس کے علمی انکشافات سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ ان حالات کی بنا پر شہری اور دیہاتی کی قدیم تفریق جو دیہاتی کے آداب شائستگی سے عاری ہونے پر مبنی تھی۔ آہستہ آہستہ مٹ رہی ہے۔ اور غالباً بہت جلد نیست و نابود ہو جائیگی

کاشتکار کی اعتبار سے خود مختار ہے اور کس اعتبار سے نہیں؟

سلسلہ بحث میں یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ کاشتکار کہاں تک آزاد اور خود مختار ہے گذشتہ آیام میں جب زراعت ایک ایسا کام تھا جو قائم بالذات تھا۔ اور کسی دوسرے کام کا محتاج نہ تھا۔ کاشتکار تمام دوسری جماعتوں کے مقابلے میں تجارتی۔ اجتماعی اور سیاسی حالات کے یعنی اُن حالات کے جو انسانوں کی دنیا میں موجود ہوں۔ بہت کم پابند ہوتے تھے۔ صنعت و حرفت میں اگر کوئی بد نظمی ہوتی۔ مالی حالات میں اگر کوئی فطر کی صورت پیدا ہوتی۔ تجارت میں اگر کساد بازاری ہوتی تو ان کو خبر بھی نہ ہوتی تھی

اس قبیل کے تمام واقعات ان لوگوں کے لئے جن کی روزی کاسرچشمہ زمین تھی کچھ مٹی نہ رکھتے تھے۔ اس نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو کاشتکار فی الواقع آزادانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن دوسری طرف وہ واقعات جو مادی دنیا میں ظہور پذیر ہونے اسکے لئے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ اور یہ تمام دوسری جماعتوں سے زیادہ ان کا تابع و محتاج تھا۔ طبعانی۔ خشک سالی۔ طوفان۔ بے وقت کی کھڑ۔ موسم کے غیر معمولی تغیرات۔ اور اس قسم کے بیشتر حالات اس کیلئے خطرے کی صورت پیدا کئے رکھتے تھے۔ اور اُسے ہمیشہ اپنی محنت کے اکارت جانے اور اپنے حاصل کی تباہی کا دھمکا لگا رہتا تھا۔ موسم کے بدلتے ہوئے تیور ہر وقت ان کی نگاہوں میں رہتے تھے۔ اس لئے موسم کے متعلق پیشین گوئی کرنے میں اس سے زیادہ ماہر شاید تلاح ہوں تو ہوں ورنہ اور کوئی نہ تھا۔ یہ موضوع اور فصل کی حالت۔ بس یہ دو دیہاتیوں کی گفتگو کے پرشے بحث ہوتے تھے۔ اس سے دیہاتیوں کی کسیرشان مقصود نہیں اور انہیں اس کا پیرا نہ مانتا چاہیے۔ یہ وہ موضوع ہیں جو شہری لوگوں کی گفتگو کے عام مباحث سے کہیں زیادہ اہم اور دلچسپ ہیں۔ خراب موسم سے پودوں کی حفاظت کرنا تو ایک کام تھا۔ اس کے علاوہ کاشتکار کو خود دیکھا اس پات سکرم اور کیڑوں سکڑوں۔ فصلیں ناس کر دینے والے جانوروں اور پرندوں۔ بھینچھونڈی اور اس قسم کی بیشتر نباتی بیماریوں کے خلاف متواتر جنگ کرنی پڑتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ کاشتکار کو اگر آزادی حاصل تھی تو وہ مکمل اور مطلق آزادی نہ تھی۔ وہ اگر آزاد تھا تو ان چیزوں سے جو شہر کے کاروباری آدمی کے لئے ہر وقت وبال جان بنی رہتی تھیں۔ مثلاً فیشن کی تبدیلیاں۔ ساکھیا اعتبار کا جاتا رہنا۔ نئے نئے مد مقابل۔ مالی خطرات اور اس قسم کے بیشتر تغیرات جن سے اس کا دیوالہ نکلنے کا احتمال ہوتا تھا۔ یہ تمام تغیرات انسانی دنیا کے تغیرات تھے۔ اور ان میں سے بیشتر نفسانی نوعیت رکھتے تھے۔ شہر کا کاروباری آدمی جب اپنے تفکرات اور بکھیر دل کا خیال کرتا تھا تو عموماً کاشتکاروں کی آزادی اور فارغ البالی پر رشک کرتا تھا۔

دوسری طرف دیکھئے تو کاروباری آدمی کو موسم کے معمولی تغیرات اور اس قسم کی اور چیزوں سے جو کاشتکار کیلئے کاوش کا باعث ہوتی تھیں کچھ واسطہ نہ ہوتا تھا کوئی زبردست طغیانی یا شدید طوفان جس سے مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو آئے تو اس کو بھر جوتی تھی ورنہ کوئی تغیر موسم اس کے کام کی باقاعدگی میں خلل انداز نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ کاشتکار اپنی جگہ اپنے تفکرات اور مصائب کا خیال کر کے کاروباری آدمی کی فارغ البالی پر رشک کرتا تھا۔

بہر کیف جب کاشتکار خالی کاشتکار نہ رہے۔ بلکہ ایک تجارتی کاشتکار بن جائے۔ یعنی جب وہ براہ راست اپنی کھیتی کی پیداوار پر گزارہ کرنے کی بجائے کاشت کے منافع پر بسر کرے۔ تو اس حالت میں اس کی آزادی ایسی ناقص اور نامکمل نہیں رہتی۔ یہ سچ ہے کہ وہ پھر بھی موسم کے تغیرات کو نگاہ میں رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ مرطوب اور خشک موسم بدستور سابق اس کی فصلوں پر اثر کرتا ہے۔ فصلی بیماریاں پھیلنے لگی اور بایں اب بھی اُن پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ سیلاب اب بھی اُنہیں تباہ کر دیتے ہیں۔ تاہم وہ اب یہ فن حاصل کر رہا ہے کہ اُن کی ضرر رسانی کی قوت کو کسی طرح کم کرے۔ وہ یہ سیکھ رہا ہے کہ زمین سے بیکار پانی کا نکاس کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ کس طرح زراعتی طریقوں کو موسم کی خصوصیات کے مطابق بنایا جاسکتا ہے اور وبائی بیماریوں سے بچنے کیلئے کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟

لیکن اب بھی تمام دوسری جماعتوں کے افراد کے مقابلہ میں اس کا واسطہ تو اتنے فطری کے تغیر پذیر اور غیر یقینی مظاہر سے زیادہ قریبی ہے اور ہمیشہ رہیگا دوسری طرف اس امر کے باعث کہ کاشتکار اب مزدور کی پیداوار کے بجائے اس کے منافع پر گزارہ کر رہا ہے اُس کا انحصار بازار اور بازار کے حالات و کیفیات پر روز بروز دیر دھرا ہے۔ اسلئے کوئی چیز جو اُس کے گاہکوں اور ان کی خرید کرنے کی قابلیت پر اثر کرے۔ یقیناً اس پر بھی اثر کریگی۔

اسی کے ساتھ ساتھ سوداگر اور حرفت پیشہ لوگ محسوس کرنے لگے ہیں۔

جیسا کہ ریلوے والوں نے اور مالیاتی کاروبار والوں نے مدت سے محسوس کر رکھا ہے کہ ان کی کامیابی کا واحد مدار لازمی طور پر ان موسمی حالات پر ہے جو پودوں پر اثر کرتے ہیں۔ ہمارا صنعتی نظام ایسا پیچ و پیچ ہے کہ کوئی بڑے کاروبار پر اگر کوئی چیز اثر انداز ہو تو ناممکن ہے کہ بہت سے دوسرے کاروبار بھی کسی نہ کسی حد تک اثر پذیر نہ ہوں۔ چند سال ہوئے کسی مصنف نے ایک مشہور اخبار میں سطور ذیل تحریر کی تھیں:-

”ملکی اور دساردی فصلوں کی مقدار سے متعلق تخمینہ جات کا انتظار اس موسم میں جس بنیادی ساتھ کیا جا رہا ہے۔ وہ بالکل قدرتی امر ہے فصلوں کی مقدار پیمائش معاشیاتی اور صنعتی ترقی کا ایک ایسا عامل لازمی ہے جو کلینہ انسان کے قبضہ اختیار سے باہر ہے۔ انسانی دانشمندی زیر و اوجی کے متعلق عمدہ قانون نافذ کر سکتی ہے۔ وہ سونے کی مقدار میں بھی اضافہ کر سکتی ہے وہ سیاسی پیچیدگیوں سے پہلو بچا سکتی ہے۔ وہ ملکی تجارت کو فروغ دے سکتی ہے۔ وہ غیر ملکیوں میں از سر نو تجارت کو وجود میں لا سکتی ہے۔ لیکن وہ کاتی مقدار میں فصلیں پیدا نہیں کر سکتی یا پودوں کو خرابی سے نہیں بچا سکتی۔ جس پر بعض امور میں مذکورہ بالا پانچوں امور کا انحصار ہے۔ باوجود اس ترقی کے جو گذشتہ تین کروڑوں میں دوسرے عوامل نے جن پر خوشحالی یا بد حالی کا دار و مدار ہے کی ہے۔ یہ بات آج بھی ایسی ہی درست ہے جیسی آج سے ایک صدی پہلے تھی۔ کہ من حیث الاوسط قوم کی صنعتی بہبودی بڑی حد تک بھرپور فصلوں کے پیدا کرنے اور ان کے معقول قیمتوں پر فروخت کرنے پر منحصر ہے۔“

اس تذکرے سے کہ کاشتکار موسم اور دوسرے
زراعت کا موسم سے تعلق [تغیرات آب و ہوا کا محتاج ہے۔ زراعت کی
 ایک اور خصوصیت بحیثیت وسیلہ معاش کے ذہن میں بنیاد ہوئی ہے وہ یہ کہ
 موسم کے ساتھ زراعت کی نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے نہ صرف موسم کے تغیرات

یعنی بہار کے بعد گرمی۔ گرمی کے بعد خزاں۔ خزاں کے بعد سردی کا آنا ہی اس قول کا موبد ہے۔ بلکہ ایک دن کے دوران میں بھی ساعت بساعت کام کی نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ مطلقہ معتدلہ میں یہ ناممکن ہے کہ سارا سارا دن۔ سارا سارا ہفتہ ایک ہی قسم کا کام سسل کیا جاسکے۔ جیسا کہ ہر میکانی صنعت میں کیا جاتا ہے ایک مزدور میں ایسے کام ہوتے ہیں جو ان کے خاص خاص اوقات میں کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ہر روز۔ ہر ہفتے۔ ہر مہینے کام تبدیل ہونا رہتا ہے۔ یہ عمومی تبدیلیاں ہیں۔ جن کے متعلق قبل از وقت اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ معمولی سے معمولی سے مزدور میں بھی لا تعداد ایسے کام ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے نوعیت میں بہت مختلف ہوتے ہیں۔ اور باہل مختلف قسم کی قوت یا تہارت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ اس خصوصیت کی بنا پر کاشتکار کا کام تمام جماعتوں کے کام کی یہ نسبت زیادہ متنوع اور مشغول ہے۔

علاوہ ان معمولی تغیرات موسمی کے جن سے کاشتکار کے کام میں باقاعدہ تبدیلیاں لازم آتی ہیں۔ بعض اور غیر متوقع اور غیر معمولی تغیرات ہیں جو اس کے کام کے تسلسل میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً موسم کے یک بیک تبدیل ہو جانے سے ممکن ہے کہ کاشتکار کے سارے دن کے کام کا نقشہ جو اس نے ذہن میں سوچ رکھا ہو بگڑ جائے اور وہ ایسا کام کرنے پر مجبور ہو جائے جو اس کے سان گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرے پیشوں سے کہیں زیادہ کسان کا کام چاہتا ہے کہ آدمی ہر فن مولا اور حاضر دماغ ہو۔ اس کو ہر وقت یہ فیصلہ کرنے کیلئے مستعد رہنا چاہیئے کہ اگر ان نامساعد حالات میں سے کوئی نخل ہو تو اس سے کیا لانا ہوگا۔ کارخانہ میں کام کرنے والے کو اس قسم کی خلل اندازی سے بہت کم دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ ایک خاص قسم کا کام سیکھ لیتا ہے اور ہینوں بلکہ برسوں تک بغیر کسی نمایاں تبدیلی کے وہی کئے جاتا ہے۔ اس کیلئے نہ ہر فن مولا ہونی کی ضرورت ہے نہ حاضر دماغ ہونی کی۔ اسے فقط چابکدست ہونے اور تحمل مزاج ہونے کی ضرورت ہے۔

زراعت کا تعلق خانہ داری سے { مزید بریں کسان کے کام کا تعلق براہ راست اس کے گھر بار اور خاندان سے ہوتا ہے

اس امر کا کام دوسری بڑی صنعتوں مثلاً کانکنی۔ دستکاری وغیرہ سے بڑی جنگ متفاوت ہے۔ ابھی تک چند ایسی چھوٹی چھوٹی دکانیں موجود ہیں جہاں کاروبار اور فائدہ داری کے معاملات یکجا انجام دیئے جاتے ہیں۔ اور گھر بار کے کام کاج اور کسب معاش کے کام میں کوئی نمایاں ماہر الامتیار قائم نہیں کیا جاتا۔ لیکن دکانیں ایک پرانے نظام کے باقیات ہیں صنعت و حرفت کے تمام شعبے مجموعی طور پر اب پہلے سے بہت مختلف ہو گئے ہیں۔ تاہم زراعتی جماعت میں یہ بات بالکل عام ہے۔ غاصکر ہمارے ملک میں کہ کسان خود تو اپنے کاروبار کی جگہ یعنی مزرعہ ہی میں رہتا ہے۔ اور اس کے خاندان کے مختلف اراکین مزرعہ کے کام یا گھر کے آدمیوں کی روزی بہم پہنچانے کے کام میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔ اسلئے دیہاتیوں کے یہاں کاروبار اور گھر کے کام کاج میں یا کاروبار کے اغراض و مقاصد اور گھر کے اغراض و مقاصد میں کوئی ایسا متن فرق نہیں۔ جیسا کہ شہریوں کے یہاں ہوتا ہے۔ لیکن جب کاشتکار تجارت کرنے لگتا ہے تو وہ عموماً ان مزدور طبقوں کا نتیجہ کرتا ہے جن پر شہر کے تاجر کا رہند ہوتے ہیں۔ اور اس طرح خانگی زندگی کے مضامین کو ترک کر دیتا ہے۔ اس کے جواز کی دلیل وہ یوں پیش کرتا ہے ”بھائی کیا کیا جائے۔ کاروبار ہے۔ اسکی طرف پوری پوری توجہ ہوتی چاہیے“ گو یاد دہلا یہ تسلیم کرتا ہے کہ کاروبار کے معیار روزمرہ کی زندگی کے معیاروں سے مختلف ہیں۔

۳ اوپر اس بات کا تذکرہ کیا جا
کاشتکار عموماً خود اپنے آقا ہوتے ہیں چکا ہے کہ کاشتکار کن معنوں میں آزاد اور خود مختار ہیں۔ ایک اور اعتبار سے بھی کاشتکاروں کی جماعت حقیقی معنوں میں دوسری جماعتوں کی بہ نسبت زیادہ آزاد ہے وہ اس اعتبار سے کہ تمام اعلیٰ درجہ کے متمدن ممالک میں انکی بہت بڑی تعداد آپ ہی آقا ہے اور آپ ہی مزدور۔ غالباً زراعت اور دوسری بڑی صنعتوں میں سب سے اہم امتیاز یہ ہے کہ زراعت چھوٹے پیمانے کی صنعت ہے۔ دوسرا خلیکہ دوسری بڑی بڑی صنعتیں جیسے کانکنی۔ باری داری۔ نیز تجارتی کاروبار اور بنکوں کے کام فی زمانہ بڑے پیمانہ پر

ہو رہے ہیں اور تو سب سے کار حجان اُن میں نمایاں ہے یہ بجائے کہ اس کے ساتھ ساتھ ایک متضاد رجحان بھی ہے جسے ان دوسری صنعتوں میں عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بڑے پیمانے کے کاروبار بمقابلہ چھوٹے پیمانے کے کاروبار کے کم از کم جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے۔ فائدے میں ہیں۔ لیکن زراعت میں اس قسم کا کوئی رجحان تا حال نمایاں نہیں ہوا اور نہ اس کا امکان ہے۔ آتا اس صورت میں کہ کوئی ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن کے متعلق کوئی اندازہ قبل از وقت نہیں لگایا جاسکتا اور جن کی بدولت بڑے پیمانے کے کاروبار کو چھوٹے پیمانے کے کاروبار پر فوق حاصل ہو جائے۔ مثلاً ۱۹۱۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے مزرعوں کی تعداد میں روز بروز کمی ہو رہی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مزرعے درمیان درجہ کے مزرعوں کے مقابلے میں کم پیداوار ہیں۔ زراعت کی یہ امتیازی خصوصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ زراعت پیشہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد اپنی آقا آپ ہے اور اپنے کاروبار کی آپ مختار ہے کسی ایسی صنعت پر جس کی پیداوار بڑے پیمانے پر ہو یا جہاں بڑے پیمانے کی کارگاہوں کا دور دورہ ہو۔ اس قول کا عکس صلوٰۃ آتا ہے۔ اُن کے کام کرنے والوں میں سے بہت قلیل تعداد اپنی آقا آپ ہوتی ہے یا اپنے کاروبار کی آپ مختار ہوتی ہے۔

مثلاً ۱۸۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق جہاں چودہ دیہاتی باشندے تھے جن سے عبارت وہ لوگ ہیں جو ۸۰۰۰ سے کم آبادی کے شہروں میں رہتے ہوں۔ وہاں ایک مزرعہ تھا۔ لیکن ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق جہاں نو دیہاتی باشندے تھے وہاں ایک مزرعہ تھا۔ اس فرق کی توجیہ کسی حد تک یوں کی جاسکتی ہے کہ پہلے وقت میں خاندان نسبتاً بڑے ہوئے تھے۔ تاہم یہ اعداد و شمار کم از کم اتنا ظاہر کرتے ہیں کہ زراعت میں ایسا کوئی رجحان مرکز پسندی اور اجتماع کی طرف نہیں جیسا کہ دستکاری تجارت اور بار بڑائی میں ہے یعنی چھوٹے پیمانے کے بہت سے مزرعوں کو ایک بڑے مزرعے کی صورت میں مجتمع کرنے کا رجحان زراعت میں نہیں۔ بہ امر کہ یہ مزرعے عموماً کافی بڑے پیمانے پر ہوا کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ ۱۹۱۱ء میں ہر ۱۳۴ دیہاتی باشندوں کے

پہچے ایک مزرعہ فقاح کا رقبہ پچاس یا پچاس سے زیادہ ایکڑ ہوتا تھا اور جب ہم اس بات پر غور کریں کہ ۸۰۰۰ سے کم آبادی کے قصبوں اور گاؤں میں لاتعداد باشندے ایسے ہیں جو زراعت پیشہ نہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ بات کس حد تک درست ہے کہ زراعت اب بھی چھوٹے پیمانے کی صنعت ہے۔ مزدیراں جیسا کہ متذکرہ اعداد و شمار سے ظاہر ہے مزرعوں کا رقبہ کوئی بڑھ نہیں رہا بلکہ آہستہ آہستہ چھوٹا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ محض عارضی یا اتفاقی ہو۔ ان اعداد و شمار کی بنا پر بلا خوف تردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوئی اور بڑی صنعت ایسی نہیں جس میں کسی شخص کو آپ اپنا آقا یا اپنے کاروبار کا آپ مالک و مختار بننے کا اتنا اچھا موقع ہو جتنا کہ زراعت میں ہوتا ہے اور یہ تو یقینی امر ہے کہ کوئی بڑی صنعت ایسی نہیں جس میں آدمیوں کی اتنی کثیر تعداد خود اپنی مالک ہو۔ اور اتنی نفوذی تعداد ملازموں کی حیثیت رکھتی ہو۔ عالی مناش۔ آزاد طبع اور اولوالعزم آدمیوں کیلئے زراعت کی یہ خصوصیت ہمیشہ جاذب توجہ رہیگی۔ لیکن دو جماعتیں ایسی ہیں جن کیلئے زراعت کے کام میں کوئی بات جاذب توجہ نہیں جن لوگوں کو تخمینی خطرات میں پڑنا پسند ہو اور جو اپنی ہر چیز کسی بڑے فائدے کیلئے معرض خطر میں ڈالنے پر آمادہ ہوں ان کو زراعت چندال و پسند نہ معلوم ہوگی صنعت میں اولوالعزمی کیلئے کوئی وسیع میدان نہیں اور اس میں بہت بڑی دولت بھی پیدا نہیں کیجا سکتی۔ دوسرے وہ شخص جن میں پروا کا مادہ بالکل نہیں۔ اور جو اپنے دماغ کو سرچنے کی تکلیف نہیں دینا چاہتے کہ آئندہ کیا کرنا چاہیئے وہ ہمیشہ ان صنعتوں کو ترجیح دیں گے جن میں اس قسم کے مسائل و قصایا کا فیصلہ ان کے مالک کا رخانہ دار سپرنٹنڈنٹ خود کر لیا کریں۔

زراعت کی دو آخر الذکر خصوصیات باہم مل جھکر کاروبار کا اثر عام زندگی پر دیہاتی باشندوں کی زندگی اور سیرت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہے۔ زراعت چونکہ اب تک ایک ایسا پیشہ چلا آتا ہے جس میں کاروبار اور گھر کا کام کاج ایک دوسرے کو بالکل غیر متعلق نہیں ہوتے اور جس میں خاندان کے تمام ارکان گذران زندگی کا وسیلہ پیدا کرنے کیلئے ایک دوسرے کے شریک کار ہوتے ہیں

اس لئے ہر ایک ایسی خانگی زندگی کو فروغ دیتی ہے۔ جس کا شہر میں قائم رکھنا بے حد مشکل ہے۔ باہر ان تعلیم باجموع اس لئے سے اتفاق رکھتے ہیں کہ شہر کی خانگی زندگی کے بڑے نقص میں سے ایک نقص یہ ہے کہ خاندان کے تمام ارکان میں کوئی مشترک کاروباری نصب العین نہیں ہوتا۔ شہر میں رہنے والے والدین جو عقلمند ہیں انہیں ہمیشہ اس نقص کو مد نظر رکھنا چاہیئے۔ اور اس کے دور کرنے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ لیکن کسی کا شکر اس کے خاندان کیلئے کوئی مصنوعی طریقے درکار نہیں جن سے اس کے تمام ارکان کو مشترک غرض متقاضی بنایا جاسکے۔ شہر کے خاندان میں جب کمائی والا شخص آپ اپنا آقا نہ ہو بلکہ دوسرے کا ملازم ہو۔ جیسا کہ اکثر حالات میں ہوتا ہے۔ تو مذکورہ بالا نقص اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں کوئی کاروبار ایسا نہیں ہوتا جو باپ کی طرف سے بیٹے کو ورثہ میں ملے۔ بیٹے باپ کے ساتھ مل کر کام کرتے اور اس کے زیر ہدایت کام سیکھنے کی نعمت عظمیٰ سے محروم رہتے ہیں۔ یہ نعمت دیہاتی لڑکے کو عموماً حاصل ہوتی ہے کچھ تو اس امر کے باعث جو اوپر بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ زراعت چھوٹے پیمانے کا کاروبار ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اس میں کام کر رہے ہیں۔ ان کی بڑی تعداد اور ہمارے ملک میں تو اکثرین کی جماعت، اپنی آقا آپ ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے کاروباری مسائل علاوہ اخراجات خانہ داری کے دائمی مسئلہ کے مثلاً خرید و فروخت کے مسائل۔ گھر کی مجلس شورٰی (پچاپٹ) میں زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ان رشتوں کو اور بھی مضبوط کر دیتی ہیں جو دیہاتی خاندان کے ارکان کو آپس میں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دیہاتی خاندان مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کرتے ہیں اور شہر کے خاندانوں کی بنیادیں نسبتاً کم استوار ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ اضافی بے ربطی اور بے ثباتی شہری خاندان میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اول شہر میں یہ نسبت دیہاتی اضلاع کے طلاقوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دوم۔ شہر کے خاندان تجرّد وغیرہ کی بنا پر بہت جلد مٹ سکتے ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں دیہاتی خاندان قیام و ثبات رکھتے ہیں۔ گاؤں کے کھیت شہروں کیلئے

نہ صرف پیداوار مادی مہیا کرتے ہیں۔ بلکہ وہاں سے مرد اور عورتیں بھی جا جا کر شہروں کو آباد کرتی ہیں۔

زراعت پیشہ جماعتوں میں جنسی تعلقات { اُن خصوصیات میں جو دیہاتی زندگی کو شہری زندگی سے ممتاز کرتی ہیں۔ ایک نہایت اہم خصوصیت یہی ہے۔ کہ اول الذکر میں بہ نسبت آخر الذکر کے مرد و عورت ایک دوسرے کی پابندی سے زیادہ آزاد ہوتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں اس امر کے متعلق جو نئے خیالات ہیں کہ مرد اور عورت کیلئے کون کون سے کام مناسب ہیں ان میں سے بیشتر خیالات ہمیں اپنے دیہاتی اسلاف سے ورثہ میں ملے ہیں۔ مثلاً یہ خیال کہ عورتوں کے لئے مناسب کام گھر کی چار دیواری کے اندر ہوتا ہے۔ اور مردوں کیلئے باہر یہ بھی دیہاتی حالات کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ ایک مزرعہ میں اگرچہ کم محنت طلب کام بھی کافی ہوتا ہے۔ تاہم بعض ایسے کام ضرور ہوتے ہیں کہ جو جماعت مذکور کی قوت بدنی چاہتے ہیں جو جماعت انات کی اوسط درجہ قوت بدنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ جہاں مویشیوں وغیرہ کو سنبھالنے کا کام بھی ہو۔ وہاں بہت سی باتوں میں مردانہ جرات حاضر دماغی اور قوت بدنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ امر واقعہ ہے کہ بہت کم مزرعے ایسے ہونگے۔ جن میں باہر کا کام عورتوں سے بخوبی بن آ سکے۔ یہ بیشک درست ہے کہ جن مزرعوں میں اختصاصیت سے کام لیا جائے۔ یعنی صرف خاص خاص پیداوار کیلئے وہاں باہر کے کام کاج میں عورتوں کے کام کاج کی گنجائش ہے۔ لیکن ایسے مزرعے مستثنیات میں سے ہیں۔ یورپ کے بعض چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں اور امریکہ کی جنوبی ریاستوں کے بعض چھوٹے مزرعوں میں عورتیں بہت سا کام انجام دیتی ہیں۔ لیکن ان مزرعوں میں ادنیٰ دیرے کی کاشت ہوتی ہے۔ اور عموماً نہایت ناقص طور پر انکا انتظام ہوتا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ ایسے قطع زمین سے جو اتنا چھوٹا ہے کہ اس میں محنت اور آلات کا استعمال عمدہ طور پر ممکن نہیں جتنا سامان معاش حاصل ہو سکے۔ اتنا زیادہ حاصل کیا جائے پھر ایسے مزرعوں میں یا عجم کاشت کار اور اس کے خاندان کا

معیار زندگی پست ہوتا ہے۔ دیہات میں مردوں کی مشقت کی جو ضرورت ہے۔ اُس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ایک عورت کیلئے کم از کم بمقابلہ شہر کے گھر کے باہر آزادانہ روزی کمانے کے موقع بہت محدود ہوتے ہیں۔ لازماً ناگتھا عورت کو بہ نسبت شہروں اور قصبوں کے دیہات میں رہنے سے نقصان ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ناگتھا کاشتکار کو بھی نقصان ہوتا ہے۔ بلکہ عورت سے بھی زیادہ نقصان۔ اس کیلئے بیشتر حالات میں ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کی جگہ یعنی اپنے مزرعے میں رہے۔ اور تمام حالات میں یہ اسکے لئے نفع بخش ہوتا ہے کہ وہاں رہے۔ زراعتی آبادی کی کمی کی وجہ سے یہ بات ناممکن ہوتی ہے کہ کسی بورڈنگ ہوس میں وہ رہ سکے۔ دیہاتی زندگی کے اخلاقی اور اجتماعی دونوں قسم کے حالات تقاضا کرتے ہیں کہ ہر مزرعہ میں ایک علیحدہ خاندان ہو۔ شہر میں اس قسم کے حالات موجود نہیں ہوتے۔ کاروباری مرد اور عورت اگر ناگتھا ہوں تو ان کو اخلاقی اور اجتماعی نقطہ نگاہ سے بیشک نقصان ہوتا ہے۔ لیکن خالص کاروبار کے نقطہ نگاہ سے ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس طرح کے نقصان میں ہیں۔ کاشتکار کو جہاں اپنے کاروبار کے ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ وہاں بیوی کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ زراعت میں خانہ داری کا روبرو کا ایک حصہ ہے اور کاروبار خانہ داری کا ایک حصہ۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ دیہات میں اس طرح کے بن بیا ہے آدمی جیسے کہ شہروں کے کاروباری اور پیشہ ور لوگوں میں بھرے پڑے ہیں بہت کم ملتے ہیں۔ کیا دیہات کی زندگی اور کیا دیہات کا کاروبار۔ دونوں میں مرد و عورت ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ دیہات کے زیادہ قدرتی اور صحت بخش طریقہ بود و باش کے باعث۔ مرد و عورت کا خیال ایک دوسرے کی طرف بہت اچھا ہوتا ہے۔ شہروں میں اور بالخصوص بعض کاروباری اور پیشہ ور حلقوں میں جہاں زندگی کے تصنیعات و تکلفات عدو اعتدال سے متجاوز ہو چکے ہوں۔ جنسی تعلقات کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے۔ یہ خلاف ازیں دیہات میں جہاں بیوی کے تعلقات بہت خوشگوار ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں کاشتکاری لے کر ایک ایسا کام رہ گیا ہے۔ جس میں بچہ موافق حالات کے ہونے کی صورت میں اپنے خاندان کے

کسب روزی کے کام میں شریک ہو سکتا ہے۔ بچے اگر اور پیشوں میں رہ کر کام کریں تو وہاں حالات کچھ ایسے غیر معمولی اور اخلاقی و جسمانی طور پر کچھ ایسے مضر ہو گئے ہیں۔ کہ رائے عامہ بچوں سے کام لینے کے بہت مخالف ہو گئی ہے۔ بچوں کے میکا رہنے پر ہمارے خیال میں یہ نسبت ان کے محنت کرنے کے زیادہ اعتراض وارد ہو سکتے ہیں۔ کسی قدر کام موافق اور درست حالات میں متوسط درجے کے بچے کی جسمانی۔ ذہنی اور اخلاقی نشو و نما کیلئے لازمی ہے۔ مزرعہ میں یہ حالات موافق موجود ہوتے ہیں۔ اول بچہ اپنے والدین کے زیر تعلیم کام سیکھ سکتا ہے۔ اور ان کے ساتھ مل کر کام کر سکتا ہے۔ دوم ایک مزرعہ میں یا زراعتی خاندان میں بعض ایسے متفرق کام ہوتے ہیں۔ جو نہ زیادہ وقت چاہتے ہیں۔ نہ مسلسل اور متواتر توجہ۔ اس قسم کے کاموں سے بچے کو جسمانی و ذہنی لحاظ سے مناسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ فطرتاً متلون مزاج اور بے قاعدہ واقع ہوا ہے۔ اور کسی ایسے کام کے لئے جو گھنٹوں اور دنوں تک توجہ چاہتا ہے وہ ہرگز موزون نہیں۔ علاوہ بریں مزرعہ کے کام کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور گھر کی چار دیواری کے باہر انجام دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے بچوں کو وہ جس کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی جو انہیں بالگداموں۔ کانوں اور کارخانوں میں اٹھانی پڑتی ہے۔

چونکہ بچے بغیر کسی نقصان کے احتمال کے مزرعہ کے کام میں مدد دے سکتے ہیں اسلئے وہ ضروری بہت حد تک اپنی پرورش کے اخراجات خود ادا کر سکتے ہیں اس امر کی کہ نسبت شہروں کے دیہاتوں میں شادباں چھوٹی عمر میں ہو جاتی ہیں اور خاندان بڑے ہوتے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے۔ بعض اوقات یہ تلقین کی جاتی ہے۔ کہ اس قسم کے مقاصد کو شادی اور خانگی زندگی کے مسائل سے علیحدہ رکھنا چاہیئے۔ لیکن اس قسم کی تلقین ایسی دور از کار اور تخیل پرستی پر مبنی ہے کہ یہی نہیں کہ اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ بلکہ قطعاً باعث شرف و فساد ہے۔ ہم یہ تعلیم دیتے ہیں کہ معاشیاتی نصب العین کو شادی بیاہ کے معاملے میں نظر انداز نہ کرنا چاہیئے اور یہ معاشیات اور عشقیات کا مرکب ہرگز کسی معذرت کا محتاج نہیں کیونکہ ہر وہ چیز جو صحت پر مبنی ہے ایک معاشیاتی بنیاد پر قائم ہے۔ کسی قوم کی تاریخ کوئی عمدہ قسم کی اجتماعی یا خانگی زندگی اور اخلاق کی کوئی اعلیٰ مثال ایسی نہیں پیش کر سکتی۔ جسکی

اصل و بنیاد اور روح و روال کوئی پیدا آور کام نہ ہو۔ ایک خاندان کیلئے مشترک طور پر ضرورت یا فراہم کرنے کا نصب العین۔ ایک خاندان کی بنیاد ڈالنے اور خاندانی جاگیر کا مقصد یہ وہ چیزیں ہیں جو بجائے خانگی زندگی کی قدر کم کرنے کے اُس میں اضافہ کرتی ہیں۔ اگر اس قسم کا کوئی مقصد پیش نظر نہ ہو تو جسے صحیح معنوں میں ازدواج کہتے ہیں وہ نہیں ہوتا۔ البتہ اگر معاشیاتی مقصد میں کوئی خلل واقع ہو جائے۔ جیسا کہ بعض اوقات ہوتا ہے اور والدین بچوں کو اپنے لئے جلب زر کا ذریعہ خیال کرنے لگیں اور جو کچھ بچے کما کر لائیں۔ اُسے اپنی ذاتی اغراض کیلئے استعمال میں لانے لگیں تو یہ بالکل جدا بات ہے۔

ایک خاندان کے باقی ہونے کا مقصد یا ایک ایسے خاندان کو قائم رکھنے کی کوشش کرنا۔ جس کی عزت بن چکی ہو۔ اور اس خاندان کی روایات کو زندہ رکھنا۔ یہ چیزیں کیا شہر میں اور کیا دیہات میں اتنی عام نہیں جتنی ہوتی چاہئیں۔ ایسا مقصد انہی لوگوں کو چھوٹا اپنی جماعتوں کے رہتا اور پیرو رہینگے۔ تا وقتیکہ تہذیب اخلاقی انحطاط کے باعث زوال پذیر نہیں ہوتی۔ لیکن اپنے مقاصد کے پورا کرنے کے مواقع دیہات میں یہ نسبت شہر کے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہری خاندان کے مقابل میں دیہاتی خاندان معاشیاتی اعتبار سے زیادہ متحد ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ دیہات میں خانہ داری کا روبرو اور انتظام اراضی کا ایک جزو لاینفک ہوتا ہے۔

دیہات آبادی کا گہوارہ ہے کہہ گیا ہے کہ معاشرتی نقطہ نگاہ سے آجروا جبر مالک و مردود میں اتنا زیادہ فرق نہیں جتنا شہر کے رہنے والوں اور دیہات کے رہنے والوں میں ہے۔ یہ بیشک بجا ہے کہ شہری زندگی کے رجحانات دیہاتی زندگی رجحانات سے بالکل مختلف ہیں۔ شہری زندگی ایسے مقاصد۔ ایسے معیارات۔ ایسے جذبات اور ایسے اطوار کو ترقی دیتی ہے جو دیہاتی زندگی سے جداگانہ طرز کے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح شہری اور دیہاتی باشندوں کے درمیان ایک مفصل قائم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ رجحان چند نسلوں تک بغیر کسی مزاحمت کے ترقی کرنا چلا جائے۔ تو گمان غالب ہے کہ شہریوں اور دیہاتیوں کے درمیان نسبت

حالت موجودہ کے زیادہ تعریف ہو جائے، لیکن یہ امر کہ دیہاتی آبادی نقل مکان کر کے شہر میں جاتی رہتی ہے۔ اس کا سد باب کرتا ہے۔ زمانہ جدید کے کسی شہر کا جائزہ لیجئے معلوم ہوگا کہ جتنے سربراہان و لوگ ہیں۔ ان میں بہت سے دیہات سے آئے ہیں۔ اور اکثرین کی حالت ایسی ہے۔ جس کے آباؤ اجداد دیہات میں رہتے تھے۔ جب یہ سلسلہ قائم ہے۔ اس وقت تک شہری اور دیہاتی لوگوں میں اتنا بڑا فرق نہیں ہو سکتا۔ جتنا کہ ان حالات کے نہ ہونے کی صورت میں ممکن ہے۔ بہر حال شہر کے لوگ خود زیادہ تر دیہاتی ہیں جو تازہ تازہ یعنی دو یا تین یا زیادہ سے زیادہ چار نسلیں پیشتر شہر میں وارد ہوئے ہیں۔

شہریوں کی دعویٰ افضلیت لیکن اگر ہم اس معاملے پر تاریخی نقطہ نگاہ سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض بعض زمینوں میں شہری اور دیہاتی کا باہمی فرق حقیقت میں بہت نمایاں رہا ہے۔ دیہاتیوں کے متعلق حقارت آمیز الفاظ اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ نحوی اعتبار سے یہ الفاظ فقط ”دیہاتی“ کے معنوں میں استعمال ہوتے تھے۔ ان کے مجازی معنوں کے واضح یقیناً شہر کے لوگ میں۔ *PEASANT* اور تو اور *VILLAIN*, *BOOR* *PAGAN*, *HEATHEN* بھی ایسے الفاظ ہیں۔ جن کے اصلی معنے مختلف زبانوں میں تقریباً ایک ہی تھے۔ لیکن اب بدل کر کچھ اور ہو گئے ہیں۔ یہ ایسی مثالیں ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ شہر کے لوگ مختلف زبانوں میں دیہات کے لوگوں کو کیسی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن اگر اس کا استقصا کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کی حقارت عموماً اس امر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کہ جو لوگ اپنی روزی دوسرے انہائے جنس سے حاصل کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی قدر شناسی کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ جو اپنی روزی اپنی محنت کی بدولت زمین سے براہ راست حاصل کرتے ہیں یہ قدر شناسی بعض اوقات اس وجہ سے عمل میں آتی ہے کہ کاشتکاروں کی حقیقی خوبیاں اور قابل تعریف صفات کو دوسرے لوگ عموماً نظر انداز کر جاتے ہیں۔ جب کوئی پیشہ نسلاً بعد نسل قدیم الایام سے چلا آ رہا ہو تو اس میں دانشمندی اور تجربہ کاری کا ایک وافر ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ جس میں بہت سا حصہ کبھی صفحہ کاغذ پر منتقل نہیں

ہونے پاتا۔ بلکہ بطور زبانی روایات بازندہ مثالوں کے نسلًا بعد نسلًا باپ سے بیٹے تک سینیہ
 بسینہ چلا آتا ہے۔ زراعت ایک اسی قسم کا پیشہ ہے۔ سنگ چٹاق کے کام کو بعض لوگ
 نئے دینے کا قدیم ترین پیشہ کہا ہے۔ لیکن فی الحقیقت زراعت کو تقدم زمانی کا حق
 پہنچتا ہے۔ ہاں اگر پیشہ کے لفظ کا اطلاق بعض میکاتی مشاغل پر ہی کیا جائے تو یہ اور
 بات ہے۔ فن زراعت نے اپنی قدامت اور عالمگیری کی وجہ سے ایک ایسا ذخیرہ معلومات
 اور غریبہ صناعات فراہم کر لیا ہے۔ جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ لیکن شہر کے لوگ یا تو
 اس سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ یا اسکی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔
 چونکہ اس کا بہت بڑا حصہ مددوں کے باہر عملی طور پر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس طرح
 کہ باپ بیٹا نسلًا بعد نسلًا مل کر کام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اسے عرف عام میں "تعلیم"
 کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا۔ علاوہ بریں دیہاتی کام کی حیرت انگیز اصطلاحی قابلیت
 ایک ایسے عام طریقے سے حاصل کی جاتی ہے کہ ہم اُسے ایک نہایت معمولی چیز خیال
 کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ صحیح صنعتی جہارت ہے۔ شاید اور کسی فن میں کوئی ایسی رشتہ
 کے عین مطابق ہوں۔ یا جو ہیئت اور ساخت میں غویوں سے اس قدر پورے ہوں جیسے
 جہرہ کا شکاری کے بعض سیدھے سادے اوزار ہیں۔ مثال کے طور پر معمولی ہل کو
 لیجئے۔ ہل کا ایسے طور پر بنانا کہ قلیل ترین مزاحمت کے ساتھ بیشترین کارگری اُسکیں
 جمع ہو۔ ایک نہایت لطیف و نازک مسئلہ ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس پر طامس
 جیفرسن جیسا صاحب دماغ بھی برسوں تک غور و خوض کرتا رہا۔ اگرچہ اس کے اس کارنامے
 نے اتنی شہرت حاصل نہیں کی جتنی کہ اُس کام نے حاصل کی ہے جو اُس نے بہترین
 نظام حکومت ترتیب دینے کے متعلق انجام دیا۔ تاہم یہ بالیقین کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ
 کام اُس سے کم اہم نہ تھا۔

ان ملاحظات کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ دیہاتی زندگی اور دیہاتی کاروبار کو ایک
 وقعت حاصل ہو۔ کم از کم ان لوگوں کے دلوں میں جن کی نگاہ ظاہری شائستگی۔ یا
 آداب معاشرت۔ اسلوب تقریر۔ یا طرز خطابت وغیرہ کی سطح سے گزر کر تہ تک

پہنچتی ہے۔ اور جو اس کے فیصلہ کرنے کے اہل ہیں۔ کہ مختلف وسائل معاش و تیا میں کیا اضافی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

جس طرح شہر میں ضرورت سے زیادہ آبادی مضر ہے اُسی طرح دیہات میں تنہائی اندیشہ کا باعث ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہمیں اُن خطرات کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔ جو دیہاتی زندگی کو عارضہ میں لگاؤں کی زندگی کی خلوت ہی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اُن لوگوں کی ذہنی زندگی پر جنہیں اپنے دماغ کو مشغول رکھنے کیلئے ہر وقت کسی خارجی محرک یا دوسرے آدمیوں کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہایت مضر اثر کرتی ہے۔ ایسے لوگوں پر عموماً ایک داعی سکتا یا ایک اخلاقی جمود طاری ہو جاتا ہے۔ جسکی بنا پر وہ حقارت آمیز کلمات جو ان کے مخالفین ان کیلئے وضع کرتے ہیں۔ اُن پر صادق آتے ہیں۔ یہ ایک ایسا خطرہ ہے جس کا شکار ہونے کا ہمارے جیسے ملک میں زیادہ احتمال ہے۔ جہاں زندگی کی ضرورت یا ایسی آسانی سے ہم پہنچ جاتی ہوں۔ جیسی کہ ہمارے ملک میں اب تک ہم پہنچتی رہی ہیں۔ وہاں نہایت ناقص العقل اور ادنیٰ درجہ کی قابلیت کے آدمی بھی مقابلہ کی پروا کئے بغیر گزارہ کر سکتے ہیں۔ اگر خوش قسمتی سے اُنہیں کوئی ایسا قطعہ زمین ملتا ہے۔ جسکی طرف زیادہ روشن خیال کاشتکاروں کی توجہ نہ ہو۔ تو وہ اور اُن کے خاندان والے پستہا پشت تک بلا مداخلت غیر سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک کے بعض دور دراز مقامات ایسے ہیں۔ جہاں اس درجہ کی جہالت ناقابلیت اور اخلاقی ذلت محض میں آتی ہے۔ جس کا وجود مغربی یورپ کے کسی ملک میں ہونا ناممکن ہے۔ ان یورپی ملکوں کی آبادی ایسی گنجان ہے اور کسب معاش کیلئے مقابلہ ایسا شدید کرنا پڑتا ہے کہ تمام ناقابل اشخاص کا قصبہ جلد پاک ہو جاتا ہے اور اُنہیں خیراتی غریب خانوں میں جانا پڑتا ہے یا چوری و دہشت کا پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جس کے بعد قید خانہ میں جا کر سڑنا یا پھانسی پر لٹک کر مرنا اُن کا دوسرا مرحلہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں چونکہ آبادی بڑھتی چلی جاتی ہے اسلئے زمین کی ضرورت روز بروز زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور زندگی کی کش مکش پہلے سے

زیادہ سخت اور کمزوروں کیلئے ناقابل برداشت ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمیں ایک صدی یا اس سے زیادہ مدت تک یہ منظر دیکھنا پڑے گا۔ کہ یہ ناکارے اور کمزور لوگ چُن چُن کر تباہ کئے جائیں گے۔

دیہات میں جو مفلس لال اور ناکارے لوگ ہیں۔ یہ جہاں تک کسی انسان کے حالات کا اس کی سیرت کے ساتھ تعلق ہے۔ تمدن اور اجتماعی زندگی سے دور رہنے کی وجہ سے ظہور میں آئے ہیں۔ جس طرح کہ شہر کے آوارہ گرد لوگ انہی معنوں میں زیادہ گنجان آبادی کا نتیجہ ہیں۔ گوان دونو صورتوں میں اصل بنیاد شخصی و ذاتی حالات ہیں نہ کہ ماحول کو اثرات اثر سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کمزور اخلاق کے آدمیوں پر عزت اور تنہائی کا یہ اثر تنہا ہے تاہم اسکے کوہر دیا معاشرتی ماحول اور اجتماعی رسمیات و قوانین کا احترام ایک قلم کھو بیٹھتے ہیں معاشرت اپنے اجزائے لایعجزی میں تقسیم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ہر فرد اپنا علیحدہ قانون بنالینا ہے۔ اور اپنے کمزور اور غیر مستقل ارادوں کا بندہ ہو کر کبھی ایسی زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ جو نہ کسی کیلئے مضر ہوتی ہے۔ نہ کسی کیلئے مفید۔ اور کبھی جرائم و سیاہ کاری کو اپنا مشغلہ بنالینا ہے۔ کمزور سیرت کا انسان جب اپنے معاشرتی ماحول کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے۔ تو وہ اپنے معاشرتی فرائض کے احساس سے خالی الذہن ہو کر مایا تو اپنی طبیعت کا بندہ اور اپنی خواہشات کا محکوم ہو جاتا ہے۔ یا انسانوں سے وحشت زدہ اور تنہائی پسند ہو جاتا ہے۔ اور کسی قسم کی خارجی مداخلت یا مزاحمت برداشت نہیں کر سکتا۔

دوسرا باب

زراعت کی اجمالی تاریخ

۱۔ ابتدائی مدارج

شکار عالمگیر نہیں [مختلف ملکوں اور زبانوں میں غالباً بعض وحشی قومیں ایسی بھی ہوئی ہیں جن کی روزی کا گزارہ شکار یا مچھلیاں پکڑنے پر منحصر نہ تھا بلکہ پھل پھول اور جڑی بوٹیوں کا کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ بعض مصنفین کا قول ہے کہ اس قسم کے لوگ مستحیات میں سے ہیں۔ اور انسان کی کسب معاش کیلئے جدوجہد میں جو ترقی کی اسکی پہلی منزل شکار اور مچھلیاں پکڑنا تھا۔ بہر حال دورِ حاضرہ کے چند مصنفین نے اس نتیجہ کی صداقت پر اظہارِ شک کیا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ شکار اور مچھلیاں پکڑنے کا دور خاص خاص مقامات تک محدود رہا ہے۔ جہاں حالات زراعت کو ناموافق تھے۔ اور شکار اور مچھلیاں بکثرت تھیں۔ لیکن جن ملکوں میں خاکی غذا مقابلہ بکثرت تھی وہاں قیاس چاہتا ہے کہ لوگ پھل پھول اور جڑی بوٹیاں کھا کر بسر کرتے ہونگے۔ جو کہ زراعت سے پیشتر خود بخود جنگلوں میں اُگتی تھیں۔ یہ بھی عام طور پر تصور کیا جاتا ہے۔ کہ دوسری منزل کسب معاش کی جدوجہد میں بدویت ہے۔ یعنی وہ دور جس میں لوگ ایسے جانوروں کا جن کا گوشت اور دودھ بطور غذا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور جن کی کھال اور پشم تن ڈھانچے اور خیمے بنانے کے کام آسکتی ہے۔ پالتے تھے۔ اُن کی نگہبانی کرتے تھے۔ ان کی نسل بڑھاتے تھے۔ اور یوں اپنی روزی کھاتے تھے۔ بر خلاف اس کے حقیقت یہ ہے کہ کم از کم بعض صورتوں میں شکار کے دور کے بعد زمین کی کاشت کا دور فوراً شروع ہو گیا۔ اور کہیں کہیں تو شکار اور مچھلیاں پکڑنے کے بعد دوسری منزل میں تھی۔ عام قاعدہ ہے کہ وہ قبیلے اور قومیں جو پہلے جنگلی پھل پھول اور ترکاریاں کھا کر گزارہ کرتی تھیں۔ وہ بغیر کسی بدوی صنعت

آٹا ہونے فوراً زراعتی دور میں داخل ہو گئیں۔ یہ بھی محض قیاس نہیں کہ بعض صورتوں میں مثلاً ساحلِ قدیم کے باشندوں کے یہاں مچھلیاں پکڑنے کے مشغلہ نے براہِ راست تجارت کی صورت اختیار کر لی۔ شمالی امریکہ کے اصلی باشندوں نے سفید رنگ کے آدمیوں کے آنے سے پیشتر سوائے کتے کے کوئی جانور نہ پالایا تھا۔ پالتو کی اہمیت ان لوگوں میں مجید کم تھی اور جتنی کچھ تھی وہ بھی مخصوص مقامات تک محدود تھی۔ اس لئے موجودہ بحث کے سلسلے سے ہم اُسے خارجِ قرار دے سکتے ہیں۔ کتا گو کبھی کبھی کھانے کے کام میں بھی آتا تھا۔ تاہم اسکا استعمال زیادہ تر شکار میں کیا جاتا تھا۔ اس لئے بجائے بدوی دور کے شکار کے دور کا جانور ہے۔ ان مثالوں میں بدوی معاشرت کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ دوسرے الفاظ میں کوئی باشندے شمالی امریکہ میں ایسے نہ تھے جو اپنی روزی کا کوئی قابلِ قدر حصہ پالتو جانوروں کی نگہبانی اور نسل افرائی سے حاصل کرتے ہوں۔ سفید رنگ کی قوموں کے آنے کے بعد بھی سالہا سال تک گھوڑا اکیلا گھریلو جانور سمجھا جاتا تھا۔ جس کا اضافہ انڈین وحشیوں کی دولت میں ہوا۔ اور اس سے بھی کتے کی طرح زیادہ تر جنگ اور شکار میں کام لیا جاتا تھا۔ اور اسلئے وہ بھی لازماً شکار کے دور کا جانور تھا۔ برخلاف اس کے زراعت سوائے انتہائی شمالی خطے کے جہاں اُس کا سرے سے امکان نہ تھا۔ باقی ہر جگہ ہوتی تھی۔ بعض قبائل میں مثلاً بولٹوں میں اور میکیکو کی اقوام میں کاشتکاری کا فن کافی ترقی کر چکا تھا۔ اس بنا پر ہم باسانی کہہ سکتے ہیں۔ کہ شمالی امریکہ کے اُس حصے کے باشندے جو اب ریاستہائے متحدہ کے مقبوضات میں شامل ہے۔ بدویت کے دور سے گزرے بغیر شکار اور مچھلیاں پکڑنے کے دور سے براہِ راست زراعتی دور میں آئے۔ اور ایک رائے ہے۔ جس کے مطابق وہ پہلے زراعت پیشہ تھے۔ لیکن انہوں نے شکار کی افراط کی وجہ سے خصوصاً جب بیرون کی کثرت ہو گئی۔ شکار کو وسیلہٴ معاش بنالیا تھا۔

ہم اے بزرگ غالباً چرواہے تھے کہ بہر کیف امرایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ وہ ہائے اسلاف یعنی مغربی ایشیا اور یورپ کے باشندے کاشتکار بننے سے پہلے عموماً ایک بدویت کے دور ارتقاء سے گزرے تھے۔ اس وجہ سے زراعت کے ارتقاء کی تاریخ

جیسا کہ ہم اُس سے واقف ہیں۔ لازماً بدوی زندگی اور بدوی معاشرت کے مطالعہ پر مشتمل
 یونانی چابیئے۔ قدیم عبرانی۔ بطریقوں کی زندگی جیسی کہ وہ کتاب "پیدائش" میں درج ہے۔ صا
 طور پر بدوی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے ترک وطن کیا اور جانب مغرب اُس ملک میں جو اب فلسطین
 کے نام سے مشہور ہے۔ ہجرت کر کے چلے گئے تو اُس وقت وہ ایک چرواہے تھے۔ یعنی
 مویشیوں کو چراگاہوں میں لئے پھرتے تھے۔ وہ بول تو ہمارے مغرب بعیدہ کے گلہ بانوں کے
 بہت سے جزئی امور میں مختلف تھے۔ لیکن خاص کر اس امر میں وہ کوئی مقررہ ٹھکانہ رکھتے
 تھے۔ بلکہ خیموں میں رہتے تھے اور اپنے گلوں کو لئے ہوئے چراگاہوں کی تلاش میں ادھر
 ادھر پڑے پھرتے تھے۔ اس اعتبار سے ابراہیمؑ کی زندگی زمانہ جدید کے بدوں سے جو ابھی
 بدویت کے دور ہی میں ہیں۔ نہایت قریب کی مماثلت رکھتی تھی۔ یہ عبرانیوں کے قیام
 مصر کے بعد کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ضرورۃً کاشتکاری کو اپنا پیشہ بنالیا۔

جس طرز کی زندگی بطریق بسر کرتے تھے اور جدید بدو بسر کرتے ہیں۔ عین اُس طرح کی
 زندگی یورپ کی سرد آب و ہوا میں بسر کرنا ناممکن ہے۔ اس کے باوجود یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا
 ہے کہ یورپی اقوام تاریخ کے آغاز سے پہلے اپنے قدیم ملک میں ابتداءً گلہ بان تھے۔ سب سے
 پہلے یونانی اور اطالوی باشندے غالباً خانہ بدوش چرواہے تھے۔ جو اپنے گلوں اور ریڑوں
 کیلئے چراگاہیں ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ وہ اپنے جانوروں کو بانٹتے ہوئے اور اپنے بیوی بچوں
 کو اور اپنے خانگی اسباب کو بھونڈی سی گاڑیوں پر جن کے آگے بیل جڑتے ہوئے تھے۔
 لادے ہوئے چلے آتے تھے۔ اس کے بہت مدت تک شمالی یورپ کے لوگ اپنے گلوں کی
 پیداوار پر گزارہ کرتے تھے۔ اگرچہ ٹیسی ٹس کے زمانہ میں جرمنی قوم نے سیدھے سامے
 طریقہ پر زراعت شروع کر دی تھی۔ اور اسی طرح برطانوی قوم میز کے حملے کے وقت زراعتی
 دوہیں قدم رکھ چکی تھی۔ یہ قریب قریب تحقیق شدہ امر ہے۔ کہ آئرلینڈ سن عیسوی کی
 ساتویں صدی کے آغاز تک ایک بدوی ملک تھا۔

جانوروں کا پالنا کیسے شروع ہوا؟ ظن غالب یہ ہے کہ جانوروں کو گھر لوہانے کا
 طریقہ پالتو جانوروں سے شروع ہوا۔ اول اول جب کسی وحشی نے کوئی چھوٹا سا جانور پکڑا ہوگا

تو اس کو یہ سوجھی ہوگی کہ اس سے کھیل کر اپنا دل بہلائے۔ اگر غذا اُسے کافی مقدار میں میسر آتی تھی تو وہ باسانی اُس جانور کو اپنی بھوک کا ذریعہ تسکین بنانے کے بجائے اُسے بطور ایک پالتو جانور کے رکھ سکتا تھا۔ جب اس طرح کے بہت جانور اس گاؤں میں جمع ہو گئے ہونگے تو ایک اچھے خاصے گلے کا آغاز ہو گیا ہوگا۔ جس کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا گیا۔ پھر یہ سمجھنے کیلئے کوئی زیادہ عقل درکار نہ ہوئی کہ جن دنوں میں شکار کی کمی ہو ایسے گلے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ ان گھلوں میں بہت سے جانور بھاگ گئے ہونگے۔ اور از میر نو اپنی قدرتی جنگلی زندگی بسر کرنے لگے ہونگے۔ صرف ان جانوروں نے جو بہت زیادہ آدمیوں سے مل جل گئے تھے یا جو اپنے مالکوں سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے تھے۔ اپنی گھریلو زندگی کو جاری رکھا ہوگا۔ مزید براں یہ بھی قرین قیاس ہے کہ جب کبھی ان پالتو جانوروں کو غذا کے طور پر استعمال کرنے کیلئے ذبح کرتے کی ضرورت پیش آئی ہوگی تو بہت جلد اُن جانوروں کے جو مانوس تھے۔ اُن پر نظر انتخاب پڑتی ہوگی جو سب سے زیادہ وحشی تھے یہ عمل انتخاب یعنی مانوس ہو جانے والے جانوروں کا تحفظ اور نہ مانوس ہونے والے جانوروں کا ذبح کرنا سلا بعد نسل جاری رہا ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہوگا کہ پالتو اور گھریلو جانوروں کی پرورش کی گئی ہوگی۔ جو اپنے جنگلی بھائی بندوں سے بہت سے امور میں مختلف تھے۔

یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ نوع انسانی کی جس شاخ سے ہمارا سلسلہ نسب بنتا ہے۔ اُس نے آغاز تاریخ سے لیکر اس وقت تک کوئی نیا جانور گھریلو نہیں بنایا۔ ہمارے تمام زراعتی جانور فرد افراد اپنے زمانے میں گھریلو بنائے گئے تھے جس کا کوئی نوشتہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ اور نہ اُن حالات کا جن کے ماتحت یہ عمل ظہور میں آیا۔ ہمارے پاس کوئی تحریری بیان ملے۔ یہ ہمارے ماقبل تاریخ اسلاف کا ہم پر ایک اور احسان ہے کہ وہ ہمارے لئے وحشی جانوروں کو پالتو اور گھریلو بنائے گئے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ وہ بہت سی ایسی چیزوں سے ناواقف تھے۔ جو بعد میں

ملے ممکن ہے کہ زبرد اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو۔ کیونکہ گو بحیثیت نوع اس جانور کو ملم (طبع) نہیں کیا گیا۔ تاہم اس نوع کے بہت سے افراد گھروں میں پائے گئے۔ تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ زبرد ایک گھریلو جانور بن گیا ہے۔ جس سے عام طور پر کام لیا جاتا ہے۔ سدا جئے ہوئے سمندری شیر۔ بھیڑیے۔ چوہے وغیرہ جمع ہمنوں میں گھریلو جانور نہیں کہلا سکتے کیونکہ ان کی وحشیانہ فطرت اب بھی ویسی ہی ویسی ہی ہے ہی حال زبرد کا ہے۔ (مصطفیٰ)

دریافت کی گئی ہیں۔ اور جن سے فائدہ اٹھانے کا ہم کو موقع ملا ہے۔ تاہم ہمارے بہت سے کام انہوں نے انجام دیئے ہیں جن کے از سر نو کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں پڑتی۔

بدوی زندگی کا اثر سیرت انسانی پر جب ہمارے گھریلو جانوروں کے خصائل میں یہ تبدیلی ظہور پذیر ہو رہی تھی تو اس کے پہلو بہ پہلو اس کے مشابہ تبدیلیاں ان کے مالکوں کی سیرت میں ہو رہی تھیں۔ وہ افراد باقبائل جنہوں نے سب سے پہلے گلوں اور ریلوڑوں کے فائدہ کو سمجھا ہوگا۔ اور ان سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ سیکھا ہوگا۔ وہ اپنے کم بھدار مہسایہ افراد یا قبائل کی بہ نسبت نفع میں رہے ہونگے۔ اس شدید تنازع لہذا میں جو وحشی اقوام کے درمیان ہمیشہ جاری رہتا تھا وہ لوگ زیادہ تر کامیاب ہوئے ہونگے۔ جو اس زیادہ و افراد زیادہ پائدار ذریعہ معاش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تھے جو لوگ اتنے سست و با کم عقل تھے کہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے وہ تباہ کر دیئے جاتے ہوئے۔ یا ان کے زیادہ خوشحال یا زیادہ قوی مہسائے انہیں اپنی زمینوں سے بے دخل کر کے نکال دیتے ہوئے۔ اس طرح ایک ایسے عمل انتخاب کے ماتحت جو اس عمل انتخاب سے مشابہ تھا۔ جس کے مطابق گھریلو جانوروں کی نسل کا تحفظ عمل میں آیا۔ زمین ان زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ ذہین افراد یا قبائل کی ملکیت بن جاتی ہوگی۔ زمانہ حال میں بھی جذب ترین جماعتوں میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو جنگلی آدمی کہلانے کے مستحق ہیں۔ بہائم صفت مجرم۔ شور و شغب اور فتنہ پر از لوگ اور بعض جنگجو اشتراکین (بولشویک) المختصر تمام باغی جو جذب زندگی کے اسباب اور ذرائع کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں۔ سب کے سب انسانی گمراہی کے موزی اور وحشی جانور ہیں۔

تہذیب پر اثر لیکن یہ تیز صرف افراد کی ذات تک محدود نہ تھا۔ اس کا اثر ان کے آئین و قوانین۔ ان کے ادارات اجتماعیہ۔ اور ان کے اخلاقی عقاید پر بھی ہوا۔ اس کے جو نتائج سب سے پہلے رونما ہوئے ان میں ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ ملکیت کے متعلق ایک نیا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا۔ جب لوگوں نے اپنے گلوں کی ایک ذریعہ آمدنی کے طور پر قدر کرنی شروع کی۔ اور ان سے جو حاصل ہوتا تھا۔ اس کی بلوہ معاش خیال کرنا شروع کیا۔ تو اصل کا مفہوم وجود میں آیا۔ اصل کے مفہوم سے مراد دولت کا ایک ذخیرہ ہے۔ جو ذریعہ آمدنی بن سکے۔ اس ذخیرہ دولت کی

۱۵ اپنی کوتاہم۔ کھنے کیلئے سمالنے والوں کے مقابلے میں پوری کوشش کرنا۔

حفاظت آمدنی کی خاطر کرنی پڑتی تھی۔ اور اس امر کے لئے کسی قدر ضبط نفس اور عاقبت اندیشی کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیونکہ اگر اسکی حفاظت نہ کی جاتی تو آئندہ کیلئے آمدنی کا ذریعہ سُدھو ہو جاتا۔ جب ایک شخص یا گروہ کوئی غلہ جمع کر لیتا تھا تو یقینی امر تھا کہ وہ اپنی محنت کے پھل میں دوسروں کو شریک نہ ہونے دے۔ شرکار اور مچھلیاں پکڑنے کے دور میں شخصی ملکیت بہت کم ہوتی تھی اور شخصی اصل تو بالکل نہ ہوتا تھا۔ لیکن جب بدویت کا دور آیا۔ تو وہ اپنے ساتھ اصل کو بھی لے آیا اور اس کو بہت فروغ دیا۔ دولت کا اندازہ مواشی کی تعداد کے مطابق کیا جانے لگا۔ اور کثیر دولت پر قابض ہونا اور جنگ اور شکار میں طاقت و زور آوری دکھانا نئے امتیاز بن گیا۔

خانگی زندگی سرانفرج جب اصل کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اور اس سے جو نفع ہوتا ممکن تھا۔ اُسکی خواہش دلوں میں پیدا ہو گئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو محنت کی قدر کی جانے لگی اور دوسری طرف اس امر کو ضروری سمجھا جانے لگا کہ کسی دولت مند کے ساتھ وابستہ ہونا چاہیے جس کے پاس کثیر تعداد میں مال مویشی ہو۔ خاص طور پر یہ محسوس کیا گیا کہ عورتیں اونچے گلہ بانی کے کام میں مفید معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ اور عورتوں نے یہ دیکھا کہ اگر وہ کسی گلہ بان کے ساتھ رشتہ کر لیں تو وہ انہیں روٹی کپڑا اور گھریا رہیم پہنچا سکتا ہے۔ اسلئے انہوں نے یہ نسبت ایک شکاری سے وابستہ ہونے کے جو زیادہ سے زیادہ ایسی روزی اُن کیلئے میسر کر سکتا تھا۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں یہی بہتر سمجھا کہ ایک گلہ بان کے ساتھ رشتہ کریں۔ یہ وہ حالات تھے جن کے ماتحت بطریق خاندان وجود میں آیا یہ اُس خانگی زندگی کا جو شرکار کے دور میں بسر کی جاتی تھی۔ ایک نعم البدل تھا۔ بطریق خاندان میں گلہ کا مالک گھر کا سردار اور رئیس ہوتا تھا۔ اُس کی بیویاں فی الحقیقت بوڈیا ہوتی تھیں۔ بلکہ عموماً مال باپ سے خرید کر لی جاتی تھیں۔ رئیس خاندان کے جین جیات اُس کی اولاد جس میں اُس کے بیٹے بھی شامل تھے۔ اُسکی ماتحت ہوتی تھی۔ البتہ وہ اپنی بیٹیوں کو بیچ کر دوسرے گلہ بانوں کی بیویاں بنا سکتا تھا۔ اور اس صورت میں بیٹیاں اپنے نئے مالکوں کی ماتحت ہو جاتی تھیں۔ خاندان کے عموماً کثیر التعداد ارکان ہوتے تھے۔ بیٹے۔ بیٹیاں۔ پوتے پوتیاں۔ پڑپوتے۔ پڑپوتیاں۔ یہ سب کے سب گلہ کے محافظ اور گلہ بان کے ماتحت ہوتے تھے جو اُن کے خاندان میں سب سے بڑی عمر کا مرد ہوتا تھا۔

بطریق خاندان نے نشوونما پا کر قبیلہ کی صورت اختیار کی۔ قبیلہ بہت سے آپس میں
 رشتہ رکھنے والے خاندانوں کا ایک گروہ ہوتا تھا۔ جو ایک مشترک دادا یا پردادا کی اولاد
 ہوتے تھے۔ بطریق معاشرت کے متعلق ایک قابل لحاظ امر یہ ہے کہ اُس کی بنیاد
 بجائے ہمسائیگی یا ایک ہی جغرافیائی قبیلہ میں سکونت رکھنے کے خون کے رشتہ پر ہوتی تھی۔ ایک
 ایسی معاشرت یا قبیلہ کے کسی فرد کے ذہن میں ہرگز یہ بات نہ آسکتی تھی کہ کوئی شخص اگر اس کا
 ہمسایہ ہے۔ یا اتفاق سے اُس خطہ زمین میں آباد ہے۔ جس میں وہ خود رہتا ہے تو محض نہایت
 اُس شخص کو اُس کی حکومت یا مذہب میں حصہ لینے کا حق پہنچتا ہے۔ جو شخص اس کا خون کا رشتہ
 دار نہ ہوتا وہ اس کے قبیلہ کا رکن نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے مذہب میں شریک نہ ہو سکتا تھا۔
 الا اس صورت میں کہ وہ اس کے قبیلہ کے فرد کا منبئی بن کر اس کا مصنوعی قرابت دار بن جائے۔
ملکیت زمین جس زمانہ میں اصل ذاتی بدوی زندگی میں اچھی خاصی اہمیت حاصل کر
 چکا تھا۔ تو زمین کی ملکیت ابھی اپنے ابتدائی مرحلے طے کر رہی تھی۔ یہ بات کہ ایک شخص کو
 کسی خاص قطعہ زمین پر اپنے گلے چرانے کا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حق ہے۔ شروع
 شروع میں نہایت پیہودہ اور لغو معلوم ہوتی ہوگی۔ بہر حال رفتہ رفتہ بعض بعض صورتوں
 میں باہمی اتفاق سے یہ سمجھوتا ہونے لگا۔ کہ ہر گلہ بان یا ہر بدوی گروہ کا سردار اپنے مولیوں کو
 خاص خاص اقطاع زمین تک محدود رکھے۔ مثلاً کتاب "پیدائش" کے تیرھویں باب میں بیان
 کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ نے ایک دوسرے سے جدا ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور باہم یہ
 قرارداد کی اپنے اپنے مولیوں کو ایک مخصوص رقبہ اراضی کے اندر اندر محدود رکھیں
 کیونکہ زمین زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ یا یوں کہئے کہ اُن کے گلے اور گلہ بان تعداد میں اتنے
 بڑھتے جا رہے تھے کہ آپس میں لڑائی جھگڑے کا ہر وقت ڈر رہتا تھا۔ یہ بھی زمین کی ملکیت
 کی ابتدا۔ جب آدمی ٹیرے اور تیرے میں فرق کرنے لگیں تو یہ سمجھے کہ ملکیت کا خیال اُن کے
 ذہن میں پیدا ہو گیا۔ بہر حال میں دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اُس میں ابھی صحیح معنوں میں شخصی
 ملکیت کا مفہوم وجود میں نہ آیا تھا۔ بلکہ گروہ یا قبیلہ کی ملکیت وجود میں آئی تھی۔ کیونکہ جسے ہم بطریق
 خاندان کہتے ہیں۔ وہ بہت سے خاندانوں کا ایک گروہ ہوتا تھا۔ جن کا سردار ایک بطریق یا

شیخ ہوتا تھا۔

گاؤں کی بنچائیں { یہ عمل آہستہ آہستہ ہوتا رہا۔ خاندان نشوونما پا کر قبیلوں کی صورت اختیار کرتے رہے۔ اور قبیلوں کی تعداد میں ترقی ہوتی رہی۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قبیلہ کا مخصوص رقبہ پہلے سے زیادہ محدود ہو گیا۔ ہوتے ہوتے جب یہ صورت حالات پیدا ہو گئی کہ ایک ایک منفی رقبہ جس کی وسعت حدود مقرر تھیں۔ ایک ایک قبیلہ کی ملکیت بن گیا تو خانہ بدوشی کی زندگی کی جگہ خانہ نشینی کی زندگی بسر کی جانے لگی۔ اور یہ زیادہ تر ایسے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جن کے چاروں طرف سبزہ زار یا جنگل ہوتے تھے۔ سا لہا سال تک یہ رقبے افراد کی بجائے قبیلوں کی ملکیت رہے۔ جب ہر گاؤں کے اندر افراد کی تعداد نے ترقی کی۔ اور چراگاہوں کے رقبہ کی وسعت ناممکن ہو گئی۔ تو یہ امر اشد ضروری ہو گیا۔ کہ روزی کمانے کا کوئی زیادہ سود مند طریقہ نکالا جائے۔ پودوں کا اگانا ایک اس قسم کا طریقہ تھا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ایک رقبہ زمین جو جانوروں کیلئے چارہ بنیاد کر کے سو آدمیوں کو پال سکتا ہے۔ اُس میں اگر معمولی طریقے سے ہل جوتا جائے۔ اور ارد گرد کی زمین کو چراگاہ اور جنگل کی صورت ہی میں چھوڑ دیا جاتا۔ اول اول ان کھیتوں میں غالباً ہل جل کر کاشت کی جاتی تھی۔ لیکن تاریخ کے آغاز سے پہلے اشتراکیت کا طریقہ یورپ کے بعض حصوں میں ترک کیا جا چکا تھا۔ اور بعض حصوں میں اس کے کچھ مدت بعد ترک کر دیا گیا۔ البتہ انشراکی زراعت کی ایک ترمیم شدہ صورت دورناریخی کے ادائل تک باقی تھی۔ یہ زراعت کی ایک ایسی قسم تھی۔ جس میں زمین گاؤں کے لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی۔ لیکن ہر خاندان کو کچھ حصہ الگ دیدیا جاتا تھا۔ کہ اپنی گذران کیلئے اُس میں فصل اگائے۔

بنچائی کا ثبوت { جب بدوی قبیلہ چند پشتوں تک گاؤں میں خانہ نشینی کی زندگی بسر کر چکا۔ نور شدہ داری کو بنائے تنظیم بنانے کا پُرانا خیال آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگا۔ اور مقامیت یعنی ایک قطعہ خاص میں سکونت رکھنا تنظیم اجتماعی کی بنیاد بننا شروع ہوا۔ گاؤں مختلف خاندانوں میں تقسیم ہو گیا۔ جو کسی حد تک زمانہ جدید کے خاندانوں سے مشابہ تھے۔ اس تغیر کو زراعت کے روز افزوں شوق سے بہت کچھ

مدد ملی۔ یہ خیال کہ جو شخص کام نہیں کرتا۔ اس کو کھانے کو نہ دیا جائے۔ اس کا سرائے بہت
 دوڑ تک پہنچتا ہے۔ جب تک گاؤں کے تمام مویشی مشترک تمام محنت کی بدولت مشترک قطع
 زمین سے چارہ کھاتے تھے۔ ایک شخص کی کارکردگی دوسرے شخص کی کارکردگی سے متمیز
 نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن جب زمین صاف ہوئی شروع ہوئی۔ اور پودے بونے اور کاٹے
 جانے لگے۔ تو مختلف لوگوں کے کام میں تمیز کرنا آسان ہو گیا۔ جو سب سے زیادہ محنت اور
 سمجھ سے کام کرتے تھے۔ اُن کو سب سے زیادہ مقدار میں پودے حاصل ہوتے تھے۔ اور قدرتی
 طور پر وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے۔ کہ اُن سے کم محنتی ہمساے اُن کی فصل میں شریک ہوں۔
 اس طور پر زمانہ تاریخی کی ابتداء کے قریب بالخصوص انگلستان میں حالات نے یہ صورت
 اختیار کی کہ پودوں کی اشتراکی تقسیم کا رواج ترک ہو گیا۔ گوزین کی ملکیت اب بھی
 مشترک رہی۔

صحیح طور پر معلوم نہیں۔ کہ شخصی فصلوں کے قاعدے کے نشوونما سے کچھ مدت پہلے
 یا کچھ مدت بعد بہر حال اسی زمانہ کے قریب قریب گلوں کی مشترک ملکیت کا طریقہ متروک
 ہو گیا۔ اور اس کی جگہ شخصی ملکیت کا طریقہ متروک ہو گیا۔ اشتراکی زراعت کی ترمیم شدہ
 صورت جو زمانہ تاریخی کے اوائل میں رواج پذیر ہو رہی تھی۔ اس کا اجمالی سا خاکہ حسب
 ذیل ہے۔

بلدیہ کے کسی مناسب مقام پر گاؤں واقع ہوتا تھا۔ اس گاؤں کے قریب و جوار
 میں مزرعہ کھیت اور سبزہ زار اور ان کی حدود کے باہر چراگاہیں اور جنگل ہوتے تھے
 گاؤں والوں کی اجازت تھی کہ اس مشترک جنگل ذاتی استعمال کیلئے لکڑیاں کاٹ
 لیں۔ اور مشترک چراگاہ پر اپنے ذاتی مویشیوں کو چرائیں۔ مویشیوں کی نگہبانی عموماً
 مشترک طور پر ہوتی تھی۔ اور اس کے خاص آدمی مقرر ہوتے تھے۔ مزرعہ کھیتوں کو
 پہلے متعدد مرتبہ نئے سرے سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہر خاندان کو تقریباً مساوی رقبہ عموماً
 تیس ایکڑ کے قریب ہوتا تھا۔ اور ایک سا حاصل فیروز ہوتا تھا۔ دیا جاتا تھا۔ بعض اوقات
 یہ تقسیم چھوٹے چھوٹے اور منتشر ٹکڑوں میں کی جاتی تھی۔ تاکہ ہر خاندان کو حتی الامکان

ہر قسم کی زمین کا کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے۔ چنانچہ اگر ایک طرف زمین کی ملکیت اجتماعی اور اشتراکی تھی۔ تو دوسری طرف گلوں کی اور ان کی پیداوار کی ملکیت۔ نیز مزرعہ کھیتوں کی فصل کی ملکیت شخصی تھی۔ جب پودے کاٹ لئے جاتے تھے۔ تو تمام گھاؤں کے مویشیوں کو بھوسہ کھانے کی اجازت ہوتی تھی۔ اور فرداً فرداً خاندانوں کو اپنے حصہ زمین کی بلا شرکت غیرے ملکیت فقط پودوں کے اُگانے کی غرض سے حاصل ہوتی تھی۔

زمین کی ملکیت شخصی عموماً ایسا ہوتا تھا کہ ایک خاندان کو ہر سال مزرعہ کھیتوں کا ایک ہی حصہ دے دیا جاتا۔ اور بعد میں ایسا اُستہا اُستہا تک ہونے لگا۔ تا آنکہ ہر خاندان کو یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ وہ اپنے حصہ زمین کی دائمی ملکیت کا حکم رکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جنگلوں اور چراگاہوں کی اجتماعی ملکیت کا دستور ترک ہونے سے مدتوں پہلے زمین کی شخصی ملکیت کا دستور رائج ہو گیا۔ جنگلوں اور چراگاہوں کی اجتماعی ملکیت اس زمانے میں بھی بعض جگہ "حقوق شایلات" کے نام سے باقی ہے۔ لیکن جب مزرعہ کھیتوں کی شخصی ملکیت کا قاعدہ رائج ہو گیا۔ تو اُس کے مدتوں بعد یہ ملکیت عموماً محدود ملکیت ہوتی تھی۔ یعنی خاندان اپنے کھیتوں کا محض اس غرض سے مالک تھا کہ اُن میں پودے اُگائے۔ جب فصل کٹ چھکتی تو گھاؤں والوں کا حق حاصل ہوتا تھا کہ اپنے دھوڑ ڈنگر کو ان کھیتوں میں ایسے ہی چھوڑ دیں۔ جیسے کہ وہ کوئی مشترک چراگاہ ہوں۔ چنے زرعہ زمین کی تقسیم کا رواج ترک ہو گیا۔ یعنی جب وہ شخصی ملکیت بن گئی۔ تو اس کے مدتوں بعد تک چراگاہوں کی ہر سال نئے سرے سے تقسیم ہوتی تھی۔ تاکہ سردیوں کے موسم کیلئے اُن میں سے چارہ حاصل کیا جاسکے۔ سو کھی گھاس کی فصل کٹ جانے کے بعد گھاؤں کے مویشیوں کے لئے ان چراگاہوں میں چرنے کی عام اجازت ہو جاتی تھی۔

کھلے کھیتوں کا دستور ملکیت اراضی کے ایک دستور کی حیثیت سے اس قاعدے کو بعض اوقات نشان بندی کا طریقہ کہتے ہیں۔ لیکن بحیثیت ایک زراعتی دستور کے اس کا نام عموماً کھلے کھیتوں کا دستور ہوتا ہے۔ جب قاذل زراعت زمین گھاؤں کے مختلف خاندانوں کی ذاتی ملکیت بن گئی۔ تو اس کے بعد بھی اُس کی حد بندی

ہاڑے نہ کی جاتی تھی۔ بلکہ چاروں طرف سے کھٹے ہوئے کھیت ہوتے تھے۔ ان کھیتوں کی
 ثانوی تقسیم ایک نہایت عمدہ اور نہایت دلچسپ قاعدے کے مطابق کی جاتی تھی۔ اگرچہ
 ہر خاندان بڑے وسیع رقبہ زمین کا مالک بن سکتا تھا۔ لیکن اُس کی مقبوضہ زمین سب کی
 سب ایک ہی جگہ نہ ہوتی تھی بلکہ متعدد چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہوتی تھی۔ جن کا
 رقبہ عموماً ایک ایک ایکڑ ہوتا تھا۔ یہ ایک ایک ایکڑ کے ٹکڑے ہمیشہ نہیں تو عموماً طول میں ایک
 فرلانگ کے برابر اور عرض میں بیس گز کے برابر ہوتے تھے۔ اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک ایکڑ
 زمین میں بالا و وسط ایک جوڑی کو ایک دن میں ہل چلا لینا چاہیے۔ ایک ایک ایکڑ کے ٹکڑے
 جو مختلف خاندانوں کی ملکیت تھے۔ ایک دوسرے کے برابر واقع ہوتے تھے۔ اور ان کے
 درمیان حد فاصل فقط گھاس کی چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیاں ہوتی تھیں جنہیں مینڈ کہتے تھے۔
 ان ٹکڑوں کے ایک مجموعہ کے کناروں پر غیر مزدور ٹکڑے ہوتے تھے۔ جنہیں راس زمین
 کہا جاتا تھا۔ اور جہاں پہنچکر ہل لوٹا جاتا تھا۔ اس انتظام کے مطابق ہر فرلانگ یا ایک
 ایک ایکڑ کے ٹکڑوں کے مجموعہ میں گاؤں کا ہر خاندان ایک ٹکڑے کا مالک ہو سکتا تھا۔ اور
 اسی طرح کے ٹکڑے متعدد فرلانگوں میں اُسکی ملکیت ہوتے تھے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا
 ہے۔ یہ انتظام غالباً فی الاصل اس مقصد کیلئے تھا۔ کہ ہر خاندان کو ہر قسم اور ہر درجہ کی زمین
 میں سے حصہ دیکر مساوات قائم کی جائے۔

وودو کھیتوں کی دستور ہر ملک کے کاشتکاروں نے شروع ہی میں یہ دریافت کر لیا تھا۔
 کہ متواتر پودوں کے اُگتے رہنے سے زمین کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور اسکی حاصل خیزی کم ہو جاتی
 ہے۔ چنانچہ وہ چند سال تک ایک کھیت سے پیداوار حاصل کر کے پھر اُسے خالی چھوڑ دیتے
 تھے۔ اور اسکی جگہ کوئی اور کھیت زراعت کیلئے تیار کر لیتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد یہ انکشاف
 ہوا کہ اگر کوئی کھیت چند سال کیلئے بن جتنا چھوڑ دیا جائے تو اس کی اصلی زرخیزی کا کچھ
 حصہ ضرور عود کر آتا ہے۔ اس طرح زراعتی پیداوار کا ایک بہت بڑا قانون زمانہ تاریخی کے
 آغاز سے قبل دریافت کیا گیا۔ وہ یہ کہ اگرچہ متواتر پودوں کے اُگتے رہنے سے زمین فرسودہ
 ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس کو چند سال بیکار رہنے دیا جائے تو اس میں نئے سرے سے زرخیزی

پیدا ہو جاتی ہے۔ شروع شروع میں غالباً اس کے متعلق کوئی قاعدہ یا ضابطہ نہیں تھا۔ کہ کب تک زمین کی کاشت کی جائے۔ اور پھر کب تک اُسے بیکار چھوڑ دیا جائے۔ گاؤں والے ایک قطعہ زمین میں کاشت کیلئے چلے جاتے تھے تا آنکہ وہ اپنے دل میں یہ فیصلہ کرتے کہ بس اب اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور کوئی دوسرا قطعہ زمین زراعت کیلئے تیار کرنا چاہیئے۔ بہر حال بتدریج ایک منظم قاعدہ وجود میں آ گیا۔ اس کا نام ”دو کھیتوں کا دستور“ ہے۔ یہ دستور صرف اس امر پر مشتمل تھا۔ کہ زراعتی زمین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ اور ہر دوسرے سال ایک ٹکڑے میں کاشت کی جائے اور دوسرے کو بے کاشت رہنے دیا جائے۔

تین تین کھیتوں کا دستور اس کے بعد ایک اور محشاف ہوا۔ وہ یہ کہ فصل کے متواتر بدلتے رہنے سے اتنی جلدی زمین کی زرخیزی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ جتنی جلدی ایک ہی چیز بار بار اُگلنے سے اُس کو نقصان پہنچتا ہے۔ جب یہ دریافت ہو چکا تو معلوم ہوا کہ اگر کھیت میں دو سال تک پیداوار کی جائے۔ اور تیسرے سال اُسے بے کاشت رہنے دیا جائے۔ تو اس کی زرخیزی قائم رہ سکتی ہے۔ اس سے ایک قاعدہ جسے ”تین کھیتوں کا دستور“ کہتے ہیں۔ وجود میں آیا۔ اس کے مطابق زراعتی زمین تین حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ کوئی فصل خریف کا غلہ مثلاً گہوں یا دیو گندم اُس کھیت میں بویا جاتا جو ایک سال پیشتر خالی رہا تھا۔ آئندہ ربیع میں یہ کہا جاتا کہ جس کھیت میں گذشتہ خریف کا غلہ کاٹا جا چکا تھا۔ اس میں ہل چلایا جاتا۔ اور اس میں ربیع کا غلہ بویا جاتا۔ مثلاً جئی یا جو۔ اور جس زمین میں ربیع کی فصل ہو چکی تھی۔ اس کو بے کاشت رہنے دیا جاتا۔ اس طرح ہر کھیت میں ایک سال تو خریف کی فصل ہوتی۔ دوسرے سال فصل ربیع اور تیسرے سال اُسے خالی چھوڑ دیا جاتا۔ یہ دستور چونکہ دو کھیتوں کے دستور سے زیادہ فائدہ مند تھا۔ اس لئے اُس نے اس کی جگہ لے لی۔ گو بعض بعض جگہ یہ عمل بڑی آہستگی سے انجام کو پہنچا۔

آزادی کی کمی یہ جتنے دستور تھے۔ ان سب کے ماتحت انفرادی خاندان کو جہاں زمین اور پیداوار دونوں کا حق ملکیت حاصل ہوتا تھا۔ وہاں ایک چیز کی کمی تھی۔

یعنی آزادی کی پہچانیت نے باری باری ایک ایک کھیت کے جوتے کا جوتا عہد بنا رکھا تھا۔ اس پر انہیں مجبوراً کاربند ہونا پڑتا تھا۔ اور اس کیلئے ضروری ہوتا تھا کہ ایک مقررہ تاریخ تک اپنی فصل کاٹ کر فارغ ہو جائے تاکہ اس کے کھیتوں میں گاؤں کے مویشی چرنے کیلئے جاسکیں۔ اسی طرح اور پیشہ مار آئین و قوانین تھے جو ہر خاندان پر عائد ہوتے تھے۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ ہل اُس زمانے میں امداد باہمی سے چلایا جاتا تھا۔ آٹھ میل ہر مل کے آگے جوتے جاتے تھے۔ گو غالباً اس بارے میں کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا۔ اور سیلوں کی تعداد کے متعلق تو یقینی امر ہے کہ کوئی خاص تعداد یقین نہ تھی۔

اجناس کی محدود اقسام جو فصل اُگائی جاتی تھی وہ اکثر غلہ کی قسم سے ہوتی تھی یعنی گہوں۔ دیو گندم۔ جئی۔ جو وغیرہ۔ پھل اور ترکاریاں نہ تو زیادہ عام کاشتکاروں کو معلوم تھیں۔ اور نہ زیادہ پیدا کی جاتی تھیں۔ ان لوگوں کو غذا لازمی طور پر بلحاظ تنوع بہت محدود تھی۔ زیادہ تر یہ چیزیں کھائی جاتی تھیں۔ روٹی۔ دلیا۔ دودھ۔ مکھن۔ پنیر اور نمک لگا کر کھایا ہوا گوشت۔ اور کبھی کبھی انڈے اور مرغ مرغیاں وغیرہ شکر نادر اور موجود سامانِ عشرت میں شمار ہوتی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مقدار بہت ہوتی تھی۔ اس سیدھی سادی اور ایک ہی مزے کی خوراک کو لذیذ بنانے کیلئے اچھے کھاتے پیتے گھروں میں گھر کی کشیدگی ہوئی جو کی شراب کھانے کے ساتھ شامل کر لی جاتی تھی۔

تعلقہ داری کا دستور۔ مینویریل سسٹم دیہاتی تنظیم کی وہ اجتماعی صورت جس کے ماتحت یہ ترقیاں ظہور میں آئیں۔ آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوتی گئی۔ اور اسکی جگہ ایک اور نظام وجود میں آیا جسے نظام تعلقہ داری (Manorial system) کہتے ہیں۔ یہ زراعت کے قدیم قاعدے میں کوئی تبدیلی نہ تھی۔ بلکہ ملکیت زمین کے دستور میں ایک تبدیلی تھی۔ ملکیت زمین کے نشان بندی کے دستور (Manark system) کے بعد تعلقہ داری کا دستور آیا۔ لیکن دونوں کے ماتحت زراعت کا دستور کھلے کھیتوں کا دستور تھا۔ اس کی کوئی تاریخ نہیں بنائی جاسکتی کہ جب

اجتماعی دستور یا نشان بندی کا دستور کا آغاز ہوا۔ انگلستان جو ایک ایسا ملک ہے۔ کہ اس کی زراعتی تاریخ سے ہمارے ملک کے لوگوں کو سب سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اُس میں یہ تین دستور غالباً نارمن فتح یابی (۱۰۶۶ء) کے دو صدیاں پہلے وجود میں آیا۔ اس واقع کے تصور کی مدت بعد اس تحریک کی عملی طور پر تکمیل ہو گئی۔ نارمن بادشاہوں نے دیکھا۔ کہ ملک کی از سر نو تنظیم و تنسیق کرنے کیلئے یہ دستور نہایت عمدہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کیا۔ کہ جو تعلقے و اریاں پہلے موجود تھیں وہ ولیم فاتح کے ساتھیوں کو دیدیں بلکہ تمام سلطنت کا جائزہ لیا اور اُسے اپنی قوم کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ۱۰۸۵ء کے موسم سرما میں سلطنت کی ایک عام پیمائش کا حکم دیا گیا۔ اور اس کے دو سال بعد اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اسے (Domesday Survey) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس کے نتائج ایک کتاب میں درج کئے گئے جو (Domesday Book) کے نام نامی سے مشہور ہے۔ یہ پہلی زراعتی پیمائش تھی۔ جو بہت بڑے پیمانے پر ہوئی۔ اور جس کو ضبط تحریر میں لایا گیا۔ اور غالباً کسی قوم کے زراعتی وسائل کا اس سے مکمل جائزہ کبھی نہیں لیا گیا۔

ایک پیمائش (تعلقہ) کا اجمالی خاکہ کیوں تصور کیجئے۔ کہ ایک گاؤں تمام کا تمام ایک جاگیر دار کی ملکیت بن گیا ہے۔ اور گاؤں والے villen کے نام سے نسل بعد نسل اُس کے مزارع بن گئے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ کاشت اُسی طرح کرتے ہیں جس طرح پنچائتی یا نشان بندی کے دستور کے ماتحت کرتے تھے۔ تاہم اپنے جاگیر دار کو جیش یا خدمت کی صورت میں لگان ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک تعلقہ (manor) کا اجمالی سا خاکہ ہے۔ تعلقہ کا مالک صرف زمین کا مالک نہ ہوتا تھا۔ بلکہ وہ مقامی پنچایت کا سردار بھی ہوتا تھا۔ وہ عدالت کرتا تھا اور قانون نافذ کرتا تھا۔ اُس کے ذمے بادشاہ کی طرف سے چند فرائض و خدمات بھی تھیں۔ ایک لحاظ سے ہم اُسے مقامی حکومت کا ایک عہدہ دار کہہ سکتے ہیں۔ جو کہ بادشاہ کے ماتحت ہوتا تھا۔ اور بجائے تنخواہ کے بادشاہ کی طرف سے اُس کو زمین عطا ہوتی تھی۔ اور ساتھ ہی اس کا لگان و عول کرنے کا

حق بھی بخشا جاتا تھا۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ مقامی حکومت کے عہدہ دار کی حیثیت خود بخود اختیار کر لیتا۔ بغیر اس کے کہ بادشاہ کی طرف سے اس کا تقرر ہو۔ چونکہ تمام قرب و جوار میں وہ سب سے زیادہ مقتدر اور طاقت ور آدمی ہوتا تھا۔ اس لئے فتنہ و فساد یا بے آئینی کے زانیوں وہ ایک سردار یا حاکم کی حیثیت اختیار کر لیتا۔ جو لگان اسامی یا مزارع کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اُسے ہم اسی نقطہ نگاہ سے وہ محصول یا خراج کہہ سکتے ہیں۔ جو وہ مقامی حکومت یا مقامی حاکم کی امداد کیلئے ادا کرتے تھے۔ بعض صورتوں میں اور بالخصوص مائیں نفع کے بعد یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک تعلقہ میں بہت سے گاؤں ہوتے تھے۔ ان میں جو مزارع ہوتے تھے وہ مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے تھے اور ان میں سب سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جنہیں *villeins* کہتے تھے۔ ہر ایسے شخص کے پاس قابل زراعت زمین کا ایک قطعہ ہوتا تھا۔ جس کا قبضہ عموماً مائیں ایکڑ کے برابر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کو چہرہ اکاہ کی زمین کا بھی حصہ دیا جاتا تھا۔ اور اس کو یہ حق حاصل ہوتا تھا کہ شالوات پر ایسے مویشی چرائے اور جنگل سے لکڑیاں کاٹے جیسا کہ وہ پنجائی دستور کے ماتحت ہمیشہ سے کرنا چاہتا آیا تھا۔ لیکن وہ کسی اعتبار سے آزاد آدمی نہ تھا۔ وہ جس زمین کی زراعت کرتا تھا اس کے ساتھ وابستہ تھا۔ اور اپنے آقا یعنی جاگیردار کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاسکتا تھا۔ البتہ ایک معمولی غلام کی طرح زمین سے علیحدہ نہ بیچا جاسکتا تھا۔ لگان اُسے جنس کی صورت میں دینا پڑتا تھا۔ لیکن انگلستان میں لگان ادا کرنے کی صورت یہ تھی کہ مزارع اپنے آقا کیلئے محنت کرتا تھا۔

لف *villein* کے معنی تھے "گنوار" یعنی وہ شخص جو گاؤں میں رہتا تھا (*in or village*)۔ یہ گاؤں پرانے زمانے کے پنجائی دستور کے باقیات میں سے تھے۔ گاؤں سے نکلی کر *villeins* اس زمین میں جو اس کو کاشت کیلئے لگائی گئی تھی۔ یا اس زمین میں جو جاگیردار کی کاشت ذاتی ہوتی تھی۔ کام کرنے کیلئے جاتا تھا۔

۵۔ ایسے کی انگلستان کی معاشراتی تاریخ حصہ اول صفحہ نمبر پر ایک انگریزی مہینہ و تعلقہ کا نقشہ سندھ جیل الفاظ میں نہایت خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔

”گاؤں میں ایک بازار ہوتا تھا اور اس کے دو طرف کاشت کاروں کے مکان تھے۔ جن کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے احاطے ہوتے تھے۔ اس وقت تک اس قسم کی منتشر باڑیاں جو بعدہ وجود میں آئیں۔ کہیں دیکھنے

ایک تعلقہ میں جتنی زمین ہوتی تھی وہ سب کی سب اسامیوں کی نہیں دیدی جاتی تھی۔
کچھ حصے جنہیں جاگیردار کی خود کاشت زمین (Demeane Lands) کہتے تھے
خود جاگیردار کے پاس رہتے تھے۔ اور ان میں وہ خود کاشت کرتا تھا۔ یا اپنے زیر انتہام کراتا
تھا۔ ان میں کام کرنے والے لوگ چھوٹے چھوٹے شکاری کاشتکار ہوتے تھے۔ ان شکاری
کاشتکاروں کے مختلف نام تھے۔ اور ان کے قبیلے میں بہت چھوٹے چھوٹے قطعے عموماً

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۹) میں نہ آتی تھیں گاؤں کے گرد اگر قابل زراعت زمین ہوتی تھی۔ جو عموماً تین کھیتوں
میں تقسیم ہوتی تھی۔ جن میں سے ایک میں گہوں یا دیو گندم اور ایک میں جئی یا جو کی کاشت کی جاتی تھی۔ اور
تیسرے کو بے کاشت چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ان کھیتوں کی تقسیم آگے چھوٹے ٹکڑوں میں ہوتی
تھی۔ جنہیں فرلانگ کہتے تھے۔ پھر ہر فرلانگ کو ایکڑ یا آدھ ایکڑ کے ٹکڑوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔
جو ایک دوسرے سے کانٹوں یا جھاڑیوں کی باڑ سے الگ نہ کئے جاتے تھے۔ بلکہ مینڈر کے ذریعے یعنی
اسی زمین کے ذریعے جسے بن جتنا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یہ ٹکڑے اسامیوں میں اس طرح بانٹ دیے جاتے
تھے کہ ہر شخص کی بچی ایسے مختلف ٹکڑوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جو ان تین کھیتوں میں ادھر ادھر منتشر
ہوتے تھے۔ کسی شخص کے پاس دو متصل ٹکڑے نہ ہوتے تھے۔ ہر اسامی کو اپنے قطعہ زمین کی کاشت
اُس باری باری کے قاعدے کے مطابق کرنی پڑتی تھی۔ جو اس کے ہمسائوں میں رائج تھا۔
قابل زراعت کھیتوں کے علاوہ چراگاہیں بھی تھیں۔ جن کی حفاظت سوکھی گھاس کیلے کی جاتی
تھی۔ اور جو مختلف حصوں میں یا تو قریب اندازی سے یا باری باری سے یا رواج کے مطابق تقسیم
کی جاتی تھیں۔ یہ چراگاہیں سوکھی گھاس کے کٹ چکنے کے بعد مویشیوں کے چرنے چلنے کیلئے
چھوڑ دی جاتی تھیں۔ اکثر جگہ چند مستقل جنگل یا چراگاہیں بھی ہوتی تھیں۔ جن میں مویشی بے روک
لوک چھوڑ دیے جاتے تھے۔ یا جدا جدا ایک ایک شخص کی بچی کے مطابق ان مویشیوں کی تعداد مقررہ ہو
جاتی تھی۔ جن کو وہاں چرنے کی اجازت تھی۔

بالفرض اگر یہ کھیت اور چراگاہیں آزاد آدمیوں کے ایک گروہ کی ملکیت ہوتیں تو اس صورت
حالات کو ہم نشان بندی کا دستور کہتے۔ لیکن زمینوریل سسٹم (تعلقہ داری کا دستور یا نکل مختلف
چیز تھی۔ ایک تعلقہ زمینوریل میں زمین مزارعوں کی ملکیت نہ سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ ایک جاگیردار کی ہا

Colters

Cooplen

Borders

۱۰

پانچ ایکڑ کے رقبہ کے ہوتے تھے۔ جاگیردار کی خودکاشت زمین میں بیج بویا جاتا تھا۔ فصل کٹائی جاتی تھی اور اناج چھڑا جاتا تھا تو یہ سب اُن چھوٹے مزارعوں کی محنت ہے۔ ہر شکاری کا شکار فرض واجب تھا۔ کہ ہفتے بھر میں دو یا تین دن کے حساب سے یا رہ جہینے اپنے جاگیردار کی خاطر کام کرے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ فصل کٹنے کے دنوں میں بھی اُسے کام کرنا پڑتا تھا۔ علاوہ بریں اور بہت سے فرائض تھے۔ جو شکاری کا شکار پر عائد تھے۔ اور یہ سب کے سب کسی نہ کسی حد تک جاگیردار کے ذاتی فائدے کیلئے ہوتے تھے۔ مثلاً شکاری کا شکار مجبور تھا کہ اپنا غلہ جاگیردار کی مشین میں پسوائے اپنی کائیں جاگیردار کے ساند کے پاس لیجائے اور اپنی کھیلوں کو تھوڑی دیر کیلئے ہر روز جاگیردار کی زمینوں پر کھڑا رکھے تاکہ جاگیردار کو کھاد کا فائدہ ہو جائے۔ بعض اوقات خاص تحفے تحائف کا بھی تقاضا ہوتا تھا۔ مثلاً شہد جو اس زمانے کے سامانِ عشرت میں نہایت بیش بہا چیز سمجھی جاتی تھی۔ انڈے۔ مرغ۔ مرغیاں۔ شراب وغیرہ جو زمین مزارع کی پیٹی میں ہوتی تھی وہ پشت بہ پشت اُس کے خاندان کے پاس رہتی تھی۔ ایک مزارع مرجاتا تو زمین اس کے بیٹے کو دے دی جاتی۔ دوسرے بیٹوں کو اور جگہ روزگار تلاش کرنا پڑتا۔ مثلاً شہروں میں دستکاری یا جاگیردار کے گھر کی ملازمت یا فوج کی لوگری کرنی پڑتی۔ تعلقہ داری کے دستور کے ماتحت متعدد معافی دار در در ~~مستحق~~ ایسے ہوتے تھے جن کی حیثیت مزارع سے کسی قدر اچھی ہوتی تھی۔ لیکن کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ان دونوں جماعتوں کا باہمی فرق مٹنے مٹنے بالکل نابود ہو گیا۔

مہنت کی اصلیت جس عمل کے مطابق ایک گاؤں کی بچائیت نے تغیر پذیر ہو کر تعلقہ کی شکل اختیار کی وہ عمل کسی قدر پیچیدہ ہے۔ بالکل ہم اُسے تین رواجوں کی نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔ دا، بچائیتی دستور کے ماتحت بھی بادشاہ کو محصول لگانے یا گاؤں کے لوگوں کی خدمت حاصل کرنے کے متعلق چند حقوق پہنچتے تھے۔ بعض اوقات بادشاہ یہ حقوق اپنی سہولت کیلئے کسی راہب خانہ کو عطا کر دیتا تھا یا کسی شخص کو مرحمت فرماتا کہ طر پر بخش دیتا تھا۔ (۲) اُن فتنہ و فساد سے لبریز ایام میں ایک سیدھے سادے

نہ تھے
اتا
شکاری
و ما
نوں
اور
ہوتی
نا۔
بہین
تے
شر
تی

کاشتکار کیلئے جو فتنہ حربے بالکل عاری ہونا تھا یہ آسان بات نہ تھی کہ قزاقوں یا ان سے بھی زیادہ
خطرناک حملہ آوروں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے۔ اُس کیلئے امن و عافیت کی بہترین ترکیب
عموماً یہی ہوتی تھی کہ کسی باہر جنگ یا زبردست سردار کی پناہ لے اور یہ معاہدہ کر لے کہ اپنی حفاظت
کے عوض میں چند خدمات انجام دیں گے یا لنگان ادا کرے گا۔ دس کچھ مدت کیلئے یہ رواج ہو گیا
تھا کہ وین قوم کے لوگوں کو جو ملک میں آفت مچائے رکھتے تھے کچھ ہدیہ زرے دلا کر چھٹکارا
پایا جائے۔ اس روپیہ کے فراہم کرنے کیلئے محصول لگانا پڑتا تھا اور اس کا نام *Landwehr* تھا۔
تھا۔ گاؤں کے عام لوگوں سے اگر براہ راست چندہ طلب کیا جاتا تو فضول تھا۔ اس لئے بجائے
اُن کے راہب خانوں اور بڑے بڑے جاگیرداروں سے تقاضا کیا جاتا تھا۔ اور یہ لوگ اپنے ماتحتوں
سے روپیہ وصول کرنے کے ڈھنگ نکالتے تھے۔ اس غرض کیلئے انہیں کافی اختیارات دیے
دیئے گئے تھے۔ چنانچہ اس طریقے سے جاگیرداروں کی قوت و اقتدار نے رفتہ رفتہ ترقی کی اور
اوہڑکڑوں والوں کی آزادی روز بروز کم ہوتی ہو گئی۔ تا آنکہ اُن کی حیثیت محض ان مزارعوں کی
ہو گئی۔ جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔

تعلقہ واری کے دستور کی سخت پابندی بالکل جیسا کہ عبارت بالا میں اشارہ کیا
جا چکا ہے۔ کھلی کھینٹوں کا دستور تعلقہ جات میں بھی رائج تھا۔ جیسے پہلے گاؤں کی بچاوتوں
میں رائج رہ چکا تھا۔ پھر زمانہ گزرنے کے بعد چند نئے پیٹے پیدا ہو گئے۔ مثلاً گائے بھینٹوں
کی رکھوالی، بھیڑوں کی نگہبانی، سوروں کا چرانا وغیرہم۔ جو لوگ یہ کام کرتے تھے اُن کا فرض
یہ تھا کہ گاؤں کے مولتی جب باہر چرائے گا ہوں میں چر رہے ہوں تو یہ انکی نگہبانی کریں۔ یہ کام
ہوتے ہوئے موروثی بن گئے۔ یا پھر بطور ایک حق قانونی کے اپنا کام بیٹے کے سپرد کر جاتا تھا
اور اس طرح یہ سلسلہ پشت بہ پشت چلا جاتا تھا۔ مختلف اجناس کا باری باری بونا اور
اُن کی فصل کاٹنے کے طریقوں اور اوقات کے متعلق بہت سخت قانون رائج تھے۔ اس بنا
پر سوائے جاگیرداروں کے اور کسی کیلئے کوئی نئی بات سوچنے کی گنجائش بہت کم تھی۔ نتیجہ یہ
ہوا کہ فن زراعت نے بہت تھوڑی ترقی کی و کھینٹوں کا دستور ترک ہونے کے بعد نین
کھینٹوں کا دستور جو مروج ہوا۔ اس کے فائدے کو عیاں تھے۔ یہ تہذیبی بہت تاخیر سے قریح

میں آئی۔ کسی گاؤں میں یہ تبدیلی نہ کی جاسکتی تھی۔ جب تک کہ گاؤں والوں میں سے اکثر..... کو یقین نہ دلایا جاتا کہ اسکی ضرورت تھی۔ اور یہ بات صراحت کی محتاج نہیں کہ اوسط حبیب کی ذہنیت کے آدمی کو زبانی جمع خرچ سے یہ بات سمجھنا بہت مشکل ہے۔ کہ جس طریقے سے وہ کوئی کام کر رہا ہے اُس سے بہتر طریقہ بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی نظام ایسا ہو تاکہ جس میں انفرادی آزادی قدر سے زیادہ ہوتی تو جس وقت بھی کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آتی کہ نظام موجودہ میں تبدیلی کرنا فائدہ مند ہے۔ تو اُسی وقت وہ اپنے خیال کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔ اگر اس کو کامیابی ہوتی۔ تو اُس کے ہمسائے بہ نسبت اس کے کہ منطقی دلائل اور ریاضی کی مدد سے بات اُنکی ذہن نشین کی جاتی۔ اس کی روشن مثال کو آنکھوں کے سامنے دیکھ کر خود بخود قائل ہو جاتے اور سیدھے راستے پر آ جاتے۔ لیکن تعلقہ داری کے دستور میں اتنی انفرادی آزادی چونکہ موجود نہ تھی۔ اسلئے یہ کوئی الٹا فی نہ تھا۔ کہ انگریزی زراعت کی تاریخ میں اس کے بعد کا جو دور نرتی ہے وہ بہت مدت کے بعد آیا۔ اور تعلقہ داری کے نظام کے درہم برہم ہو جانے کے بعد کہیں جا کر شروع ہوا۔

میسر (تعلقہ) کا انحطاط نظام تعلقہ داری کا جدید انفرادی نظام میں تبدیل ہونا ایک طول طویل اور پیچ در پیچ سلسلہ واقعات ہے۔ ہم یہاں اُن کے بالتفصیل بیان کر نیکی ضرورت نہیں۔ اور ان تفصیلات کے متعلق مورخین کا اتفاق بھی نہیں ہے۔ دو رواج جو غیر یورپی صدی کے بعد انگلستان میں رائج ہوئے۔ اُن کو تعلقہ داری کے نظام کے زوال کا سب سے بڑا اسباب کہا جاسکتا ہے۔ اُن کے نام یہ ہیں:-

اول عوض معاوضہ۔ یعنی ان خدمات کے بجائے جو مزارع انجام دیتے تھے۔ روپیہ کی صورت میں لگان وصول کرنا۔

دوم۔ حد بندی یعنی ایسے قطعات زمین جو پہلے کھلے کھیتوں یا منستر کہ چراگاہوں کی صورت میں تھے۔ اُن کی احاطہ بندی کرنا۔ اپنی جگہ یہ رواج ایک قائم بالذات زراعتی نظام کے ایک بخارا تی نظام میں تبدیل ہو جانے کا اگر نتیجہ نہ تھے۔ تو کم از کم اُس کے ساتھ دھو دین آئے؛

تجارتی زراعت کا آغاز کم اوایل آیام میں تعلقہ ایک قائم بالذات شے تھی۔ ہر چیز جو اُس کے صرف میں آتی تھی۔ وہیں پیدا ہوتی تھی اور باہر سے کوئی چیز نہ خریدی جاتی تھی۔ لیکن تجارت اور صنعت و حرفت کی اسکی ترقی کے ساتھ ساتھ جو پُر امن سیاسی حالات کے از سر نو قائم ہو جانے سے ظہور میں آئی اس کی اس صفت کو زوال آیا اور خارجی دنیا کے ساتھ اس کا تعلق زیادہ ہوتا چلا گیا۔ یعنی تعلقہ کی پیداوار نیچے اور باہر سے سودا خریدنے کا رواج پڑ گیا۔ نئی نئی سڑکیں بن چکی تھیں۔ نئے نئے شہر آباد ہو رہے تھے۔ اور زر مسکوک کا رواج شروع ہو گیا تھا چنانچہ بعض مزارع جو اپنے ہمسایوں سے ذرا زیادہ کامیاب یا زیادہ بھیدار تھے۔ انہوں نے جاگیرداروں کے ساتھ اس طرح کا سودا کرنا شروع کر دیا کہ اگر وہ ان کو اپنی ذاتی زمین میں کام کرنے کی مجبوری سے آزاد کرے تو اس کے بدلے میں وہ ہر سال اس کو کوئی مقررہ رقم ادا کر دیا کریں گے۔ یہ رقم وصول کر کے جاگیردار ان مزارعوں کی بجائے جو اسکی زمین میں پہلے کام کرتے تھے اور کیمروں سے اجرت پر کام کر سکتا تھا۔ جہاں کہیں یہ تبدیلی کی گئی۔ وہاں ثابت ہوا کہ یہ طرفین کے مفاد کیلئے بہتر تھی۔ مزارعوں کو یہ فائدہ تھا کہ وہ سارا وقت اپنی زمین کے کام میں صرف کر سکتے تھے۔ اور جاگیردار کو یہ فائدہ تھا کہ وہ اپنی خود کاشت اراضی کیلئے مزدوروں کی ایک مستقل جماعت رکھ سکتا تھا۔ اس بنا پر فریقین پہلے سے زیادہ منظم اور منضبط طریقے سے اپنا کام کر سکتے تھے۔ پُرانے نظام کے سخت ایک دوسرے کے کام میں دخل دینے کی جو ضرورت پیش آتی تھی اور جو نہ صرف بے فائدہ تھی۔ بلکہ حد درجہ تکلیف دہ بھی تھی۔ اُس سے اب دونوں کو چھٹکارا ہو گیا۔

احاطہ بند کھیت { لیکن جب پیداوار زر کے عوض میں بچی جانے لگی۔ یا جب کاشتکاروں کے ذہن میں زر کا مفہوم پیدا ہوا۔ تو نفع اور نقصان کے خیالات پہلے سے زیادہ واضح ہو گئے۔ یا اور پیداوار کے اخراجات کم کرنے کا محرک زیادہ قوی ہو گیا۔ اس وقت یہ حال کھلنا شروع ہوا۔ جیسا کہ پہلے بھی نہ کھلاتا تھا۔ کہ پُرانا کھلے کھیتوں کا دستور تسق در باعث نقصان تھا۔ کہ جس کے مطابق ہر خاندان ایک ایکڑ اور آدھ ایکڑ کے ٹکڑوں کی جو کھلے کھیتوں میں بکھرے ہوتے تھے کاشت کرتا تھا۔ ان منتشر ٹکڑوں کو زیادہ پیوستہ اور متصل بنانے کیلئے ایک تحریک برپا ہو گئی۔

شروع شروع میں غالباً یہ تبدیلی باہمی رضامندی سے عمل میں آئی تھی۔ گو معلوم ہوتا ہے۔ کہ
 جاگیردار اس تحریک کے سربراہ اور قائد تھے۔ سب سے پہلے ان زمینوں میں جو جاگیرداروں
 کی خود کاشت زمینیں تھیں۔ کھیتوں کو ملا کر حد بندی کی گئی۔ لیکن چونکہ وہ بعض اوقات مزارعوں
 کی زمینوں کے درمیان ادھر ادھر ایک ایک ٹکڑوں کی صورت میں بکھرے ہوئے تھے۔ اسلئے
 تمام ٹکڑوں کی ان میں تقسیم و تربیت لازم آئی۔ مزارعوں کو بعض اوقات اس بات کی ترغیب
 دی جاتی تھی کہ مشترکہ چراگاہ کا جو حق استعمال ان کو حاصل تھا۔ اس سے دست بردار ہو جائیں۔
 اور اس کے عوض میں مزید قابل زراعت زمین یا نفع کی صورت قبول کر لیں۔ اس طریقے سے
 جاگیرداروں نے چراگاہوں کے کچھ قطعات کو نو مزروعہ زمین کی صورت میں تبدیل کر دیا اور
 باقی کی حد بند کر لی۔ حد بندی کا عمل اس طور پر اور اسی کے مشابہ اور صورتوں میں ہوتا رہا۔
 اور کھلے کھیتوں کا چرانا نظام رفتہ رفتہ معدوم ہو گیا۔ بہر حال یہ تبدیلی خاص کر اپنے آخری
 مارج میں بغیر مخالفت و مزاحمت کے ظہور میں نہیں آئی۔ اور حد بندی کے طریق کار پر بہت کچھ
 سیاسی اور معاشرتی بحث و مباحثہ ہوا کیا۔ یہ بات خلاف قیاس نہیں کہ اس طریق کار کے مطابق
 بہت کچھ نا انصافیاں اور حق تلفیاں روا رکھی گئی ہونگی۔ اور یہ تو مسئلہ امر ہے کہ اس کے پیشکار
 مضر نتائج پیدا ہوئے لیکن اس بارے میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔ کہ اس تبدیلی کا
 انجام ایک زیادہ مفید اور کارآمد طریق زراعت تھا۔ اور اسلئے ان اصلاحات کی دلچسپی ملتی۔
 جو بعد میں رونما ہوئی۔ جدید زراعت کی نشوونما اگر ہو سکتی تھی۔ تو صرف ایسے کھیتوں کے ذریعے
 جو ایک دوسرے سے متصل ہوں۔ نہ اس طریقے سے کہ ایک ایک ٹکڑا یہاں ہو اور آدھا ایک ٹکڑا
 کا ٹکڑا وہاں۔ نئے نظام کے ماتحت یہ بات ممکن ہو گئی۔ کہ پٹی کا نقبہ اساسی کی قابلیت اور زراعت
 کی ضروریات کے مطابق جتنا چاہے کر لیا جائے۔ زیادہ قابل اور کاروائی کاشتکاروں کیلئے
 اس بات کے مواقع پیدا ہو گئے۔ کہ اپنی ذمات سے فائدہ اٹھائیں۔ کیونکہ اب وہ بیجاہت کے
 مقررہ آئین و قوانین کی قید میں نہ جکڑے ہوئے تھے۔ علاوہ بریں نئی اجناس کا اگانا بھی بجائے اس کے کہ
 اس باری باری کی کاشت کے قاعدہ پر جو دو کھیتوں اور تین کھیتوں کے نظام کے ماتحت رائج تھا۔
 کار بند رہا جائے۔ ممکن ہو گیا۔ حاصل کلام زراعت کے ایک انفرادی نظام کے اسباب ظہور میں آ گئے ہو۔

(۲) جدید انگریزی زراعت کا آغاز

لے ہم انگریزی زراعت کو کہاں تک ممنون ہیں؟ ہم اے ملک کی زراعتی تاریخ بہ نسبت دنیا کے اور کسی حصے کے برطانیہ عظمیٰ کی تاریخ سے زیادہ قریب کا تعلق رکھتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ جو لوگ امریکہ کی نوآبادی میں آکر بسے وہ اپنے اصلی وطن یعنی انگلستان کے دیہاتی رسم و رواج اور آئین و قوانین اپنے ساتھ لے آئے۔ بلکہ وہ مدتوں تک باسٹنٹائے زراعتی کلون سکے جن میں امریکہ تمام دنیا کے ممالک سے ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ باقی تمام زراعتی امور میں انگلستان کو دلیل ہدایت بناتے رہے۔ اور اب تک یہی حال ہے۔ امریکہ میں میووں۔ نفلوں اور ترکاریوں کی تمام نئی نئی قسمیں اور بالخصوص مولیشیوں کی اعلیٰ تسلیں زیادہ تر انگلستان اور اسکاٹ لینڈ سے لائی گئی ہیں۔ ہمارے ملک کے بعض حصوں میں یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ باغوں اور کھیتوں کی پیداوار کی اصلاح شدہ اور ترقی یافتہ اقسام اور بال مولیشی کی بہتر اقسام کو "انگریزی" کہا جاتا تھا۔ مثلاً انگریزی سٹوکی گھاس سے مراد وہ سٹوکی گھاس تھی۔ جو خود گھاس سے بہتر قسم کی ہو۔ انگریزی پھل سے عبارت ہر وہ پھل تھا جس کا بیونہ لگایا گیا ہو۔ انگریزی مولیشیوں۔ انگریزی گھوڑوں و علیٰ ہذا القیاس دوسرے جانوروں سے مراد ہر وہ جانور تھا جو معمولی ڈنگر سے اعلیٰ ہو۔ گو ان اصطلاحات کا استعمال صحیح نہ تھا۔ تاہم اس سے عام الفاظ میں یہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ ہمارا ملک انگلستان کی زیادہ ترقی یافتہ زراعت کا کس حد تک مرہون منت ہے۔ بالخصوص ابتدائی دور میں جب کہ نوادار و ہاجرین بڑا عظیم امریکہ کو اپنے قبضہ حکومت میں لائے اور اسکی زراعت کے کے کارہنم میں زیادہ مصروف تھے۔ اور زراعتی اجناس اور مولیشیوں کے بہتر بنانے کی طرف انکی توجہ کم تھی۔ انگریزی زراعت سے امریکہ نے بہت کچھ حاصل کیا۔

ہم دوسرے ممالک کے کہاں تک ممنون ہیں؟ اگرچہ فرانس نے ہمیں سیاسی آزادی حاصل کرنے میں مدد دی اور ہم نے اُس سے اپنے بہترین سیاسی خیالات حاصل کئے۔ تاہم اُس نے ہمیں زراعت کے بارے میں کوئی سبق نہیں دیا۔ البتہ ہم نے چند جانور فرانس سے لئے۔

لے یعنی امریکہ کے لوگ کیونکہ مصنف امریکہ کا باشندہ ہے اس کتاب میں جہاں جہاں جہانگیر علیہ السلام کا استعمال کیا جائے۔ وہاں مراد امریکہ کے لوگوں سے لینی چاہیے۔ (ترجمہ)

مثلاً پرچیرن (Percheron) گھوڑا۔ فرانس کا گاڑی کا گھوڑا جسکی نسل نہیں چلی اور جس نے اپنی خوبیاں زیادہ تر انگریزی اصیل گھوڑے (Thoroughbred) سے حاصل کی ہیں۔ اور مرینو (Merino) بھیڑوں کی وہ قسم جسے (Rambouillet) ریسیوے کہتے ہیں اور جو اصل میں سپانیہ سے لی گئی تھی۔ ڈیج لوگوں نے گوہارے سب سے بڑے شہر کی بنیاد ڈالی۔ اور ہم نے اپنی تعلیم عام کے بہت سے انتیاری خصال اُن سے حاصل کئے۔ تاہم وہ سب سے گرا قدر احسانات جو اُنہوں نے ہماری زراعت پر کئے وہ یہ ہیں۔ کہ ہم نے اُن سے بچن گیکہوں۔ سفید رنگ کی تپتیا گھاس اور ہالسٹین (Holstein) نسل کی گائے حاصل کی۔ اسپین سے ہم نے اپنا بنیادی سگہ لیا۔ لیکن ہماری زراعت کی ترقی اُس کی منوں نہیں۔ سوائے (س امر کے کہ ہم نے (Merino) بھیڑیں لیں اور امریکی خچر جن جانوروں کی نسل ہے وہ جانور لئے۔ جرمنی اور اسکندے نیویا سے ہمارے یہاں کے بہت سے قوی اور تومند کسان آئے۔ اور جرمنی کے سائنٹفک انکشافات کیلئے جن سے بالواسطہ زراعت اور دوسری حرفتوں کو نفع کثیر پہنچا ہے۔ جرمنی کا زیر بار احسان ہے۔ القصہ امریکہ نے بہت سے ممالک سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا ہے۔ لیکن ان سب نے ہماری زراعتی ترقی میں اتنی مدد نہیں دی۔ جتنی اکیلے انگلستان نے دی ہے۔ انگلستان سے ہم نے ذیل کے جانور لئے ہیں۔ اپنے مویشیوں کی بہترین نسلیں باسٹنٹائے ہالسٹائن (ہالند) اور براؤن سویس (ہالند) نسل کے۔ اور اپنی بھیڑوں کی تمام بہترین انواع۔ باسٹنٹائے مرینو کے اپنے سوریل کی بہترین اقسام اور اپنے مرغ مرغیوں کی بعض اعلیٰ قسمیں۔ بابر داری کے گھوڑوں کے ذیل میں ہم نے شارٹر (ہالند) کلائڈس ڈیل (Clydesdale) اور سٹوک (ہالند) انگلستان سے لئے۔ نیز اصیل گھوڑا (Thoroughbred) جس سے ہمارے تمام سواری اور گاڑی کے گھوڑوں کا بیج لیا گیا۔ علاوہ بریں ہم نے اپنے باغیچوں اور کھیتوں کی بہت سی اجناس انگلستان سے لیں باسٹنٹائے اُن کے جو دیسی ہیں۔ مثلاً مکئی۔ آلو۔ تمباکو۔ نیز کپاس جو صریح طور پر انگلستان جیسے سرد ممالک سے ۱۵۰۰ چوکھ جڑاثر برسی وگرنسی انگریزوں کے زیر حکومت ہیں۔ اس لئے ان جزائر کے مویشیوں کو ہم بڑاری نسلوں میں شمار کریں گے۔

نہیں لائی گئی اور جس کی عام اقسام مشرقی حصہ زمین سے لائی جاتی ہیں۔ گو بعض بعض اقسام امریکہ کی ویسی پیداوار ہیں۔ ہماری زراعت اور انگلستان کی زراعت کے درمیان یہ جو براہ راست رابطہ ہے اس کی بنا پر بھائے لئے ضروری ہے کہ ہم انگلستان کی زراعت کی عہد بہمد کی ترقیوں کے متعلق بالخصوص نئی دنیا کے آباد ہونے سے فوراً پیشتر اور اس کے زمانہ میں جو ترقیاں ہوئیں ان کے متعلق واقفیت رکھتے ہوں۔

انگریز نئی دنیا کے کہاں تک ممنون ہیں؟ تعلقہ داری کا نظام (Mammoth system) جیسا کہ عبارت صدر میں بیان کیا گیا ہے۔ زوال پذیر ہو چکا تھا اور کھلے کھینول کا دستور بھی متقبل اور باڑ لگے ہوئے کھیتوں کے وجود میں آنے کی وجہ سے معدوم ہو چکا تھا۔ چنانچہ جس وقت امریکہ میں انگلستان کی پہلی نوآبادیاں قائم ہوئی ہیں تو اس وقت انگریزی زراعت ایک نئے دور ترقی میں قدم رکھنے والی تھی۔ بہر حال یہ اغلب ہے کہ نئی دنیا نے انگلستان کی زراعت کی نئی زندگی اور بیداری میں بہت کچھ حصہ لیا۔ سونے اور چاندی کی وہ مفادیر عظیم جو اسپین کی فتح اور جنوبی امریکہ کے بیشتر ممالک اور میکسیکو میں یورپ کے من چلے سیاحوں کے آنے کے بعد یورپ میں لائی گئیں۔ ان کی بدولت یورپ میں ایسا ہن برساکہ مبادلہ زر کے وسیلہ یعنی سکوں کی تعداد میں بچھا اضافہ ہوا اور قیمتیں چڑھنے لگیں۔ انگریزوں نے بھی اس گنج باداورد سے حصہ پایا۔ نہ صرف تجارت اور مبادلہ بین الاقوامی کے ذریعے بلکہ جنگ اور بحری قزاقی کے طریقوں سے بھی۔ ایسا زمانہ جس میں قیمتیں چڑھ رہی ہوں۔ کاشتکاروں کی جماعت کے لئے فائدہ بخش ہوتا ہے۔ خاص کر ایسے وقت میں جب کاشتکار خریدیں تو نفوڑا اور بچیں بہت۔ اور دوسری جماعتوں کیلئے بعض اوقات ایسا زمانہ نقصان رساں ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی چڑھتی ہوئی قیمتوں کا زمانہ جو زر کی کثرت کا نتیجہ تھا۔ بلا شک و شبہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں انگریزی زراعت کی ترقی کا ایک سبب بنا۔

نئی دنیا نے علاوہ اس کے کہ دنیا کی قیمتی دھاتوں کی مقدار کو زیادہ کر دیا۔ پرانی دنیا کو زراعتی پیداوار کی بہت سی قیمتیں بھی جیبا کیں۔ بالخصوص امریکی جوار۔ آلو اور تبا کو۔ نہ غلہ کی اور نہ تبا کو کی کاشت بکثرت انگلستان میں کبھی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہاں کی آب و ہوا بہت سرد ہے۔

اور کھیتی باڑی کا موسم بہت مختصر ہوتا ہے۔ لیکن آلونے رفتہ رفتہ انگلستان میں ایک قیمتی پیداوار کی حیثیت حاصل کر لی۔ تاہم بہت مدت تک اسے محض ایک نئی چیز خیال کیا جاتا تھا۔ بعد میں اسے باغیچہ کی ترکاری خیال کیا جانے لگا۔ اور سترہویں صدی کے وسط میں کہیں جا کر اسے کھیتی کی پیداوار کی حیثیت دی گئی۔ لیکن یہ زمانہ وہ تھا جس میں انگریزی زراعت میں ایسی توسیع ہوئی۔ جیسی نہ پہلے کبھی ہوئی تھی اور نہ اب تک ہوئی ہے۔ اور یہ زمانہ امریکہ کی نوآبادیوں کے قیام کا زمانہ تھا۔

دیہاتی معیشت کے موجودہ نظام کا آغاز بہر حال اس سے بہت پہلے مسیحاہ موت (Messaiah death) یعنی طاعون کی ویا (جو ذیل کے سالوں میں پھیلی)۔ ۱۳۴۵ء سے ۱۳۴۹ء تک۔ ۱۳۶۱ء سے ۱۳۶۲ء تک۔ اور ۱۳۶۸ء سے ۱۳۶۹ء تک (دیہاتی انگلستان کا کچھ حصہ) ویران بلکہ بالکل غیر آباد کر چکی تھی۔ اور زراعتی مزدوروں کی تعداد میں بہت کمی کر چکی تھی۔ مزدوروں کے اس قحط الرجال کے باعث بہت سی جاگیروں کے مالکوں نے اپنے منافع یا لگان میں تخفیف ہوتی دیکھی تو اپنی زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے نئے نئے طریقے سوچنے لگے۔ روٹی چونکہ اس زمانہ میں انگلستان کی خوراک میں نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ اسلئے قابل زراعت زمین کو چراگاہ بنادیں اور مویشیوں اور بالخصوص بھیرڑوں کی پرورش شروع کریں۔ ہر ایسے دور میں جب کسی نظام کو تبدیل کر کے نئے سرے سے تنظیم کی جائے یہ ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے۔ کہ بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور لوگوں میں بہت رنجشیں اور شکایتیں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس تبدیل کا نتیجہ بھی یہی ہوا۔ اس کے بعد کے دور میں جو سیاسی شورشیں ہوئیں ان میں سے بیشتر معاشرتی انقلابات کے عواقب میں سے تھیں۔ ایک طرف تو شکایت یہ تھی کہ انگلستان قابل زراعت اراضی اور احاطہ بند کھیتوں کے چراگاہ بن جانے سے تباہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس امر کو قانوناً مسدود کرنے کی بہت سی کوششیں عمل میں آئیں دوسری طرف جاگیرداروں اور برٹے برٹے اسامی داروں کی طرف سے یہ شکایت ہوتی تھی کہ کھیتوں کے کیرے اتنی اجرت مانگتے تھے جو معمول سے زیادہ تھی۔ اور جماعت آجرین کے نقطہ نظر سے مطالبہ جائز کی حد سے گزری ہوئی تھی۔ اجرت قانوناً مقرر کرنے کی متعدد

کوششیں کی گئیں۔ اور معمول سے زیادہ اجرت طلب کرنے والے زرعتی مزدوروں کے لئے سخت سزائیں مقرر کی گئیں۔

اسامی داری کا وجود میں آنا تعلقوں (میںزوں) کے مالکوں کو اپنی خود کاشت اراضی کاشت کیلئے کیوں کے فراہم کرنے میں جو مشکل پیش آئی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اجارہ کے رواج نے نشوونما پائی۔ جاگیرداروں نے کامیاب کاشتکاروں کو اور بعض اوقات اپنے گمانوں اور کارکنوں کو بڑے بڑے قطعات زمین اجارے پر دیئے۔ اور اس طریقہ سے اپنے آپ کو مزدوروں کے وقت طلب مسئلہ کی الجھن سے بچایا۔ اسلئے اس کے تصور سے عرصہ بعد پٹہ دار بڑے پیمانہ پر کاشت کرتے گئے۔ اور یہ دستور انگریزوں کے زرعتی نظام کی آج تک ایک خصوصیت چلا آتا ہے۔

۱۳۵۱ء اور اس کے بعد کے قوانین متعلقہ 'مزدوران' (Statute of

Labourers) مزدوروں کی اجرت کو تصور کرنے میں ناکام ہے۔ اور اجرتی مزدوروں

کی حالت روز بروز بہتر ہوتی گئی۔ اس وجہ سے شکمی مزارعہ بعض اوقات اپنی زمین کو چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ بلکہ یوں کہتے کہ بھاگ جاتے تھے اور دوسرے تعلقہ جات میں بطور اجرتی مزدوروں کے روزگار تلاش کرتے تھے۔ اگر چند سال تک اُن کی گرفتاری عمل میں نہ آتی تو اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتے۔ اس کے علاوہ شہروں نے جو ترقی کی تو شکمی مزارعوں کو بھاگ کھڑے ہونے اور شہر میں اہل حرفہ کے طور پر نوکری تلاش کرنے کے موقع ملنے لگے یہ بہت سے شکمی مزارعوں نے جب دیکھا کہ اُن کے بہت سے ساتھی آزادی حاصل کر چکے تھے تو انہوں نے ایک شخص مسمی ویٹ ٹائلر (Watt Tyler) کی سرکردگی میں ۱۳۸۱ء میں علم بغاوت بلند کر دیا۔

اُن کا مقصد ایک نو یہ تھا۔ کہ شکمی رعیت کو اپنے آقا یعنی جاگیردار کی جو خدمت کرنی پڑتی تھی اس کی رواج یکسر مٹا دیا جائے۔ اور دوسرے اُن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے عہد کی سیاسی اور حاشیاتی عدم مساوات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ اس بغاوت کو اگرچہ نہایت بے دردی اور بے رحمی سے فرو کیا گیا۔ تاہم ارباب رائے کا اعتقاد ہے کہ تعلقہ داری کے نظام کا انحطاط اور اس نظام زراعت کا وجود میں آنا جس کے مطابق آزاد کاشتکار جاگیرداروں سے زمین اجارہ پر لیتے تھے۔ ایک حد تک اس بغاوت کا مرہون منت تھا۔ یہ نیا نظام کیا تھا؟

خدا کی بجائے زر کی رقم ادا کرنا۔ اس نئے نظام کے مطابق اسامی اور زراعتی مزدور کی حیثیت دن بدن بہتر ہوتی چلی گئی۔

نئی اجناس؟ اس سلسلہ تغیرات کے بعد بہت سے چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں اور اصلاحات زراعتی طریقوں اور زراعتی پیداوار میں ہوئیں۔ نئی اجناس مثلاً (Potato) کی کاشت ہونے لگی۔ اور بہت سے پھل اور ترکاریاں جن کی کاشت پہلے تعلقہ اور اس کے متعلقہ باغات تک محدود تھی۔ اب مزارع اُن کی کاشت اپنی اراضی میں کرنے لگے۔ لیکن فوج کاشتکاری کی ایک بہت بڑی توسیع سترہویں صدی کے وسط میں وجود میں آئی۔ اور یہ دراصل پتتیا گھاس اور شلغم کی کاشت شروع ہونے کا نتیجہ تھا۔ مسٹر کنگلڈ (Mr. King) انگریزی زراعت کی مختصر تاریخ میں اس امر کو سترہویں صدی کا سب سے اہم زراعتی واقعہ کہتے ہیں۔ شلغم کو بطور ایک زمینی پودے کے جس کو باغیچہ میں لگایا جاتا تھا۔ انگلستان کے لوگ بہت مدت سے جانتے تھے۔ لیکن اس کی کاشت بڑے پیمانے پر اس وقت شروع ہوئی جب کہ ۱۶۴۰ء میں سر رچرڈ وسٹن (Sir Richard Weston) نے اس کو ولندیزی طریقے کے مطابق اُگانے پر زور دیا۔ اس کے وقت کے بے پروا چیزیں پتتیا گھاس اور شلغم۔ آہستہ آہستہ لیکن مستقل ترقی کرتی رہیں۔

پتتیا گھاس اور شلغم ان کے فائدے یہ تھے کہ پتتیا گھاس سے کسان کی سوکھی گھاس کی پیداوار بہت بڑھ جاتی تھی۔ اور شلغم سے یہ ہوتا تھا۔ کہ وہ بجائے اپنی زمین کے کسی کھیت کو ایک سال بے کاشت رکھنے کے اُس میں کھیتی باڑی کر سکتا تھا۔ علاوہ بریں شلغم کی یہ خوبی تھی۔ کہ اس سے زمین میں از سر نو نائٹروجن پیدا ہوتی تھی اور زمین زیادہ زرخیز ہو جاتی تھی۔ پتتیا گھاس اور شلغم دونوں کر کاشتکار کو اس قابل بناتے تھے۔ کہ وہ اپنی زمینوں اور زیادہ موثری رکھے۔ اور اُن سے کھاد حاصل کرے۔ زمانہ سابق میں کاشتکار کیلئے ضروری ہوتا تھا کہ خریف میں جب جانور ذرا موٹے ہوتے تھے۔ اُنہیں ذبح کر لے

..... اور سال کے باقی مہینوں میں اُن کا نمک لگا کر سکھایا ہوا

گوشت کھائے۔ تپتیا گھاس اور شلغم کی بدولت کاشتکار سردیوں میں بھی اپنے مویشیوں کو موٹا رکھ سکتا تھا۔ اور سارا سال لوگوں کو تازہ گوشت مہیا کر سکتا تھا۔ ان چیزوں کی کاشت نے جس رفتار سے ترقی کی۔ وہ اتنی آہستہ کیوں تھی؟ اسکی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ انگلستان کے بہت سے حصوں میں کھلے کھیتوں کا دستور اب تک مروج تھا۔ بہر حال انکی ترقی کی رفتار اتنی زیادہ سست بھی نہ تھی۔ اور ان سے انگلستان کی دیہاتی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

بڑے بڑے دیہاتی کام کے لیے زمانہ ایسا تھا۔ جس میں اور بھی بہت سے زراعتی کاموں کا بیڑا اٹھایا گیا۔ اضلاع مشرقی کی دلدلوں میں گندے پانی کے نکاس کا انتظام کیا گیا۔ جس کی بدولت یہ حصہ انگلستان کے سب سے زرخیز خطوں کی فہرست میں داخل ہو گیا ہے۔ زراعت کے متعلق مضامین لکھنے والوں نے کھیتی باڑی کی مختلف شاخوں پر کتابیں شائع کرنی شروع کیں۔ جنوبی اضلاع میں میووں کی کاشت نے ترقی کی۔ زمین میں پھونا اور کھیلنی مٹی۔ دریائی نیاتات اور سیپ ڈالنے کا رواج پہلے سے زیادہ عام ہو گیا۔ لیکن ان اصلاحات میں سے کوئی بھی تپتیا گھاس اور شلغم کی کاشت کو اہمیت میں نہیں پہنچتی تھی۔ ان کی کاشت نے ان زبردست اصلاحات و ترقیات کی داغ بیل ڈالی۔ جو اٹھارہویں صدی میں ہوئیں۔

دوسری حرفتوں میں پہلو پہ پہلو ترقی کی اٹھارہویں صدی کیا انگلستان کی دستکاری میں اور کیا زراعت میں ایک عجیب غریب بیداری کا دور تھا۔ فی الحقیقت یہ مشکوک امر ہے کہ کسی ربع صدی میں اس سے پیشتر یا اس کے بعد فنون دستکاری میں اتنی سر بل اور وسیع الاثر تبدیلیاں ہوئیں جتنی کہ ۱۷۵۰ء اور ۱۷۸۰ء کی دیہاتی مدت میں ہوئیں۔ ۱۷۵۰ء کے قریب نہیں بنانے کا دور مشہور انجینیئر برنڈلے (James Brindley) کے زیر اہتمام شروع ہوا۔ برنڈلے کا یہ قول کہ ”دیر یا توکل قدرتی طریقہ پر استعمال یہ ہے۔ کہ اُن سے آپاشی کی نہروں کو پانی پہنچایا جائے۔“ ایک تاریخی مقولہ بن گیا ہے۔ گو یہ بات ضرور ہے۔ کہ ریلوے کی جدید ترقیوں نے اسکی

اصلی اہمیت بہت کم رہی ہے۔ بہر حال اس زمانہ میں نہروں کے جاری ہونے سے انگلستان کی حدود کے اندر نقل و حمل بہت سستا ہو گیا۔ ۱۸۶۵ء میں واٹر (Water) نے اس اصول کا انکشاف کیا۔ جس نے بعد میں اسٹیم انجن کو ایک کامیاب ذریعہ تجارت بنایا۔ روڈک (Road) کی بھٹی (Belt) نے اور دھاتوں کے صاف کرنے میں لکڑی کے کوئلے کی بجائے پتھر کے بجھے ہوئے کوئلوں کے استعمال نے اسٹیم انجن اور مشینری کے استعمال کی داغ بیل ڈالی۔ اور کارٹ (Cart) نے ۱۸۶۷ء میں ڈھلے ہوئے لوہے سے کام لینے اور لوہے کو پیٹنے کا جو طریقہ ایجاد کیا۔ اُس نے لوہے کی پیداوار کے اخراجات بہت سستے کر دیے۔ اس کے بعد باغیچہ میں بعض اہم ایجادیں نہایت سرعت کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہوئیں۔ ۱۸۶۷ء میں ہارگریو (Harrogate) کی کاتنے کی کل ۱۸۶۹ء میں آرکائیٹ (Architect) کا کاتنے کا بیلن۔ ۱۸۶۹ء میں کرامپٹن (Crompton) کا روئی کاتنے کا چرخہ۔ اور ۱۸۷۵ء میں کارٹ رائٹ (Cartwright) کا قوت سے چلنے والا کاتنے کا راجھ۔ ۱۸۷۵ء میں پہلی مرنبہ کپاس کا ایک کارخانہ بھاپ سے چلایا گیا۔ ونج وڈ (Wendell) نے برق بنانے کی حرفت کو بہت ترقی دی۔ اور اس طرح کی اور متعدد اصلاحات نے مل ملا کر اُس صنعتی و حرفتی انقلاب کو جو ظہور پذیر ہوا تھا نہایت سرعت سے تکمیل تک پہنچایا۔

زراعتی اصلاح - جتھروٹل کہ بہر کیف اس سے کسی قدر پہلے زراعتی اصلاحات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ جو انگلستان کے معاشیاتی ارتقاء اور خوشحالی کے لئے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ۱۸۷۵ء کے قریب جتھروٹل (Jethro) نے گہوڑوں اور دوسری چیزوں کو ویرنا یعنی پھال کے ذریعے بونا شروع کیا۔ اور اس کے لئے ایک ویرنہ کیلئے کل ایجاد کی۔ اس کے کچھ مدت بعد اُس نے گھوڑوں کی طاقت سے اُگتے ہوئے کھیتوں کو گودنا شروع کیا۔ اور اس عمل کا نام "گھوڑوں کی طاقت سے کھودنا" رکھا۔ ۱۸۷۳ء میں اس کی تصنیف "گھوڑوں کی طاقت سے زمین کھودنا" شائع ہوئی۔

یہ زراعت کے متعلق سب سے اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ٹل کے بعض نظریات اب ناقص خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان نظریات پر وہ جو جو عمل مبنی کرتا تھا۔ اُن میں کوئی بڑی اصلاح نہیں کی گئی۔ اُس کے نظام زراعتی کا اساسی اصول زمین کی مٹی کا باریک کرنا تھا۔ اس مقصد کیلئے وہ نہ صرف گیہوں کا بیج و برتنے سے جوتا تھا۔ بلکہ فی الواقع بیج کی قطاروں کے درمیان مافقوں سے یا گھوڑوں کی طاقت سے زمین کو گودتا تھا۔ اگرچہ گیہوں اور دوسرے غلوں کی کاشت میں بیجوں کی قطاروں کے درمیان گودائی کرنے کے قاعدہ کی پیروی عام طور پر نہیں کی گئی۔ تاہم جہاں تک شلغم اور زمینی پیداوار کا تعلق ہے۔ یہ قاعدہ اب تک جاری ہے۔ اور ریاستہائے متحدہ میں جوار اور کپاس کے اُگانے کا معمولی دستور ہے۔ اس سے یہ ہوا کہ پہلے جو بعض بعض کھیتوں کو بے کاشت رکھنے کا دستور تھا۔ اُس سے چھٹکارا پانے کی ایک صورت پیدا ہو گئی۔ جسے ٹل یہ دلیل پیش کرتا تھا۔ کہ دوسرے تمام نظاموں کے مقابلے میں اس نظام کے ماتحت اجناس کی باری باری سے کاشت بہت کم ضروری تھی۔ یہاں تک کہ اس نے فی الواقع ایک ہی زمین میں گیہوں کی تیرہ فصلیں اُگائیں۔ بغیر کسی کھاد کے اور مقابلہ اپنے ہمسایوں کے جو پُرانے قاعدے پر کاربند تھے۔ اس کی فصلیں اچھی رہیں۔

لارڈ ٹاؤن شینڈ کے قریب لارڈ ٹاؤن شینڈ (Lord Townshend) نے ایک ایسے نظام پر عمل شروع کیا۔ جس کا نام بعد میں نارفوک سسٹم رکھا گیا۔ اُسکو دو چیزوں سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔ اول شلغم اور دوم اجناس کا باری باری اُگانا۔ گو اس نے ہلکی ریتیلی زمین میں کھیتی مٹی ڈالنے کا طریقہ بھی رائج کیا۔ اس نے شلغم اس سرگرمی سے اُگلے۔ اور اُن کا اسقدر چرچا کیا۔ کہ عرف عام میں وہ **Lord Townshend's system** کے نام سے مشہور ہو گیا۔ شلغموں کے اُگانے میں وہ ٹل کے قاعدے پر عمل کرتا تھا۔ یعنی بیج کو ویر کے ذریعے بونے اور گھوڑوں کی طاقت سے زمین کھودنے پر اس کا باری باری سے اجناس اُگانے کا قاعدہ چار سال کو محیط

۱۰ Norfolk system کے شلغموں والا ٹاؤن شینڈ۔

ہوتا تھا اور اس کی تقسیم یوں ہوتی تھی۔ (۱) شلغم (۲) جو (۳) پتیٹیا گھاس اور چئی۔
 (۴) گیہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس نے اس فائدہ پر عمل کرنا شروع کیا تو اس سے
 پیشتر اس کی جائداد کا بہت بڑا حصہ بنجر اور بن جینا پڑا تھا۔ لیکن شلغم تک وہ حصہ
 زمین زراعت کے ایک اعلیٰ معیار کو پہنچ گیا۔ اور قیمت میں دس گنا بڑھ گیا۔
 کوک (۵) زیادہ نمایاں کامیابی کے ساتھ جو کام ٹل اور ٹاؤن شینڈ نے شروع کیا۔ وہ
 کوک نے جو ہاک ہم (Coke) کا باشندہ تھا۔ جاری رکھا۔ اُس نے
 ۱۸۲۹ء کے قریب ایک آدھ بنجر قطعہ زمین کو جو ٹکڑے بہتر نہ تھا۔ قابل زراعت بنانے کی
 کوشش شروع کی۔ وہ اپنے پیشروں کے نقش قدم پر چلا۔ اس پتیٹیا گھاس اور شلغم کی کاشت
 کی اور اجناس کے باری باری اگانے کے قاعدے میں اصلاح کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی
 زمین کی قوت پیدائش دو گنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ اکثر کاشتکار اپنے
 ہلوں کے آگے ضرورت سے زیادہ گھوڑے جوتے ہیں۔ دستور یہ تھا کہ تین سے لیکر چار تک
 گھوڑوں سے کام لیا جائے۔ اس نے دیکھا کہ دو بہت کافی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس زمین
 کے حاصل پر پہلے ۸۰۰ ہیکار گھوڑے پلتے تھے۔ اس پر اُس نے ۲۵۰۰ نہایت اعلیٰ درجے
 کی بھیڑیں پالیں وہ ڈیون (The Devons) مولیشیوں کا بھی بہت
 تیار تھا۔ اور ان کی پرورش کرنا تھا۔ اس کی جاگیر شہرہ آفاق ہو گئی۔ اس کی سال سال
 بھیڑوں کی جو پشم اترتی تھی وہ اس وقت کا ایک اہم واقع بن گئی۔ لوگ امریکہ سے چل
 کر اُسکی جاگیر میں پہنچتے تھے اور لے فیٹ (Lafayette) کا قول تھا کہ مجھے
 زندگی میں ایک حسرت یہ رہ گئی کہ میں نے کوک کی بھیڑوں کے بال کترنے کا نظارہ نہ
 دیکھا۔ کوک کا اثر و نفوذ انگلستان کے طول و عرض میں زراعتی اصلاحات کا سبب
 بنا۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا اور اُس کا اثر نہ ہوتا تو انگلستان کو نیپولین سے
 جو جنگ کرنی پڑی۔ اسی کے دوران میں انگلستان اتنی خوراک پیدا نہ کر سکتا۔ کہ اس کی بقا
 کے لئے کافی ہوتی۔ اور اس لئے یقیناً تباہ ہو جاتا۔
 زراعت پیشہ مشرقی ان تین آدمیوں یعنی ٹل ٹاؤن شینڈ اور کوک نے انگریزی

یات
نہیں
کا
الوقع
تھا۔
نی
دارکا
س
لے
میں
فت
تقع
یوں

لکھ
کو
ی

زراعت کی صرف اتنی خدمت انجام نہیں دی کہ تیز زمین کو ازسیر لوقابل زراعت بنایا۔ اور
 دیہاتی جماعت کو زراعت کا بہتر طریقہ سکھایا۔ بلکہ انہوں نے اس سے زیادہ فیض پہنچایا
 انہوں نے زراعت کو ایک علمی پیشہ کے درجہ پر پہنچا دیا اور اُسے معززین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ
 لوگوں کیلئے ایک جاذبِ نظر اور معزز پیشہ کی حیثیت دی۔ اُن کے کام کا اور اس مثال کا
 جو انہوں نے پیش کی یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کے بعد "اشرافِ کاشتکاروں" (gentlemen
 farmers) کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ یہ لوگ متمول اور تعلیم یافتہ تھے
 اور انہوں نے زراعت کی طرف اتنی ہی سرگرمی اور محبت سے توجہ مبذول کی جتنی کہ کوئی
 صناعت اپنے فن کی طرف یا ایک ملازمت پیشہ اپنی ملازمت کی طرف مبذول کرتا ہے۔ ان
 لوگوں نے انگریزی زراعت کو اس وقت سے لیکر اب تک ساری دنیا کی زراعت کے
 پیش پیش رہنے میں بڑی مدد دی ہو

آرٹھر ٹنگ (Arthur Tansley) اور چند دوسرے لوگوں کی تصنیفات نے یہی نتیجہ مرتب کیا
 اور آرٹھر ٹنگ جو زراعتی مصنوعات پر انگریزی میں سب سے زیادہ مشہور انشاپرواز ہے
 سھوک (Suhok) کا ایک کاشتکار تھا۔ اس نے ۱۸۷۰ء میں اپنی تصنیفات کا
 سلسلہ شروع کیا اور اڑتیس سال تک اُسے جاری رکھا۔ اس کی بہت سی تحریروں
 فرانسیسی۔ جرمن اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بیٹوں
 تک انگلستان اور دوسرے ممالک کا دورہ کیا کرتا۔ اور جو جو باتیں دیکھتا انہیں اپنے سفرنامہ
 میں شائع کرتا رہتا۔ ۱۸۷۲ء سے لیکر ۱۸۷۶ء تک اُس نے آئرلینڈ میں بہت سے دورے
 کئے۔ اور ۱۸۷۶ء سے لیکر ۱۸۷۷ء تک فرانس میں بہت دور دور تک چکر لگایا۔ اس کا سفرنامہ
 فرانس جو ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ اس کی سب سے مشہور تصنیف ہے۔ اور اس کی وجہ زیادہ
 ترمیم ہے کہ اس کتاب میں اُس نے فرانسیسیوں کی اس حالت کا نقشہ پیش کیا ہے۔ جو کہ
 "انقلابِ فرانس" کے آغاز کے قریب تھی۔ اور اس حادثہ عظیم کے دوران میں ملک اور
 قوم کی جو حالت واقعی تھی۔ اُسے اُس نے ایسے طور پر بیان کیا ہے کہ آج تک لا جواب
 ہے۔ یہ مشہور جملہ کہ "اصل داری کا جادو مٹی کو بھی کندن بنا دیتا ہے"۔ اس کی ایجاد

ایجاد ہے۔ سیلابی ہوئی زمین کے خشک کرنے کے قاعدہ پر ۱۷۴۷ء میں جوزف انگلٹن (Joseph Elphinstone) نے جو وارک شائر (Warwickshire) کا رہنے والا تھا۔ عمل شروع کیا۔

مال مویشی کی نسل بڑھانا۔ انگریزی مویشی {جن دنوں زراعت میں بحیثیت عمومی یہ ترقیاں ہو رہی تھیں۔ انہیں دنوں میں جانوروں کی نسلیں بڑھانے کے کام میں ایسے ہی نمایاں کارنامے انجام دیئے جا رہے تھے۔ اس دور کے آغاز میں انگریزی مال مویشی کی جو حالت تھی اس کے متعلق بہت کچھ اختلاف بیان ہے لیکن غالب یہ ہے کہ دور کا تو کیا ذکر ایک ہی علاقے میں یکسانی بہت کم تھی۔ یقیناً بہت سے مویشی ایسے تھے جو نچے اور بیکار تھے۔ بریڈلے (Bradley) نے اپنی ایک کتاب میں جو ۱۷۶۷ء میں تصنیف کی گئی۔ انگلستان کے مویشیوں کو رنگ کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ سیاہ۔ سفید اور سرخ۔ سیاہ رنگ کے مویشیوں کے متعلق وہ یہ کہتا ہے کہ وہ کوچھوٹے ہوتے ہیں۔ تاہم کام کرنے کے حق میں سب سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ قیاس چاہتا ہے کہ جدید زمانے کے ویز (Wales) کے مویشی انہی کے نسل سے ہیں۔ کیونکہ یہ تحریف انہی پر بعینہ صادق آتی ہے۔ سفید رنگ کے مویشی قد میں بڑے ہوتے تھے اور جنوبی اور مشرقی حصوں میں زیاد پائے جاتے تھے غالباً چھوٹے سینگوں والے مویشیوں (Short horns) کی نسل ہالینڈ سے جو مویشی وقتاً فوقتاً آتے رہتے تھے ان سے خلط ملط ہونے کے بعد انہی سے چلی ہے سرخ رنگ کے مویشی ان سے بھی بڑے تھے اور غالباً دور جدید کے ڈیون مویشیوں (Devon) کے اجداد تھے۔

ایک فرانسیسی مصنف پال ڈفلاٹھ (Paul Duffaut) چھوٹے سینگوں والے مویشیوں کو نیدرلینڈ (The Netherlands) کے مویشیوں کی نسلوں سے بتاتا ہے جن کی اور قسمیں براعظم یورپ میں پائی جاتی ہیں۔ ڈالسٹائن (Dalshtain)

اور

بنجایا

بیافٹہ

ل کا

gem

تھے

کی

ت

لے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

تھے

(Holsteins) فلیمنش (The Flemish) ڈنیش (The Danish)
 اولڈن برا (Oldenburgs) ڈیون (The Devons) مویشیوں کو وہ
 آئرلینڈ کے مویشیوں کی نسل سے بتاتا ہے۔ اس نسل کی اور قسبیں حسب ذیل ہیں۔
 برٹن (The Britons) جرمنی (The Jerseys) گرتسی (The
 Guernseys) آئر شائر (The Ayrshires) اور کیری (The Keries)
 ہرفورڈ (The Herford) مویشی اس مصنف کے نزدیک جرمن نسل کی ایک
 شاخ ہیں۔ جس کی اور شاخیں یہ ہیں:۔
 شمالی فرانس کے نارمن مویشی اس مصنف کے نزدیک ایک بہت سی جرمن نسلیں
 مثلاً برٹن برگ (The Bretonburgs) سکلن برگ (The Mecklenburgs)
 اور دوسری قسبیں:۔

اس تقسیم کے حق میں جو شہادت ملتی ہے۔ وہ کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں۔
 نیدرلینڈ (The Netherlands) اور ڈرہم (Durham) یارک شائر
 (Yorkshire) اور لنکن شائر (Lincolnshire) (یہاں کے شارٹ ہارن
 (The short horns) اصلی باشندے ہیں) کے مویشیوں میں بہت سی نمایاں مشابہتیں
 ہیں۔ مزید بریں اس امر کے حق میں شہادت بہت قوی اور فیصلہ کن ہے کہ دور جدید
 کے شارٹ ہارن مویشیوں (The short horns) کے اسلاف کی اصلاح ڈچ نسل
 کے مویشیوں کے اختلاط سے کی جاتی رہی ہے۔ ڈلمتھ کا خیال ہے کہ ان خطوں کے اصلی
 مویشی کسی گمشدہ زمینی دور میں متحد تھے۔ اور بحیرہ شمالی کے شکل پذیر ہونے سے بحرانی
 طور پر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کہاں تک درست ہے۔ البتہ
 یہ قرین قیاس ہے کہ ہرفورڈ مویشی (The Herford) باقاعدہ بیج ملانے اور
 مختلف نسلوں میں سے انتخاب کرنے کے ذریعے پیدا کئے گئے۔ ہرفورڈ (The
 Herford) اور نارمن مویشیوں (The Normans) کی بعض خصوصیتیں
 مشابہ ہیں۔ اور وہ جرمن نسل کے بعض مویشیوں سے بھی کچھ دور کی مشابہتیں رکھتے ہیں۔

لیکن سر دست یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں کوئی تاریخی تعلق ہے یا نہیں۔ کچھ
 زمانہ ہوا کہ یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ نارمنڈی (Normandy) سے مویشی لائے گئے
 تھے۔ اور کرٹلر (Curtler) بیان کرتا ہے کہ لارڈ اسکوڈیلو (Lord Scudamore)
 نے سترہویں صدی کے نصف آخر میں فلیمنڈرز (Flanders) سے گائیں گلوں
 جن کے جسم کا رنگ سُرخ تھا۔ اور منہ کا رنگ سفید۔ اس قدر مختلف اور مبیناں قلیں
 جیسی ڈیولن (The Devon) برٹسی (The Jersey) برٹن (The Bretons)
 اور کرٹی (The Kerry) جن میں سے آخر الذکر تین سوائے رنگ کے باقی
 تمام باتوں میں بڑی حد تک مشابہ ہیں اور آئر شائر (The Ayrshire)
 کیوں ایک نسل کی قسمیں تصور کی جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل مشکل
 ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے۔ وہ یہ کہ وہ قریب قریب کے اضلاع میں رہتی ہیں
 اور سب کی سب دودھ دینے کے حق میں نہایت اعلیٰ ہیں۔ باسٹنٹائے ڈیولن مویشیوں
 (The Devon) کے جن کی پرورش زیادہ تر گوشت اور کام کرنے والے
 بیلوں کیلئے کی گئی ہے۔ گو یہ بات ضرور ہے کہ اس نسل کی گائیں دوسری نسل
 کی گاؤں کی طرح بہت اچھا دودھ دیتی ہیں۔

بیکول اور لانگہارن مویشی انگریزی مویشیوں کی اصلی نسلیں چاہے
 کچھ بھی تھیں۔ اور جدید زمانہ کی نسلوں کا آپس میں چاہے کچھ بھی رشتہ ہو۔ تاہم یہ بات
 ہر کوئی جانتا ہے کہ سترہویں صدی کے وسط میں وسط انگلستان کے اضلاع میں ایک
 نسل تھی۔ جسے لانگہارن (The Longhorns) کہا جاتا تھا۔ رابرٹ بیکول
 (R. Bakewell) جو انگلستان میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے بڑے پیمانے
 پر جانوروں کی نسل بڑھانے کا کام کیا۔ اُس نے اس نسل کی تربیت سکے کے قریب
 شروع کی۔ گو اس نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ لیکن چارلس (Charles) اور رابرٹ
 کالنگ (Robert Colling) کے مویشی ڈھرم (The Durhams)
 اور شارٹ ہارن (The Short horns) لانگ ہارن (The Longhorns)

سے متماثر کرنے کیلئے عرف میں اُن کا نام پڑ گیا) اُن کے مویشیوں سے بڑھ گئے۔ اس
 سیکویل (Baskerville) یا اس کے طریق کار پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ یہ
 ایک امر واقع ہے۔ جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ کہ چارلس (Charles) اور
 رابرٹ کالنگ (Robert Coling) کی نسل بہتر تھی۔ سیکویل (Baskerville)
 کو جو سب سے بڑی کامیابی ہوئی۔ وہ بھیڑوں کی پرورش اور پیدائش میں تھی۔ انگلستان
 کے مویشیوں کی اصل نسل کے متعلق جتنا ہمیں علم ہے۔ اُس سے بھی کم واقفیت
 ہمیں بھیڑوں کی اصلی نسل سے ہے۔ بہر حال یہ بات مسلم ہے کہ جب تک سیکویل نے
 بھیڑوں کی نسل بڑھانے کا کام سائنٹفک اصولوں کے مطابق شروع نہیں کیا۔ اُس
 وقت تک بھیڑوں کو ادلی اور بیکار جانور خیال کیا جاتا تھا۔ جو کسی مرض کی دوا نہ تھی۔
 سیکویل نے بلا مبالغہ ایک نئی نسل پیدا کر دی۔ جس کا نام لیٹر (The Leicester)
 تھا۔ یہ نسل بقول کرٹنر (Curtner) کے نصف صدی میں حکومت متحدہ کے
 چپے چپے پر پھیل گئی۔ اور یورپ و امریکہ تک بھی جا پہنچی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگلستان
 کو جہاں پہلے ایک پونڈ گوشت میسر آتا تھا۔ وہاں دو پونڈ میسر آنے لگا۔ اُس نے
 ایک مثال پیش کی۔ اور کثیر التعداد و مقلدین کیلئے ایک معیار قائم کیا۔ اس کے مقلدین
 نے انگلستان کی بھیڑوں کے گوشت کو دنیا بھر میں ضرب المثل بنادیا۔ سیکویل
 (Baskerville) کے کار نمایاں کی قدر اس کی زندگی میں ہوئی۔ شاہی خاندان کے
 افراد اور دنیا کے مشہور مشہور آدمی اس کی ملاقات کو آئے۔ اُسے اپنے کام سے نفع
 کثیر ہوا۔ اور اس کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔ تاہم عجیب بات یہ ہے کہ وہ جب مرا تو نہایت
 غریب تھا۔ وجہ یہ کہ بہت ہمان نوا اور فیاض آدمی تھا۔ ۱۸۶۹ء میں اس نے فٹس
 (Fitz) کی جایاد کا انتظام شروع کیا۔ بقیہ عمر وہیں گزار دی۔ اور ۱۸۹۵ء
 میں انتقال کیا۔

کالنگ برادران اور شارٹ ہارن مویشی سیکویل کے بعد کالنگ
 برادران نے جانوروں کی تربیت کی حرفت میں سب سے بڑھ چڑھ کر کارٹے نمایاں

انجام دیئے۔ ان بھائیوں میں سے زیادہ کامیاب چارلس تھا۔ وہ مشائخ میں پیدا
 ہوا۔ اور مشائخ کے قریب کسٹن (Keston) میں جو دریائے ٹیز (The Tees) کی
 وادی میں ڈارلنگٹن (Darlington) کے متصل واقع ہے اپنا کام شروع کیا۔ اس
 کے بھائی رابرٹ نے بریمٹن (Brampton) میں قیام کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جدید
 زمانے کے شارٹ ہارن مویشیوں کا مبداء اصلی یہ تھا کہ مشائخ میں چارلس کاننگ کے ایک
 (Culling) نام کا ایک بچہ خریدار اس عجیب و غریب کچڑے کی اصل نسل کا حال صحیح
 طور پر معلوم نہیں۔ تاہم یہ بات درجہ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ اس میں دوج خون کی آمیزش
 تھی۔ دریائے ٹیز (The Tees) کی وادی کے مویشی جنہیں بعض اوقات ٹیز وائر
 ڈیہم (The Teeswater Durham) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مدتوں سے اپنی
 اعلیٰ خصوصیات کی وجہ سے اور خاص کر دودھ دینے کے حق میں اور جسامت اور خوبصورتی
 کے اعتبار سے مشہور تھے۔ ہارن بی (Horned) کی چراگاہ میں ہیک (Hick) کے
 کہیں اچھلتا کودتا پھر رہا تھا کہ چارلس کاننگ کی نظر پڑ گئی۔ کچھ دن پہلے وہ منڈی میں
 ڈارلنگ کے ایک لوہار کے ہاتھ فروخت کیا گیا تھا۔ اور اس کی ماں بھی اس کے ہمراہ تھی۔
 اس لوہار نے اپنی بیٹی مارٹی (Marty) میں بیاسی اور اُسے یہ گائے اور بچہ اجین میں
 دے دیا۔ چارلس کاننگ (C. Colling) کی نگاہ نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ہیک
 (Hick) کن خوبیوں کا جانور ہے۔ اور بچہ کے گوشت کے پو پاری کے نقطہ نگاہ
 سے کیا قیمت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے یہ بچہ خریدنے کا اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ اور
 فوراً جا کر خرید لیا۔ بیکیول (Bakewell) اور کاننگ برادران (Colling)
 (Marshall) نینوں نے ایک رائج الوقت قاعدے کے خلاف عمل کیا۔ وہ قاعدہ
 یہ تھا کہ مختلف قسموں کی نسلوں کا آپس میں جوڑا لگایا جائے۔ اور دو غلے جانور پیدا کئے
 جائیں۔ اس کی بنا اس غلط خیال پر تھی کہ ایک ہی نسل کے جانوروں کا بیج ملانے کے
 جو نکالے ہیں۔ مثلاً یہ کہ نسل کمزور پڑ جاتی ہے۔ ان نقائص کو دور کرنے کیلئے مختلف نسلوں
 کے جانوروں کو جفت کرنا ضروری تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قاعدے صرف ادنیٰ اور جہ کے

وولسے جانور پیدا ہوتے ہیں۔ بیکوئل اور کالنگ برادران یہ کرتے تھے کہ ایک ہی نسل کے جانوروں کو آپس میں جفت کرتے تھے۔ اور یہاں دیکھتے تھے کہ ایک خاص نوع قائم کرنی ضروری ہے۔ وہاں ایک ہی نسل کے اندر بیچ ملانے سے بالکل نہ گھبراتے تھے۔

بجمن ٹامکنز اور ہر فورڈ مویشی (The Devon and Somerset) نے ہر فورڈ ٹائر کے مویشیوں کی اصلاح شروع کی۔ اور ہر فورڈ مویشی کی شاندار نسل قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہ نسل جہاں تک گوشت کا تعلق ہے۔ شارٹ ہارن (The Short Horn) مویشیوں کی تہا حریف ہے۔ گو یہ بات ضرور ہے کہ دودھ دینے کے موٹے میں اس سے بہت گھٹیا ہے انہیں آیام میں ڈیوک بیڈ فورڈ (Duke of Bedford) نے ڈیون مویشیوں (The Devons) کی اصلاح کی۔ یہ نسل غالباً سب سے پرانی ہے۔ بایوں کہیے کہ ایسی نسل ہے کہ جس کی امتیازی خصوصیات کا سراغ اتنے قدیم زمانہ تک چلتا ہے اور کسی نسل کے معاملہ میں نہیں چلتا۔ باوجودیشمار غومیوں کے ڈیون مویشی (The Devon) اپنے آپ کے نئی دنیا کے مختلف حصوں کے حالات کے مطابق بنانے میں بہ نسبت شارٹ ہارن (The Short Horn) اور ہر فورڈ (The Hereford) مویشیوں کے کمزور اور لونی ثابت ہوتے ہیں۔ امریکہ اور آسٹریلیا میں شارٹ ہارن (Short Horn) اور ہر فورڈ مویشی جس کثرت سے گذشتہ صدی میں خریدے جاتے رہے ہیں۔ وہ انگلستان کی زراعتی خوشحالی میں ایک اہم عنصر تھی۔ بہر حال اپنے دیس میں اور نیو انگلینڈ کے بعض بعض حصوں میں جہاں بیلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈیون (The Devon) مویشی اب بھی سب سے بڑھ چڑھ کر مقبول ہیں۔

انگریزی ٹھارو پرید گھوڑا (The English Thoroughbred) اٹھارہویں صدی کا نصف اول گھوڑا کی نسل برطانیہ کی تاریخ میں اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اس زمانے میں انگریزی اسیل گھوڑے (The English Thoroughbred) نے مشرقی نسلوں کی آمیزش کے ذریعے بڑی سرعت سے ترقی کی۔ ڈارلے (Darley) عربی نر گھوڑا جسکی نسل سے

انگلستان کے بہترین گھوڑے ہیں۔ ۱۷۵۶ء اور ۱۷۵۷ء کے درمیان انگلستان میں لایا گیا۔ اس کی اولاد ایسی کارآمد ثابت ہوئی۔ کہ مشرقی جانوروں کے خلاف جو خیالات لوگوں کے دلوں میں جمع ہوئے تھے۔ وہ دور ہو گئے۔ اہل اسکے بعد کی مدت میں اور بہت سے گھوڑے مشرق سے لائے گئے۔ شہزادہ جارج نے بذاتِ خود اس کام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ ڈارلے (Darley) عربی گھوڑے کے بعد سب سے زیادہ اثر جس گھوڑے کا ہے۔ وہ کوڈولفن (Codolph) عربی گھوڑا ہے۔ یہ گھوڑا یقیناً بربری (Barb) تھا۔ وہ ایک سُرنگ تھا جو فرانس سے لایا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ فرانس میں اس کی اتنی کم قدر کی گئی۔ کہ وہ پیرس کے کوچہ و بازار میں گاڑی کے آگے جٹا ہوا پھر اکرتا تھا۔ قیاس کیا گیا ہے کہ ۱۷۵۷ء کے قریب بربری (Barb) میں پیدا ہوا۔ اور اُس کے نطفہ کا پہلا گھوڑا ۱۷۶۲ء میں انگلستان میں پیدا ہوا۔

بہر حال اس سے پیشتر گھوڑوؤں سے انگلستان کے لوگوں کو بہت دلچسپی تھی۔ پناہیچہ انتخابِ نسل اور غیر مالک سے درآمد کے باعث دیسی نسل میں بڑی اصلاح ہو چکی تھی۔ بادشاہ جیمز اول (James I) اور چارلس دوم (Charles II) دونوں گھوڑوں کے عاشق تھے۔ اور دونوں نے بہت سے گھوڑے مشرق سے منگوائے۔ چارلس نے تو خاص طور پر اپنے داروغہ اصطبل کو بیچ کے گھوڑے لانے کیلئے دس واریں بھیجا۔ ان حالات کی وجہ سے نسل چلانے کیلئے اٹھارہویں صدی کے شروع تک نہایت عمدہ گھوڑے جمع ہو چکے تھے۔ جن مشہور گھوڑوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کا جو اثر انگریزی گھوڑوں پر ہوا وہ بیشک اُن کے جوہر ذاتی کی بدولت تھا۔ تاہم بڑی حد تک وہ ان حالات و واقعات کا مرہونِ منت ہے۔ بہر حال باوجود اس بات کے کہ اہل انگلستان کو گھوڑوں کی ترقی نسل سے اس قدر دلچسپی تھی۔ گھوڑوں کی ترقی نسل کی تاریخ میں کسی نئی نوع کے پیدا کرنے اور اُس کا سلسلہ قائم کرنے کا کوئی انفرادی کارنامہ ایسا شاندار نظر نہیں آتا۔ جتنا کہ سیکویل نے بیٹروں کی اصلاح نسل میں اور کالنگ براڈران کے سویٹھیوں کی اصلاح نسل میں انجام دیا ہے۔

بار برداری کے گھوڑے آجکل انگلستان میں بار برداری کے گھوڑوں کی
 جو نسلیں پائی جاتی ہیں۔ ان کی بنیاد زیادہ تر انیسویں صدی میں رکھی گئی۔ گو یہ بات ضرور
 ہے کہ (The Thoroughbred) اصل گھوڑوں کی طرح اس نسل کی اصل بنیاد
 دیسی جانور تھے۔ شائر گھوڑا (The Shire) غالباً براہ راست قدیم انگلستان کے
 چھڑوں کے آگے جھٹتے والے گھوڑوں کی نسل سے ہے اور اس میں غیر نسلوں کے خون
 کی بہت کم ملاوٹ ہے۔ یہ ایک بڑے قد کا قوی ہیکل گھوڑا ہے۔ عموماً کالے رنگ کا
 ہوتا ہے۔ لیکن دوسری نسلوں سے بہت کم ستائز ہوتا ہے۔ سفوک (Suffolk) کا
 پنج گھوڑا (Punch) جس نے جدید نسلوں میں شاید سب سے پہلے ایک جداگانہ نوع
 کی حیثیت اختیار کی۔ قیاساً نارمنڈی (Normandy) کے سائڈ گھوڑوں (جو
 آجکل پرچین (Percheron) گھوڑوں کے نامہ دار ہیں) اور دیسی گھوڑوں کے
 جفت کرنے کا نتیجہ ہیں۔ آرٹھرنگ شائر میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ اور کلائڈ (Clyde)
 گھوڑا کہا جاتا ہے۔ کہ فلینڈرز (Flanders) اور بلجیم (Belgium) کے گھوڑوں
 کو اسکاٹ لینڈ کی گھوڑیوں کے ساتھ ملانے سے پیدا ہوا۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں انگلستان میں جو زراعت رائج تھی۔ اور
 جس کا بیان اوپر کی فصل میں کیا گیا ہے۔ اس میں نو آبادیوں کیلئے جو امریکہ آئے ایک
 نمونہ تھی۔ اس پرانی معلومات کو اور نئی معلومات کو کس طرح انہوں نے استعمال کیا۔
 اور اپنے آپ کو نئے براعظم کے نئے حالات کے مطابق کس طرح بنایا۔ یہ امور ذیل
 کی فصل کا موضوع ہیں۔

(۳) امریکن زراعت کا آغاز

بڑے بڑے دور کے ریاستہائے متحدہ کی زراعتی اور سیاسی تاریخ کے دو عہد ہیں پہلا عہد نوآبادیوں کا عہد ہے۔ جو ۱۶۰۷ء سے لیکر ۱۷۷۶ء تک رہا۔ دوسرا قومی نشوونما کا عہد ہے۔ جو ۱۷۷۶ء سے شروع ہو کر اب تک قائم ہے۔ یہ قومی نشوونما کا عہد چار ادوار مختلف میں منقسم ہو سکتا ہے۔ پہلا دور ۱۷۷۶ء سے ۱۸۳۳ء تک دوسرا ۱۸۳۳ء سے لیکر ۱۸۶۲ء تک تیسرا ۱۸۶۲ء سے لیکر ۱۸۸۸ء تک۔ اور چوتھا ۱۸۸۸ء سے لیکر زمانہ حال تک۔ پہلا عہد چونکہ وہی ہے۔ جو ہماری سیاسی تاریخ میں نوآبادیوں کے قائم ہونے کا زمانہ ہے۔ اس لئے ہم اسے نوآبادیوں کے زمانے والوں کا عہد کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں انہوں نے انگریزی قواعد زراعت کو امریکہ میں رواج دینا شروع کیا۔ اور ان کو نئے حالات کے مطابق ترمیم کر لیا۔ یہ ترمیم مشتمل تھی۔ یہ سیکھنے پر کہ جنگل میں زندگی کیونکر بسر کرنی چاہیے۔ اور درختوں۔ پھندوں اور پتھروں سے اٹی ہوئی زمین کو کیونکر صاف کرنا چاہیے۔ نیز یہ اس بات پر مشتمل تھی۔ کہ تجربہ سے یہ سیکھا جائے۔ کہ کون کونسی اجناس طبعیت زمین اور آب و ہوا کے موافق ہیں اور کون کون سے قواعد زراعت تسلی بخش فصل پیدا کرنے کیلئے مناسب ہوں گے۔ ہم انڈین لوگوں کے کہاں تک ممنون ہیں؟ کہ وہ یورپی لوگوں کے پہلے پہل امریکہ جا کر آباد ہوئے۔ ان کے لئے یہی ایک طریقہ نہ تھا۔ کہ پرانے قواعد زراعت کی نئے حالات کے مطابق ترمیم کریں۔ برخلاف اس کے انہوں نے سب سے پہلا سبق اور مسلم طور پر سب سے کارآمد سبق براہ راست امریکہ کے اصلی باشندوں سے پر ڈھا امریکہ کے اصلی باشندوں کے زراعتی طریقوں تو جدید معیار کے مطابق بالکل بے ڈھب اور بے ڈھنگے تھے۔ تاہم ہمیں یہ نہ فراموش کر دینا چاہیے۔ کہ ان لوگوں نے ہمارے اسلاف کو بعض ایسی اجناس کا اگنا سکھا یا جنہوں نے بعد میں ہماری قومی

مشت کی نشوونما میں بڑا حصہ لیا۔ یہ چیزیں کیا تھیں؟ تمباکو اور مکئی۔ تمباکو نوآبادیوں کے عہد میں شروع سے لیکر اخیر تک جنوبی نوآبادیوں میں سب سے اہم جنس بازاری تھا۔ اور سترہ۱۸۰۰ء تک دوسری چیزوں سے پیش پیش رہا۔ سترہ۱۸۰۰ء میں کپاس اُس سے نکل گئی۔ ہماری ساری تاریخ میں مکئی بحیثیت مجموعی ملک کی سب سے بڑی پیداوار رہی ہے۔ اور اس کا درجہ اب تک وہی ہے۔ کوئی دوسری جنس اس کا پاسنگ بھی نہیں۔ امریکی زراعت کا نشان امتیاز مکئی سے بڑھ کر کوئی جنس نہیں۔ اور جہاں تک امریکی صنعت و حرفت کا تعلق ہے ہیں یہ کہنے میں کلام ہے کہ کوئی اور پیداوار اس سے

زیادہ اس کا ماہ لا امتیاز ہے۔
نوآبادیوں کے بسا بیٹوں نے کیونکر زمین حاصل کی؟ ملک کی زراعتی تاریخ کے اُن مسائل میں جو سب پر مقدم اور سب سے اہم ہیں۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اُن کے باشندوں کا زمین سے کیا تعلق ہے۔ ہماری نوآبادیوں کی ابتدائی تاریخ میں زمین بادشاہ برطانیہ کی ملکیت خیال کی جاتی تھی۔ اور تمام حقوق ملکیت اُس کے دربار سے عطا ہوتے تھے۔ مختلف نوآبادیوں میں زمین کا حق ملکیت حاصل کرنے کیلئے جو طریقہ اختیار کئے جاتے تھے۔ وہ بہت مختلف تھے۔ ورجینیا (Virginia) میں زمین بادشاہ نے لنڈن کمپنی کو عطا فرمائی۔ لنڈن کمپنی نے آگے مختلف اشخاص میں تقسیم کر دی۔ لیکن یہ اس وقت جب وہ دو سال تک مشترکہ ملکیت کے طریقہ کا تجربہ کر کے نقصان اُٹھا چکی :-

ورجینیا کا نظام اراضی جن طریقوں سے ایک مرد واحد ورجینیا (Virginia) میں زمین کا حق ملکیت حاصل کر سکتا تھا۔ وہ تین تھے۔ اول یہ کہ لنڈن کمپنی کے مہر یاہ میں حصہ دار ہو جائے۔ اُسے بل آف ایڈوینچر (bill of adventure) کہتے تھے یہ کیا چیز تھی؟ ایک سند تھی اس بات کی کہ فلاں شخص کمپنی کے منافع میں اتنے حصہ کا حقدار ہے۔ اور علاوہ بریں سوا ایکڑ زمین کا حق ملکیت رکھتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں ایک سو ایکڑ مزید زمین کا بھی حق ملکیت اسے حاصل ہو جاتا تھا۔ دوسرا طریقہ زمین حاصل

کرنے کا یہ تھا کہ ایسی خدمات انجام دی جائیں جو صلہ طلب ہوں۔ مذہب کے مبلغ طبیب اور دوسرے پبلک خادموں جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے۔ جنہوں نے دستی مشقت کی ہو۔ ان لوگوں کو بعض اوقات زمین کے قطعات انکی خدمات کے معاوضہ کے طور پر عطا کئے جاتے تھے۔ تیسرا طریقہ ہیڈ رائٹ (headright) کے نام سے موسوم تھا۔ اور یہ وہ طریقہ تھا۔ جو پہلے چالیس سال گزرنے کے بعد سب سے عام ہو گیا۔ اس کے مطابق کوئی حصہ جو کمپنی کو اپنے خرچ پر ایک شخص عام اس سے کہ وہ آزاد ہو یا غلام ہیٹھا کرتا۔ اس کو اس کے صلے میں سچاس ایکڑ زمین کا حق ملکیت حاصل ہو جاتا۔ بشرطیکہ وہ شخص تین سال تک یا اس زیادہ مدت تک نوآبادی میں رہ چکا ہو۔ اس حق کا دائرہ بعد میں اور وسیع ہوا۔ یہاں تک کہ ایسے باشندے جو حصہ دار نہ تھے۔ ان کو بھی سچاس ایکڑ زمین کا حق ملکیت مل جاتا تھا۔ آخری ایام میں تو یہ طریقہ اس قدر غیر منضبط ہو گیا کہ ہر شخص نوآبادی کے سیکریٹری کو فقط ایک مقررہ فیس ادا کر دینے سے زمین کا پروانہ ملکیت حاصل کر سکتا تھا۔

زراعتی پیمائش کا طریقہ جب کوئی شخص کسی قطعہ زمین کا حق ملکیت حاصل کر چکے تو اس کے سامنے یہ سوال درپیش ہوتا کہ کہاں زمین لی جائے۔ یا یہ کہ زمین کی پیمائش کی جائے۔ اور اس پر قبضہ کیا جائے۔ پہلا مرحلہ یہ تھا کہ ہتھم پیمائش کے سامنے اپنی ہیڈ رائٹ (headright) کی سند پیش کی جائے۔ اور کوئی ایسا قطعہ جو پہلے کی ملکیت نہ ہو۔ انتخاب کر لیا جائے۔ دستور یہ تھا کہ لوگ زیادہ تر وہ زمین لیتے تھے۔ جو ساحل بحر یا دریا کے کنارے کے متصل واقع ہوں۔ یعنی کھادوار زمینیں۔ ہتھم پیمائش یہ کرتا تھا کہ ساحل کو قاعدہ یعنی بنیادی خط بناتا تھا اور اس قاعدے پر ایک خط کی پیمائش کرتا تھا جس کا طول اس قطعہ زمین کے رقبہ پر جس کی پیمائش مقصود تھی منحصر ہوتا تھا۔ اس خط کے دونوں سروں سے زاویہ مستقیم بناتے ہوئے دو خط ایک ایک میل کے فاصلے تک beach lines کے سمیت مزرعہ کا حدود اربعہ بناتے تھے۔ ظاہر ہے کہ مزرعہ شکل میں مستطیل اور ایک میل گہرا ہوتا تھا۔ جن قطعوں کی پیمائش پہلے ہوتی تھی ان کو از سر نو بنیادی خط بنالیا جاتا تھا۔ اور ایک نئے سلسلہ قطعات کی پیمائش کی

جاتی تھی۔ جب کہ تمام اُس زمین پر جو پانی کے متصل ہوتی تھی قبضہ ہو چکتا تھا۔ اور پٹے لوگوں کے نام سے دیے جاتے تھے۔ تو پٹہ دار کیلئے ضروری ہوتا تھا کہ ایک مکان تعمیر کر لے اور اس میں رہائش اختیار کر لے۔ ان مراحل کے طے ہو چکنے کے بعد کہیں جا کر اس کا حق ملکیت مکمل ہوتا تھا۔

تختہ زمین اراضی (Land Speculation) نوآبادیوں کے دور میں بالخصوص پہلے چند سال کے بعد تختہ زمین اراضی بہت بڑی حد تک پیدا ہو گئی۔ یہ عموماً اس صورت میں ہوتا تھا کہ ایک قابل قدر قطعہ زمین کی معافی حاصل کی جاتی تھی۔ اور لوگوں کو اس پر بود و باش اختیار کر نیکی ترغیب دی جاتی تھی۔ جب اس قطعہ کے کچھ حصے پر لوگ بود و باش اختیار کر چکے تو بقیہ حصہ کی قیمت بعد میں آنے والے لوگوں کو بیش از بیش دینی پڑتی۔ اور اس طرح مالک زمین کو نفع کثیر ہوتا۔ یہ قاعدہ جو مغرب بعیدہ میں آجکل بھی عام ہے۔ ہماری نوآبادیوں کی تاریخ کے اوائل میں شروع ہوا۔ اور بغیر کسی تغیر عظیم کے آج تک چلا آتا ہے۔

نیو انگلینڈ کا زراعتی نظام نیو انگلینڈ اور جنوبی نوآبادیوں کے زراعتی نظام میں بعض فرق نمایاں تھے۔ نیو انگلینڈ میں ابتداً یہ دستور تھا کہ افراد کو براہ راست زمین بخشی جائے۔ گو یہ سچ ہے کہ چند اشخاص کو زمین بخشی گئی۔ اور وہ عموماً نمایاں خدمات کے صلے میں۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ اشخاص کے ایک گروہ کو جو ایک آبادی قائم کرنے کا یا شہر بسانے کا خواہشمند ہو۔ زمین عطا کی جاتی تھی۔ اس گروہ سے یا اس شہر سے جو یہ گروہ آباد کرتا۔ ہر فرد واحد علیحدہ علیحدہ جاگیر معافی حاصل کرتا۔ اور اس پر چند پابندیاں شہر کی طرف عائد کر دی جاتیں۔ ویڈن اپنی کتاب "نیو انگلینڈ کی معاشرتی اور سیاسی تاریخ" میں ایک جگہ لکھتا ہے۔ "یہ ملکیت اراضی کے قابل تعریف نظام کا طفیل تھا کہ پہلے پہلے شہر وجود میں آئے۔ یہ نہ ہونا تو ظن غالب ہے کہ ان کا مذہبی اور سیاسی نظام۔۔۔۔۔

ان کے نظام معاشرت قائم کرنے کیلئے نہ ناکافی ہوتا۔ ابتداً کے شہر مذہبی جماعت کے طور پر آباد ہوئے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ کسی شہر کا آباد کرنا ایک مذہبی جماعت کے قائم کرنے اور پھر میں بحیثیت الجماعت ایک قطعہ زمین بسانے اور ایک شہر بنانے کے

مرادف تھا۔ جب کوئی شہر بسایا جاتا تھا۔ تو تمام افراد جن کو حقوق شہریت دیئے جاتے۔ ان کو زمینیں عطا کی جاتیں۔ ویڈن (Widdens) کے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے۔ کہ گویا وہ چند خاندانوں کو کلیسیا کی رکنیت کیلئے انتخاب کرتے تھے۔ اور شہریت کے فرائض ان لوگوں کے ذمے ہوتے تھے۔

یہ طریقہ کہ شہروں کو زمین کے بڑے بڑے قطعے عطا کر دیئے جاتے تھے۔ اور وہ آگے چھوٹے چھوٹے قطعے افراد کو دیتے تھے۔ نینو انگلینڈ میں ہمیشہ بستیاں بسانے کا طریقہ رہا۔ تاہم یہ تمام حالات میں ایک مذہبی کاروبار نہ ہوتا تھا۔ بعض اوقات اور بالخصوص نوآبادیوں کے آخری دور میں کوئی شخص سٹیٹ الہادی یا کوئی کمپنی کسی شہر کے آباد کر دینا ٹھیکہ لیتی۔ اسی امید پر کہ زمین کے فروخت کرنے پر کچھ نفع ہو جائے گا۔ بہر حال آبادی مجتمع صورت میں کی جاتی۔ مجتمع بمقابلہ اُس قاعدے کے جو ورجینیا اور جنوبی نوآبادیوں میں رائج تھا اور اس طریق آبادی کی وجہ سے شہر نینو انگلینڈ میں مقامی حقیقت کی ایک خصوصیت ہو گئے۔

شاملات نینو انگلینڈ کے کسی شہر کی متعلقہ زمین کا بڑا حصہ اگرچہ علیحدہ علیحدہ افراد کے قبضہ میں ہوتا تھا۔ تاہم کچھ مشترکہ زمین بھی چراگاہ اور جنگل کے طور پر رکھی جاتی تھیں اور احاطہ بندی اور خندق کھودنے کا کام بڑی مقدار میں مشترکہ طور پر انجام دیا جاتا تھا۔ شہر کے گلہ بان بعض اوقات اس کام پر مقرر کئے جاتے۔ کہ شاملات ہیں شہر کے لوگوں کے مویشیوں کو چرائیں شاملات میں مویشی چرانے کے حقوق عموماً زمین کے اصلی بسانے والوں کے لئے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ بعد میں جب نئے خاندان ان شہروں میں آکر آباد ہو گئے۔ تو شاملات دار (Commons)

غیر شاملات دار (Non commons) میں ایک تفریق پیدا ہو گئی۔ یہ تفریق بعض اوقات مشکلات کا باعث ہوتی اور پرانے باشندوں اور نوواردوں کے درمیان پرانے خاندانوں اور نئے خاندانوں کے درمیان اصلی باشندوں جو کہ زمین پر قابض تھے۔ اور ہاجنوں کے درمیان جو زمین میں حصہ طلب کرتے تھے مختصر یہ کہ آباد شدہ لوگوں اور نئے آباد ہونے والوں کے درمیان جو کش مکش قدیم الایام سے چلی آتی ہے۔ یہ تفریق اس کی ایک صورت تھی۔

وسطی نوآبادیوں کی نظام اراضی { وسطی نوآبادیوں میں ملکیت زمین کے بہت سے مختلف و متنوع طریقے رائج تھے۔ جب تک انگریزی حکومت رائج ہی تو نیویارک کا نظام اراضی بہ نسبت ورچینیا (Virginia) اور جنوبی نوآبادیوں کے نیوا انگلینڈ (New England) کے نظام سے بہت مشابہ تھا لیکن ولنیزی حکومت کے ماتحت دریائے ہڈسن کی وادی میں ایک نیا نظام وجود میں آیا۔ جس کا نام "پیڑون سسٹم" (Pardon System) تھا۔ اس نظام کے مطابق زمین کے بڑے بڑے قطعات جن کا رقبہ پچاس ہزار سے لیکر ایک لاکھ ایکڑ تک ہوتا تھا۔ اشخاص کو بحیثیت انفرادی دیئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کو "پیڑون" (Pardon) کہا جاتا تھا۔ اور وہ جاگیر دار رو سا کی قبیل سے تھے۔ ان لوگوں کے ذمے یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ اپنی کوششوں سے ہاجرین کو اپنی جائدادوں میں بود و باش اختیار کرنے کی ترغیب دیں۔ اور پھر ان پر بحیثیت جدی پشتینی تجربہ سواروں کے حکومت کریں۔ اور بجائے محصول کے لگان کی صورت میں ان سے مدد لیں۔ اس کے صلے میں ان کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ در سے گریجے اور دوسرے ادارات اجتماعیہ لگان کی آمدنی سے جاری کریں۔

پنسلونیا (Pennsylvania) اور میری لینڈ (Maryland) اور ایک خاص حد تک نیوجرسی (New Jersey) اور ڈیلاویئر (Delaware) میں حکومت کا نظام ملکیت۔ نظام اراضی پر مبنی ہوتا تھا۔ شاہ انگلستان کی طرف سے بڑے بڑے جاگیر داروں کو زمین دی جاتی تھی۔ یہ لوگ آباد ہونے والوں زمین عطا کرتے تھے۔ زمین عطا کرنے کی عام صورت یہ تھی کہ چھوٹے چھوٹے مزرعہ بنا کر کاشتکاروں کے ہاتھ بیلام کر دیئے جاتے تھے۔ اور یہ کاشتکار اپنے ہاتھوں سے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ چند بڑے بڑے قطعات زمین بھی بالخصوص میری لینڈ (Maryland) میں عطا کئے گئے۔ ان قطعات زمین میں ایک ایسا نظام اراضی رائج ہو گیا جو کچھ کچھ تعلقہ داری کے نظام سے ملتا جلتا تھا۔

مزدوروں کا بہم پہنچنا { جعفر احمد یہ سوال ہے کہ ملک کے باشندوں کی زمین سے

کیا تعلق ہے۔ اتنا ہی اہم یہ سوال بھی ہے۔ کہ مزدوروں کے قسم کے ہتیا ہو سکتے ہیں۔ جس ملک میں زمین بکثرت ہو۔ اور تقریباً بلا معاوضہ ملے۔ وہاں یہ ناممکن ہے کہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد کوئی قابل قدر ہو۔ اگر کوئی مزدور زمیندار بن سکتا ہے تو بھلا وہ اجرت پر کیوں کام کر لے گا۔ الا اس صورت میں کہ اس کو اجرت اتنی زیادہ ملتی ہو۔ کہ جتنا وہ بحیثیت ایک آزاد اور خود مختار زمیندار کے کما سکتا ہے۔ اتنا ہی مزدوری سے کما سکے۔ جہاں یہ صورت احوال ہو۔ وہاں شاذ و نادر اور وہ بھی خاص خاص حالات میں کسی کاشتکار کے لئے یہ امر مفید ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اتنی زیادہ اجرت دیکر مزدوروں سے کام لے۔ یہی وجہ ہے کہ اجرتی مزدور لازمی طور پر مستحیات میں سے ہے۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے کاشت کار کام انجام دینے کے دو ہی طریقے ہیں۔ اول تو یہ کہ کاشتکار خود کر لے۔ دوسرا یہ کہ لازمی اور جبری طور پر مزدوروں سے کام کرائے۔ تمام انگریزی نوآبادیوں میں کیا جنوب میں اور کیا شمال میں ابتدائیہ دستور تھا کہ کاشتکار خود زمین کی کاشت کرتے تھے۔ بعد کو ایسے ملازموں *Indentured servants* سے بہت سا کام لیا جانے لگا۔ جن کے ساتھ اقرار نامہ کیا کہ ان کا سفر خرچ پرانی دنیا سے نئی دنیا جانے کیلئے ادا کر دیا جائیگا۔ اور وہ اس سفر خرچ کے صلے میں ایک مقررہ میعاد تک کام کریں گے۔ اس میعاد کے ختم ہونے پر وہ آزاد کر دیئے جاتے تھے اور دوسرے آزاد لوگوں کی طرح وہ بھی زمین کے مالک بن سکتے تھے۔

حبشی غلام حبشی غلاموں سے بھی بہت کام لیا جاتا تھا۔ خاص کر ۱۶۱۹ء کے بعد جنوب میں شمالی نوآبادیوں میں بھی حبشی غلام تھے۔ لیکن وہ زیادہ تر شہر کے امیر گھرانوں میں نوکرانوں کے طور پر کام کرتے تھے۔ زراعت میں اگر حبشی غلاموں سے کام لیا بھی جاتا تھا۔ تو وہ اتنے تھے کہ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ اور اس لئے شمالی نوآبادیوں کے زراعتی ارتقا کی تاریخ میں نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں۔ لیکن جنوب میں ان کی بڑی تعداد تھی۔ جو دنیا کی کاشت میں جو کہ جنوب کی سب سے بڑی جنس بازاری تھی۔ کام کرتی تھی۔ اس بنا پر شمالی اور جنوبی حصہ کے طریق زراعت میں بہت نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔ شمالی نوآبادیوں میں مزرعوں کی کاشت زیادہ تر زمیندار خود کرتے تھے۔ فقط تھوڑی تھوڑی مدد دوسرے چند

اُجرتی مزدوروں سے لیتے تھے۔ جنوب میں رفتہ رفتہ یہ دستور ہو گیا۔ کہ زمیندار خود تو بہت محفوظ کام کرنے لگے۔ اور جتنی غلام زیادہ کرتے تھے۔ بہر حال یہ رجحان بہت زیادہ سرعت سے نہیں بھیدا۔ اور جنوب میں ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے مالکان مزرعہ رہتے تھے۔ جو اپنی زمین کی کاشت آپ کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہنا مبالغ نہ ہو گا کہ جنوبی زراعت کی نمایاں خصوصیت یہ تھی۔ کہ غلاموں کی محنت و مشقت سے کھیتی باڑی کا کام انجام پاتا تھا۔ شمالی اور جنوبی نوآبادیوں کے طریق زراعت میں جو فرق تھا۔ یہ اس کی بدولت تھا کہ میلن (Melon) اور ڈکسن (Dixon) کا خط اتنی پُر معنی چیز تھی جو دیہاتی تمدن کی دو اقسام کے درمیان ایک حد فاصل تھی۔ شمال اور جنوب کے شہروں میں کوئی فرق ایسا نہ تھا۔ گو یہ بات سچ ہے کہ شہروں میں بھی کوئی کوئی بات دیہاتی زندگی کی سی پائی جاتی تھی۔

ابتدائی تجربات ابتدائی نوآبادیوں نے اگرچہ زراعت کے پہلے پہلے کارآمد سبق امریکہ کے اصلی باشندوں سے سیکھے اور ان کے نتیجے میں مکئی یا تمباکو کی کاشت شروع کی۔ تاہم وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے۔ کہ اس طرح لیکر کی فیکری کرتے جائیں۔ اور دیسی زراعت کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہ ایجاد کریں۔ چنانچہ بہت سے طریقے بطور آزمائش اختیار کئے گئے۔ بالخصوص ورچینیا (Virginia) میں اس قسم کے تجربات متجدد ہوئے۔ ریشم کی حرفت کو نشوونما دینے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ خود رو انگوروں کی تہیات تھی۔ انجیر۔ زیتون اور دوسرے پھلوں کے اگانے میں تجربے کئے گئے۔ جیمس ٹون (James Tonn) کا عرض بلد تقریباً وہی ہے۔ جو افریقہ کے شمالی ساحل کا ہے۔ اس بنا پر انگریز ورچینیا کو ایک منطقہ حارہ کا خطہ خیال کرنے لگے۔ مزید بریں اول اول انگریز سیاح نئی دنیا میں عموماً گرمی کے موسم میں جایا کرتے تھے۔ اسلئے انہیں یہ دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا۔ کہ وہاں جنوب میں ورچینیا (Virginia) تک سردی کس شدت سے پڑتی ہے۔ لیکن ان تمام تجربوں اور آزمائشوں کے بعد جنوبی نوآبادیوں کو انگریزوں نے مکئی اور تمباکو کی کاشت شروع کرنی پڑی۔ گو یہ بات ضروری ہے۔ کہ یورپی غلہ ترکاریوں اور پھل کی بھی کاشت کی گئی۔ نیل اور چاول بھی جنوبی کیرولینا (South Carolina) اور جارجیا (Georgia) میں بہت اہم اجناس میں شمار ہونے لگے۔ وسطی

نوا بادیوں میں گہیوں نے بازاری جنس کی حیثیت اختیار کر لی۔ گوکلی کی کاشت ہمیشہ ہوتی رہی اور یورپ کے پھل اور ترکاریاں بھی متعدد بہ تعدادیں اُگائے جاتے تھے۔ گہیوں جزائر غرب الہند (Moluccas) سے اس کثرت سے برآمد ہونے لگا۔ کہ ایک اچھی خاصی تجارت شروع ہو گئی۔ نیو انگلینڈ میں کوئی منڈی کی جنس ایسی پیدا نہ ہوتی تھی۔ جن کی برآمد کی تجارت ہوتی ہو۔ عملاً ادھر ادھر کی افلاس کی بغیر کسی لحاظ کے کاشت ہوتی تھی۔ اور زیادہ تر مقامی منڈیوں کے لئے پیداوار اُگائی جاتی تھی۔

مال مویشی ہماری نوا بادیوں کی زراعتی تاریخ میں ایک دلچسپ باب مال مویشی کا باب ہے وہ گھریلو جانور اور پرندے جو اب ریاستہائے متحدہ میں پائے جاتے ہیں۔ سولے فیل مرغ کے سب کے سب یورپ سے لائے گئے۔ پہلے جہاں دیکھو وہاں سور تھے کہ جنگلوں میں وارہ پڑے رہتے تھے۔ جوڑ اور جڑی بوٹیاں کھا کر گزارہ کرتے تھے اور باوجود بھیڑیوں۔ بکھیروں اور وحشی شکاریوں کے تعداد میں دن دوئی رات چوگتی ترقی کئے جاتے تھے۔ ہماری نوا بادیوں کے عہد کی ابتدا میں ورجینیا کے سور کے گوشت نے بڑی شہرت حاصل کی۔ بکریاں چونکہ بمقابلہ بھیڑوں کے اپنے آپ کو بہتر طریقہ سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ اسی لئے ان کی بھی افراط تھی۔ بہر حال کچھ مدت بعد جب ملک میں بستیاں جا بجا آباد ہو گئیں۔ تو بکریوں کی بجائے بھیڑوں نے ترقی کی۔ جن جن نوا بادیوں میں انسانوں کی آبادی اتنی تھی۔ کہ بھیڑیوں وغیرہ کا خطرہ نہ ہو وہاں بھیڑیں پالی گئیں۔ مویشی قدرتی طور پر بہ نسبت بھیڑوں کے اس بات کے زیادہ قابل ہیں۔ کہ جنگل کے منڈی جانوروں کی دستبرد سے بچ سکیں۔ چنانچہ پہلی پہلی نوا بادیوں کے وقت سے لیکر اب تک اُن کی ترقی نسل بڑی تعداد میں ہو رہی ہے۔ ورجینیا (Virginia) اور کیرو لینا (Carolina) میں مویشیوں کا ایک نہایت فائدہ بخش کاروبار جو جدید زمانہ کے کاروبار (Cattle ranching) سے مشابہ تھا۔ شروع ہو گیا۔ مقررہ مقامات پر سالانہ نمائش اور میلے ہوتے تھے۔ مویشیوں کو داغ دیا جاتا تھا۔ اور اس طرح جدید کاروبار کی بہت سی خصوصیات کو گوتی دی گئی۔ نیو انگلینڈ میں مویشیوں کا کاروبار زیادہ تر شہروں کے زیر اہتمام تھا اور ہر شہر کا فرم ہونا تھا۔ کہ اس کے یہاں اپنا علیحدہ نشان ہو۔

تاکہ کسی شہر کے مویشی اپنی چراگاہ سے باہر نکل جائیں۔ تو بچانے جا سکیں۔
 نوآبادیوں کے ابتدائی زمانہ میں گھوڑوں کی ترقی نسل کی طرف بہت کم توجہ کی گئی
 پہلے پہلے نوآباد اپنے ساتھ گھوڑے لائے۔ لیکن یہ گھوڑے صرف سواری کے کام میں
 لائے جاتے تھے۔ کاشت کے بھاری بھاری کام سب بیل کرتے تھے۔ اور ایسی سڑکیں
 ہی کہاں تھیں۔ کہ گاڑیاں چل سکیں؟ درحقیقت جنگلوں میں گھوڑے خوب پھلے پھولے
 اور جنگلی جانور بن گئے۔ چنانچہ کبھی کبھی اُن کا شکار بھی کھیلا جاتا تھا۔ نوآبادیوں کے اخیر
 زمانہ میں درحقیقت والوں نے سواری کے گھوڑوں کی طرف زیادہ توجہ دینی شروع کی۔ انگریزی
 اسیل (Thoroughbred) گھوڑے جن کی اُنہی دنوں انگلستان میں پرورش
 کی گئی تھی۔ نئی دنیا میں لائے گئے۔ اور دیسی گھوڑیوں سے محبت کئے گئے۔ یہ دیسی جانور کسی
 کسی حد تک اس لئے مدتوں سے جنگلوں میں رہتے تھے۔ ایسے جفاکش اور جھپٹے ہوئے تھے۔
 کہ تھوڑے سا ہونے کے باوجود اس قابل سمجھے گئے۔ کہ امریکہ کے سواری کے گھوڑوں کی نسل اُن سے
 لی جائے۔ جزیرہ رود (Rhode Island) میں نوآبادیوں کے اختتام سے پہلے سواری
 کے گھوڑوں کی ایک نہایت قیمتی نسل تھی۔ جنہیں مارگنٹ (Margenest) کہتے تھے۔ یہ نسل جو کبھی بہت مشہور تھی۔ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک ہسپانوی کے گھوڑے کی اولاد
 سے تھی۔ اس نسل کے گھوڑوں کی بہت مانگ تھی۔ نہ صرف اس پاس کی نوآبادیوں میں بلکہ
 جزائر غرب الہند (West Indies) میں بھی۔ چنانچہ اتنے گھوڑے بچے اور ادھر ادھر پھیل
 گئے۔ کہ جنگ آزادی کے بعد ایک علیحدہ نسل کے طور پر اُن کا نام و نشان نہ رہا۔
 سوائے فیلمرغ کے ہمارے تمام مزارع کے جانور اور پرندے پُرانی دنیا سے لائے
 گئے۔ پہلے پہل جو جانور آئے وہ کولمبس (Columbus) کے ساتھ جزائر غرب الہند میں آئے
 جبکہ اس نے ۱۴۹۲ء میں اپنا دوسرا بحری سفر کیا۔ گھوڑے۔ مویشی۔ سور۔ بکریاں۔ بھیریں
 گدھے۔ چوزے۔ لٹھیں اور راج ہنس سب اُسی زمانہ میں لائے گئے۔ اور بعد ازاں قیاس
 نہیں کہ یہ ہسپانوی نسل کے نمونے جزائر غرب الہند کی وساطت سے ہم تک پہنچ گئے ہوں
 بہر حال گھوڑوں۔ مویشیوں۔ سوروں اور بھیروں کے متعلق یہ امر درجہ یقین کو پہنچ

گیا ہے ولندیزی مویشی نیو یارک (New York) اور ڈبیش مویشی نیو جمپشائر (New Hampshire) میں لائے گئے۔ تاہم بالعموم یہاں سے زراعت کے جانور جزائر
برطانیہ سے آئے۔

نوابیادوں کے دور میں دیہاتی زندگی اس ابتدائی دور کی دیہاتی زندگی مندو مرتبہ بیان کی جا چکی ہے اور ہماری قومی روایات کا ایک جزو بن گئی ہے۔ جنوب میں دیہاتی زندگی کا مرکز یورپین ہا جبرین کی وہ نئی بستیاں (New Settlements) تھیں۔ جن میں غلاموں سے زندہ معتمدی مزدوروں کا کام لیا جاتا تھا۔ ان نئی بستیوں کا نقشہ ملاحظہ ہو: ایک نئی بستی جن چیزوں کا مجموعہ تھا وہ یہ ہیں: جاگیردار کا مکان جس کی نمایاں خصوصیت برآمد سے اور غلام گردشیں تھیں۔ حبشیوں کے مکانات کی قطاریں ایک دوسرے کے نزدیک بنے ہوئے کھلیاں اور دکائیں۔ ان چیزوں کی بدولت یہ بستی ایک جداگانہ اور قائم بالذات جماعت ہوتی تھی۔ بستی کے مالک کو کسی ایسی چیز کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ جس کیلئے اسے اپنی نوآبادی سے یا جنوبی حصہ سے باہر جانا پڑے۔ وہ براہ راست انگلستان۔ جزائر فریبند اور شمالی نوآبادیوں سے تجارت کرتا تھا۔ . . . ہر یورپین بستی میں چند حبشی ہوتے تھے۔ جن کو فنونِ میکانیکی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور بعض یورپین ہنرور بھی ملک میں چکر لگاتے اور جو جو کام غلاموں کے بس کے نہ تھے۔ وہ کرتے پھرتے تھے۔

شمالی نوآبادیوں میں مزرے چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اور ان کا کام زیادہ تر کاشتکار اور اس کے خاندان کی محنت سے انجام پاتا تھا۔ اس امر کے لئے ضروری تھا۔ کہ کاشتکار بڑی حد تک ایک دوسرے کی امداد کریں۔ اس کی بدولت ایک نہایت عمدہ اجتماعی زندگی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ لحاف نگدنا۔ سوت کا تننا۔ اناج چھڑنا۔ مکان اور کھلیاں بنانا۔ لکڑی کی شہتیریاں جمع کرنا۔ اور ایسے بہت سے کام مل جل کر کئے جاتے تھے۔

کاشتکاری ہر حصہ ملک میں ایسی تھی۔ جیسی ابتدائی دور میں ہو سکتی ہے۔ عمدہ شعبوں کی طرف اتنی توجہ نہ کی جاتی تھی۔ جتنی کہ موٹے موٹے کاموں کی طرف۔ مثلاً

جنگلوں کا صاف کرنا۔ زمین قابلِ زراعت بنانا کہ کون کوئی پیداوار سب سے زیادہ پہلے
 پیو لگی۔ مختصر یہ کہ زراعت کا جو سالانہ نئے براعظم میں ہوتا تھا۔ اس کو باقاعدہ مزرعوں
 کی صورت میں متشکل کرنا۔ یہ کہنا بعید از حقیقت نہ ہوگا کہ ان کا اولین مقصد مزرعوں کا بنانا
 تھا۔ اور دوسرا مقصد فصل اُگانا۔ بہر حال جو بڑی جنس ریاستہائے متحدہ میں فی زمانہ اُگائی
 جاتی ہے۔ سوائے الفا فا (Coffea arabica) سورغم (Sorghum) اور اناج کی بعض
 نئی اقسام کے۔ وہ نوآبادیوں کے زمانہ میں پہلے پہل اُگائی گئی۔ اور اُسے امریکہ کی آب ہوا
 کے موافق بنایا گیا۔ اس طرح اُس زمانے کی ابتدائی کاشتکاری نے اُس زراعتی ترقی
 کی بنیادیں استوار کیں جو بعد کو ظہور میں آئیں۔ مزرعے کی تنظیم کا مسئلہ یہ نہ تھا۔ کہ کسی
 طرح زمین کی بچت کی جائے۔ کیونکہ مزدوروں کا وہاں قحط تھا۔ نوآبادیوں کے کاشتکاروں
 نے یہ مسئلہ نہایت کامیابی سے حل کیا۔

قومی ارتقا کا عہد

۱۷۷۱ء سے ۱۸۳۳ء تک - جنگ کا فضا کرنا

سرحد کا انتقال جنگ آزادی ہماری زراعتی اور سیاسی تاریخ میں ایک عہد کا سر آغاز ہے۔ اس وقوعہ عظیم کے بعد زراعت میں ایسے تغیرات کا سلسلہ ظہور میں آیا۔ جو تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ اول سرحد نہایت سرعت سے غرباً اندرونی وادی کی طرف منتقل ہوتی گئی۔ جہاں کہیں بھی ہماری سرحد رہی ہے۔ وہاں ہمارے مبتدی کاشتکاروں کی زندگی میں بہت سی وہ لازمی خصوصیات برقرار رہی ہیں۔ جو اُس میں نوآبادیوں کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں۔

حکومت کی اراضی عامہ کے متعلق حکمت عملی کو دوسرا وقوعہ عام جس سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا وہ حکومت متحدہ کی اراضی عامہ کے متعلق حکمت عملی کا عمل میں آنا تھا۔ انقلاب عظیم (The Removals) کے اختتام پر زمین تمام کی تمام مختلف ریاستوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی۔ ایک سلسلہ قوانین کے رو سے اراضی کا بہت سا حصہ کہ اب تک غیر ملوکہ یا غیر مقبوضہ تھا۔ حکومت متحدہ کو دے دیا گیا۔ پھر حکومت متحدہ نے اس کو مختلف افراد کے ہاتھ فروخت کرنے کے طریقے سوچنے شروع کئے۔ شاید کسی اور لائحہ عمل پر کبھی اتنا غور و خوض نہیں کیا گیا۔ جتنا کہ اس طریق کار پر کیا گیا۔ کوشش یہ تھی کہ اراضی عامہ کو جتنی جلد ہو سکے مختلف زمینداروں کی ذاتی ملکیت کی صورت میں منتقل کیا جائے۔ اول اول تو یہ ہونا رہا۔ کہ زمین قومی خزانہ کے نفع کیلئے اور قرضہ قومی ادا کرنے کیلئے بیچ جاتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ بہت سے تغیر و تبدل ہوئے۔ جن کے رُوسے یہ پالیسی ترک کر دی گئی۔ اور ایک اور پالیسی اختیار کی گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ زمین کو ان لوگوں کی ملکیت بنایا جائے۔ جو یہاں یود و پاش اختیار کریں۔ چاہے اس سے قومی

خزانہ کو براہ راست نافذہ پہنچے یا نہ پہنچے۔

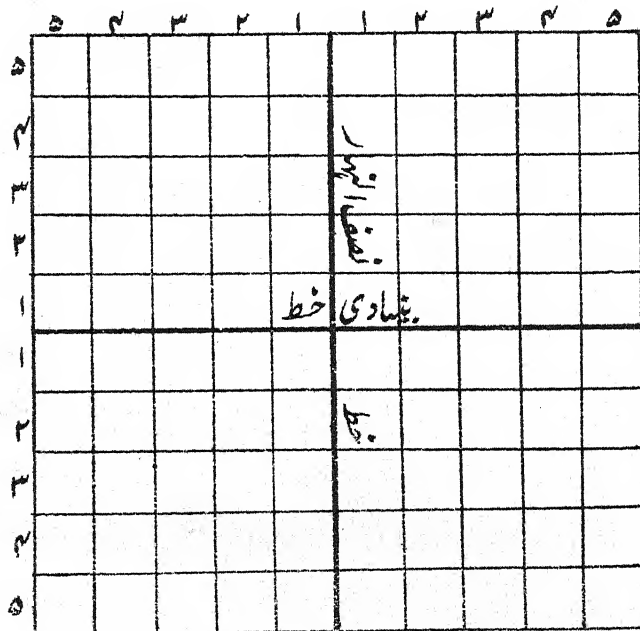
مالی حکمت عملی کا اجتماعی حکمت عملی میں تبدیل ہونا [اراضی کے دستور العمل میں یہ تبدیلی بہت آہستہ آہستہ ہوئی۔ اور تین رتبہ صدی میں کہیں جا کر مکمل ہوئی۔ ۱۹۲۷ء اور ۱۹۳۷ء کی زمینانی مدت میں اراضی عامہ بڑے بڑے قطعات میں تقسیم کر کے فروخت کی جاتی تھی۔ جن کا ٹھوڑے سے ٹھوڑا رقبہ ۴۴۵-۵۴ ایکڑ ہوتا تھا۔ اس مدت کے بعد بیس سال تک (۱۸۰۱-۱۸۲۰) چھوٹے سے چھوٹا قطعہ جو حکومت فروخت کرتی تھی۔ اس کا رقبہ ۱۶۰-۱ ایکڑ ہوتا تھا۔ اور قیمت کم از کم ۲۰۰ ڈالر فی ایکڑ ہوتی تھی۔ پھر اس کے بعد جو بیس سال تھے (۱۸۲۱-۱۸۴۰) ان میں ٹھوڑی سے ٹھوڑی قیمت ۱۰۰ ڈالر فی ایکڑ تھی اور ۴۰-۵۰ ایکڑ کم سے کم رقبہ تھا۔ جو فروخت کیا جاسکتا تھا۔ ۱۸۴۱ء میں سب سے پہلے "قانون حق شفعہ نافذ ہوا۔ جس کے رو سے یہ قرار پایا۔ کہ زمینیں آئندہ پبلک کے ہاتھ نہ فروخت کی جائیں۔ بلکہ ان افراد کے ہاتھ جو ان زمینوں میں رود یا شش اختیار کریں۔ ان لوگوں کو محدود قطعات زمین خریدنے کی اجازت تھی۔ جن کو وہ خود آباد کرتے تھے۔ اور کمترین قیمت ۲۵ ڈالر فی ایکڑ کے حساب مقرر تھی۔ اس سلسلہ تغیرات کی آخری کڑی یہ تھی۔ کہ ۱۸۶۲ء میں "قانون متعلقہ مساکن (Homeless Land Act) پاس ہوا۔ اور ۱۸۶۳ء میں اس کی ترمیم ہوئی۔ اس قانون کے رو سے جو شخص کسی قطعہ زمین پر خود رود یا شش رکھتا تھا۔ اور خود اسکی کاشت کرتا تھا اس کو ایک ٹکڑے کا جس کا رقبہ ۱۶۰-۱ ایکڑ سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ حق ملکیت بغیر کچھ رویہ ادا کرنے کے حاصل ہو جاتا تھا۔ اس قانون کے نافذ ہونے کے وقت سے بہت سے قانون بطور ضمیمہ پاس ہوئے ہیں۔ مثلاً "قانون کاشت درختان" (Timber Culture Act) جس کے مطابق ایک محدود قطعہ زمین پر اس شخص کو دیا جاتا تھا۔ جو اس قطعہ کے کچھ حصہ میں درخت لگائے اور ان کی چند سال تک نشوونما کرے اور قانون اراضی غیر آباد (Desert Land Act) اور ایسے ایسے اور قانون جن کا مقصد ملک کی آبادی تھا۔ مقبوضات قومی کے فروخت کرنے کا پہلا ضابطہ ۱۸۶۵ء میں پاس ہوا۔ اسکی

۱۔ Financial policy - ۲۔ Social policy

سب بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئینہ پیمائش مستطیل طریقہ پر ہوا کرے۔ اور یہ طریقہ اب بھی رائج ہے :-

ہیمایشن کا مستطیل طریقہ کیا ایک نقطہ بطور نقطہ آغاز انتخاب کر لیا جاتا ہے۔ پھر
وٹاں سے ایک خط شمالاً جنوباً کھینچا جاتا ہے۔ اور دوسرا شرقاً غرباً۔ پہلے خط کو نصف النہار
(meridian) کہا جاتا ہے اور دوسرے کو بنیادی خط (base line) پھر پہلے خط
سے مواضع (longitude) کا شمار ہوتا ہے۔ ہر قطار شہروں کی جو شمالی جنوبی سمت
میں جاتی ہے۔ اور جس کو مشرقی و مغربی سرحدیں خط نصف النہار سے متوازی ہیں
اس کا نام رینج (Range) رکھا جاتا ہے۔ یہ رینجیں (Ranges) مشرقی و مغربی
سمت میں خط نصف النہار کے اوپر شمار کی جاتی ہیں۔ رینج کے اندر شہروں کے نام
شمالی و جنوبی سمت میں بنیادی خط کے اوپر شمار کئے جاتے ہیں۔ شہروں کے شمار کا
طریقہ نقشہ ذیل سے واضح ہو سکتا ہے:۔

نفسہ اول



وہ موضع جس کا نام لڑکھا گیا ہے۔ اس کا عدد شمار ۳ شمالی ہے۔ اور وہ ریخ نمبر ۳
 غربی میں واقع ہے۔ اس کو یوں ظاہر کیا جائیگا۔ موضع ۳ شمال۔ ریخ ۳ مغرب۔ وہ موضع
 جس کا نام ب رکھا گیا ہے۔ اس کا عدد شمار ۳ جنوبی ہے اور وہ ریخ ۴ مشرقی میں واقع
 ہے۔ اس کو یوں ظاہر کیا جائیگا۔ موضع ۳ جنوب۔ ریخ ۴ مشرق۔

ہر موضع کے اندر جو حصے ہیں۔ اُن کے عدد ترتیب ذیل کے مطابق لکائے جاتے
 ہیں۔ (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۲) اور یہ عدد ہمیشہ شمال مشرقی کونہ سے شروع کئے جاتے ہیں۔
 ہر حصے (Section) کے اندر جو چار حصے ہیں۔ اُن کو یوں ظاہر کیا جاتا ہے۔
 مرکز سے کس سمت کو واقع ہیں۔ یعنی شمال مغرب۔ شمال مشرق۔ جنوب مغرب اور جنوب مشرق۔
 چنانچہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اس چوتھائی حصے کا نام لے جو موضع (۱) نقشہ نمبر ۱ کے شمال
 مغرب میں واقع ہے۔ تو وہ یہ علامات استعمال کر لیگا۔ شمال مغربی چوتھائی حصہ۔ حصہ ۱
 موضع ۳ شمال۔ ریخ ۳ مغرب۔ ہر چوتھائی حصے کے اندر ہر چالیس ایکڑ کا قطعہ کایوں نشان
 لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ چوتھائی حصے کے مرکز سے کس سمت کو واقع ہے؛ چنانچہ اگر کوئی شخص چاہے
 کہ اس چالیس ایکڑ کے قطعہ کو ظاہر کرے جو مذکورہ بالا چوتھائی حصے کے جنوب مشرقی کونے میں واقع
 ہے۔ تو وہ اسے یوں ظاہر کر لیگا۔

جنوب مشرقی چوتھائی حصہ۔ شمال مشرقی چوتھائی حصہ۔ وغیرہ ذرا لک۔

نقشہ دوم

۶	۵	۴	۳	۲	۱
۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	۱۴	۱۳
۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴
۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵
۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶

پیمائش اور اعداد و شمار کا یہ طریقہ غالباً اصل میں روما سے لیا گیا ہے۔ کم از کم اس کی چند خصوصیتوں سے یہی حاضر ہوتا ہے۔ اور یہ طریقہ سادگی اور اجمال کا نمونہ ہے۔ اس کو امریکہ کی ضروریات کے مطابق ٹامس جیفری (Thomas Jefferson) نے یا البرٹ کیلیٹن (Albert Gallatin) نے ترمیم کیا۔ اتنے وسیع علاقہ کی پیمائش۔ اس کا قلمبند کرنا بیغیاہوں کا محفوظ رکھنا۔ اندراجات و دستاویزات کا سنبھالنا۔ اجازت نامہ لکھنا بڑا کام تھا۔ اول اول یہ خزانہ کے سیکرٹری کی نگرانی میں انجام دیا جاتا تھا۔ پیمائش کے کام کو منضبط کرنے کے لئے ۱۷۹۶ء میں افسر محکمہ پیمائش مقرر کیا گیا۔ اور جنرل پٹنم (General Putnam) شمال مشرقی علاقہ میں اس عہدہ پر فائز ہوا۔ ۱۸۰۰ء میں شمال مشرقی علاقے میں ضلع کے دفاتر اراضی کھولے گئے۔ اور افسر محکمہ پیمائش نقشے آئندہ بجائے خزانہ کے سیکرٹری کے ان دفاتر کو دیتا تھا۔ ۱۸۱۲ء میں مرکزی دفتر اراضی (General Land Office) ایک کمشنر کے ماتحت قائم ہوا۔ اس کمشنر کو اراضی عامہ کا بندوبست براہ راست سپرد ہوا۔ گو وہ محکمہ خزانہ کے ماتحت تھا۔ یہ حالات مدت تک قائم رہے۔ تا آنکہ ۱۸۴۹ء میں محکمہ داخلہ (Department of the Interior) وجود میں آیا۔ اس وقت سے اس محکمہ کے زیر نگرانی "مرکزی دفتر اراضی" ہے۔

معافی دوام ۱۸۷۰ء کے مشہور ضابطہ کا تعلق زیادہ تر اس علاقے کے انتظام حکومت سے تھا۔ جو حکومت متحدہ کی مختلف ریاستوں کی طرف سے سپرد کیا گیا تھا۔ اور اراضی عامہ کی تقسیم سے اس کا تعلق بہت کم تھا۔ بہر حال اسکے رو سے ملکیت اراضی کا ایک ایسا طریقہ لازم آیا۔ جو جمہور کے موافق ہو۔ اور یہ طریقہ اتنا ہی اہم ہے۔ جتنا کہ وہ قوانین جو غلامی کے برخلاف اور جمہوری دستور حکومت کے حق میں نافذ ہوئے اور جن کے متعلق اتنا کچھ لکھا گیا ہے۔ ملکیت اراضی کا طریقہ جاگیرداری کا طریقہ (feudal tenure) ہونے کی بجائے معافی دوام کا طریقہ (allodial tenure) قرار پایا۔ یعنی زمین معافی بلا شرط کے طور پر دیدی جاتی تھی۔ خرید و فروخت کے ذریعے اس کے انتقال کی اجازت عام تھی۔ اور متوفی بلا وصیت اشخاص کی جائیداد ان کے وارثوں میں برابر برابر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ معافی دوام کی

ملکیت (allodial tenure) سے عبارت زمین کی مطلق ملکیت ہے۔ بغیر کسی بادشاہ یا طرف سے کوئی پابندیاں عاید ہونے کے۔ جاگیرداری کی ملکیت (feudal tenure) مراد ہے ایسی زمین پر قابض ہونا جو اصل میں کسی بادشاہ یا امیر کی طرف سے بخشی گئی ہو۔ اس شرط پر کہ کچھ خدمات اس کے صلے میں انجام دی جائیں۔ یا کوئی رقم مقررہ بطور رکن یا مالگداری ادا کی جائے۔ یہ خدمات یا رقوم مالگداری اصل بخشش نامہ میں مقرر کر دی جاتی تھیں۔ اس قسم کی ملکیت دائمی ہوتی ہے۔ بشرطیکہ خدمت مہرودہ (enfeoffed service) انجام دی جائے یا رقم مقررہ ادا ہوتی رہے۔ یہ طریق ملکیت معمولی پٹہ یا اجارہ سے اس امر میں مختلف ہے۔ کہ پٹہ اجارہ تو کچھ مدت کیلئے رہتا ہے۔ اور ہر مہرودہ کے گزرنے پر اس کی تجدید کی جاتی ہے۔ زمین جو معافی و دوام کے طور پر کسی شخص کی ملک ہو۔ وہ بغیر کسی شرط یا قید کے دائمی طور پر مالک کے قبضہ میں رہتی ہے۔ اور مالک کے وارثوں میں ہمیشہ کیلئے رہتی ہے۔ یہ قانون جس کی رو سے ملکیت اراضی کا ایک جمہوری قاعدہ وجود میں آیا۔ اس کے مطابق ہمیشہ ملک میں عمل ہوتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ پرانی ریاستیں جن میں جاگیردارانہ ملکیت کے کچھ باقیات اس وقت تک بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی اس قانون کے نمونے پر اپنے قوانین پر اراضی کو ڈھال لیا ہے۔

کپاس کی فروخت کا وجود میں آنا اس دور کی زراعتی تاریخ میں دو سرائیگر عظیم کپاس کی جنوبی حصہ کی پیداوار میں اول درجہ حاصل کرتا تھا۔ نوآبادیوں کے دور میں اس کا ہیک تھا کہ پہلے درجہ پر تھا۔ لیکن اس زمانے میں کپاس نے اس کے پہلو پہ پہلو چلنا شروع کیا۔ اور آہستہ آہستہ اس سے بہت آگے نکل گئی۔ کپاس کا یہ نمایاں حیثیت حاصل کرنا بہت سے عوامل و مؤثرات کا مجموعی نتیجہ تھا۔ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں کپڑے کے تیار کرنے کے سلسلے میں بہت سی ایجادیں ہوئی تھیں۔ بالخصوص انگلستان میں۔ ان کی بنا پر کپاس کی مانگ دنیا بھر کی منڈیوں میں پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی۔ ۱۸۶۰ء میں بے ریشہ والی یا جزیرہ بحری کی کپاس کا رواج شروع ہوا۔ اور جنوبی کیرولینا (South Carolina) اور جارجیا (Georgia) کی نشیبی زمین کیلئے

یہ کپاس بہت موزوں ثابت ہوئی۔ لیکن اس سے زیادہ اہم سبب یہ تھا کہ ۱۹۳۷ء میں کپاس اوسٹن کی آرہ دارکل (Smoth Sues) ایجاد ہوئی۔ یہ اپنی قسم کی پہلی عمدہ ترکیب تھی جس سے چھوٹے ریشہ کے یا اونچی زمین کی کپاس سے بیج الگ کیا جاسکتا تھا۔ یہ اس قسم کی کپاس ہے جس سے دنیا بھر میں کپاس کے مصنوعات زیادہ تر بنتے ہیں۔ آرہ دارکل نے ہمارے ملک میں جہاں مزدوروں کا کال تھا اور زمین کی افراط تھی اس قسم کی کپاس کی پیداوار کو بہت فائدہ بخش دیا۔

اس کی غلامی پر اثر کپاس کی پیداوار کا کاروبار شروع ہونے سے جو بڑے نتیجے رونما ہوئے ان میں ایک یہ تھا کہ غلامی کو اس نے نئے سرے سے زندہ کر دیا۔ غلامی اور تو اور جنوب میں بھی نامقبول ہوئی جا رہی تھی۔ لیکن غلاموں کی محنت سے کپاس اگانے میں اتنا نفع ہوا کہ بہت سے لوگ جو اخلاقی نقطہ نگاہ سے غلام رکھنے کو میوب اور قابل اعتراض سمجھتے تھے۔ انہوں نے اخلاق کو بالائے طاق رکھا۔ اور غلاموں سے کام لینا شروع کر دیا۔ ۱۹۵۸ء میں جب مزید غلاموں کو ملک میں داخل کرنے کی ممانعت عمل میں آئی تو اس کا نتیجہ ہوا کہ غلاموں کی تعداد وہی تک محدود ہو گئی۔ جہاں تک اس میں قدرتی طور پر اضافہ ہو سکتا تھا۔ اور تو غلاموں کی تعداد اس قدر محدود ہو گئی۔ اور ادھر ان یورپین بستیوں میں جہاں کپاس اگائی جاتی تھی۔ غلاموں کی تعداد دن دو گنی رات چھ گنی بڑھتی گئی۔ چنانچہ غلام نہایت قیمتی مقبوضات میں شمار ہونے لگے۔

یہ اعتقاد مدتوں سے عام چلا آتا ہے کہ غلامی کو اخلاقی اعتبار سے مذموم تھی۔ تاہم جنوب اور امریکہ کا زراعتی ارتقا اس کا بہت حد تک مرہون منت ہے۔ اس اعتقاد کی بنا غالباً کوئی اس قسم کی ویسل ہے۔ کہ جنوبی امریکہ کے بعض حصوں میں کپاس کی کاشت کا کام کرنے کے لئے گورے مزدور یا کاشتکار کافی تعداد میں موجود نہ تھے۔ اس لئے اگر جتنی غلاموں سے کام نہ لیا جاتا۔ تو کوئی کام کرنے والا نہ ہوتا۔ یہ دلیل درست ہوگی لیکن اس میں ایک امر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جتنی غلاموں کی ضرورت اس وجہ سے زیادہ نہ تھی۔ کہ گورے مزدور اور کاشتکار کم تھے۔ بلکہ گورے مزدور اور کاشتکار

اسلئے کم تھے کہ حبشی غلام پہلے ہی بکثرت موجود تھے۔ بالفاظ دیگر حبشی غلاموں کے ہونے نے گورے مزدوروں اور کاشتکاروں کی تعداد جنوب میں بڑھنے نہ دی۔ اُنیسویں صدی میں یورپ سے ہمارے جہازیں جوتی ورجوق امریکہ آئے۔ لیکن انہوں نے زیادہ تر خود مختار ریاستوں کا رخ کیا۔ کیا وجہ تھی کہ ان ہمارے جہازیں کی کوئی محقول تعداد جنوبی امریکہ کی زرخیز زمین اور عمدہ آب و ہوا کی طرف مائل نہ ہوئی۔ غلاموں کے سوا اس کی کوئی وجہ نہ تھی۔ حبشی غلاموں کا موجود ہونا ان ہمارے جہازیں کو جنوب سے دور رکھنے کیلئے کافی تھا۔ جس طرح کوئی شخص طاعون سے بھاگتا ہے۔ اسی طرح آزاد مزدوروں اور کاشتکاروں نے ہمیشہ ہر اُس جماعت سے گریز کیا ہے۔ جس میں اُن کو غلاموں کے دوش بدوش کام کرنا پڑے۔ اور وہ ذلت جو غلامی کا جزو و لاینفک ہے۔ برداشت کرنی پڑے۔ آجکل جہاں جہاں بہترین قسم کی کپاس پیدا ہوتی ہے۔ وہاں گورے کاشتکار اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔ کسی زمانے میں حبشی کہ غلامی کے زمانے میں بھی ایسا کوئی وقت نہ تھا۔ جب غلاموں کی کمٹی اور یہودہ کاشتکاری کے صحرا بیکراں میں اس قسم کے کچھ قطعات جن میں گورے کاشتکار کام کرتے تھے۔ سرنگھٹانوں کی طرح موجود نہ تھے۔

غلامی کے جو اثرات امریکہ کی زراعت پر ہوئے۔ اُن میں سب سے زیادہ اہم یہ اثر تھا۔ کہ کپاس کی کاشت سے گورے رنگ کے مزدور ایک قلم خارج کر دیئے گئے۔ تین اور اثرات ہیں۔ جو غلامی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اولیٰ غلامی کو زمین کے سستی ناس کرنے کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ زمین کے ایک ٹکڑے میں ساہما سال تک کوئی فصل اُگائی جائے۔ اور جب اس کی اصل زرخیزی جاتی رہے۔ تو اس کو چھوڑ کر نئے ٹکڑے میں کاشت کی جائے۔ یہ بات یقین سے نہیں کی جاسکتی۔ کہ یہ طریقہ غلامی کی بدولت وجود میں آیا۔ یا اس وجہ سے کہ زمین کی کثرت تھی۔ اگر قریب ہی کوئی زمین ایسی ہو۔ جو نباتی مواد کے صدیوں تک جمع ہوتے رہنے سے زرخیز بن گئی ہو۔ تو پرانے کھیت میں ہل چلائے جانا فعل عبث ہے۔ نئے کھیت میں کاشت کرنا سستا بھی پڑتا ہے۔ اور زیادہ فائدہ مند بھی بحیثیت کلی قوم کے مفاد کا خیال کیا جائے۔ تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ طریقہ کوتاہ اندیشی پر

مبنی ہے۔ لیکن اگر یہ دیکھا جاوے۔ کہ کاشتکار کو انفرادی طور پر اس سے کیا حاصل ہوتا ہے تو یہ فی الواقعہ کار آگاہی اور دانائی پر مبنی ہے۔ اس لئے اگر الزام دینا چاہیے تو ساری قوم کو کہ کیوں اس نے اپنے تباہ کن دستور کو جائز قرار دیا۔ کسی شخص کا حیثیت انفرادی اس میں کچھ قصور نہیں۔

دوسرا اثر جو غلامی نے کیا وہ یہ تھا۔ کہ اس نے کپاس کی کاشت کو بڑی بڑی نئی بستیوں (Plantations) میں محدود کر دیا۔ جہاں غلاموں کے گروہ کے گروہ مالکوں کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ غلاموں کو چونکہ اپنے کام سے کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کی نگرانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ایک جمہور داروغہ یا سربراہ ایک یا دو گروہ کے کام کی نگرانی کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ محاشیاتی نقطہ نگاہ سے حماقت ہوگی۔ کہ ایسی نئی بستی کے مقابلے میں جہاں سینکڑوں غلام کام کرتے ہیں۔ ایک دو غلاموں سے کام لیکر کپاس کی کاشت کی جائے۔ تیسرا اثر غلامی کا یہ تھا کہ جنوبی حصے کی زراعت میں جو آلات اور اوزار استعمال کئے جاتے تھے۔ وہ شمال میں اصلاحات ہو جانے کے بعد مدتوں تک دبے کے دیسے بے ڈھنگے اور بھاری بھر کم رہے۔

شمال کی جن ریاستوں میں غلامی کا رواج تھا مثلاً میری لینڈ (Maryland) ورجینیا (Virginia) شمالی کیرولینا (North Carolina) کینٹکی (Kentucky) ٹینس (Tennessee) اور مسوری (Missouri) وہاں تباہ کوئی کاشت۔ مال مویشی کی افزائش نسل اور عام قسم کی زراعت ہوتی رہی۔ لیکن غلامی کی بدولت ان ریاستوں کا تعلق یہ نسبت شمال کی آزاد ریاستوں کے جنوب کی کپاس اگانے والی ریاستوں سے زیادہ رہا۔ کپاس اگانے والی ریاستیں غلاموں کیلئے اور ان گھوڑوں۔ خچروں۔ مویشیوں۔ سوروں۔ بھوسہ اور غلہ اور اس قسم کی اور چیزوں کے لئے جو ان سرحدی ریاستوں میں پیدا ہوتی تھیں۔ منڈیاں تھیں۔

خچروں کی جس زمانے کا ہم اس وقت ذکر رہے ہیں۔ اس زمانے میں یہ ہوا۔ کہ خچروں کی افزائش نسل نے ایک جداگانہ کاروبار کی حیثیت اختیار کی۔ جس طرح واشنگٹن

(George Washington) خود اس کا روبرو بار کے پیشرووں میں تھا۔ اس کے دو نہایت قیمتی گدھے لے فٹ (Lafayette) اور بادشاہ اسپین سے بطور تحفہ لے۔ انہیں سے اُس نے یہ کام شروع کیا۔ اس کا جواثر ہوا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ اس وقت امریکہ میں ۲۰۰۰۰۰۰۰۰ خچریں ہیں۔ اور اب بھی ان کی افزائش نسل ورجینیا۔ کینٹکی۔ ٹینیسی۔ مسوری۔ کنساس۔ اور ٹکسس کی سرحدی ریاستوں میں ہوتی ہے۔

مغرب کی جانب ہجرت { ۱۸۰۰ء اور ۱۸۵۰ء کے مضابطہ کے رو سے شمال مغربی خطہ میں آبادی کی جو اجازت عام ہو گئی۔ اسکی وجہ سے اس خطہ میں لوگ جوق در جوق جانے لگے۔ چونکہ حکومت اس وقت اریباہ تھیں (Speculators) اور آباد ہونے والوں دونوں کے ہاتھ زمین فروخت کرتی تھی۔ اس لئے یہ مغرب کی جانب ہجرت بہت سے مختلف عناصر پر مشتمل تھی۔ گوان میں ان لوگوں کا عنصر غالب تھا۔ جو اپنے رہنے کیلئے کوئی گھر ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اس ابتدائی زمانہ میں لوگوں کو جس زمین کی طلب تھی۔ وہ سب اُس جنگلات کے سلسلے میں واقع تھی۔ جو ساحل سے لیکر مغرب کی جانب اس ریاست کی طرف جس کا نام اب انڈیانا (Indiana) ہے۔ چلا گیا تھا۔ اس بنا پر اس دور کی ابتدا کی زراعت بعض امور کے اعتبار سے اس ابتدائی زراعت سے بہت مختلف تھی۔ جو بعد میں میدانی ریاستوں (Prairie states) میں ظہور میں آئی۔ گو بحیرہ اوٹیمانوس کے ساحل پر نوآبادیوں کے زمانہ میں جو ابتدائی زراعت ہوئی۔ اس سے یہ بڑی حد تک مشابہ تھی۔ اپنی زمین کی جگہ مقرر کرنے اور ایک پناہ کی جگہ بنانے کے بعد آباد ہونے والوں کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا تھا۔ کہ زمین کو درختوں وغیرہ سے صاف کریں۔ جنگل کو صاف کرنے کا کام استقر سرگرمی اور ہوشیاری سے کیا گیا۔ کہ دنیا کی تاریخ میں غالباً اس کی کوئی مثال موجود نہیں۔

زراعتی دستی آلات { ۱۸۳۳ء تک زراعتی آلات میں بہت کم تبدیلیاں ہوئیں۔ ہل اور سرائوں (سہاگہ) بس یہ دو آلات تھے۔ جن کو انسان خود چلاتے تھے۔ اب تک وہی ہل کہ جس کا اوپر کا ڈھانچہ لکڑی کا اور پچھالی لوہے کی ہوتی تھی۔ استعمال کیا جاتا تھا۔

گو کبھی کبھی لکڑی کے ڈھانچے پر لوہے کی پتیریاں حفاظت کی غرض سے لگائی جاتی تھیں۔
 ۱۷۹۸ء میں ظامس جیفرسن نے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا۔ کہ ایک ہل کا لوہا بوزین
 کھودتا ہے اسکی کیا شکل ہونی چاہیئے۔ اس سے ایک سال پیشتر چارلس نیو بولڈ
 (Charles Newbold) ساکن نیوجرسی (New Jersey) نے ایک ڈھلے ہوئے
 لوہے کا آلہ ایجاد کیا تھا۔ جس میں پھالی - "مٹا" اور "کٹر" سب ایک تھے
 اس کا عام استعمال فوراً شروع نہیں ہوا۔ کیونکہ نہ جانے کسی شخص نے یہ نیا شاخشاہ نکالا
 کہ ڈھلے ہوئے لوہے کا ہل زمین کو زہریلا بنا دیتا ہے۔ جس سے پسندوار نہیں ہوتی۔
 اور کاشتکاروں نے اسی بات کا یقین کر لیا۔ جیتھر ووڈ (Jethro Wood) ساکن
 نیو یارک (New York) نے جس کی جیفرسن کے سابقہ خط و کتابت تھی۔ ۱۸۱۷ء
 اور ۱۸۱۹ء میں ڈھلے ہوئے لوہے کے ہل کیلئے سرکار سے اجازت حاصل کیے یا اس
 ایک ایسا ہل تیار کیا تھا جو موجودہ ہلوں کے پچھلے سے کسی حد تک ملتا جلتا ہے۔
 زراعتی انجینئیں { اگرچہ ۱۷۹۹ء اور ۱۸۳۳ء کی درمیانی مدت میں زراعتی آلات کے
 متعلق کوئی قابل ذکر ایجادات نہ ہوئیں تاہم لوگوں کو زراعتی ترقی سے ایک خاص دلچسپی
 پیدا ہونے لگی تھی۔ جو مستقبل کے متعلق ایک فال نیک تھی۔ جنوبی کیرولینا (South
 Carolina) میں ۱۷۸۲ء میں پنسلونیا (Pennsylvania) میں ۱۷۸۵ء میں
 نیو یارک (New York) میں ۱۷۹۱ء میں میسکوسٹس (Massachusetts)
 میں ۱۷۹۲ء میں زراعتی انجینئیں قائم ہوئیں۔ ۱۸۱۰ء میں زراعتی پیداوار کی ایک نمائش باغ
 ٹون۔ ڈی۔ سی (George town D.C.) میں ہوئی۔ اور ایک اور نمائش پٹس فیلڈ
 (Pitts field) میسکوسٹس (Massachusetts) میں ہوئی۔ ۱۸۱۶ء میں
 اس سے ذرا بڑے پیمانے پر ایک نمائش برائٹن (Brighton) میسکوسٹس میں
 منعقد ہوئی۔ یہ ان زراعتی میلوں اور نمائشوں کا پیش خیمہ تھا۔ جو اب بڑے شاندار
 پیمانے پر منعقد ہوتی ہیں۔
 مال مویشی میں اصلاحات: گھوڑے { اس زمانے میں ترقی یافتہ مال مویشی کی

نئی نئی جنٹیں دساور سے لائی گئیں۔ خاص طور پر شارٹ ہارن (Short horn) اور ہر فورڈ (Ford) پریشی؛ اور اس امر میں کیننگی۔ میکوسٹس اور نیویارک سب سے آگے تھے۔ امریکن وکلی چال والے گھوڑوں کا اور نیویارک مشہور جدا مجد مسٹر (Messenger) شہداء میں انگلستان میں فیلڈیلیفیا (Philadelphia) میں لایا گیا۔ اور جسٹن مارگن (Justin Morgan) جو مارگن نسل کا جدا مجد ہے ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوا۔ یہ خاص خاص نسلوں کی ابتدا تھی۔ جنہیں ہم بغیر کسی غلط بیانی کے امریکن نسلیں کہہ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان نسلوں کے جنہیں زمرہ مستحیات میں شمار کرنا چاہیے۔ ریاستہائے متحدہ نے زراعت کے بڑے بڑے جانوروں کی کوئی ممتاز نسلیں پیدا نہیں کیں۔ سوروں اور مرغ مرغیوں کی بہت سی قسمیں اور مریٹو بھیڑوں کی ایک خاص نسل بس یہ وہ جانور ہیں جو امریکہ نے پیدا کئے ہیں۔

بھیرٹس امریکی زراعت کی تاریخ کے سب سے زیادہ دلچسپ ابواب میں ایک باب یہ بھی ہے کہ کیونکر مریٹو (Merino) بھیرٹس امریکہ میں آئیں۔ اس نسل کی پہلی پہلی بھیرٹس ۱۷۷۳ء میں امریکہ آئیں۔ لیکن اس وقت ابھی ان کی تربیت کوئی ترقی پر نہ تھی۔ ہولینڈ نے یورپ میں جو بھیرٹس پیدا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت پر بہت سی پابندیاں عائد ہو گئیں۔ اور ایسی اون پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اس زمانے میں ہنشلور جنگ (Peninsular war) نے اسپین میں ایسے حالات پیدا کر دیئے۔ کہ مریٹو بھیڑوں کے گلے جن کی حفاظت اس وقت تک بطور ایک قومی اجارہ کے کی جاتی تھی۔ فروخت ہو کر منتشر ہونے لگے۔ امریکہ کے ذی ہمت کاشتکاروں نے ان کو خریدنا شروع کیا۔ اور ۱۷۹۰ء تک یہ عالم ہو گیا۔ کہ امریکہ میں پانچہزار بھیرٹس آچکی تھیں۔ مریٹو اون کی قیمت دن دوئی رات چوگنی بڑھی۔ اور بھیرٹوں کی قیمت بھی دو گنی ہو گئی۔ یہ عالم تھا۔ کہ جو شخص اٹھتا تھا مریٹو بھیڑوں کی تجارت شروع کر دیتا تھا۔ اور ایسی ایسی قیمتیں ان بھیڑوں کی ادا کی گئی ہیں۔ کہ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

سور اور سور کے گوشت کا بار و بار ریاستہائے متحدہ میں سوروں کو ہمیشہ سے

زراعتی اشیاء میں ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ سب سے پہلے جو لوگ نوآبادیوں میں جا کر رہے انہوں نے دیکھا کہ سور بڑی خوبی سے اپنے آپ کو تمام حالات کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ اور جنگل میں جو غذا پھینا ہو سکتی ہے۔ اس پر گزارہ کر کے بڑی سرعت سے تعداد میں ترقی کرتے ہیں۔ وادی اوہیو (Ohio) کے جنگلات خاص طور پر دیودار کے درختوں اور چمبدر سے بھر پور تھے۔ اور سور ان جنگلات میں اتنے پھلے پھولے کہ ان پہاڑوں کی مشرق کی جانب اس کثرت سے نہ پھلے پھولے تھے۔ چنانچہ ہر سرحدی نوآبادی میں گوشت کا وافر ذخیرہ جمع ہو گیا اور اس لئے گوشت کا وافر ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اور اس لئے گوشت نہایت ادنی قیمتوں پر میسر کرنے لگا۔ مکنی جو اندرونی حصہ ملک کی سب سے بڑی پیداوار تھی۔ سوروں کے موٹا کرنے کیلئے اکبر کا حکم رکھتی تھی۔ اس بنا پر یہ ایک امیر اتفاقی نہ تھا۔ کہ سور کے گوشت کی تجارت نے مغرب وسطی (Middle West) کی ابتدائی زراعتی حرفتوں میں ایک اہم حیثیت حاصل کی۔ جو دور اس وقت ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ اس میں اوہیو (Ohio) انڈیانا (Indiana) کینٹکی (Kentucky) اور ٹینیسی (Tennessee) وہ ریاستیں تھیں جن میں سوروں کی سب سے زیادہ تربیت ہوئی تھی۔ اور سنسٹائی (Cincinnati) جو اس خطہ کا مرکز تھا۔ اس نے سور کے گوشت کو ڈبوں میں بند کر کے بیچنے میں اتنا کمال حاصل کیا۔ کہ تھوڑی مدت میں اس تجارت کا مرکز بن گیا۔ اور بڑی مدت تک یہ حیثیت اُسے حاصل رہی۔ تا آنکہ چند سال بعد شکاگو (Chicago) نے اُسے پیچھے ڈال دیا۔ ۱۸۵۵ء میں فریہ جانور ایلیگھینز (Alleghenies) کے خطہ میں سے گذر کر مشرقی بندرگاہوں میں جانے لگے۔ لیکن وادی اوہیو کی پیداوار کا بڑا حصہ جنوب کی طرف جانا تھا۔ پہلے نیو آریلینس (New Orleans) میں اور بعد کو کپاس پیدا کرنے والی ریاستوں میں جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ ۱۸۲۵ء میں نہر ایبری (Erie Canal) کھولی گئی۔ جو گریت لیکس (Great Lakes) کو بحرا دقینانوس سے ملاتی ہے۔ یہ اندرونی حصہ ملک اور خاص کر اس کے شمالی حصہ کی پیداوار کے باہر لیجانے کا ایک نیا راستہ تھا۔ گیہوں نے شمال مغرب کی اشیاء پر آمد میں سب سے نمایاں حیثیت حاصل کی۔ لیکن مکنی

Checked
1987

پھر کا گوشت اور سور کا گوشت۔ یہ تین چیزیں وادی اوہیو (Ohio) کی سب سے اہم اجناس ہیں۔

(ب) تغیر کا دور

تغیر کی اہمیت ۱۸۳۳ء کے بعد کے تیس سال میں ایک ایسا زراعتی انقلاب امریکہ کی سر زمین میں رونما ہوا۔ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نایاب ہے۔ ۱۸۳۳ء تک کھیتی باڑی کا تمام کام سوائے ہل چلانے اور مینگا پھرنے کے ہاتھوں سے کیا جاتا تھا۔ اگرچہ ہتھیاروں میں تھوڑی بہت تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ اور مال مویشی اور اجناس میں بعض قابل قدر تغیرات وجود میں آئے تھے۔ تاہم یہ بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے۔ کہ جہاں تک اس کام کی نوعیت کا تعلق ہے۔ جو کاشتکار خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتا تھا۔ چار ہزار سال تک کوئی تبدیلی عملی طور پر نہ ہوئی تھی۔ چھوٹے دانوں والا اناج اب بھی بکھیر کر بویا جاتا تھا۔ اور اسکی فصل درانتی سے جو اس سے بھی زیادہ قدیم ہے کاٹی جاتی تھی۔ تاہم نسبتاً نئی ایجاد تھی۔ ہنسیا کہ جس کا استعمال گھاس کاٹنے میں صدیوں سے ہوتا تھا۔ یہ اس کی ایک ترمیم شدہ صورت تھی۔ اس پرانی قطع کے ہنسیا میں ایک ڈھانچے کا جو اضافہ کیا گیا۔ اور ہتی میں چند نئی تبدیلیاں جو توازن کو قائم رکھنے کی غرض سے کی گئیں انہوں نے ہنسیا کو گویا ایک لمبی چوری وائٹری کی صورت دیدی اور غلہ کاٹنے کیلئے نہایت موزوں و مناسب بنا دیا۔ لیکن درانتی کا رواج ہزار سال سے چلا آتا تھا۔ نوجوانوں کو اس بات کا علم ہو گا۔ کہ یہ قدیم الایام کا آلہ ابھی کل کی بات ہے کہ ترک کیا گیا۔ اور ابھی یعنی ۱۹۱۱ء میں بعض لوگ موجود ہیں۔ جو یا سترہائے متحدہ میں درانتی سے فصل کاٹتے رہے ہیں۔ ممالک مشرقی اور یورپ کے بعض حصوں میں اس کا استعمال اب بھی عام ہے۔

۱۸۳۳ء تک اناج کو سانٹ سے چھڑا کرتے تھے۔ یا اُسے گھوڑوں اور بیلوں سے روند دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مصر قدیم اور بابل میں رواج تھا۔ سوکھی گھاس کو درانتی سے

کاٹا جاتا تھا۔ اور ہاتھوں سے صاف کیا جاتا تھا۔

کئی کابینج ہاتھوں سے بویا جاتا تھا۔ ہاتھوں سے مٹی سے ڈھانپا جاتا تھا۔ اور اس کی کھیتی میں بیلچہ سے گڈائی کی جاتی تھی۔ ۱۸۸۶ء تک ایسی کایا پٹنی کہ ان میں سے ہر ایک کام مشینری کے ذریعے ہو گھوڑوں کی طاقت سے چلتی تھی۔ کیا جانے لگا۔ البتہ ملک کے بعض غیر ترقی یافتہ حصوں میں ابھی وہ پرانے قاعدے بدستور تھے۔ کھیتی باڑی کے کام میں مشینری کا استعمال اس امر کا بھی باعث ہوا۔ کہ گھوڑوں کو بطور بار برداری کے جانوروں کے بیلوں غلبہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ گھوڑا ان اصلاح شدہ آلات کھینچنے میں بہ نسبت بیل کے زیادہ کارآمد ہے۔

جو کام شمال میں مشینری سے لیا جاتا تھا۔ وہ جنوب میں غلام انجام دیتے تھے۔ زراعتی کام میں جو عظیم الشان تغیر رونما ہوا اس کا احاطہ شمال تک محدود ہے۔ کیونکہ صرف وہاں آزادانہ کام کاج کا دستور تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں کپاس کی کاشت نے بڑی سرعت سے ترقی کی۔ حتیٰ کہ ۱۸۳۳ء میں حتیٰ کپاس ہوئی تھی۔ اس سے کچھ گنی زیادہ ۱۸۴۷ء میں ہونے لگی۔ تاہم ان حالات کا زیادہ تر باعث یہ تھا۔ کہ مزروعہ زمین کا رقبہ پہلے کی نسبت بہت بڑھ گیا۔ نہ یہ کہ کاشت کے طریقوں اور مشینری میں کوئی قابل قدر اصلاح عمل میں آئی۔ ساحل خلیج کی ریاستوں (Gulf States) کے راستے سے کپاس بونے کا کام جانب مغرب اس قدر سرعت سے پھیلا کہ دونوں میں اس نے جبرت بغیر ترقی کی۔ بہر حال کپاس اگانے والی ریاستوں (Cotton States) میں زمین کا بہت ٹھوڑا حصہ کپاس کی کاشت میں صرف ہوتا تھا۔ یہ اندازہ کیا گیا تھا۔ کہ خانہ جنگی (Civil War) کے آغاز میں وہ تمام زمینیں جس میں کپاس کی کاشت ہوتی تھی۔ اس کا مجموعی رقبہ ساٹھ کروڑ وینا (Sixty million) کے رقبہ جغرافی سے بہت کم تھا۔

تغیر کے اسباب وہ تغیر جو شمالی حصہ ملک کی زراعت میں رونما ہوا بہت سے اسباب کا نتیجہ تھا۔ جن میں سے ہر ایک سبب ایک نئے تاریخی دور کا موجب کہا جاسکتا ہے۔ پہلا سبب تھا ریلوں کا بن جانا۔ اس دور کے آغاز سے پہلے کہیں ریلوں کا

دو جہ تھے۔ ۱۸۶۰ء تک یہ عالم تھا کہ ۲۰۰۰۰۰ میل کے رقبہ پر ریل کی لائنیں بچھی ہوئی تھیں اور وہ دریائے مسوری (Mysore) کے جانب مشرق ہر ریاست میں پہنچ چکی تھیں۔

ایک نو دنیا کی منڈیاں ریلوں کے ذریعے سے مشرقی حصہ ملک سے پہلے کی بہ نسبت قریب تر ہو گئیں۔ اور دوسرے خودیہ منڈیاں پہلے کی بہ نسبت بڑی ہو گئیں۔ نیوا انگلینڈ (New England) میں جب نئے نئے شہر آباد ہوئے جن میں کارخانے تھے تو خوراک کی پہلے سے زیادہ مانگ ہونے لگے۔ ۱۸۶۶ء میں مکئی کے متعلق انگریزی قوانین کو منسوخ قرار دیا گیا۔ گو یہ تنسیخ ۱۸۶۹ء تک عمل میں نہ آئی۔ بہر حال ۱۸۶۹ء سے امریکہ کی اشیائے خوردنی انگلستان میں بغیر کسی محمول کے داخل ہونے لگیں۔ آلوؤں کا جو مشہور قحط آئر لینڈ میں پڑا وہ ۱۸۶۶ء میں شروع ہوا۔ اس وقت براعظم یورپ ۱۸۶۸ء کے انقلاب عظیم اور ۱۸۵۶ء کی جنگ کریمیا (Crimean war) کے باعث درہم برہم ہوتا تھا۔ مزید بریں کیلیفورنیا (California) کی سونے کی کانیں ۱۸۶۹ء سے لیکر ۱۸۷۶ء تک سونے کا ایک سیلاب اگلتی رہیں۔ اور دنیا کی منڈیوں کی قیمتیں بڑھاتی رہیں۔ جیسا کہ ۱۸۹۷ء سے لیکر اب تک قیمتیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ ایک اور مجموعہ اسباب پہلے سے زیادہ اراضی کے متعلق لبرل پالیسی (آزادانہ حکمت عملی) کی صورتیں بروئے کار تھیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ۱۸۶۶ء کا قانون حق شفعہ (Redemption Act) بہ نسبت اُن لوگوں کے جو مخمّن اراضی تھے۔ اُن لوگوں کے حق میں زیادہ مفید تھا۔ جو زمینوں کو آباد کرتے تھے۔ یورپ میں ان دنوں جو قحط پڑا اور جو سیاسی بد نظمیاں ہوئیں اُن کی وجہ سے ہاجرین جو درجہ حق امریکہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بہت سوں سے مغربی ممالک کا رخ کیا۔ اور قانون حق شفعہ (Redemption Act) سے فائدہ اٹھایا۔

سبزہ زار ایک اور زبردست مؤثر چراگاہوں اور سبزہ زاروں کی کاشت کا نشو و ارتقا تھا۔ اس دور کے اوائل میں نوآبادیوں کی مغرب کی جانب حرکت کرنے والی فوج کا

پیش خیمہ اس قدیم جنگل میں سے گزر کر آ رہا تھا۔ جس سے امریکہ کا مشرقی حصہ کل بڑا عظم کے تیسرے حصے کے برابر ڈھکا ہوا تھا۔ اور یہ لوگ وادی میں سیس پی کے شمالی حصے کی قدرتی چراگاہوں میں آباد ہو رہے تھے۔ اس نئے حصہ میں آباد ہونے والوں کو یہ بڑا فائدہ رہا۔ کہ انہیں جنگل صاف کرنے کا کٹھن کام نہ کرنا پڑا۔ یہ زمین ایسی زرخیز تھی۔ اور ایسی وسیع اور اس کی زراعت ایسی آسان تھی۔ کہ کیا وہ شخص جس کے پاس کوئی زمین نہ تھی۔ اور کیا صاحب سرمایہ زمیندار و نو کو زراعت کا ایک نہایت اچھا موقعہ ملتا تھا۔ آیا۔ ایسا موقعہ کبھی پہلے کسی کو ملتا تھا۔ اور نہ غالباً آئے گا۔

زراعتی کلیں ان تمام موثرات و عوامل میں سب سے زیادہ اہم زراعتی مشینری کی ایجادات کا وہ سلسلہ تھا۔ جس کی بدولت انسان کی بجائے گھوڑوں کی طاقت مشینری کے محرک کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ ۱۸۳۱ء میں ولیم میننگ (William Manning) ساکن نیو جرسی (New Jersey) کو حکومت کی طرف سے ایک کٹائی کی مشین کی اجازت عطا ہوئی۔ ۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۶ء میں اوڈھسٹی (Odessa) ساکن بالٹی مور (Baltimore) اور اسٹرس مٹارک (Stress Mark) (Mc Cormick) دونوں کو فصل کاٹنے والی مشینوں کی اجازت عطا ہوئی۔ ۱۸۳۷ء کے بعد جب ان مشینوں کی اصلاح ہو چکی اور ان کا عملی فائدہ ثابت ہو چکا۔ تو ان کا استعمال عام ہونا شروع ہوا۔ انہی دنوں میں اناج کے چھڑنے کی کل کارواج عام شروع ہوا۔ اور اس نے تقوڑی مدت میں قدیم قواعد کو منورک بنا دیا۔ بہر حال یہ امر کہیں جا کر ۱۸۵۰ء میں انجام پایا۔ کہ چھڑنے کی کل اور بھوس اور دانوں کو الگ کرنے والی مشین یعنی وہ مشین جو غلہ کو کوٹتی تھی اور وہ مشین جو اس کو تنکوں اور بھوس سے الگ کرتی تھی۔ یہ دونو مشینیں یکجا ہوئیں۔ یہ مشینیں عام طور پر گھوڑوں کی طاقت سے چلائی جاتی تھیں۔ گو ۱۸۶۲ء سے پیشتر ہی بھاپ کے انجن اناج چھڑنے کیلئے استعمال ہونے لگے تھے۔ ۱۸۶۲ء میں جان ڈیر (John Deere) نے اپنا سب سے پہلا فولاد کا ہل ایک پرائی آر کی بنایا۔ مکی کاٹنے کی مشین اور غلہ چھڑنے کی مشین کے برابر وقت رکھنے والی وہ مشینیں

تھیں جن کے ذریعے مکئی بوئی جاتی تھی۔ اور دگھوڑوں والی مشین جو زمین میں ہل چلاتی تھی۔ یہ بھی اسی زمانے میں استعمال میں آئی شروع ہوئیں۔ ان کے ذریعے کاشتکار پہلے سے بہت زیادہ جنس پیدا کر سکتا تھا۔ مکئی اگانے کے کام کی تمام جزیویات سوائے بھوسا الگ کرنے کے ۱۸۶۲ء سے پہلے ہی گھوڑوں کی طاقت سے انجام دی جاتی تھیں۔ البتہ بعض حصص ملک جہاں مکئی ادنیٰ حیثیت رکھتی ہے۔ اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے۔ اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ مکئی ہمیشہ سے ہماری سب سے اعلیٰ پیداوار چلی آئی ہے۔ اور اب بھی ہے۔ تو اس امر کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ کہ آیا اناج کاٹنے والی کٹوں نے محنت کے بچانے میں زیادہ مدد دی یا مکئی اگانے کی مشینوں کی ان اصلاحات نے جن کے ذریعے آدمیوں کی بجائے گھوڑوں کی طاقت صرف ہونے لگی۔

مال مویشی - گھوڑے اصل بیج کا گھوڑا جس کا نام ڈنمارک (Denmark) تھا۔ کینٹکی (Kentucky) میں ۱۸۳۹ء میں لایا گیا۔ اور امریکہ کے سواری کے گھوڑوں کی نسل کا موجد بنا۔ اس واقعہ سے ملک کو جو فائدہ پہنچا۔ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ بلاشبہ مشابہ اندازہ کروڑاؤں روپے جاکر ختم ہوگا۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے۔ کہ دو لکی چلنے والے گھوڑے میں خاص طور پر دلچسپی لی جانے لگی۔ اب تک اس گھوڑے کی قدر فقط اس لئے ہوتی تھی کہ گھوڑ دوڑیں یہ نہایت اعلیٰ تھا۔ لیکن اب اس کی قدر بطور ایک سواری کے گھوڑے کے ہونے لگی۔ ۱۸۵۰ء تک مکئی کے نام سے بہت کم لوگ واقف تھے۔ اور زیادہ تر گھوڑے کی سواری کی جاتی تھی۔ امریکہ میں گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا جو کام ہونا تھا۔ اس کی تاریخ میں ایک اس سے بھی زیادہ اہم واقعہ یہ تھا۔ کہ اوہیو (Ohio) میں شہنشاہ پولین کا سائڈ گھوڑا پرچر (Percheron) لایا گیا۔ جس کی آمد کی تاریخ باربرداری کے گھوڑوں میں ایک عظیم اصلاح کی ابتدائی تاریخ ہے۔ یوں تو باربرداری کا گھوڑا دیکھنے میں دو لکی چلنے والے گھوڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جہاں تک معاشیاتی نقطہ نگاہ کا تعلق ہے۔ اس کا فائدہ اُس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس نیا پرچر واقعہ ایسی اہمیت رکھتا ہے۔ جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

سورس سوروں کی نسل مغربی میدانوں کے پودوں پر پل کر خوب بڑھتی رہی۔ سینٹائی (Cincinnati) کو لائن تک سور کا گوشت ڈبوں میں بند کر کے بیچنے میں مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ اس سنہ میں شکاگو (Chicago) اس سے آگے نکل گیا۔ شکاگو اس دور کے اواخر میں دنیا بھر کی زراعتی اشیاء کی منڈیوں پر فائق تھا۔ کیونکہ وہ چراگا ہوں کے خطے کا مرکز تھا۔

خالی مزرعے: نیوا انگلینڈ میں زراعت کے زوال کا آغاز اس دور کا واقعہ ہے۔ اور اس کے اسباب وہ تیز رفتاری تھے۔ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ سنہ ۱۷۹۰ء ہی میں پہاڑی علاقوں کی زمینیں خالی چھوڑی جانا شروع ہو گئی تھیں۔ سخت چٹانوں میں کاشت کرنا مغرب کے میدانی کھیتوں کی کاشت اور مشین کے ذریعے کھیتی باڑی کے مقابلے میں امر محال ہو گیا تھا اور فقط وہ حصے جو دودھ مکھن کے کام جانوروں کی نسل بڑھانے کے کام بازاری ترکاریاں لگانے کے کام کے قابل تھے۔ برسرِ ترقی رہے۔ مشرق کے کاشتکاروں کا مقابلہ ابتدائی ایام کے کاشتکاروں سے تھا۔ جن کو پہلے دس پندرہ سال جنگوں اور پرانے درختوں سے صاف کرنے میں لگانے پڑتے تھے۔ تو اس وقت تک مشرقی کاشتکاروں کی بن آسکتی تھی جو لوگ میدانوں میں جا کر آباد ہوئے۔ وہ اس ٹھن اور دشوار کام سے نچ رہے۔ وہ اپنی زمین میں چھوٹے ہی پل چلا سکتے تھے۔ اور اس کام میں اگر کوئی چیز مزاحم ہو سکتی تھی تو وہ صرف میدانوں کی زمین کی قدرتی سختی تھی۔ بہر حال وہ پہلے ہی سال اچھی خاصی فصل پیدا کر سکتے تھے۔ دو تین سال تک کاشت کرنے کے بعد زمین کے ڈھیلے سب مہوار ہو گئے۔ اور زمین جو ہزار سال تک نباتات سے غذا حاصل کر کے زرخیز ہو گئی تھی۔ وہ اب ایسی نرم ہو گئی۔ اور اس کی زراعت ایسی آسان ہو گئی۔ جتنی مشرقی ریاستوں اور یورپ کے بعض ممالک کی زمین کی زراعت آسان تھی۔ بہر حال یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں۔ کہ میدانی ریاستوں میں جو لوگ پہلے پہل آکر آباد ہوئے وہ چونکہ ایسی ریاستوں سے آئے تھے۔ جو جنگلوں سے پیٹی پڑی تھیں۔ اور اس لئے وہ عادتاً میدانی علاقوں سے گریز کرتے تھے۔ اور جنگلوں کی حدود کو جو دریاؤں اور ندیوں کے کنارے واقع تھیں۔

ترجیح دیتے تھے۔ لیکن بہت جلد یہ بات معلوم کی گئی۔ کہ میدانوں کی زمین نہ صرف یہ کہ زیادہ آسانی سے جوتی جاسکتی تھی۔ بلکہ فی الواقع اس زمین سے زیادہ سیر حاصل ہے۔ جس پر کہ درختوں کے جھگڑا گئے ہوں۔

بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ بغیر ہل چلائے میدانوں کی زمین میں فصل اُگائی جاسکتی تھی۔ اگر کہیں کوئی ایسا سخت ڈھیلہ ہوتا کہ اس کا توڑنا مشکل تھا تو اس کو چھوڑ کر ہل چلا دیا جاتا۔ پھر ملانی میں بیج ڈال دیا جاتا۔ اور کمال کے ساتھ اُسے میٹھی میں ڈھانپ دیا جاتا۔ زمین اتنی سیر حاصل تھی کہ وباؤں بیماریوں وغیرہ کا وجود اس قدر کم پاب تھا کہ اچھی خاصی فصل پہلے ہی سال بغیر کسی خاص محنت سے کاشت کرنے کے قابل ہو سکتی تھی۔ پہلی فصل پیدا کرنے کا ایک اور طریقہ تھا۔ کہ زمین میں ہل چلایا جائے اور جو ڈھیلے گرائی کر کے زمین سے الگ کئے جا چکے ہوں۔ ان میں کدال یا پھاؤڑے کے ساتھ بیج بودیا جائے ان ڈھیلوں کو توڑنے کیلئے ایک خاص طرز کا بڑا بھاری گرائی کا ہل استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کو عموماً بیلوں کی دو یا تین چوڑیاں چلاتی تھیں۔ یہ میدانی زمین کی سمواری اور چکناہٹ کی طفیل تھا۔ کہ اس دور میں جب کہ میدانی ریاستیں آباد ہو رہی تھیں۔ زراعتی مشینری نے اس قدر سرعت سے ترقی کی۔ جب ان ریاستوں میں جدید کلوں کی مدد سے کاشت شروع ہوئی اور جب ریلوں نے ان ریاستوں کی پیداوار کو مشرقی ساحل کی طرف لے جانا شروع کیا تو اسیلچیا (Sisal) کے پہاڑی علاقے میں کاشتکاروں کیلئے یہ امر ناممکن ہو گیا۔ کہ ان ریاستوں کے کاشتکاروں کے مقابلے میں ٹھہر سکیں۔

پھپھڑس اور مویشی جو دور اس وقت ہمارے زیر بحث ہے۔ اس دور میں بھیڑوں کی تعداد میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہ ہوا۔ برخلاف اس کے مویشیوں کی تعداد مغربی میدانوں میں جہاں اعلیٰ درجہ کی قدرتی چراگاہیں تھیں۔ خوب بڑھی۔ اس زمانہ میں بیج کے جانور دیسی نسل کی اصلاح کیلئے بڑی تعداد میں اور بڑی سرگرمی سے لائے گئے۔ یہ جانور عموماً انگلستان سے لائے جاتے تھے۔ ۱۸۳۷ء میں انگریزی مویشی کی درآمد کے لئے اوہیو (Ohio) میں ایک کمپنی قائم ہوئی اس کمپنی نے بہترین نسلوں کے اعلیٰ نمونے چن کر

لانے کے لئے اپنے کارندے یورپ میں بھیجے۔ پہلی مرتبہ امینس مویشی اس قسم کے جہاز پر چڑھا کر لائے گئے۔ کہ اس طرح بعد کے سالوں میں اور جانور جہازوں میں لائے گئے۔ اور ۱۸۷۱ء کے بعد اس قسم کے جانوروں کی تعداد میں جو باہر لائے جاتے تھے بہت اضافہ ہوا۔ اور ان کی اتنی اتنی قیمتیں ادا کی جانے لگیں کہ سن کر حیرت ہوتی ہے۔ خاص طور پر شارٹ ہینڈ مویشیوں (Short-horned) کی قیمتیں تو بڑی بڑی اٹھتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک مویشی بعض اوقات پانچ پانچ ہزار پونڈ پر بکتا تھا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ خاص کر وادی اور میوہ میں مویشیوں نے حیرت انگیز سرعت سے ترقی کی۔ ۱۸۷۵ء سے لیکر آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شارٹ ہارن مویشیوں کے گلوں کی تعداد اور کسی نسل کے مویشیوں کی تعداد سے کم رہی ہو۔ ۱۸۷۵ء میں پانچ میل اور سترہ گائیں ہر فورڈ (Ford) نسل کی امینس (Amines) نیویارک میں لائی گئیں۔ اور اس کے بعد اور بھی بہت سے مویشی آئے۔ کچھ مویشی اس سے پہلے بھی دساور میں لائے گئے تھے۔ اور اس کام میں نہری کھل (Henry clay) نے ۱۸۷۱ء میں خصوصیت سے حصہ لیا۔ تاہم یہ بہت بعد کی بات ہے۔ کہ ہر فورڈ مویشیوں نے امریکہ میں قبولیت عام حاصل کرنا شروع کیا۔ جن دنوں مویشیوں کی نسل چراگاہوں میں بڑھانے کے کاروبار کا فروغ تھا۔ انہی دنوں میں ان کی قدر ہونا شروع ہوئی۔ اور دامن کوہ کی آب و ہوا کیلئے ان میں جو مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی خاص طور پر بڑی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔

ڈیری کا کام ۱۸۵۰ء تک جو مکھن اور غیر امریکہ میں تیار ہونا تھا وہ مزرعوں میں تیار ہوتا تھا۔ لیکن اس کے دوسرے سال ڈیری کا کام مشترکہ طریقے سے جسے مدتوں تک امریکن سسٹم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ایجاد ہوا۔ یہ امریکی قاعدہ جدید زمانے کے پیئر کے کارخانوں سے بہت مشابہ تھا۔ دور دور تک کے علاقوں کے کاشتکار اپنا اپنا دودھ کارخانوں میں لاتے تھے۔ اور پیئر تیار کرائے تھے۔ ۱۸۶۱ء سے پہلے پہلے اکیس پیئر کے کارخانے بن گئے۔ یہ اس صنعت میں ایک انقلاب کا آغاز تھا۔ بعد میں امداد باہمی اور سرمایہ داری دونوں کے سلسلے میں بالائی بنانے کے کارخانے بنے۔ اور یہ اس انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔

۱۸۷۰ء میں جو مردم شماری ہوئی اس میں سب سے پہلی مرتبہ زراعت کے متعلق اعداد و شمار بنیاد ہوئے۔ لہذا اس سے پہلے ریاستہائے متحدہ میں جو زراعتی پیداوار ہوتی تھی۔ اس کے بارے میں کچھ مکمل اور صحیح علم نہیں۔ ذیل کی فہرست ۱۸۴۳ء سے لیکر ۱۸۶۲ء تک کی زراعتی نشوونما کی توضیح کرتی ہے۔ اس فہرست میں پیداوار کی بڑی بڑی اقسام کروڑوں کے اعداد میں ظاہر کی گئی ہے:-

۱۸۶۰ء	۱۸۵۰ء	۱۸۴۰ء	پیداوار
۱۶۳۰۱	۱۳۳۰۰	x	اصلاح شدہ زراعتی زمین (ایکڑوں کے حساب سے)
۸۳۸۰۸	۵۹۲۰۰	۳۷۷۵	گندم (دیشلوں کے حساب سے)
۱۷۳۰۱	۱۰۰۰۴	۸۴۰۸	گندم
۱۷۲۰۴	۱۴۶۰۵	۱۲۳۰۰	"
۲۱۰۱	۱۴۰۱	۱۸۰۴	"
۱۷۵	۸۰۹	۷۰۳	"
۱۵۰۸	۵۰۱	۴۰۱	"
۱۵۳۰۲	۱۰۴۰۰	۱۰۴۰۲	جو
۱۹۰۰	۱۳۰۸	۱۰۰۲	آلو
۴۵۹۰۴	۳۱۳۰۳		دھنوں کے حساب سے
۱۰۳۰۴	۱۰۵۰۵		لکھن رپونڈوں کے حساب سے
۶۰۰۲	۵۲۰۵	۳۵۰۸	پنیر
۵۰۳	۲۰۴	۱۰۵	اون
۴۳۴۰۲	۱۹۹۰۷	۲۱۹۰۱	سپاس
۱۸۷۰۱	۲۱۵۰۳	۸۰۰۸	تباکو رپونڈوں کے حساب سے
			چاول

اس سے پہلے دور میں جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں زراعتی انجنیوں اور زراعتی نمائندوں کے قائم کرنے کی کوششیں شروع ہو گئی تھیں۔ ۱۸۳۳ء سے لیکر ۱۸۶۲ء تک یہ تحریک

بڑی سرعت سے پھیلی۔ ۱۸۶۷ء تک تقریباً ہر ریاست میں بلکہ ہر ضلع میں ایک زراعتی انجن تھی۔
 ہر ضلع اور ریاست میں جو زراعتی میلے ہوتے تھے ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور میں
 زراعتی امور سے عوام کی دلچسپی کسی حد تک تھی۔ ان سالانہ میلوں اور تیواروں کی بدولت
 عوام کو یہ دیکھنے کا بہت موقع مل جاتا تھا کہ کون کونسی نئی زراعتی کلیں ایجاد ہوئی ہیں۔ کون
 کون سے نئے مویشی باہر سے لائے گئے ہیں۔ اور کون کونسی نئی پیداوار ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ
 نئی اصلاحات کے مقبول عام بنانے اور نئی مصنوعات کے اشاعت کرنے کا ایک نہایت
 اعلیٰ وسیلہ بن گئے۔ جس وقت تک زراعتی درسگاہیں اور زراعتی تحریک گاہیں قائم نہیں
 ہوئیں۔ اس وقت تک اور کسی چیز نے زراعتی اصلاحات کے سلسلے میں اتنا کام نہیں کیا۔
 جتنا کہ ان زراعتی انجنوں نے اور ان کے زیر اہتمام جو میلے اور نمائشیں منعقد ہوتی تھیں انہوں
 نے کیا۔ بیویارک کی حکومت کی طرف سے مقام بفلور (Buffalo) پر جو میلے منعقد
 میں ہوا۔ اس نے فصل کاشت کی مشینوں کے باہمی مقابلے کا بازار گرم کر دیا۔ اور اس میلے میں
 اس قسم کی متعدد اور مختلف قسم کی کلیں نمائش کیلئے لائی گئیں۔ کہ ان کے متعلق بعض ارباب
 رائے کا خیال ہے کہ دستی آلات کو چھوڑ کر مشینوں کا جو رواج ہوا وہ انہی سے شروع ہوا۔

مغرب کی جانب وسعت کا دور

اس وسعت کے اسباب کیا تھے؟ اگرچہ زراعت کی وسعت جنگ اندرونی سے پہلے دور میں ہجرت انگیز وسعت سے ہوئی۔ تاہم اس دور میں جو اس جنگ کے بعد آیا یہ وسعت اور بھی زیادہ ہجرت انگیز تھی۔ خانہ جنگی (۱۸۶۱ء) کی وجہ سے شمال میں زراعت کی نشوونما میں عارضی طور پر بھی کوئی خلل نہ آیا۔ گویہ درست ہے کہ اس نے جنوب کی کپاس کی کاشت کو ایک قلم درہم برہم کر دیا اور عارضی طور پر اُسے تباہ کر ڈالا۔ اس سے پہلے کے دور میں زراعت ترقی کر کے تجارت کا درجہ حاصل کر رہی تھی۔ کاشتکار بالعموم بجائے اپنے کھیتوں کی پیداوار کے اُن کے منافع پر گزارہ کرنے لگے تھے۔ اور اب زراعت اُن متوجوں اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو گئی تھی جو ریل کی لائنوں کے بننے۔ جدید زراعتی کلوں کے ایجاد ہونے۔ میدانی ریاستوں کے قائم ہو جانے اور دیہاتی میلوں کے منعقد ہونے کی بدولت پیدا ہو گئی تھیں۔ چنانچہ زراعتی ادو العز می کا ایسا دور شروع ہوا کہ جہاں تک ناسخ بٹاتی ہے۔ دنیا نے اسکی نظیر نہیں دیکھی اور کچھ عجیب نہیں کہ کبھی نہ دیکھے۔ اس عجیب و غریب توسیع زراعت کے نمایاں اسباب یہ تھے۔ ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۳ء کے (Homestead Law) قوانین متعلقہ مسکن افواج کا برخاست ہو جانا۔ مٹھے باندھنے کی کل کی ایجاد۔ آٹے کو بیلن کے ذریعہ پیسنے کا طریقہ۔ براعظم کے درمیان ریلوں کا بن جانا۔ وادی مس سس پی (Mississippi village) کے چپے چپے پر گرینجر سڑکوں (granger roads) کا تعمیر ہو جانا۔ اور مغرب بعیدہ کے مویشی گاہوں (Cattle ranches) کا نشو و ارتقا۔ جن دنوں شمال اور مغرب میں یہ ہتتم بالشان ترقیاں ہو رہی تھیں۔ اُنہی دنوں میں جنوب میں کپاس کی صنعت ایک دور انقلاب سے گزر رہی تھی۔ اور اس توسیع و ترقی کی نیاریاں کر رہی تھی جو بعد کو وجود میں آئی۔ یہ دور انقلاب غلامی کے مودوم ہو جانے کا ایک نتیجہ تھا۔

خانہ جنگی نے شمالی حصہ ملک کی ترقی میں کچھ مزاحمت نہ کی۔ شمال میں جو اصلاح شدہ

کلیں فصل کاٹنے اور غلہ بونے اور چھڑنے کیلئے استعمال کی جا رہی تھیں۔ ان کی بدولت شمال نے باوجود اس امر کے کہ اس کے بہت سے مزدور جنگ میں کام آئے۔ ان اجناس کی پیداوار میں بہت ترقی کی۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ ۱۸۶۲ء میں ۲۵۰۰۰۰ مزدور ریاستہائے متحدہ میں فصل کاٹنے کا کام کر رہے تھے۔ اور اس سے زیادہ تعداد مزدوروں کی بعد میں دہائی کا کام کرتی تھی۔ ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۳ء کی درمیانی مدت میں انڈیانا (Indiana) کیہوں کی مقدار ۵۰۰۰۰۰ ایشل سے ترقی کر کے ۲۰۰۰۰۰ ایشل تک پہنچ گئی۔ حالانکہ اسکی آبادی ذکور میں دس فیصدی ۱۸۶۳ء میں لام پر گئے ہوئے تھے۔ جو نئی مشینیں ایجاد ہوئیں انکی وجہ سے پہلے کی یہ نسبت کم تعداد اس پرانی مقدار پیداوار کیلئے کافی تھی۔ علاوہ بریں شمال کے مزدوروں کی تعداد میں کثیر اضافہ یورپ سے آنے والے ہمارین کی بدولت ہو گیا۔ جن کی تعداد میں جنگ کے دنوں میں ٹھوڑی سی کمی ہوئی۔ ۱۸۶۶ء سے لیکر ۱۸۶۷ء تک ۲۴۲۴۲۴ ہمارین آئے۔ ان میں سے اکثر ان ریاستوں میں آباد ہوئے۔ جنہیں شمالی مرکزی ریاستیں کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ ریاستیں جو اوہیو (Ohio) کے شمال میں اور نیو یارک کے مغرب میں اور مسوری کے مشرق میں واقع ہیں۔ ان ریاستوں کو کبھی کبھی انانج کی ریاستیں (Middle States) بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان ریاستوں کی آبادی اس دس سال کے عرصے میں پالیس فیصدی کے حساب سے بڑھی۔

مزرعوں کے رقبہ کی وسعت اس کے بعد کی دس سال کی مدت میں یعنی ۱۸۶۷ء سے لیکر ۱۸۸۸ء تک ریاستہائے متحدہ کے مزرعہ علاقہ میں ۲۹۷۰۰۰ سے زیادہ مربع میل کا اضافہ ہوا اور یہ اتنا بڑا رقبہ ہے کہ برطانیہ عظمیٰ اور فرانس دونوں کو ملا کر بھی اتنا نہیں بنتا۔ مزرعہ علاقہ میں یہ اضافہ ایک حد تک اس وجہ سے ہوا۔ کہ مزدوروں کو جب اصلاح شدہ کلوں سے مدد ملی تو ان کا کام پہلے سے بہتر ہو گیا۔ اور ایک حد تک اس کا باعث یہ تھا کہ اس دس سال کے عرصے میں ہمارین کی ایک تعداد کثیر ریاستہائے متحدہ میں آئی۔ یہ تعداد تقریباً ۳۰۰۰۰۰ کے برابر تھی۔ یعنی چھٹی آبادی خانہ جنگی (Civil War) کے آغاز میں اسے ملک کی تھی۔ اس سے ذرا کم لیکن اس کے بعد دس سال میں یعنی ۱۸۸۸ء سے

لیکھ ۱۸۹۹ء تک ہجیرین کی تعداد اور بھی زیادہ تھی۔ یعنی ۵۲۵۰۰۰۰ جس کو سن کر تعجب ہوتا ہے۔ ان میں بہت سے ہجیرین ۱۸۹۰ء تک مغربی مزرعوں کا رخ کرتے رہے۔ ذیل کے اعداد شمار جو ریاستہائے متحدہ کی کتاب مردم شماری میں سے اقتباس کئے گئے ہیں۔ وہ ترقی ظاہر کرتے ہیں۔ جو ۱۸۹۰ء کی مردم شماری کے بعد سے بڑی بڑی اختیاس غلہ کی پیداوار میں ہوئی:۔

سنہ	مکئی (بشلوں کے حساب سے)	انگنڈم (بشلوں کے حساب سے)	(بشلوں کے حساب سے)
۱۸۳۹ء	۳۷۷۵۳۱	۸۴۲۳۲۷۲	۱۲۳۰۷۱۳۴۱
۱۸۴۹ء	۵۹۲۰۷۱	۹۴۴۱۰۰	۱۴۶۰۵۸۴۱۷۹
۱۸۵۹ء	۸۳۸۷۹۲	۹۲۷۱۰۳	۱۷۲۰۴۴۳۱۸۵
۱۸۶۹ء	۷۶۰۹۴۷	۷۲۶۲۸۷	۲۸۲۰۱۰۷۱۵۷
۱۸۷۹ء	۱۰۷۵۹۷	۱۳۷۸۳۷	۴۰۷۰۸۵۸۹۹۹
۱۸۸۹ء	۲۰۷۳۹۷	۲۷۸۳۷۹	۸۰۹۰۲۵۰۷۶۶
۱۸۹۹ء	۲۰۷۶۶۷	۲۷۸۳۷۹	۹۴۳۰۳۸۹۷۷۷

ہماری زراعتی قابلیت پیداوار میں جو یہ عظیم الشان ترقی ہوئی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری اشیائے خوردنی کی برآمد کی مقدار بہت بڑھ گئی۔ ۱۸۶۰ء تک یہ درآمد کوئی بڑے پیمانے پر شروع نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے بعد اس میں دن دوئی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ اور میں سال تک اس رفتار سے ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء تک یہ کیفیت ہو گئی۔ کہ ہمارا ملک گہوں کی برآمد میں دنیا بھر میں اول درجہ پر تھا۔ مکی کا تہایت نفوذ حصہ مکی کی صورت میں دسا اور جاتا رہا ہے۔ بیشتر حصہ جانوروں کی خوراک میں صرف ہو جاتا تھا۔ اس بنا پر ہماری مکی کی برآمد زیادہ تر جانوروں اور پیداوار حیوانی کی صورت میں ہوتی رہی ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ اُن اسباب میں سے جو اس زراعتی اولوالعزمی کی توسیع میں مدد و معاون تھے۔ ایک سبب (Home stead laws) قوانین متعلقہ مسکن بھی تھے۔ جو لوگ باہر سے آکر آباد ہوئے تھے۔ اُن کو بغیر قیمت کے زمین دینے کا فائدہ

یہ ہوا کہ اراضی عامہ کی آبادی بڑی سرعت سے تکمیل کو پہنچ گئی۔ ایک اور امر جو اس میں شریک ہوا وہ ایام خانہ جنگی کی فوجوں کا موقوف ہو جانا تھا۔ اگر عام حالات میں مزدوروں کا انہوہ دنیا کی منڈیوں میں اپنی قسمت آزمائی کرنے کیلئے پھوڑ دیا جاتا تو غالباً اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مزدوروں کی بھرمار ہو کر امن عامہ میں خلل اندازیاں ہونیں۔ لیکن کانگریس نے "تو این متعلقہ مسکن" میں اپنے طور پر تنظیم کر دی کہ جو شخص یونین کے ماتحت سپاہی کی خدمت انجام دیکچکا ہو وہ بھی باسانی حکومت سے زمین لے سکتا تھا۔ قرار دیا گیا کہ جو شخص عزت کے ساتھ فوج سے علیحدہ کیا گیا ہو اُس نے جتنا وقت فوجی ملازمت میں صرف کیا ہو اُس وقت کو اُس میعاد سے وضع کرے جو اُس شخص کیلئے جو حق ملکیت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ لازمی تھی اور اس طرح اُس میعاد کے ختم ہونے سے پہلے زمین کا حق ملکیت حاصل کر لے۔ اس طور پر ادھر فوج کا موقوف ہو جانا اور ادھر ہاجرین کا جوق در جوق امریکہ میں آنا یہ دونوں ملا کر ایک زبردست زراعتی توسیع و رتی کا باعث ہوئے۔

ایک اور سبب جسے نظر انداز نہ کرنا چاہیے یہ تھا کہ فوجوں کے ٹوٹ جانے سے گھوڑے اور فچریں بڑی تعداد میں زراعت کے کام کیلئے دستیاب ہونے لگیں۔ ان کی ایک معقول تعداد کا شکاروں کے ماتھے فروخت کی گئی اور مزرعے کی مشینوں کے چلانے کے لئے جس قوت کی ضرورت تھی۔ اس میں محقول اضافہ کا باعث ہوئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیلوں کی بجائے گھوڑوں کا زراعت کے کاموں میں استعمال کئے جاتے تھے۔ لیکن جتنے زیادہ محنت طلب کام تھے۔ مثلاً زمین میں قلیہ رانی کرنا۔ ان میں بیلوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ لیکن اُس وقت کے بعد سے اب تک بیلوں سے بڑی فوڑی تعداد میں کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی وہی لوگ کام لیتے ہیں جو ترقی میں بہت پیچھے ہیں۔ بہر حال ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمانہ وہ زمانہ ہے کہ جب سے زراعتی کام میں بیلوں کو چھوڑ کر گھوڑوں سے کام لیا جانے لگا۔ شاید یہ واقعہ کچھ اہم نہ معلوم ہو۔ لیکن اس کی اہمیت آگے جا کر کھلے گی۔ کیا زراعت اور کیا صنعت و حرفت دونوں میں "قوت" کا سوال اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ بیلوں کی بجائے گھوڑوں سے کام لئے جانے کا آغاز اتنا ہی اہم واقعہ ہے۔ جتنا کہ صنعت و حرفت کے شعبے

تعبیب
پل کے
دور قری
کی پیداوار

پا سے

۱۲

۱۲۰

۱۴

۲

۴۰

۸۰

۹۴

ہاری

نے پر

میں

بیکروں

رجاتا

زیادہ تر

می کی

لمفہ

کا نام

میں پانی کی بجائے بھاپ کے استعمال کا آغاز ہو
 زراعت میں عدم تنظیم اور ابتری { مفت زمین عطا کرنے کے طریقے نے ملک کو
 یہ فائدہ تو ضرور پہنچایا کہ مزدوروں کی بھرمار کو نقص امن عامہ کا باعث نہ ہونے دیا۔ لیکن سری
 طرف اس نے ایک مضر اثر کیا۔ وہ یہ کہ زراعتی پیداوار کے بازار میں اس نے ایک طوفان برپا
 کر دیا اور نہ صرف ہمارے ملک کے بلکہ مغربی یورپ کے زراعتی توازن میں خلل پیدا کر دیا
 اس کے جہاں اور نتائج ہوئے وہاں ایک یہ نتیجہ بھی ہوا۔ کہ مشرقی ریاستوں کی زراعت کا
 نظام بگڑ گیا۔ مزدوروں کا خالی کرنا جو اس سے قبل کے دور میں شروع ہوا تھا اب انتہا کو
 پہنچ گیا۔ نوکادیوں کو مغرب میں زمین حاصل کرنے کا اننا شوق اچھلا کہ میت سے لوگوں نے
 تو یہ کہا کہ زراعت سے کچھ رغبت ہو یا نہ ہو۔ محض اس مقصد کیلئے مفت میں زمین حاصل
 ہو جائیگی۔ کاشتکاری کا پیشہ اختیار کیا۔ بجائے اس کے زمینیں فصل اُگلنے کے لئے لی
 جاتیں اکثر حالات میں یہ ہوا۔ کہ لوگوں نے زمین لینے کیلئے فصل اُگائی۔ یعنی جو وقت کہ حکومت
 کے قانون کے مطابق کسی قطعہ زمین کی ملکیت حاصل کرنے سے پیشتر اس قطعہ زمین پر گزارنا
 ضروری تھا۔ اس وقت کو کسی شغل میں گزارنے کیلئے انہوں نے کاشتکاری کا پیشہ اختیار کیا
 مستعد و مرتبہ ایسا ہوا۔ کہ لوگوں نے نقصان اُٹھا اُٹھا کر فصلیں اُگائیں۔ یعنی اگر کاشتکاروں نے
 زمین کی کاشت کے مصارف میں اپنی اُجرت کو بھی شامل کیا تھا۔ تو انہیں اپنی اُجرت نہ ملی
 اور اس طرح انہیں نقصان رہا۔ اور اگر ان مصارف میں انہوں نے وہ اخراجات بھی شامل
 کئے جو انہیں زمین کی ضائع شدہ فوٹ نو کو از میر نو پیدا کرنے کیلئے برداشت کرنے
 پر شے تو یقیناً وہ گھائے میں رہے۔ لیکن اصل میں بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو آئینہ زمینوں
 کی قیمت بڑھ جانے کی توقع تھی۔ اور اس کو وہ اپنی محنت کا کافی صلہ تصور کرتے تھے۔ یعنی
 یوں کہتے کہ وہ اجناس کی کاشت اور فروخت اس امید پر کرتے چلے جاتے تھے۔ کہ زمینوں
 کی قیمت میں آئندہ جو اضافہ ہوگا۔ اُس سے ان تمام عارضی نقصانات کی تلافی ہو جائیگی۔ جو
 برداشت کرنے پڑینگے۔
 کاشتکاروں میں شکایات کا پیدا ہونا ان حالات کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ زراعتی

پیداوار کی رسد ضرورت سے زیادہ ہونے لگی۔ چنانچہ ایک طرف تو مزدور و عزمین کا رقبہ اس صورت سے پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ اور زراعتی پیداوار کی مقدار حیرت خیز طور پر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اور دوسری طرف زراعتی جماعتوں میں ناخوشنودی اور بے اطمینانی عام ہو رہی تھی۔

اس کا ظہور زراعتی جماعتوں کی بہت سی تحریکوں کی صورت میں ہوا۔ جن میں سے پہلی گریج تحریک (Grange movement) تھی۔ جس کا آغاز انیسویں صدی کے عشرِ ہفتم (۱۸۵۰ء) کے اوائل میں ہوا۔ زمانہ جدید کی معاشیاتی تاریخ میں یہ باب جلی حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ ہر ملک اور ہر زمانے میں زراعتی جماعتوں کو قدرت پرست کا خطاب دیا گیا ہے۔ کاشتکاروں کو حکومت کا مرکز قتل کہا گیا ہے۔ ان کو ایک ایسی جماعت شمار کیا گیا ہے۔ جس پر موجودہ حالات کے ثبات اور موجودہ نظام کے برقرار رہنے کا دار و مدار ہے۔ برخلاف اس کے صنعتی حرفتی اور تجارتی جماعتوں کو بالعموم ہمالک جدیدہ کی زندگی میں ایک غیر مستقل اور انقلاب پذیر عنصر سمجھا گیا ہے۔ بہر حال ہمارے ملک میں ۱۸۵۲ء اور ۱۹۸۸ء کی درمیانی مدت میں یہ صورت حالات بالکل دگرگوں ہو گئی تاریخ جدیدہ میں پہلی مرتبہ زمینداروں کی جماعت ہمارے ملک کی آبادی میں ایک قوت پرانہ انقلاب پسند اور شورش انگیز عنصر ثابت ہوئی۔ اوائل ۱۸۵۰ء کی گریج تحریک فی الاصل ایک انقلاب پسندانہ تحریک نہ تھی۔ اس کے مقاصد سیاسی تھے۔ لیکن بہت جلد اس نے ایک سیاسی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ جس کا منشاء اولین ملک کی نیگروں اور ریبلوں کے متعلق پالیسی میں اصلاح کرنا تھا۔ اس کے بعد گرین بیک تحریک (Greenback movement) تحریک کا چرچا ہوا۔ جس نے یہ خطرناک صورت اختیار کی کہ ہمارے ملک کے یک قلم درہم و برہم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اخیر میں انیسویں صدی کے عشرِ نہم (۱۸۹۰ء) کی تحریک کا دور دورہ ہوا۔ یہ بھی ایک اسی قسم کی تحریک تھی۔ اس کا اختتام اس وقت ہو گیا جب زراعتی جماعتوں کو از سر نو فارغ البالی حاصل ہو گئی۔ یہ جو کچھ بدلتی اور بے ثباتی کی کیفیت اس دور میں ہوئی۔ سب اس بات کا نتیجہ تھی کہ زراعت ضرورت سے

زیادہ پھیل گئی۔ جس سے اس کا بازار مندا پر ڈ گیا۔

ریلیس { جس دور کا ہم سر دست مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہ ریلوے کے بھی سرریع نشو و ارتقا کا دور تھا۔ یوہے کی بجائے فولاد کی لائینوں کا بننا جس سے اُن میں پہلے سے زیادہ قوت عمل پیدا ہو گئی۔ سڑکوں کا تعمیر ہونا براعظموں کے درمیان ریلوں کا تیار ہو جانا۔ ان سب سے ایک جابو کر ایسی صورت حال پیدا کی۔ کہ مغرب بعیدہ کے کاشتکار بھی مشرق کے کاشتکاروں سے مشرقی منڈیوں میں رسد پہنچانے میں برابر کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ بالخصوص براعظموں کے درمیان ریلوں کا بن جانا جن کو حکومت متحدہ کی طرف سے زمینوں کے عطا ہونے نے فروغ دیا۔ اس بات میں بڑی حقیقت ثابت ہوئی۔ یہ ریلیں آئندہ کی ضرورت کا اندازہ کر کے قبل از وقت تعمیر کی گئیں۔ اور اُن کا یہ اثر ہوا۔ کہ مغرب بعیدہ میں حیرت خیز سرعت سے آبادی ہو گئی۔ ریلوے کے ذریعے بار برداری میں جو یہ اصلاحات ہوئیں۔ اُن کے پہلو بہ پہلو غلے اور مال مویشی کے نقل و حمل کا ایک اچھوتا طریقہ ایجاد ہوا۔ ۱۸۶۹ء میں بغیر حرارت کے چلنے والی مشین (Locomotive) کا استعمال شروع ہوا۔ اس نے بند گوشت کے نیچے کو بڑا فروغ دیا۔ کیونکہ اس کی بدولت یہ تجارت بارہ چھینے ہونے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۱۸۷۴ء کو نازہ گوشت دس اور میں جانے لگا۔ غلہ کو گھٹیا بڑھیا میل کے مطابق تقسیم کرنے کے طریقے سے ایک یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کسی خاص درجہ کا غلہ بڑی مقدار میں یک مشت ادنیٰ اخراجات پر اُٹھایا جاسکتا ہے۔ بڑی بڑی یوحہ اُٹھانے والی کلیں جن سے کہ غلہ کو اُٹھا کر کوٹھڑی میں رکھا جاسکے۔ گاڑیاں منٹوں سیکنڈوں میں بھری جاسکیں۔ اور خالی کی جاسکیں۔ اور جہازوں میں ۱۰۰۰۰ ہبل فی گھنٹہ کے حساب سے غلہ لادا جاسکے۔ ایسی کلوں کا بن جانا بڑی ترقی تھی۔ اس ترقی اور اس قسم کی دوسری ترقیوں میں متحدہ طور پر زراعتی پیداوار کی تجارت میں بڑی مدد دی اور ان کی بدولت امریکی کاشتکاروں کو دنیا کی منڈیوں میں رسائی حاصل ہو گئی۔ لیکن یہی امریورپ میں ایک ایسی زراعتی بد نظمی پھیلانے کا باعث ہوا۔ جیسی کہ ہمارے ملک میں پھیلی تھی۔ کلیں { زراعتی کلوں کی اُن اہم اصلاحات میں جو اس دور میں ہوئیں۔ گھٹے ماندھے کی

کل کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہوئی ہے۔ جن خطوں میں گرمی کے موسم میں بارشیں کم ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مغربی امریکہ کے چٹیل میدانوں کا حال ہے۔ اور جہاں فصل کاٹنے کے کیلئے کافی مدت مل سکتی ہے۔ اور بہت سے لوگ مل جل کر فصل کاٹ سکتے ہیں۔ وہاں تو کوئی ایسی مشکل بات نہیں۔ لیکن اور خطوں میں فصل کاٹنا ایک وقت طلب مسئلہ ہے۔ کاشتکار کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ وہ کتنی فصل کاٹ سکتا ہے۔ نہ یہ کہ کتنی فصل اُگ سکتا ہے۔ اُس پر اس امر کی قید عاید ہو جاتی ہے۔ کہ کتنی فصل کاٹنا اُس کیلئے ممکن ہے۔ جن دنوں گٹھے باندھنے کی کل ایجاد نہ ہوئی تھی۔ فصل کاٹنا آجکل کے مقابلے میں ایک بڑا کٹھن کام تھا۔ جو اجناس منافع پر اُگائی جاسکتی تھی۔ ان کی مقدار فصل کاٹنے کے قدرتی اثرات کے باعث ضرورہ بہت محدود کر دینی پڑتی تھی۔ اس لئے گٹھے باندھنے کی کل کی ایجاد نے غلہ کی وہ مقدار بڑھا کر جو ایک کاشتکار کاشت کر سکتا تھا۔ اس مقدار میں جو ایک کاشتکار منافع پر بوسکتا تھا اُنٹا ہی اضافہ کیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ امریشینین یا وزارت نے اس دور میں امریکہ کی پیداوار غلہ کی ترقی میں مدد نہیں دی۔ جتنی کہ اکیلے اس مشین نے دی۔ ملک کی فی کس پیداوار بحیثیت مجموعی جہاں ۸۶ء میں ۸۰۶ بشل تھی۔ ۱۸۸۰ء میں ۹۰۲ بشل ہو گئی۔ دورِ زیر بحث میں اس طرح کی اور ادنیٰ اصلاحات بھی ہوئیں۔ نیز اناج چھوڑنے کی کلوں میں گھوڑوں کی طاقت کی بجائے بھاپ صرف ہونے لگی۔ ان تمام اصلاحات نے مل جل کر اناج چھڑنے کی مشین کے افادے کو دگنا کر دیا۔ بہر حال یہ تمام چیزیں مل کر بھی غلہ اُگانے کے کام میں انقلاب پیدا کرنے کی اس حد تک باعث نہیں ہوئیں۔ جتنی کہ اکیلی یہ مشین ثابت ہوئی۔

بیلین آئے کو بیلین کے ذریعے پیستا گو ایک زراعتی عمل نہ تھا۔ تاہم یہ اس عہد کی زراعتی توسیع و اشاعت میں ایک بہت بڑا موثر تھا۔ جو اُن اُپرانے طریق کے مطابق فصل بیج کے گہیوں سے بنایا جاتا تھا۔ وہ اس قدر ادنیٰ درجہ کا ہوتا تھا۔ کہ ہائے ماہرین زراعت میں سے اکثر ارباب رائے کا خیال تھا کہ اس ملک میں بیج کے گہیوں کی پیداوار کا مستقبل بالکل تاریک ہے۔ لیکن جب نیا طریقہ ایجاد ہوا تو اُس کے مطابق اُس بیج کے گہیوں سے ایسا اُٹا بنایا جاسکتا تھا۔ جو خریف کے گہیوں کے آٹے سے بھی بہتر ہوتا تھا۔ انہی ایام

میں شمال مغرب میں مینیسوٹا (Minnesota) اور ڈیکوٹا (Dakota) کے
ریج کے گہوں کے علاقے کھل گئے۔ ان تین ریاستوں کی آبادی ۱۸۶۰ء اور ۱۸۸۰ء
کے درمیان کی مدت میں دو گنی سے زیادہ بڑھی۔ اس دور کے پہلے راجسٹر (Register)
واقع نیویارک (New York) ملک بھر میں آٹا بنانے کا مرکز تھا۔ لیکن جب بیلن سے
آٹا پیسنے کا طریقہ مروج ہوا۔ تو یہ حیثیت مرکزی مینیا پولس (Minneapolis)
نے چھین لی جو کہ فصل ریج کے گہوں کے علاقے کا ابتدائی دار الخلافہ تھا۔

مکئی کی کاشت جو اصلاح شدہ کلیں مکئی اُگانے میں استعمال کی جاتی تھیں۔
اُن میں ایک cheek now بھی تھا۔ یہ کل جب مکئی اُگانے کی کل سے لگادی جاتی
تو جو کام پہلے دو آدمی مل کر کر سکتے تھے۔ وہ اب اکیلے سے ہو سکتا تھا۔ یہ ایسی مشین ہے
کہ جس سمت میں غلہ بونے کی مشین چلائی جا رہی ہو۔ اُس سے زاویہ قائمہ بنا کر قطاروں
میں آپ ہی آپ بیج بوئی جاتی ہے۔ اس طرح وہ دونوں طرف قطاروں میں بیج بکھیر دیتی
ہے اور دو اجناس (Cross cultivation) کی مخلوط کاشت اس سے ہو سکتی ہے
مسوری کی جانب مغرب جو چند قدرتی خطے خشک ہیں۔ اُن میں غلہ لسٹر (Luster)
مشین کے ذریعے بویا جانے لگا۔ یہ ایک ہل ہے جس میں دو mold board ہوتے
ہیں۔ یہ گہری ہلائی کرتی ہے۔ اور اس کی تہ میں ایک خود بخود بیج بونے والی کل

automatic seeder کی مدد سے بیج بودیتی ہے۔ مگر بیج بونے کے اس طریقے
سے دو اجناس کی مخلوط کاشت نہیں ہو سکتی۔ تاہم اس کے چند فائدے ہیں۔ جن
میں سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ بیج چونکہ بہت گہرا بویا جاتا ہے۔ اسلئے فصل خشک
سالی کا مقابلہ زیادہ کامیابی سے کر سکتی ہے۔ یہ نسبت اُن اجناس کے جن کا بیج اتنی گہرائی
میں نہ بویا گیا ہو۔ جیسا کہ مشرقی بحیدہ میں ہوتا ہے۔ اسی قبیل کی اور ادنیٰ اصلاحات
مثلاً ہلائی کی کل (mold board) وہ ہل جس پر سوار ہو کر کام کیا جاسکتا ہے۔ اور جو
پیرانے گھوڑوں سے چلنے والے ہل کا ایک اصلاح شدہ نمونہ ہے۔ اور دو قطاروں میں
بوتے والا ہل جسے تین گھوڑے چلاتے ہیں۔ ان چیزوں کے مجموعی طور پر مکئی بونے

والے کام بہت آسان کر دیا ہے۔ اور ہر شخص کو زیادہ فصل اُگانے کے قابل بنادیا ہے۔ مکئی کے پودے زیادہ تر ٹھنوں سے کاٹے جاتے تھے۔ کیونکہ مکئی کا چھلکا الگ کرنے کیلئے کوئی عمدہ مشین ایجاد نہ ہوئی تھی۔ اسے خوش قسمتی کہیے۔ کہ مکئی کے فصل کاٹنے کی کوئی ایسی جلدی نہیں ہوتی۔ جتنی کہ گہیوں کی فصل کاٹنے میں ہوتی ہے۔ ورنہ نقصان کا احتمال بہت تھا۔

مولیشیوں کا پالنا : دورِ زیرِ بحث میں مغربِ بعیدہ کے مولیشیوں کے بیوپار میں ایک شاندار اور عجیب و غریب ترقی ہوئی۔ مولیشیوں کے مولیشی گاہوں میں پالنے والے (manchines) کو ہماری سرحدی زندگی سے ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ خاصکر وِجِنیا (Manchuria) اور کیرولینا (Carolina) میں ٹیکسس (Texas) کے حصول کے بعد امریکہ کے مولیشی پالنے والے جو ملک کے اندرونی حصے تک پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے کاروبار کو اپنے ٹھنوں میں لے لیا۔ اور اس کی از سر نو تنظیم کی۔ جو مولیشی کوریٹرز (Carriers) اور اس کے مفیدین اسپین سے لئے گئے تھے۔ وہ ملک کو (Mexico) کی معتدل آب و ہوا میں جس میں ٹیکسس (Mexico) بھی شامل تھا۔ جہاں یہ مولیشی دو صدیوں تک جنگلی جانوروں کی طرح پھرتے رہے تھے۔ خوب پھلے پھوٹے۔ اُن کے مالکوں کو کوئی منڈی ایسی نہ ملتی تھی۔ جہاں وہ سوائے کھالوں کے اور چربی کے جن کی نقل و محل میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ اور کوئی بیہ منافع پر فروخت کر سکیں۔ اس لئے ان مولیشیوں کے گلوں سے انہیں جو کچھ بچتی تھی وہ محض اس بنا پر تھی کہ ان ہذا اشیاء یعنی کھالوں اور چربی کی موسمِ بوسم پیداوار کرتے رہتے تھے۔ بہر حال امریکن حکومت کے ماتحت امریکہ کے مولیشی پالنے والوں نے ٹیکسس (Mexico) کے بھیڑ کے گوشت کیلئے منڈی بنانے کی متعدد کوششیں کیں۔ ۱۸۵۷ء میں ٹیکسس سے کچھ مولیشی الینوائس (Illinois) کے مکئی کے کھیتوں میں گئے۔ لیکن وہاں اُن کو قبول عام حاصل نہ ہوا۔ جنگِ اندرونی کے وہاں میں ٹیکسس (Mexico) کے مولیشیوں کیلئے کوئی راستہ براہِ مکان نہ رہا تاہم ان کی تعداد میں اُسی

رفتار سے ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۸۶۰ء سے ۱۸۶۵ء تک میدان مویشیوں سے استفادہ
بھرا پور تھے۔ کہ بل دھرنے کی جگہ نہ رہی تھی۔

یہ حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ کہ شمالی میدانوں کی گھاس بڑی غذائیت رکھتی ہے
اور سردیوں کے موسم میں بھی مویشیوں کی خوراک کا کام دے سکتی ہے۔ بہت سے
راویوں سے روایت ہے کہ یہ انکشاف اتفاقی طور پر ایک شخص نے کیا جو ریاستہائے
متحدہ کے ایک قلعہ واقعہ اونٹانہ (Mamam) کیلئے رسد لے جا رہا تھا۔ وہ ۱۸۶۱ء
کے موسم سرما میں لیرامی (Mamam) کے میدانوں میں سفر کر رہا تھا تو ایک طوفان
نے اُس کو گھیر لیا۔ اُس کا زوراء بہت جلد ختم ہو گیا۔ اور اس نے مجبور ہو کر اپنے پیلوں
کو چھوڑ دیا کہ جہاں اپنا پیٹ پالیں یا کچھ نہ ملے تو بھوکے مرجائیں۔ بیل غیمہ سے زیادہ دور
نہیں گئے۔ قریب قریب کہیں چرتے پھرتے رہے۔ جب بہار کا موسم آیا تو معلوم ہوا۔ کہ
جیسے وہ اس وقت تھے۔ جب اُن کو مالک نے چھوڑا تھا۔ اُس سے اب بہت بہتر
حالت میں تھے۔ ہوا جو چلی تھی۔ تو جا بجا چرنے کے قابل گھاس نظر آنے لگی تھی۔ چنانچہ
بیل اس کو کھا کر چار چھینے تک گزارہ کرتے رہے۔

مویشیوں کے گزرنے کا رستہ (the cattle track) شمالی میدان
کی گھاس ٹیکس (Mamam) کے میدانوں کی گھاس سے بہتر ہے۔ اور اُن دنوں
میں یہ معلوم کیا گیا۔ کہ ٹیکس کے مویشی اگر شمالی میدانوں میں چلے جائیں تو وہ اُن کا
وزن بہت جلد بڑھ جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ ایک سال کا بچھڑا جتنا ٹیکس
میں رہ کر بڑھے گا۔ اُس سے ۲۰۰ پونڈ زیادہ شمالی میدانوں میں ترقی کرے گا۔ علاوہ
بریں خیال کیا جاتا تھا۔ کہ بھیر کا گوشت شمالی میدانوں میں بہتر ہوتا ہے۔ شمالی میدانوں
میں جگہ کی بہتات تھی۔ یہ خلاف اس کے ٹیکس میں قلت تھی۔ اور آبادی بہت زیادہ
تھی۔ اور بھی بہت سے اعتبارات سے غلبہ شمالی میدانوں کو حاصل تھا۔ چنانچہ ٹیکس
کے مویشیوں کے گلے شمال کی طرف جانے لگے۔ یہ مویشی زیادہ تر ادا دیوں کے مغربی
کنائے کے برابر برابر جاتے تھے۔ چنانچہ اس سمت کا اُنہوں نے رخ کیا۔ اس کا نام

ٹیکس کے مویشیوں کی گزرگاہ (Texas cattle trail) مشہور ہو گیا۔ سب سے پہلے مغربی کنٹکس (Kansas) براؤننگ (Brown) کا ریڈو (Redwood) اور ویوٹنگ (Wooten) کے میدانوں کا رخ کیا جاتا تھا۔ شمالی میدانوں میں چونکہ وحشی لوگوں کا خطرہ رہتا تھا۔ اس لئے اُدھر جانے کا خیال کوئی نہ کرتا تھا۔ ۱۸۶۷ء میں مقام کسٹر (Custer) پر جو قتل عام ہوا۔ اس کے بعد حکومت متحدہ کو تنبیہ ہو گئی۔ اور وہ شمالی وحشیوں کی طرف سے ہوشیار رہنے لگی۔ اسلئے ڈیکوٹا (Dakota) اور مونتانا (Montana) کے میدان مویشی پالنے والوں کیلئے کھل گئے۔ بعض لحاظ سے مغرب بعیدہ کے میدان بہترین تھے۔ چنانچہ مویشیوں کی گزرگاہ کے ڈانڈے پھیلتے پھیلتے ملک کی شمالی سرحد سے جا ملے۔ ۱۸۸۰ء سے لیکر اُس دور کے اختتام تک جس کا ہم اس وقت مطالعہ کر رہے ہیں۔ مویشیوں کی گزرگاہ ایک ایسا رستہ بن گیا۔ جس پر سے کثیر التعداد مویشی ٹیکس (Texas) کے مویشی پالنے کی جگہوں سے نقل مکان کر کے شمال کی طرف گئے۔ جو مویشی نقل مکان کر کے جاتے تھے۔ وہ زیادہ تر نئے پھڑے تھے۔ کچھ گاؤں بھی تھے جو شمال کی طرف گئیں۔ ٹیکس (Texas) میں مویشیوں کی تعداد بہت جلد بڑھتی گئی۔ وجہ یہ کہ وہاں کی معتدل آب و ہوا میں گاؤں زیادہ تر رہتی تھیں۔ شمال جانے کے بعد پھڑے پھیا و غیر زیادہ تعداد میں پیدا ہوتے تھے۔ اسلئے مویشی پالنے کے کام میں علاقے کے اعتبار سے نعمت کی تقسیم ہوئی۔ جنوب میں نوخیز اور نو عمر مویشی پیدا کئے جاتے تھے۔ اور شمال میں وہ جا کر جوان ہوتے تھے جہاں جہاں مویشیوں کی گزرگاہ براعظم کے درمیان کی ریڈوں کو کاٹی تھی۔ وہاں بڑی بڑی ہڈیاں مویشیوں کی اور بڑی بڑی ہڈیاں بن گئیں۔ ان ہڈی گاہوں میں بعض ایسی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ جن کیلئے ہماری سرحد مشہور ہے۔ ان میں سے ہر ایک مویشی پالنے والوں اور ماہیروں کا اجتماع بن گیا۔ ان کا نام گاؤں کے شہر (Cow towns) مشہور ہو گیا۔ ان میں بہت سے عجیب و غریب واقعات ہوئے اور مناظر دیکھنے میں آئے۔ جو ریاستہائے مغربی کی روایات عامہ کا ایک جزو و ناچک ہو گئے ہیں۔ اور یقیناً ہماری قومی روایات میں شامل ہو چکے ۱۸۶۷ء سے لیکر ۱۸۸۰ء تک نیوٹن (Newton) کنٹکس (Kansas) وہ نقشہ تھا جہاں

موشیوں کی گذرگاہ ایکچن (Atchison) ٹوپیگا (Topeka) اور سائٹائی (Santa Fe) ریلوے کو کاٹتا تھا۔ اور ایملن (Abilene) وہ نقطہ تھا۔ جہاں وہ کنس پیفک (Kansas Pacific) ریلوے کو کاٹتا تھا۔ چنانچہ یہ اس عہد کے شہروں میں گایوں کیلئے مشہور تھے۔ لیکن جوں جوں آبادی کا رخ مغرب کی طرف ہوتا گیا۔ موشیوں کی گذرگاہ بٹ کر مغرب کی طرف جانے لگی۔ تاکہ کھینوں میں سے گذر کر اور ان کو پامال کر کے نہ جانا پڑے۔ اس وجہ سے ایکچن (Atchison) کا گریٹ بند (Great Bend) اور کنس پیفک ریلوے (Kansas Pacific) کا اسٹیشن السورٹھ (Ellsworth) یہ دونوں بڑی بندرگاہیں بن گئیں۔ مزید بریں ایکچن ریلوے کا اسٹیشن ڈائج سٹی (Dodge) عہد کے کنس پیفک ریلوے کا اسٹیشن ہیس سٹی (Hayes City) بڑے بڑے گایوں کے شہر تھے۔ ۱۸۸۵ء میں بڑے بڑے شہر ڈائج سٹی (Dodge City) اور گالا (Ogallala) نبراسکا (Nebraska) تھے۔ جو لین پیفک ریلوے سے لائن پر واقع ہیں۔ اندازہ کیا گیا کہ کم از کم ۴۰۰۰۰۰ موشی صرف ۱۸۸۴ء میں ان دو شہروں میں جہاز پر سوار ہونے کیلئے آئے۔ ۱۸۸۵ء کے بعد موشیوں کی گذرگاہ کی اہمیت میں کمی ہونا شروع ہوئی۔ آبادیوں کی سرحد جو مغرب کی طرف بنی شروع ہوئی۔ تو اس نے اس رستہ کو بند کر دیا۔ لیکن زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہوا کہ ریلوے سے اس کا مقابلہ آپڑا۔ جو موشیوں کے خطہ کے عین وسط میں بن گئیں۔ اور جن کیلئے موشیوں کا نقل و حمل بیحد کم خرچ اور آسان تھا۔ اور اس میں وقت بھی کم لگتا تھا۔ فہرست ذیل جو جوزف نمو (J. Kimm) کی روئداد سے اقتباس کی گئی ہے۔ ان موشیوں کی تعداد بتاتی ہے۔ جو ۱۸۶۶ء اور ۱۸۶۴ء کی درمیانی مدت میں موشیوں کی گذرگاہ سے ہوتے ہوئے ٹیکس (Texas) سے چل کر شمال میں پہنچے۔

سنہ	تعداد موشی	سنہ	تعداد موشی
۱۸۶۶ء	۲۶۰۰۰۰	۱۸۶۹ء	۳۵۰۰۰۰
۱۸۶۷ء	۳۵۰۰۰	۱۸۷۰ء	۳۰۰۰۰۰
۱۸۶۸ء	۷۵۰۰۰	۱۸۷۱ء	۶۰۰۰۰۰

تعداد مویشی	سنہ	تعداد مویشی	سنہ
۲۵۷۰۰۰۰	۱۸۷۹ء	۳۵۰۰۰۰۰	۱۸۷۲ء
۳۹۴۰۰۰۰	۱۸۸۰ء	۴۴۵۰۰۰۰	۱۸۷۳ء
۲۵۰۰۰۰۰	۱۸۸۱ء	۱۶۶۰۰۰۰	۱۸۷۴ء
۲۵۰۰۰۰۰	۱۸۸۲ء	۱۵۱۰۰۰۰	۱۸۷۵ء
۲۶۷۰۰۰۰	۱۸۸۳ء	۳۲۱۰۰۰۰	۱۸۷۶ء
۳۰۰۰۰۰۰	۱۸۸۴ء	۲۰۱۰۰۰۰	۱۸۷۷ء
		۲۶۵۰۰۰۰	۱۸۷۸ء

جب مویشیوں کی گذرگاہ کا زوال ہو گیا۔ تو اس کے ساتھ مویشیوں کو مویشی گاہوں میں پالنے کے کاروبار کو زوال نہیں ہوا۔ مگر کے علاقے کو مغرب کے مویشیوں کے کاروبار سے بہت قریب کا تعلق رہا ہے۔ یہ مکنی اگنانے کا خطہ مویشیوں کے علاقہ کے عین متصل واقع ہے۔ اس بنا پر جدید زمانے میں مویشیوں کی نقل و حرکت مغربی میدانوں سے چل کر مشرق کی سمت میں ہی ہے۔ نہ کہ ٹیکسس (Texas) سے چل کر شمال کی سمت میں۔

دور زیر بحث کے اواخر میں یعنی ۱۸۸۰ء کے قریب مویشی بڑی تعداد میں مغربی میدانوں سے جہازوں پر سوار ہو کر مشرقی کنٹس (Eastern Kansas) نبراسکا (Nebraska) آئیمہ وا (Iowa) مسوری (Missouri) اور اینڈلس (Indiana) کے مکنی کے خطوں میں جانے لگے تاکہ مکنی کے پودوں کو کھا کر موٹے ہوں۔ اسلئے ڈٹوں میں گوشت بند کرنے کے کارخانے جن میں جانور ذبح کئے جاتے تھے اور گوشت کی مصنوعات تیار کی جاتی تھیں۔ مکنی کے خطے کے عین وسط میں تیار ہوئے رنہ کیمراتی علاقے میں۔ کنٹس سی (Kansas) سینٹ جوزف (St. Joseph) اور اوماہا (Omaha) شکاگو (Chicago) اور سینٹ لوئس (St. Louis) بند گوشت کی تجارت کے بڑے بڑے مرکز بن گئے۔ یہ جو قاعدہ تھا کہ سوڑوں کو وہ غذا دی جاتی تھی۔ جو نکلہ خور جانوروں کی خوراک سے بچ کچھ رہے۔ اور اسی غذا سے وہ موٹے ہوتے تھے۔ اسلئے

سور کا گوشت ایک حد تک بھیڑ کے گوشت کی ضمنی پیداوار کے طور پر پیدا ہونے لگا۔
ڈبیری کا کام [جیسا کہ اوپر بیان کیا چکا ہے۔ جدید زمانے میں جو قاعدہ مکھن اور پیئر بنانے کا
 سانچ ہے۔ یعنی کارخانوں میں ان کا تیار کرنا اس قاعدے کے آغاز سول جنگ (Civil War)
 سے ذرا پہلے ہوا۔ لیکن یہ قاعدہ اس وقت عام نہ ہوا تھا۔ بہت مدت کے بعد جا کر عام ہوا۔ ۱۸۶۹ء
 اور ۱۸۷۰ء میں کارخانوں میں پیئر بنانے کے طریقے نے بہت جلدی ترقی کی۔ لیکن ۱۸۸۰ء کے بعد
 امریکہ کے شیرخانہ (ڈبیری) کے مالکوں کی توجہ اور محنت زیادہ تر مکھن بنانے میں صرف ہونے لگی اور
 پیئر کی طرف ان کی توجہ کم ہو گئی۔ پُرانے نظام کے ماتحت جب مکھن مزرعوں میں تیار ہوتا تھا تو مکھن
 بنانے کا مرکز مشرقی اور وسطی ریاستوں میں تھا۔ خاص کر ورائٹ (Wright) مسکوسین
 (Massachusetts) میں اور نیو یارک (New York) میں۔ لیکن نئے نظام کے
 مطابق یہ مرکز تبدیل ہو کر مغرب کی جانب چلا گیا۔ اور اُس علاقے میں جس میں شمالی اینڈائنس
 (Northern Indians) جنوبی و سکاٹسن (Wisconsin) مشرقی اینڈو (Iowa)
 اور جنوب مشرقی منیوٹا (Minnesota) شامل ہے۔ مکھن بنانے کی حرفت پھیل گئی۔
 وہ اہم اسباب جنہوں نے مکھن بنانے کی حرفت کی ترقی میں مدد دی یہ تھے۔ اول بییکاک
 (Babeoch) کا وہ طریقہ جس سے یہ معلوم ہو سکتا تھا۔ کہ دودھ میں مکھن کا جو کس قدر شامل ہے
 اور رافع المرکز آلہ (Continuous Separator) جن کے ذریعے بالائی دودھ سے علیحدہ ہو سکتی
 ہے۔ بغیر اس بات کے دودھ کو بھاڑا جائے اور اس بات کا انتظار کیا جائے۔ کہ کشش ثقل کے
 قانون کے مطابق بالائی سطح پر آجائے گی۔ اگر یہ وہ ایجا دیں نہ ہوتیں تو غالباً کارخانوں میں مکھن
 بنانے کا طریقہ گھر میں بنانے کے طریقے کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا۔ ایک اور سبب جو
 بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ گوا سے عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ تھا۔ کہ امریکہ کے لوگوں کو
 مکھن کھانے کی بڑی عادت ہے۔ امریکہ کے باشندے فرانسیزیوں کی طرح روٹی کھاتے
 ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ فرانسیسی ہمیشہ مکھن کے ساتھ روٹی نہیں کھاتے۔ اور امریکن لوگ
 کھاتے ہیں۔ اس لئے مکھن کی بڑی مانگ رہتی ہے۔ اور شیرخانہ دار (ڈبیری) کو اس بات
 کا حوصلہ ہوتا ہے کہ صرف مکھن ہی بنائے تو اپنی روزی کما لیگا۔ جب یہ حالت ہو تو قدرتی

بات ہے کہ امریکہ کے شیرخانہ دار مالک غیر کی منڈیوں کو مکھن کی رسد بہم پہنچائیں۔ مکھن امریکہ والوں کی بہت پسند اور من بھانا کھا جاتا ہے۔ لیکن پنیر کے وہ اتنے شائق نہیں۔ اور پنیر کھانے میں انہوں نے خاص شہرت حاصل نہیں کی۔ اس وجہ سے امریکہ کے شیرخانہ داروں کی اس امر میں ہمت افزائی نہیں ہوتی کہ پنیر بنانے کا کام خاص طور پر کریں۔ اور وہ یورپ کی منڈیوں میں جا کر یورپ کے ڈیری میلسوں کے مقابلے میں جو ان سے کہیں زیادہ ماہر ہوتے ہیں نہیں بھٹوسکتے۔ مزید بریں ایک یہ امر ہے کہ مکھن کے مقابلے میں ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا فائدہ ایک جیسا ہوتا ہے۔ یورپ میں ہر ملک بلکہ ہر شہر کے مقابلے میں علیحدہ علیحدہ مذاق رکھتا ہے۔ یہ ایک اور وجہ ہے کہ امریکہ کے پنیر کی یورپ میں بہت مانگ نہیں۔ غلہ کی ریاستوں میں مکھن کی حرفت کا مرکز بن جانے کا ایک اور سبب ملندہ کی پیداوار کا شروع ہونا ہے۔

ملندہ کے ذریعے مکئی کو ڈیری کی گالیوں کیلئے سارے موسم سرماییں دودھ پیدا کرنے والی غذا بنایا جاسکتا ہے۔ شمالی یورپ میں جہاں مکئی بہت نہیں ہوتی۔ تو زمینی پیداوار سے کام چلایا جاسکتا ہے۔ مثلاً شلجم سے۔ چقندر سے وغیرہ وغیرہ؛ لیکن مکئی کا ملندہ شیرخانہ کی گالیوں کیلئے اس سے بہت سستی لیکن اتنی ہی اچھی خوراک ہے۔ امریکہ کے کاشتکار اس کی مدد سے مکھن بمقابلہ یورپ کے کاشتکاروں کے بہت کم خرچ پیدا کر سکتے ہیں۔ غلہ کا ملندہ زمینی پیداوار سے سستا ہے۔ اول تو اسلئے کہ اسکی پیداوار فی ایکڑ کس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ تر اس لئے کہ اس کے واسطے کم محنت درکار ہوتی ہے۔

کپاس کی حرفت کی از سر نو تنظیم جس دور سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں اس میں جو سب سے زبردست زراعتی تغیر ہوا۔ وہ تغیر جنوب کی کپاس اگلانے کی حرفت میں رونما ہوا۔ سول جنگ نے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے کپاس کی حرفت کی تنظیم از سر نو لازم آئی۔ اس حادثہ عظیم کے دوران میں اور اس کے فوراً بعد جو کساد بازاری ظہور پذیر ہوئی۔ اس نے کپاس کی قیمتیں اغندال سے زیادہ برہمھادیں۔ جنگ کے

دنوں میں کپاس کا قحط انگلستان میں محسوس کیا گیا تھا۔ کیونکہ جنوبی بندرگاہیں
 بند ہو گئی تھیں۔ یہ قحط امن کے قیام کے بعد فوراً دور نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ غلاموں کی
 آزادی کی وجہ سے کپاس کی حرفت کا نظام دو بالا ہو گیا۔ کپاس ۱۸۶۵ء میں
 سینٹ فی پونڈ کے نرخ پر اور ۱۸۶۷ء میں ۳ سینٹ کے نرخ پر بکنے لگی۔ ان بھاری
 قیمتوں کو دیکھ کر جنوب کے کاشتکاروں میں سے اکثروں نے زیادہ وسیع پیمانے
 پر کپاس اُگانی شروع کی۔ اور اس کیلئے حبشی غلام اُجرت پر مقرر کئے اور روپیہ
 قرض لے لیکر کام شروع کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کپاس کا نرخ گھٹ گیا اور جن
 جن لوگوں نے کپاس اُگائی تھی اُن کے دیوالے نکلنے لگے۔ کپاس اُگانے کا یہ طریقہ بہت
 زیادہ ہنگامہ ثابت ہوا۔ اور آہستہ آہستہ اس کی جگہ ایک اور طریقہ رائج ہوا جو اب بھی
 کپاس کے علاقے کے بیشتر حصے میں کم از کم اس کے نصف مشرقی میں رائج ہے۔ وہ یہ کہ
 حبشی آسامی دار چھوٹے چھوٹے قطعات زمین سا جھیں زمینداروں سے لیتے ہیں۔ اور
 ان میں کپاس کی کاشت کرتے ہیں۔ یہ نیا طریقہ مفید ثابت ہوا اور کپاس کی پیداوار رفتہ
 رفتہ بڑھتی شروع ہوئی۔ یہاں تک ۱۸۷۹ء میں کپاس کی فصل ۱۸۷۵ء کی فصل سے بہت
 زیادہ تھی۔ اس قاعدے کے ماتحت حبشی مزارع کی حیثیت کچھ عجیب تھی۔ وہ یوں تو آسامی
 کہلاتا تھا۔ تاہم دراصل ہوتا تھا۔ وہ ایک اُجرتی مزدور جس کو بجائے اُجرت کے فصل میں
 سے حصہ دیا جاتا تھا۔ یوں کہئے کہ اس کی حیثیت ایک مزدور سے زیادہ نہ تھی۔ زمیندار خود
 بیج۔ کھیتی باڑی کے اوزار۔ چھرا اور خجروں کا دانہ بھوسہ ہتیا کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی آسامی کو
 فصل کی روٹی اور سور کا گوشت پیشگی دیتا تھا۔ بہر حال ہوتے ہوتے پہلے سے بہتر مزارعوں
 کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ اُن لوگوں نے ذرا زیادہ آزادی حاصل کر لی اور اپنی خجریں
 اور اپنے اوزار استعمال کرنے لگے۔ بالفاظ دیگر صحیح معنوں میں آسامی دار بن گئے۔
 زراعتی اعتبار سے ۱۸۷۵ء میں کپاس کے پیدا کرنے کے طریقے
 میں جو تبدیلی ہوئی۔ اس کے بعد بہت سے تغیرات معاشیاتی اور مالیاتی صورت
 حالات میں نمودار ہوئے۔ زمیندارہ قرضہ کے ایک نہایت بڑے طریقہ نے رواج پایا۔

اور اس کی ترویج میں مقامی سوداگروں کا بہت دخل تھا۔ یہ لوگ کیا کرتے تھے کہ کاشتکاروں کو رسد پیشگی دینے کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ اور کپاس کی فصل سے اپنا معاملہ وصول کرتے تھے ضمانت کے طور پر وہ فصل کو اپنے پاس رہن رکھ لیتے تھے۔ اس طرح کاشتکار گویا ان بھکاریوں کے قبضہ اختیار میں ہوتا تھا۔ وہ مجبور ہوتا تھا کہ جس ذخیرہ دار یا بیٹے کے پاس اس کی فصل گروی رکھی ہے۔ اس سے اپنی ضروریات کی چیزیں لے۔ اس وجہ سے ذخیرہ دار غموں اپنی مرضی سے جس قسم کی اور جس قدر کپاس کی فصل چاہتا کاشتکار کو کاشت کرنا پڑتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی جنس بونے کے طریقے کی جتنی خرابیاں تھیں وہ سب پیدا ہو گئیں اور کاشتکار کی تمام قوتیں اور کوششیں بے دے کر ایک کپاس پر ہونے لگیں۔ باقی اجناس کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا کاشتکار اگر اپنے گدے کیلئے مکئی اور سور کا گوشت پیدا کرتا تو نفع میں رہتا۔ لیکن ذخیرہ دار اس کو اس امر کی اجازت کب دیتا تھا۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ کاشتکار اس کا محتاج رہے۔ مکئی اور سور کا گوشت یہ وہ چیزیں تھیں کہ جو سب سے زیادہ مقدار میں کاشتکار کے ہاتھ پہنچی جاتیں۔ اگر غلہ اُگایا جاتا تو اس سے نہ صرف یہ ہوتا کہ سوداگر کے ہاتھ ایسی چیز لگتی جو منڈی میں کم قیمت پاتی۔ بلکہ اس سے یہ بھی ہوتا کہ اس کے ہاں ہاتھ سے نکل جاتے۔ کیونکہ جب کاشتکار اپنی رسد پ پیدا کر لیتا تو وہ قرض لیکر اپنا کاروبار چلانے کیلئے مجبور نہ ہوتا۔

(د) از سر نو تنظیم کا دور

۱۸۸۰ء کے قریب تغیرات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ جس نے ریاستہائے متحدہ کے زراعتی معاملات پر نہایت گہرا اثر کیا گو یہ سچ ہے۔ کہ اس کے نتائج دس سال بعد ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ ۱۸۸۰ء کو ہم ایک نئے دور کا آغاز اس لئے کہتے ہیں۔ کہ جو تبدیلیاں اس سنہ میں شروع ہوئیں وہ ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سے پہلے سال میں کانگریس نے وہ قانون پاس کیا جو بیچ ایک *Matchless*
Experiment Station Act ("تجربہ گاہوں کے متعلق قانون" کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۸۰ء میں اس قانون کی تحریک سے زراعت کی تعلیم ایک نئے نقطہ اور عمدہ تر طریقے سے شروع ہوئی۔ یہ ایک ایسے دور کا آغاز تھا جس میں تجرباتی سائنس کے بنیادی اصولوں کو زراعت پر ایسے جامع و کامل طریقہ سے منظم اور مرتب کیا گیا کہ لیا پہلے کبھی نہ کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے تجرباتی مقامات ہوتے تھے۔ نہ صرف یورپی ممالک میں بلکہ امریکہ کی بعض مشرقی ریاستوں میں بھی۔ لیکن اس نئے قانون کے رو سے ان کا اہتمام زیادہ وسیع ہونے پر اور ان کا کام زیادہ مؤثر طریقے پر ہونے لگا۔ ۱۸۸۰ء سے پیشتر ملک بھر میں بیس تجربہ گاہیں تھیں۔ لیکن اکیلے اس سال میں ۲۶ نئی تجربہ گاہوں کا افتتاح ہوا۔ امریکی زراعت کا دور ابتدائی قریب الاختتام تھا۔ کیونکہ اب بلا واسطہ عطیات دینے کیلئے اراضی عامہ بہت کم رہ گئی تھی۔ یعنی اب اتنی زمینیں نہ تھیں کہ آباد ہونے والوں کو دی جائیں اور بغیر کسی مسئلہ یا محنت کے صرف کئے ان کی زراعت کرے۔ اُس وقت کے بعد سے اراضی عامہ کے جتنے نئے قطعات آباد ہوئے ہیں۔ ان میں آبپاشی کی ضرورت رہی ہے۔ جس زمین میں آبپاشی کی جاتی ہو۔ اُس میں اُس طرح کی آبادی نہیں ہو سکتی۔ جیسی کہ امریکہ کی نوآبادیوں کے اوائل سے اب تک ہوتی آئی تھی۔ بلکہ اس سے بہت مختلف آبادی وہاں ہو سکتی ہے۔ اراضی عامہ کے بلا واسطہ قطعات جو دیئے جاتے تھے ان کے ختم ہو جانے کا اثر نہ صرف اس ملک کی بلکہ باہر کے ملکوں کی زراعتی

منڈیوں پر بھی ہونا شروع ہوا۔ جو زمینیں مشرق بعیدہ میں واقع تھیں۔ اُن کو اب سرحد کے نو آباد علاقوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور مشرق کے کاشتکار اب مجبور نہ تھے کہ اپنی پیداوار کو اُن داموں پر فروخت کریں جو سرحد کے کاشتکار دینے پر رضا مند ہوں۔ سرحد کے کاشتکاروں کو فصل اُگانے کی ترغیب ہوئی نہ صرف اس لئے کہ اُن کو بڑی بڑی قیمتیں ملتی تھیں۔ بلکہ اس لئے کہ ان کو اپنی زمین کی قیمت بڑھ جانے کی اُمید تھی۔ ان حالات میں زراعتی زمینوں کی قیمت ملک کے اُن حصوں میں جو پہلے آباد ہوئے تھے بڑھنا شروع ہوئی۔ اور ہمارے ملک کے لوگوں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ ہماری بڑھتی ہوئی آبادی کو زراعتی پیداوار کی جو روز بروز زیادہ ضرورت ہوتی جاتی تھی۔ وہ صرف اس طرح پوری نہ ہو سکتی تھی۔ کہ ابتدائی دور کے مزرعہ کے رقبہ کو مغرب کی جانب بڑھا دیا جائے۔ اگر اس ضرورت کو پورا کرنا مقصود تھا تو اس کی یہی صورت تھی۔ کہ بن زمینوں میں پہلے کاشت ہو رہی تھی۔ اُن کے حاصل فی ایکڑ کی مقدار بڑھائی جائے۔ لیکن یہ ایک ایسا کام ہے جو اس وقت بن سکتا ہے۔ کہ تمام زراعتی پیداوار کی قیمتیں یکساں بڑھ جائیں۔ ہم دیکھیں گے کہ اس وقت کے بعد سائنٹفک اصولوں کے مطابق عمیق کاشت کرنے سے اُٹنا حاصل ہو گا جتنا پیشتر کبھی نہ ہوا تھا۔

جب تک منہ مانگی زمینیں مفت مل سکتی تھیں۔ سائنٹفک طریقے سے زراعت کرنے والوں کے بہت کم موقع تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ابتدائی دور کے کاشتکار کیلئے میدان وسیع تھا۔ اس کو ضرورت ہی کس بات کی تھی؟ بس گھوڑوں کی ایک جوڑی کی۔ چند اوزاروں کی۔ اور فٹوڑی بہت زراعتی اُمور میں شدہ بُدھ کھنے کی۔ تاکہ فصل کا میابی سے پیدا کر سکے۔ لیکن اب ایک ایسا زمانہ آتا ہے۔ کہ سائنٹفک طریقے سے کاشت کرنے والوں کو اس قسم کے لوگوں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑیگا۔ اور اس کو بجا طور پر اُمید ہوگی کہ اپنی علمی برتری اور بہترین طریق زراعت کی بدولت وہ دوسروں سے زیادہ نفع اُٹھائیگا۔ یہ امر امریکی زراعت کے مستقبل کے لئے اور تمام باتوں سے زیادہ معنی رکھتا ہے۔ ان حالات میں تجرباتی مزرعوں کو بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اُنہیں کے ذریعے سے سائنٹفک معلومات کی اشاعت ان لوگوں میں ہوتی ہے جو اس سے استفادہ کرنے اور اس کو دلیل ہدایت بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تجرباتی

مقامات کی یہ ترقی جوان دنوں ظہور میں آئی ہے۔ اس وقت سے پچاس سال پیشتر اس کا بہت امکان تھا۔ کیونکہ سائنٹفک معلومات کے ابتدائی دور کی زراعت کے مقابلے میں عہدہ برآہوئے کا موقع نہ تھا۔ یہ دو امور یعنی اول تجربہ گاہوں کا بننا اور دوسرے سائنٹفک معلومات سے فائدہ اٹھانے کے مواقع کا وجود میں آنا ایسے امور ہیں کہ یہ زراعت کی از سر نو تنظیم کریں گے۔ اور ایک جدید طریق زراعت کے موجد ہوں گے۔

کاشت وسیع کو ترک کر کے کاشت عمیق کا شروع کرنا جہاں زمین سستی ہو اور مزدوروں کی اجرت زیادہ ہو، اس قسم کی کاشت جس کا کچھ فائدہ نہ ہو اور جو وسیع طریقے پر کی جائے قدرتی امر ہے اور اس کے برخلاف وعظ و تلقین کرنا لا حاصل ہے۔ کاشت وسیع گوزین کیلئے باعثِ نہال ہوتی ہے۔ تاہم ضروری نہیں کہ وہ محنت کیلئے بھی باعثِ نقصان ہو بلکہ وہ اکثر ضائع ہونے کی بجائے کفایت کا باعث ہوتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جو چیز سستی ہو۔ ہم اس کو بے درین ضائع کرتے ہیں اور جو چیز ہنگی ہو۔ اس کو سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں اور احتیاط سے فخر کرتے ہیں۔ جو جو دور اس سے پیشتر ہمارے ملک میں گزرے اور جن سے ہم اوپر بحث کر چکے ہیں ان میں سہارے ملک کی حالت کا یہ تقاضا تھا کہ زمین بے دریغی سے ضائع کی جائے اور محنت و مشقت کفایت سے صرف کی جائے۔ محنت و مشقت کا یہ کفایت شعارانہ استعمال زراعتی مشینری کی اس ترقی سے ظاہر ہے جو اس دور میں ہوئی اور جس کی نظیر اس پہلے نہیں ملتی۔ لیکن قاعدہ ہے کہ جوں جوں زمین مزدوروں کے مقابلے میں ہنگی ہوتی جائے جو کہ ایک امر لادبی ہے۔ تو لازمی طور پر عمیق طریق کاشت کی طرف لوگوں کا رجحان و میلان زیادہ ہوگا۔ یعنی ایک ایسے طریق زراعت کی طرف جس کے ذریعے فی ایکڑ پیداوار زیادہ ہو جائے۔

عاشیاتی قوانین کے ماتحت یہ ایک ایسا ہی ناگزیر امر ہے۔ جیسا کہ پانی کا ڈھلوان کی طرف بہنا۔ اراضی عامہ کے بڑے بڑے قطعات اب تک بڑے خالی پڑے ہیں۔ اور ان میں زیادہ تر غالباً ہمیشہ خالی ہی رہیں گے۔ تاہم اس میں سے بہت ساری قید ایسا ہے کہ جس کی اصلاح آبپاشی سے کی جاسکتی ہے۔ ہماری زراعتی تاریخ کے گزشتہ ادوار میں آبپاشی کے بعض

Intensive farming & extensive farming

طریقے رائج تھے۔ لیکن جس دور کا ہم اس وقت مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہ اس کی خصوصیت ہے کہ عوام کی توجہ آبپاشی کے مسئلہ کی طرف ہوتی ہے۔ اور اس مسئلہ کو بڑے پیمانے پر حل کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کہتا ہے جانہ ہو گا کہ یہ اسی دور میں ہوا ہے کہ امریکہ کے عام باشندوں نے اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ کیا ہے۔ مغرب میں ایک ایسی مملکت بننا یقینی ہے جس کے چپے چپے میں آبپاشی ہوگی۔ اس مملکت کی تعمیر کے لئے ایسے سیاست دانوں کی ضرورت ہوگی جو بالغ نظر اور صاحب ہمت ہوں۔ گندے پانی کے نکاس کے مسئلہ کی طرف بھی توجہ عامہ انہی دنوں میں ہوتی ہے۔ نتیجہ کیا گیا ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں ایسے دلدلی علاقے ہیں جو خشک ہو کر زراعت کرنے کے قابل ہیں۔ اور جو ۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰ کی آبادی کیلئے قوت لایموت ہٹا کر سکتے ہیں۔ اس حساب سے کہ پانچ پانچ آدمیوں کے خاندان کیلئے چالیس چالیس ایکڑ زمین مقرر کی جائے۔

مولیشیوں کی نسل بڑھانا خشک خطے کی حدود کے اندر اور اس کی سرحدوں تک مزرعہ علاقہ کا پھیل جانا اور اس خطے کے اندر آبپاشی کے انتظامات کا ہو جانا۔ یہ ایسے واقعات ہیں کہ مولیشیوں کے کاروبار کو از سر نو تنظیم کرنے پر مجبور کر رہے ہیں مولیشی پالنے کے کاروبار کو بڑی حد تک زوال آ گیا ہے۔ لیکن اس کی تلافی بھیڑیں پالنے کے کاروبار کی ترقی نے کر دی ہے۔ مغرب کی بعض خشک چراگاں بہ نسبت مولیشیوں کے بھیڑوں کی پرورش کیلئے زیادہ موافق ہیں۔ اسلئے انتخاب فطری کے قانون کے ماتحت میدانی علاقے کے بعض حصوں میں گائیں جن کو دہاں کی آب و ہوا کم راس ہے آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہیں اور ان کی جگہ بھیڑیں پھیل پھول رہی ہیں۔ اس لئے گمان غالب ہے۔ کہ میدانی علاقے کے مولیشی تعداد میں گھٹ جائیں گے اور اس حصہ ملک کو دس اور کے گوشت کا محتاج ہونا پڑے گا یا اپنے مزرعوں میں بھیڑیں پال کر ان کا گوشت کھانا پڑے گا۔ تاہم یہ قرین قیاس نہیں کہ مولیشیوں کے پالنے کا کاروبار معدوم ہو جائے۔ گو یہ یقینی ہے۔ کہ اب اس کو وہ اہمیت کنبھی حاصل ہوگی جو شائد سے لے کر شائد تک اسے حاصل رہ چکی ہے۔

ایلیچیا (Appalachia) کی سطح مرتفع میں مویشیوں کے ازبیر نو پیدا ہونیکا امکان ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو تو اس سے ذرا کم پیمانے پر ہوگا۔ جتنا کہ مغربی میدانوں میں ہوا۔ اس خطے میں جوین (Maine) سے لیکر جارجیا (Georgia) تک پھیلا ہوا ہے بعض بعض زمینیں ایسی نامہوار حالت میں ہیں۔ کہ دریا سے بس سس پی کی وادی کی ہوار اور زرخیز زمینوں سے فصل اگانے میں متقابلہ کر سکیں۔ تاہم اس پہاڑی علاقے میں لے کر بجے کی چراگاہیں ہیں اور پانی کی بھی کوئی قلت نہیں۔

میدانی علاقے کا زوال ممکن ہے۔ اس ملک میں مویشیوں کی تعداد پیدائش میں کمی کر دے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ایسا ہو۔ ہاں اگر گائے کے گوشت کی قیمت نہ بڑھی اور کچھلی صدی کی اوسط قیمت سے زیادہ نہ رہی۔ تو ضرور ایسا ہوگا۔ اس غرض کیلئے کہ میدانی مویشیوں کی تعداد میں جو کمی ہو اس کی کسر نکل سکے۔ ضروری ہے کہ مزرعہ کے مویشیوں کی تعداد میں اس کے پہلو بہ پہلو اضافہ ہو۔ لیکن ایسا اضافہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ گائے کے گوشت کی قیمت اتنی زیادہ نہ ہو جائے۔ کہ مزرعہ کے مقابلے میں میدان کے مویشیوں کے پرورش کرنے کے جو اخراجات ہوتے ہیں اُن کی تلافی ہو سکے۔ چونچوں ہماری آبادی بڑھ چکی اور اس کے پہلو بہ پہلو گائے کے گوشت کی مانگ زیادہ ہوگی۔ تو مانگ سے رسد کی مقدار میں اضافہ اُس صورت میں ہوگا کہ مستقل طور پر زیادہ قیمتیں دی جائیں۔ تاہم یہ بعید نہیں کہ ہمارا ملک خاص کر ساحل بحر کے متصل شہر۔ آخر الامر گائے کے گوشت کیلئے غیر مالک کے زیادہ محتاج ہو جائینگے۔ کیونکہ غیر مالک میں زمین اب بھی زیادہ سستی ہے اور اس قدر کثرت سے ہے کہ اس کو چراگاہوں کی صورت میں استعمال کر عیث نہیں۔ گائے کا گوشت پیدا کرنے کیلئے فی مقدار غذائیت بہ نسبت تمام دوسری اشیاء کے زمین کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ گو میدان کے حالات کے ماتحت محنت و مشقت کی اس میں بہت کفایت ہوتی ہے۔ ہماری آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ خوراک کا مطالبہ جوں جوں بڑھتا جائیگا۔ یہ رجحان زیادہ عام ہوتا جائیگا۔ کہ جہاں جہاں ممکن ہو۔ زمین کو اُن اجناس کی فصل پیدا کرنے کیلئے صرف کیا جائے۔ جو کسی خاص مقدار کے لئے

کم سے کم رقبہ زمین چاہتے ہوں۔ نیز یہ میدان بھی زیادہ ہوتا جائے گا کہ غیر مالک سے گائے کا گوشت اور اس قسم کی دیگر اشیائے خوردنی حاصل کی جائیں جہاں زمین بکثرت ہے اور محنت و مشقت کی اجرت کم ہے۔ یہ امر کہ مولشیوں کے چرانے کے رقبہ کے ڈانڈے ہمیشہ مزدور زمین کی سرحدوں سے رہتے ہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی فرضی حدود سے متجاوز بھی ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں حدود قومی کہا جاتا ہے :

گیہوں کے علاقے کا انتقال گہیوں کے مقابلے میں بھی ایک اس قسم کی تحریک برروئے کار ہے۔ گہیوں گائے کے گوشت کی طرح ایک سرحدی پیداوار ہے۔ یعنی مزدور علاقے کے باہر کی حدوں کے قریب قریب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ ایک ایسی جنس ہے۔ جو ان علاقوں میں جو منڈیوں سے بہت فاصلے پر واقع ہوں اور جہاں زمین کی بہتات ہو پیدا ہو سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ گہیوں گائے کے گوشت کی طرح نقل و حمل کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جن علاقوں میں محنت و مشقت کے مقابلے میں سستی زمینوں کی کثرت ہو وہاں یہ بکفایت پیدا ہو سکتا ہے۔ جب کبھی ہماری زراعتی تاریخ میں مزدوروں کی افراط اور زمین کی اُن کے مقابلے میں قلت ہوئی ہے۔ تو ہمیشہ یہ رجحان عام ہو رہا ہے کہ گہیوں اور گائے کے گوشت کی پیداوار کم ہو گئی ہے اور ان کی بجائے وہ اشیاء جو کم زمین اور زیادہ محنت سے بکفایت پیدا ہو سکتی ہوں۔ زیادہ مقدار میں پیدا کی جانے لگی ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے ملک میں گہیوں گائے کے گوشت کی طرح سرحدوں سے ملے ہوئے علاقوں میں زیادہ پیدا ہوتا رہا ہے۔ اور اگر ہمارے گہیوں کی پیداوار کا مرکز ہماری حدود قومی سے باہر نکل کر نزدیکی علاقوں کی پھیلتی ہوئی سرحدوں کے برابر چلا جائے۔ یعنی ہمارا ملک یا اُس کے خاص علاقے گہیوں کے مرکز نہ رہیں۔ تو ہمیں تعجب یا اندیشہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ زراعت میں باعث نفع نہ ہوگا۔ بلکہ ترقی کے راستے پر ایک قدم آگے ہوگا۔

بہر حال یہ قرین قیاس نہیں کہ ہمارے ملک میں گہیوں یا گائے کے گوشت کی جو مجموعی مقدار پیدا ہوتی ہے وہ کم ہو جائے۔ گو یہ امر مشتبہ ہے۔ کہ اس کی مقدار ہماری

آبادی کی ترقی کے ہمہ دوش رہ سکیگی۔ یعنی جتنی آبادی بڑھے اتنی ہی گیہوں اور گائے کے گوشت کی مقدار بڑھے۔ یہ ناممکن ہے۔ باری باری اجناس کے اگانے کا جو طریقہ کبھی رائج رہ چکا ہے۔ اُس کے مطابق یہ باسانی ہا جا سکتا ہے۔ کہ کبھی گیہوں اگایا جائے اور کبھی باری باری دوسری اجناس جن کی فصل اس سے زیادہ کمزور ہوتی ہے مثلاً انگلستان کے بعض حصوں میں راقم الحروف کو کاشتکاروں نے بتایا ہے کہ گیہوں کے اگانے کی اُنہی بساطہ تھی اگر وہ یہ نہ کرتے کہ دوسری چیزیں بھی باری باری اگاتے اور دوسرے اکران کو اپنے مویشیوں کے نیچے بچھانے کیلئے نگھاس پھوس کی ضرورت نہ ہوتی۔ اگر یہ اس بات کی کافی توجہ دیتے کہ انگلستان جیسے قدیم اور گنجان آبادی والے ملک میں بھی بڑی مدت تک گیہوں کی کاشت کسی توہم یا یقین پر مشکی گئی کر سکتے ہیں۔ کہ ہمارے ملک میں بھی بڑی مدت تک گیہوں کی کاشت کسی نہ کسی حد تک ضرور ہوتی رہے گی۔ اسی طرح گائے کا گوشت بھی پیدا کیا جائیگا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ دو وہ مکھن کی حرفت کا یہ ایک لازمہ ہے۔ دوسرے اس غرض کیلئے کہ وہ زمین اور چراگاہیں جو پہل چلانے کیلئے موزوں نہیں ہیں۔ بیکار نہ جائیں۔ تیسرے اسلئے کہ ایسی سیر حاصل چیزیں جیسا کہ الفالفا (ھھھھھھھھ) زیادہ مقدار میں بونکی جانے لگیں گی۔ اور چوتھے اس وجہ سے کہ باری باری اجناس اگانے کے طریقے کے مطابق مزدور زمین کو کچھ عرصے کے لئے بے کاشت رہنے دینا ضروری ہے۔ اور اس صورت میں اس کا استعمال بطور ایک چراگاہ کے ہو سکتا ہے۔ اون اور بھیڑ کے گوشت پر بھی یہی اصول منطبق ہوتے ہیں۔ اور اُن کے متعلق بھی یہی پیشنگوئی کی جا سکتی ہے۔

جب گیہوں لگائے کے گوشت۔ اون۔ بھیڑ کا گوشت اور قسم کی اور وسیع کاشت کی اجناس کی اہمیت کم ہو جائیگی۔ تو اس کے پہلو پہ پہلو ہماری اُن دو اجناس کی اہمیت میں ترقی ہوگی۔ جو کاشت عمیق کیلئے زیادہ موزوں و مناسب ہیں۔ یعنی مکئی اور کپاس اس سے بھی زیادہ ترقی کی امید پھلوں اور ترکاریوں کے بارے میں ہے۔ کیونکہ وہ اور بھی زیادہ عمیق کاشت کے متقاضی ہیں۔

اسامی داری کا آغاز قبضہ زمین کا مخصوص امریکی دستور ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔

قدیم کپاس اُگانے والی ریاستوں کے سوا اور تمام علاقوں میں جتنے آدمی کاشت کا کام کرتے ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تر خود اپنی زمینوں کے مالک تھے۔ یہ دوا سباب کا قدرتی نتیجہ تھا یعنی زمین کا سستا ہونا اور مزدوروں کا ہٹسکے داموں پر میسر آنا۔ جب تک حکومت کی طرف سے زمین مل سکتی تھی۔ تو ہر شخص مزدور کے مزدور کی حیثیت سے ترقی کر کے مزرعہ کا مالک بن سکتا تھا۔ ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ وہ مغرب کی طرف چلا جائے اور اپنا حق خبا کر حکومت سے مطالبہ کرے۔ پرانی ریاستوں میں بھی جہاں کے حکومت کی طرف سے زمینیں نہ مل سکتی تھیں۔ ایک مزرعہ کے مزدور کیلئے مزرعہ کا مالک بن جانا کوئی امر محال نہ تھا۔ پرانی دنیا میں جو اجرتیں مقرر تھیں۔ اُن کے مقابلے میں اس کی اجرت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اپنی آمدنی میں سے با سانی کچھ پس انداز کر سکتا تھا۔ زمین کا لگان بھی کم تھا اور قیمت بھی کم۔ اس لئے جس شخص نے چند سوڈا الپس انداز کر لئے ہوں۔ اُس کیلئے یہ آسان بات تھی کہ مستقل طور پر کاشتکار بن جائے۔ پہلے تو زمین لگان پر لے لے اور بعدہ خرید کر لے۔ تاہم ایک تبدیلی کے آثار ان دنوں ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور مزرعہ کے مالکوں کے مقابلے میں اُن لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ جو زمین پر لگان لیتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی نتیجہ ہے زمین کی قیمتوں کے بڑھ جانے کا۔ قیمتیں زمین کی یوں بڑھیں کہ ادھر تو اراضی عامہ ختم ہو گئی۔ اور ادھر آبادی کی ریل پیل ہو گئی۔ جو زمین کا نرخ بڑھتا جائیگا تو اُس شخص کیلئے جس کے پاس پہلے ہی کچھ اصل موجود نہ ہو زمیندار بننا اور زیادہ مشکل ہونا جائے گا۔ یہ ایک ایسی صورت حالات ہے۔ جو خطرے سے بھرپور ہے۔ اس طرح ممکن ہے۔ کہ ہماری دیہاتی آبادی دو فریق میں منقسم ہو جائے۔ یعنی اول فریق زمیندار۔ دوسرے وہ جن کے پاس کوئی زمین نہ ہو۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے۔ کہ جب کبھی ایسی تفریق ہوئی ہے۔ مناقشت و مصاحمت ضرور پیدا ہوئی ہے بعد نہیں کہ اگر ہجرت کی لہر پھر اٹھی اور اس نے بجائے شہروں کے دیہات کا رُخ کیا تو وہ اس خرابی کو اور بھی زیادہ کر دے۔ وہ یوں کہ دیہات میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائیگی۔ جو زمین سے محروم ہوگی۔ مزدوروں کی تعداد میں جو اضافہ ہوگا۔ تو اُجرت کم ہو جائیگی۔ اور اسلئے جس شخص کے پاس زمین نہ ہوگی۔ اُس کیلئے زمین کا مالک بننا اور

بھی مشکل ہو جائے گا :

زراعتی تعلیم جس زمانے میں تجربہ کار ہیں تعمیر ہو رہی تھیں اور زراعتی تجربات کی سرگرمی تھی۔ ان دنوں میں زراعتی تعلیم کی قدر شناسی بھی پہلے سے زیادہ کی گئی۔ کسی طریقہ کا مقولہ ہے کہ ”زراعت ان دنوں ایک بیٹھ کر نہ کر رہ گئی ہے۔ یہ ایک مہیا لگنے ہے۔ لیکن یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں کہ زراعت ایک علمی پیشہ بنتی جا رہی ہے۔ جو شخص سائنٹفک طریقے پر کاشت کرنا چاہے۔ اُس کیلئے ضروری ہے کہ اس کی تعلیم اتنی ہی وسیع اور جامع ہو۔ جتنی کہ انجینئر اور ڈاکٹر کی ہوتی ہے۔ اور غالباً قانون دان اور واعظ سے تو کہیں زیادہ اس کی تعلیم باقاعدہ ہونی چاہیئے۔ علاوہ بریں جب سے مشینوں کا استعمال عام ہو گیا ہے۔ کاشتکار اور اس کے خاندان والے اُس محنت شاقہ سے اور ریاضت شدیدہ بہت حد تک آزاد ہو گئے ہیں۔ جو انہیں ابھی کل کی بات ہے کرنی پڑتی تھی۔ شیرخانہ کے مصنوعات جس وقت سے بھائے مزرعہ کے بالائی اور پنیہ کے کارخانوں میں بننے لگی ہیں۔ اس وقت سے کاشتکار کے امور خانگی میں ایک انقلاب ہو گیا ہے۔ اس کا گھر بار کا کام کاج اب اتنا آسان اور تھوڑا ہو گیا ہے۔ کہ سوائے اس بات کے کہ وہ سوسائٹی سے بالکل علیحدہ رہتا ہے۔ اور کوئی بات اُسے اس امر کیلئے روک نہیں۔ کہ شہر کے کاروباری اور ملازمت پیشہ لوگوں کی سی ہڈیاں اور شائستہ زندگی بسر کرے۔ جدید زمانے میں کاشتکار کی زندگی کی تنہائی اور علیحدگی کا علاج بہت سے اسباب کے ذریعے سے ہو رہا ہے۔ جن میں سب سے بڑا سبب یہ ہے۔ دیہات میں ٹیلیفون کا بن جانا۔ ڈاک کا دیہات میں بلا وقت پہنچ جانا۔ سڑکوں کی مرمت۔ اور بعض خوشحال کاشتکاروں کے پاس موٹروں کا ہونا۔ یہ چیزیں بھی دیہات میں اجتماعی زندگی کا معیار بلند کر رہی ہیں۔ ”لوہا ہے کو چمکاتا ہے“۔ اس طرح آدمی اپنے ساتھی کی شکل و صورت کو چمکاتا ہے۔ یہ اگلے وقتوں کے کسی دانشمند کا قول ہے۔ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ انسانوں کا باہمی میل جول ان کے فوائے دماغی کیلئے ایک محرک ہوتا ہے۔ جب کاشتکار کی زندگی کی علیدگی اور تنہائی کا علاج ہو گیا۔ اور دیہات میں اجتماعی تعلقات اور رسم و رواج کے موافق شہر کے برابر پیدا ہو گئے تو ہم بجا طور پر امید کر سکیں گے کہ دیہات میں تہذیب و شائستگی کا ایک نیا دور آغاز

ہونے والا ہے۔ جس دن یہ ہو گیا۔ زمینداروں کی جماعت کی روزا فروں دولت اس ظاہری تکلف و نمائش میں متاثر ہونے سے بچ جائیگی۔ جو شہروں میں عام ہے۔ اگر یہ عمل اصول کفایت کے منافی ہے۔ کہ اچھی مٹی اور اچھی گھاس گھٹیا میل کے مویشیوں کو کھلائی جائے۔ تو یہ امر اس سے بھی زیادہ خلاف کفایت ہے۔ کہ اچھی روٹی ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کو کھلائی جائے۔ یعنی ایسے آدمیوں کو جو تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ اور اپنی خواہشات حیوانی کی تسکین سے بالآخر ان کا کوئی مقصد نہیں ہو۔



تیسرا باب

زراعتی پیداوار کے عاملین

اندرین زراعتی پیداوار کے ایک عامل کی حیثیت سے

زراعت کا دار و مدار رقبہ زمین پر کس حد تک ہے؟ زراعت کے متعلق ایک نہایت اہم امر جو اسے دوسری تمام صنعتوں اور حرفتوں سے ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ اس کا دار و مدار بڑی حد تک زمین پر ہے۔ زمین سے ہماری مراد مٹی کی کیمیائی زرخیزی نہیں بلکہ اس سے ہماری مراد زمین کی سطح کی کیفیت بھی ہے۔ نیز اس کی ملکیت یعنی یہ کہ آیا پودوں کیلئے اتنی وسعت ہے۔ کہ وہ اپنی جڑیں بھیل کر رطوبت حاصل کر سکیں۔ اور اپنے پتوں کو دھوپ اور ہوا تک پہنچا سکیں۔ زراعت کیلئے سطح زمین کی جو کیفیت درکار ہوتی ہے۔ اس میں وہ تمام دوسری صنعتوں اور حرفتوں سے ممتاز ہے۔ یعنی وہ اپنی پیداوار کی مقدار کے تناسب سے دوسری حرفتوں کے مقابلے میں زیادہ سطح زمین کی خواہشمند ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ ایکلی صنعت ہے۔ جس میں خالی سطح ہی اکثر پیداوار کا ایک نہایت زبردست مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ اور جس میں ہر قوم یہ محسوس کرتی ہے۔ کہ اس کی حدود و ملک کے اندر اس کیلئے کافی جگہ نہیں۔ صنعت و حرفت کے اور کسی شعبے میں ایسا نہیں ہوتا۔ اگرچہ مٹی کو مصنوعی طریقے سے تیار کیا جاسکتا ہے۔ اور بنجر زمین کو سیر حاصل دیا جاسکتا ہے۔ لیکن سطح زمین کی وسعت نہیں بڑھائی جاسکتی۔ صرف اتنا کیا جاسکتا ہے کہ پانی کے کنائے زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعات پانی خشک کر کے بڑھا دیئے جائیں۔ کوئی صنعت و حرفت یا تجارت کا کاروبار ہو تو اس کیلئے صرف اتنی جگہ کی ضرورت

ہوتی ہے۔ کہ آدمیوں اور کھلونوں کے کھڑا ہونے کیلئے اور اس کے ساراں آلات کا ذخیرہ رکھنے کیلئے کافی ہو سکے۔ مزید بریں ایسے کاروبار میں سطح زمین کی بچت یوں بھی ہو سکتی ہے۔ کہ عمارتیں اوپر ہی اوپر دوڑ تک چلی جائیں اور نیچے زیادہ نہ پھیلیں۔ اور اس طرح جتنے رقبے میں عمارت کھڑی ہو۔ اُسی کو منزل در منزل بڑھا یا جائے۔ کھیتی باڑی کے کام میں ان باتوں کی بھی ضرورت ہے۔ یعنی یہ کہ آدمیوں اور مشینوں کے لئے جگہ ہو۔ لیکن سب سے بڑی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ پودوں کے اُگنے اور پھلنے پھولنے کے لئے کافی جگہ ہو اور اس مقصد کے لئے اگر ہم منزل کے اوپر منزل بناتے جائیں تو بالکل بیکار ہے۔ زمین کی کفایت اس میں ہو ہی نہیں سکتی۔ کان کیلئے بھی صرف اتنی سطح زمین درکار ہوتی ہے کہ نیچے جو معدنی خزانہ محفوظ ہے اُس تک پہنچنے کیلئے رستہ بن سکے۔ اور کان کی معدنیات کی قیمت ان کی گہرائی اور اُن کے جوہر ذاتی پر منحصر ہوتی ہے۔ نہ کہ باہر کے رقبے پر۔ لیکن زراعت کا معاملہ جدا ہے۔ کسی رقبہ زمین کی مٹی چاہے کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو۔ اور نباتاتی غذا کا ذخیرہ جو اس زمین میں محفوظ ہے۔ وہ چاہے کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ تاہم جو اجناس اس رقبہ زمین میں اُگ سکتی ہیں۔ اُن کی تعداد محدود ہے۔ اس بنا پر اس رقبے کی پیداوار کی مقدار یکسر اُسکی نباتاتی غذا کی گہرائی اور عمڈگی پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ رقبہ کی وسعت پر بھی منحصر ہے۔ یعنی اس کا دار و مدار جہاں اس بات پر ہے کہ اس میں پودوں کیلئے کیمیائی غذا کیسی ہے۔ اور کس مقدار میں ہے۔ وہاں اس بات پر بھی ہے۔ کہ اس کی وسعت کتنی فصل کے اُگنے کیلئے کافی ہے۔ ایک زمین جو نہایت گہری ہو اور بے حد زرخیز ہو۔ وہ فی ایکڑ ایک محدود مقدار گیہوں کی فصل کی پیدا کر سکے گی۔ مثلاً سو بُٹل۔ لیکن ایک محدود رقبہ زمین جو بیکار اور زعفران ہو۔ اس میں فی ایکڑ دو ہفتات کی اتنی مقدار نکلے گی۔ جس کا کوئی حد و حساب نہیں۔ اور جس کو محدود کرنے والی اور کوئی چیز نہ ہوگی۔ سوائے اس بات کے کہ کتنی مشینوں اور آدمیوں کے کام کرنے کیلئے جگہ موجود ہے۔ زمین کی زراعت میں چاہے کتنی ہی جہارت سے کام کیوں نہ لینا جائے تاہم اس بات کیلئے کہ کسی جدید قوم کی روٹی کیلئے کافی گیہوں تیار ہونے کے بہت وسیع رقبہ زمین کی ضرورت ہوگی۔ زراعت کی اور اجناس پر بھی یہی قول صادق آتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ ہزار عتی قوم کیلئے رقبہ زمین کا سوال اس قدر پر معنی اور اہم سوال ہے تو

قانون تقلیل حاصل (The law of diminishing returns) اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک ایکڑ زمین سے سو ٹنل گیہوں پیدا کیا جاتا ممکن ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسا کرنے کی کوشش کفایت شعاری اور اصول معاشیات پر مبنی ہوگی۔ یہ بات ہرگز کفایت پر مبنی نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ زمین کے تیار کرنے، بیج کے انتخاب کرنے اور پودوں کو غذا دینے میں اس قدر محنت و مشقت خرچ ہوگی کہ یقیناً وقت اور طاقت کا بہت نقصان ہوگا۔ اور نقصان اس قدر زیادہ ہوگا کہ زمین کی جو بچت ہوگی، اُسکی ساری کسر اُدھر نکل جائیگی۔ ایک ایکڑ کی بجائے دو ایکڑ زمین میں سو ٹنل گیہوں پیدا کرنے کیلئے بہت کم محنت و کار ہوگی۔ اور دو کی بجائے تین ایکڑ زمین میں اس سے بھی کم اور تین کی بجائے چار میں غالباً اور بھی کم۔ جب یہ حال ہوگا تو ہر کاشتکار اسی بات میں فائدہ دیکھیں گا کہ کاشت زیادہ رقبہ زمین میں کرے۔ بجائے اس کے کہ ایک ہی ایکڑ میں جس قدر پیداوار ممکن ہے کرے۔ جب ہر کاشتکار فرداً فرداً اس طریق کار میں فائدہ دیکھیں گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ زراعتی قوم میں حیث المجموع جوں جوں آبادی میں ترقی کرتی جائیگی۔ پہلے سے زیادہ رقبے پر پھیلتی جائیگی۔ جب تک کہ زمین ختم نہ ہو جائے۔ یہ صرف ضرورت کی مجبوری سے یا زمین کی قلت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ کوئی زراعتی چاعت زمین کے باغے میں کفایت شعاری سے کام لینے لگتی ہے اور وہ یوں کہ وہ اس میں کاشت عمیق کرتی ہے۔ یعنی ہر ایکڑ پر زیادہ محنت صرف کرتی ہے تاکہ اس میں زیادہ پیداوار ہو۔ جب یہ مجبوری ہو جائے تو کسی قوم کیلئے یہ بات بڑی مشکل ہو جاتی ہے کہ اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کو دوسرے ملکوں میں جہاں زمین کافی موجود ہو، ترک وطن کر کے چلے جانے سے روکے۔ زراعت اور شہری صنعتوں و حرفتوں کے درمیان جو فرق زمین کے بارے میں ہے۔ اس کا اندازہ اس کے ہو سکتا ہے کہ ۱۰۰۰۰۰ ٹنل گیہوں پیدا کرنے کیلئے ۲۰۰۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰۰۰ ایکڑ زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کو آٹے کی صورت میں تبدیل کرنے کے لئے صرف ایک ایکڑ کافی ہے۔ اور روٹی کی صورت میں تبدیل کرنے کیلئے قطوڑے سے ایکڑ بہت ہیں۔ کسی شہری صنعت کیلئے زمین تو بیشک ضروری ہوتی ہے۔ لیکن اس قدر

کم کہ ہم اسے ایک ادنیٰ سمجھ کر نظر انداز کر سکتے ہیں۔ ایک شہری کاروبار میں اصل ضرورت
 اس بات کی ہوتی ہے۔ کہ منڈیوں اور بازاروں تک رسائی ہو سکے۔ اور عوام سے میل جول
 رکھنے کے مواقع ملتے رہیں۔ خالی سطح زمین کی ضرورت اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے
 کہ شہر میں بعض بعض محل وقوع کی قیمت اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ کہ سُن کر تعجب ہوتا ہے تو
 زراعتی حکمت عملی کا مقابلہ صنعتی اور تجارتی حکمت عملی سے، زراعت
 اور شہری صنعتوں میں یہ جو خاص فرق ہے یہی قومی حکمت عملی کا بڑے بڑے اقتصادیات اور اتھنارات
 کی بنا ہے۔ قومی حکمت عملی ایک طرف تجارت اور حرفت کے حق میں ہو سکتی ہے۔ اور دوسری
 طرف زراعت کے حق میں۔ جب تک کسی ملک کی تمام سر زمین پر کارخانے۔ مال گودام اور عمارتیں
 نہ بن جائیں۔ اس وقت تک مصنوعات کی اس مقدار کی جو ایک ملک پیدا کر سکتا ہے۔ کوئی
 جغرافیائی حدود قائم نہیں کی جاسکتیں۔ اگر کسی ملک میں مواد خام موجود ہو تو اس بات میں مطلق
 شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ جس جس چیز کی اس ملک کو ضرورت ہے وہ خود بنا سکتا
 ہے۔ چاہے اسکی آبادی کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اگر ایک شخص کیلئے مصنوعات پیدا کرنے
 ہوں۔ تو وہی شخص ان مصنوعات کے تیار کرنے میں خود ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کو
 مواد خام ہاتھ لگ جائے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کو ملک میں کام کرنے کیلئے جگہ نہ
 ملے۔ اسی طرح کہنے کو تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ ایک شخص کیلئے کھانے کا گوشت اور روٹی
 بنانا کرنی مقصود ہو تو وہی شخص مویشی اور گِہ ہوں پیدا کرنے کے کام میں ہاتھ بٹا سکتا ہے۔
 لیکن بات یہ ہے۔ کہ اس کام کیلئے جگہ کی سطح کی وسیع رقبہ کی ضرورت ہے۔ اگر ملک کی
 آبادی بہت زیادہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ اتنی جگہ اس شخص کو نہ مل سکے۔ کہ وہ مویشی اور
 گِہ ہوں پیدا کرنے کا کام کرے۔ خام پیداوار کے سوال کو تو بالائے طاق رکھئے۔ پھر دیکھئے
 کہ زیادہ سے زیادہ آبادی جو نقصان میں آسکتی ہے۔ وہ اپنے لئے تو آپ کپڑا تیار کر سکتی ہے
 لیکن کافی اُون اور کپاس کا پیدا کرنا ایک محدود اور مختصر آبادی ہی کی صورت میں ممکن ہے
 اس کی وجہ اس کے مواد کچھ نہیں۔ کہ صنعت و حرفت کیلئے زمین زیادہ درکار نہیں ہوتی۔
 اور زراعت کیلئے بہت زمین درکار ہوتی ہے۔ صنعت و حرفت کو زیادہ ضرورت کام کرنے

والوں کی ہوتی ہے۔ اور زراعت کو زیادہ ضرورت رقبہ زمین کی ہوتی ہے۔
 صنعت و حرفت کا دار و مدار بازاروں پر کس حد تک ہے؟ بشہری صنعت
 حرفت میں اشیاء کی جو غیر محدود و غیر معین مقدار پیدا کرنے کا امکان ہوتا ہے۔ اس نے تجارت
 اور صنعت کے موافق حکمت عملی کو جدید زمانے کے ارباب حکومت کیلئے بہت مرغوب بنا دیا
 ہے۔ اگر مواد خام دستیاب ہو سکے۔ اور اگر غیر ملک میں ایسے بازار مل جائیں۔ جہاں مصنوعات
 کو بازار میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ تو زیادہ سے زیادہ آبادی جو تصویر میں آسکتی ہے۔
 اس کیلئے بھی صنعت و حرفت کے ذریعے روزی پیمائی کی جاسکتی ہے۔ اور جو دولت پیدا کی
 جاسکتی ہے۔ اس کا کوئی حد و حساب ہی نہیں۔ ایک قوم صرف اپنے استعمال ہی کیلئے
 مصنوعات تیار نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ مقدار میں جسکی کوئی حد مقرر نہیں کی
 جاسکتی۔ شرط یہ ہے کہ وہ مواد عام خریدنے کی استطاعت رکھتی ہو۔ اور اپنے تیار شدہ
 مصنوعات کو بیچ سکتی ہو۔ بالفاظ دیگر بیروں کیلئے کہ کسی صنعتی ملک کی آبادی اور دولت کی کوئی
 حد دو جو معین کی جاسکتی ہیں۔ وہ اس لحاظ سے کی جاسکتی ہیں۔ کہ اس کو مواد عام کی رسد
 کہاں تک دستیاب ہو سکتی ہے اور اس کے مصنوعات کیلئے باہر کی منڈیاں کہاں تک میسر
 آسکتی ہیں۔ اسلئے جب کوئی ملک قابل زراعت زمین کی ذرہ برابر قلت محسوس کرنے
 لگے۔ جب وہ یہ دیکھے کہ اسکی آبادی اور دولت اس حد کے قریب پہنچ گئی۔ جس کے آگے
 نکلنا محال ہے۔ تو قدرتی طور پر اس کی توجہ زراعت سے ہٹ کر صنعت و حرفت کی طرف مبذول
 ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس کو بازارات تک جائیں۔ بازاروں کی ضرورت دو اعتبار سے ہے۔
 اول اسلئے کہ وہاں سے مواد خام دستیاب ہو سکے۔ دوسرے اسلئے کہ تیار شدہ مصنوعات
 وہاں فروخت ہو سکیں۔ ورنہ اس ملک میں ویسی مواد خام پیدا کرنے کی جہاں تک صلاحیت
 ہے۔ اس صلاحیت کی حدود کے اندر اس کی ترقی مقید ہو کر رہ جائیگی۔ تجارتی رقبہ کی یہ سوت
 پانچل ایسی ہے۔ جیسے زراعت کیلئے نئی زمین حاصل کی جائے۔ یہ اس اعتبار سے کہ اس سے
 آبادی غیر قلت زمین کو محسوس کئے پھیل سکتی ہے۔ بازاروں کی تعداد میں اس طرح ترقی ہو
 جائے تو ایک صنعتی آبادی غیر اپنی پیداوار میں کمی کئے یا بغیر اس بات کو محسوس کئے کسی مقررہ

مقدار پیداوار کیلئے محنت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اپنی تعداد میں ترقی کر سکتی ہے۔ اس پر ایک بڑھتی ہوئی صنعتی و حرفتی آبادی کیلئے بازاروں کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ایک بڑھتی ہوئی زراعتی آبادی کیلئے زمین کا مسئلہ ہے۔

ایک خالص تجارتی اور صنعتی و حرفتی حکمت عملی اگر نوع انسانی کے ایک مختصر حصے میں کچھ وقت کیلئے رائج ہو تو نفع بخش ہو سکتی ہے۔ تاہم بالآخر نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر بہت سی قومیں یا نوع انسانی کا بڑا حصہ اس پر عمل کرے تو یقیناً نقصان عظیم کا باعث ہوتی ہے۔ اگر ایک قوم اپنی زمین اپنی کاٹوں۔ اپنے سمندر وغیرہ کی پیداوار کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے بلکہ اپنی اشیائے مصنوعی کو دوسرے ملکوں میں فروخت کر کے کسب معاش کرے تو چنداں مقام خطر نہیں۔ لیکن اگر تمام کی تمام قومیں یا متعدد قومیں اس طرح گزارہ کرنے لگیں۔ تو بالکل ویسی حالت ہو جائیگی۔ جیسی ایک خاص جزیرہ کے باشندوں کی حالت بیان کی جاتی ہے۔ سنا ہے کہ اس جزیرہ میں لوگ روزی اس طرح کماتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کے کپڑے دھو تے ہیں۔ دنیا کی مجموعی خوشحالی اساسی طور پر اس کی اولیٰ اور اخراجی صنعتوں پر منحصر ہے۔ اور ہمیشہ رہیگی ہے۔

اگر ہم معاشیات قومی کے مسئلہ سے صرف نظر کر کے معاشیات شہری کے بعض چھوٹے چھوٹے مسائل پر توجہ مبذول کریں تو یہیں معلوم ہو گا کہ ایک شہر کے تنگ اور محدود رقبہ میں زمین کا مسئلہ شہر کی پیداوار کی قابلیت بلکہ مصنوعات تیار کرنے کی قابلیت پر بھی فیود عاید کر دیتا ہے۔ اگر آبادی مصنافات شہر میں نئے نئے رقبوں میں پھیل جائے۔ تو زمین کی قلت محسوس نہ ہوگی۔ لیکن جو شخص شہر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہیں۔ ان کو اپنے جلیسوں اور ہم صحبتوں میں عزت اور امتیاز حاصل کرنے کی خواہش بعض اوقات مجبور کر دیتی ہے کہ شہر کے اندر رہ کر کاروبار چلائیں اور دولت کمائیں۔ اور وہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ملک کی دولت بحیثیت مجموعی بڑھیں گی یا نہیں۔ ایسی حالت میں ان کو یہ محسوس کرنا پڑتا ہے کہ شہر کی حدود کے اندر زمین کی جو قلت ہے۔ وہ ان کی ترقی کیلئے سنگ راہ ہے۔ بہر حال قومی نقطہ نگاہ سے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ تفصیلی بحث کا مستحق ہو۔

زراعت جبکہ ایک مستقل بالذات کاروبار کی حیثیت سے ترقی کر کے تجارتی کاروبار کے
 طبقے کو پہنچتی ہے۔ یعنی اُس درجے سے کہ جس میں کاشتکار اور اس کے خاندان کی خورد و نوش
 کی تمام چیزیں کھیتوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ترقی کر کے اس درجے تک پہنچتی ہے۔ جس میں
 کھیتوں کی پیداوار میں سے بہت سی اشیاء بیچ دی جاتی ہیں۔ اور زیادہ اشیاء خوردنی
 خرید کر استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ جب زراعت یہ ترقی کر لیتی ہے۔ تو زراعتی پیداوار کے لئے
 بازاروں کا ہونا ایک ایسے مسئلہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس کی اہمیت روز افزوں
 ہوتی ہے۔ تاہم یہ مسئلہ وہ اہمیت کبھی حاصل نہیں کرتا۔ جو اسے صنعتی و حرفتی جماعتوں کے
 نزدیک حاصل ہے۔ نہ اس کو کبھی وہ حیثیت نصیب ہوتی ہے جو ایک بڑھتی ہوئی زراعتی
 آبادی کے نزدیک زمین کے مسئلہ کو حاصل ہوتی ہے۔

زراعت کا دار و مدار زمین پر کس حد تک ہے؟ زراعتی پیداوار کے لئے چاہا
 کتنے وسیع بازار ہوں۔ اور زراعت کا کام کرنے والوں کی تعداد چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ
 ہو۔ تاہم جو مقدار ایک رقبہ معلومہ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک حد مقرر ہے۔ جب مزرے
 ایک دوسرے سے متصل ہو جائیں۔ اور ملک بھر میں تمام کار آمد زمین زراعت کیلئے استعمال
 میں آچکی ہو تو ہر حصتی ہوئی آبادی کی خوراک جیسا کرنے کیلئے جس مجموعی پیداوار کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ اس کی مقدار کو بڑھانے کا ایک ہی ممکن طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ جو زمینیں سب سے
 اچھی ہوں۔ ان میں کاشت عمیق کی جائے باادنی زمینوں میں بھی کاشت شروع کی جائے
 ان دونوں باتوں کے معنی ہیں کسی کم پیداوار یا پیداوار کی ایک مقدار واحد پر زیادہ محنت
 اور اصل کا خرچ۔ اس لئے ان سے بچنے کیلئے لوگ ہمیشہ محنت اور استقلال سے نئی زمین
 حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جیسے کہ دستکار ہمیشہ سے بازار ڈھونڈتے رہتے
 ہیں۔ اگر ایک صنعتی و حرفتی جماعت کو کافی بازار میسر نہ آئے۔ تو اس صورت حالات کو زائد از
 طلب پیداوار کہتے ہیں۔ اور یہ حالت ایسی جماعت کیلئے بالکل ایسی ہے۔ جیسے قحطیا طلب
 کم پیداوار ایک خالص زراعتی قوم کیلئے۔ صنعت و حرفت کے کام پر چونکہ خشک یا مرطوب
 موسم بے وقت کی کہروں۔ یا آب و ہوا کی دوسری مخالف کیفیات کا کوئی اثر براہ راست نہیں

پڑتا۔ اس لئے ایک صنعتی و حرفتی جماعت کو یہ اندیشہ کبھی نہیں ہوتا۔ کہ اس کے مخصوص مصنوعات میں "طلب سے کم پیداوار" کی صورت رونما ہوگی۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ اگر اس کے مواد خام میں پیداوار طلب سے کم ہو۔ تو اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جیسی کہ امریکن خانہ جنگی کے ایام میں جو کپاس کا تحط پڑا اس میں انگریزی کارخانوں کے ساتھ گزری۔ لیکن یہ صورت بازاروں کے کم ہو جانے کی صورت ہے۔ کیونکہ بازار ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں اشیاء خریدی بھی جاتی ہیں۔ اور بیچی بھی جاتی ہیں۔ اس طرح ایک صنعتی و حرفتی جماعت پر نقصان کے خراب ہو جانے کا یا طلب سے کم پیداوار کی اور کسی صورت کا کہ جس سے اس کے گاہکوں کو نقصان ہو۔ اور وہ اس جماعت کی تیار کردہ مصنوعات کو خریدنے کے قابل نہ رہیں۔ مضر اثر پڑ سکتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ بھی بازاروں کے حالات سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی صورت سے بھی کیوں نہ ہو اگر طلب سے کم پیداوار سے ایک صنعتی و حرفتی جماعت کو نقصان پہنچے تو ہمیشہ یہ ہوگا کہ اس میں قصور بازاروں کی حالت کا ہوگا۔ نہ کہ خود اس جماعت کی قابلیت پیداوار کا۔ یعنی اس کو مواد خام کے خریدنے یا تیار شدہ مصنوعات کے بیچے میں مشکل پیش آئیگی۔ یہ نہیں ہوگا کہ اس کی چیزیں بنانے کی قابلیت میں کوئی کمی واقع ہو جائے۔ وہ تو بدستور قائم رہیگی۔ چیزیں بنانے کی قابلیت کے فقدان کو یا اپنی مصنوعات میں طلب سے کم پیداوار کو کبھی اندیشہ کا مقام نہیں خیال کیا جاتا۔ طلب سے زائد پیداوار یعنی تیار شدہ مصنوعات کیلئے بازاروں کا میسر نہ آنا دراصل بڑھتی ہوئی صنعتی و حرفتی آبادی کیلئے اندیشہ کا مقام ہے۔ اگر گھانا طلب سے زائد پیداوار ہوتی جائے۔ تو اس آبادی کو دو صورتوں میں سے ایک انتخاب کرنا پڑتی ہے۔ یا تو نئے بازار کہیں سے پیدا کرے۔ یا اپنی تعداد کو کسی طرح کم کرے۔ نئے بازار دانستہ اندازہ حکمت عملی سے عمدہ طریق اشتہار سے یا جنگ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جب کبھی پہلے وہ طریقہ ناکارہ ثابت ہوئے ہیں۔ تو بہت کم قومیں تاریخ میں ایسی ہوئی ہیں کہ اگر انہیں جنگ کے ذریعے نئے بازار ملے آئے کی امید تھی تو اس میں انہوں نے تامل کیا ہو۔ اگر نینوں میں سے کوئی طریقہ بھی کامیاب نہ ہو تو پھر چار و ناچار یہ کرنا پڑتا ہے کہ صنعتی

آبادی کو فاقوں سے یا ترک وطن کے ذریعے سے کم کیا جائے۔ یہ وہ حالات ہیں۔ جن میں تجارتی اور صنعتی اقوام کی تجارت حکمت عملی کا راز منظر ہے۔

ادھر تو زاید از طلب پیداوار کے یہ خطرے ہیں ادھر طلب سے کم تر پیداوار سے ایک بڑھتی ہوئی زراعتی آبادی کو نقصان کا بہت احتمال ہوتا ہے۔ اگر آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ زراعت کے فنون ترقی نہ کریں تو کسی ملک میں جس نسبت سے زراعتی آبادی بڑھتی جائیگی۔ اُسی نسبت سے فی کس پیداوار کم ہوتی جائیگی۔ بالآخر فی کس اتنی تھوڑی زمین رہ جائیگی۔ کہ ایک شخص کی مجموعی پیداوار گھٹ کر بالکل تھوڑی ہو جائیگی۔ خواہ وہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار کیوں نہ کرنے لگے۔ اگر زمین کی فکرت کی تلافی زراعتی ترقی سے نہ کی جائے۔ تو یہ بات ایک ایسی آبادی کیلئے یہ معنی رکھتی ہے کہ لگاتار طلب سے کم پیداوار ہوتی رہیگی۔ جس سے اُسے یا تو زیادہ زمین حاصل کرنے یا اپنی تعداد کو کم کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ مزید زمین حاصل کرنے کے لئے دانشمندانہ حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ جیسی کہ امریکہ کے جیٹی یا شندوں سے زمین خریدنے یا معاہدوں کے ذریعے حاصل کرنے میں دکھائی گئی یا اس بات کی ضرورت ہے کہ جنگ کے ذریعے بنا ملک فتح کیا جائے۔ کسی زراعتی آبادی کی تعداد میں کمی ہونے کے معنی ہیں۔ ترک وطن کر کے نئی سرزمینوں میں چلا جانا یا دیہات کو چھوڑ کر شہروں کا رخ کرنا وہاں جا کر صنعت و حرفت۔ کانوں کا کام یا تجارت شروع کرنا۔ اب ان کاموں کے لئے بھی زیادہ وسیع بازاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حاصل کلام ایک بڑھتی ہوئی زراعتی آبادی کو چار چیزوں میں سے ایک انتخاب کرنی پڑے گی۔ اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔

اول یہ کہ وہ علم زراعت کے نئے نئے امتحانات کے مطابق پیداوار کے طریقوں کی اصلاح کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ صلح صفائی سے ہو یا لڑائی بھڑائی سے بہر حال نئی زمین حاصل کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ اپنی آبادی کی تعداد کو کم کرے۔ یہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا کچھ حصہ یا ترک وطن کر کے نئے ملکوں میں چلا جائے۔ یا صنعتی حرفتی۔ معنیاتی اور تجارتی مرکزوں کا رخ کرے۔ چوتھا طریقہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنے معیار زندگی کو پست کر دے۔ کیونکہ جوں جوں آبادی کی تعداد بڑھتی اوسط دولت فی کس کم ہوتی جائیگی۔ یہ ہیں وہ حالات جن میں صرف

زراعتی قوموں کی حکمت عملی کا بیکہ زراعتی آبادیوں کی نقل و حرکت کا راز منضم ہے۔
 زمانہ سابقہ میں جنگ اور تسخیر ممالک کا طریقہ انتخاب کیا جاتا تھا۔ لیکن اس مسئلے کا
 یہ حل تہذیب کے تمام جذبات و امیال و اغراض و مقاصد کے منافی ہے۔ اسلئے جدید زمانے
 میں دوسرے طریقوں کی طرف زیادہ رجحان ہوتا جا رہا ہے۔ تمام جذبہ ممالک زراعتی
 پیداوار کے قاعدوں کی اصلاح کیلئے یا جو زمینیں ان کے حدود و جغرافی کے اندر ہیں ان کو
 بہتر بنانے کیلئے روپیہ صرف کر رہے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی ملک اتنی سرعت سے
 ترقی نہیں کر سکتا کہ اگر نئے از طلب پیداوار یا بازاروں کے پیش نظر آنے کا خطرہ پیدا ہو جائے
 تو اپنی زراعتی آبادی کو ترک وطن کر کے نئے سکون میں یا اپنے ملک کے شہروں میں جانے سے
 روک سکے۔

دیہاتی اور شہری انتقال سکونت کا باہمی فرق { معاشیات کی تاریخ میں
 ایک نمایاں امر یہ ہے کہ دیہاتی اور شہری ہجرت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ سروسٹ اس
 بات کو بالائے طاق رکھئے کہ ایک دیہاتی آبادی کس طرح شہری آبادی میں اور ایک شہری آبادی
 کس طرح دیہاتی آبادی میں تبدیل ہوتی ہے۔ اور اس بات کو دیکھئے کہ دیہاتی لوگ کس طرح
 دوسرے ملکوں کے دیہات میں اور شہری لوگ کس طرح دوسرے ملکوں کے شہروں میں ترک
 وطن کر کے چلے جاتے ہیں۔ ان دونوں کا فرق باسانی واضح ہو جائیگا۔ دیہاتی ہجرت ہمیشہ
 ایک گنجان آبادی کے علاقہ سے ایک کم آباد علاقے کی طرف ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے شہری
 ہجرت تقریباً ہمیشہ ایک کم آباد علاقے سے ایک گنجان آبادی کے علاقوں کی طرف ہوتی
 ہے۔ یعنی چھوٹے شہروں سے بڑے شہروں میں۔ دونوں صورتوں میں مخالف رویے ضرور ہوتی
 ہیں۔ اور یہ امر ایک شہر کے سٹیجے کے اندر جنوبی دیکھنے میں آتا ہے۔ گو وہ شہر جو بہت گنجان
 اور آبادی سے پہلے شہروں اور زیادہ گنجان ہو جاتے ہیں۔ تاہم اسی کے ساتھ ساتھ مصافات
 کی جانب ایک رجحان بھی جاری رہتی ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں ہجرت کی وہ
 جس طرح بہتی ہے۔ اس کی کیفیت بالکل واضح ہے۔ جتنا بڑا شہر ہو گا اتنی ہی سرعت سے
 وہ بڑھدے گا۔ بشرطیکہ کوئی اور بات اس امر میں مانع نہ ہو۔

دیہاتی مہاجرت اُن علاقوں کی طرف ہوتی ہے جہاں زمین بکثرت ہو، مہاجر
 کی ان دو اقسام کا باہمی فرق زیادہ تر اُن اسباب کے باہمی فرق پر مبنی ہے۔ جن پر ان دو
 مختلف جماعتوں یعنی دیہاتیوں اور شہریوں کی خوشحالی کا انحصار ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی دیکھ
 چکے ہیں۔ زراعت کا دار و مدار زمین پر اور شہری صنعتوں کا بازاروں پر ہے۔ اسلئے وہ دیہاتی
 لوگ جو زراعت پیشہ ہوں۔ ترک وطن کر کے عموماً اُن مقامات کی جانب جاتے ہیں جہاں زمین
 بکثرت ہو۔ برخلاف اس کے شہری لوگ اُن مقامات کا رُخ کرتے ہیں۔ جہاں بڑی بڑی منڈیاں
 ہوں۔ زمین کی کثرت اور آبادی کا کم ہونا بالعموم ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ لیکن عجیب بات
 ہے اور اس بات کی توجیہ خاطر خواہ طور پر آج تک کوئی نہیں کر سکا۔ کہ کوئی شہر جتنا بڑا ہو
 اتنی ہی خجارتی لوگوں کو اس کی طرف زیادہ کشش ہوتی ہے۔ بہر حال یہ دونو قضیے تقید
 و تعین کے محتاج ہیں۔ یہ دعویٰ کہ دیہاتی لوگ زیادہ آباد علاقوں سے کم آباد علاقوں کی طرف
 حرکت کرتے ہیں۔ اس حد بندی کا محتاج ہے۔ کہ بطور مقدمہ یہ فرض کر لیا جائے۔ کہ دونوں
 مقامات میں زمین ایک جیسی زرخیز ہے۔ آب و ہوا ایک جیسی خوشگوار ہے۔ اور حکومت ایک ہی
 آزاد اور انصاف پسند ہے۔ اگر کم آباد علاقے میں زمین بخر ہے۔ آب و ہوا ناخوشگوار ہے
 حکومت جاہل اور نا انصاف ہے۔ تو اس علاقے کی طرف لوگوں کا رجحان بہت کم ہو گا۔ اور بعید
 نہیں کہ اُلٹا وہاں سے لوگ دوسری طرف کا رُخ کرنے لگیں۔ لیکن منطقہ معتدل کے اندر اندر
 اور ایسے علاقوں کے اندر جہاں کافی بارش ہوتی ہے۔ اور آبپاشی کیلئے کافی بانی موجود ہے
 اور جہاں زمین کا انتظام غیر متعصب اور ترقی پسند حکومتوں کے ماتھے میں ہے۔ وہاں بلاشبہ
 شبہ دیہاتی لوگوں کی نقل و حرکت زیادہ آباد علاقوں سے کم آباد علاقوں کی عزت یا ایسے
 خطوں سے جہاں زمین کی قلت ہے۔ اُن خطوں کی طرف جہاں نسبتاً زمین کی کثرت
 ہے۔ ہمیشہ ہی ہے۔ اور اب بھی ہے۔ کسی خاص زراعتی جنس کا پیدا کرنے والا بازار کا
 اتنا ہی محتاج رہتا ہے۔ جتنا کہ صنعت پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اس شعبہ زراعت میں
 کامیابی حاصل کرنا چاہے۔ تو اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ وہاں قیام کرے جہاں منڈی ہو۔
 اور سب سے اچھی منڈی وہیں ہوگی جہاں آبادی سب سے زیادہ گنجان ہوگی۔ اسلئے

وہ کم آباد علاقوں کو چھوڑ کر زیادہ آباد علاقوں میں یا اُن کے نزدیک رہے گا۔ یہ قول اس عام اصول سے منطبق ہے۔ کہ وہ لوگ جن کی کامیابی کا انحصار زمین پر ہے۔ اُن کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہوتا ہے۔ کہ دور دور تک پھیل جائیں۔ اور وہ لوگ جن کی کامیابی کا انحصار منڈیوں پر ہوتا ہے۔ ان کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہوتا ہے۔ کہ یکجا جمع ہوں۔ لیکن یہ صرف زراعت کی مخصوص پیداوار کی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ کامیابی زیادہ تر منڈیوں پر موقوف ہو۔ بہر حال زراعت کی مخصوص اجناس کا اُگنا مجموعی زراعتی پیداوار کا ایک ادنیٰ جز ہے۔ جو کسی شمار قطار میں نہیں۔ ورنہ ہم اُن اجناس کو مخصوص کے لقب سے ملقب ہی کیوں کرتے۔ ان مخصوص اشیاء کے پیدا کرنے والوں کا یہ جو میلان ہوتا ہے کہ ایک جگہ جمع ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اس سے بازاری اجناس کے پیدا کرنے والوں کا اس رجحان عام کی کہ وہ انتشار اور عدم مرکز کو پسند کرتے ہیں تلافی نہیں ہوتی۔ انتشار کے رجحان کا پلڑا اجتماع کے رجحان سے بھاری ہی رہتا ہے۔

شہری ہجرت بڑی منڈیوں کی طرف ہوتی ہے۔ یہ دعویٰ کہ شہری آبادیوں کی نقل و حرکت کم آباد علاقوں سے زیادہ آباد علاقوں کی طرف ہوتی ہے۔ بہت سے پہلوؤں سے مد بندی کا محتاج ہے۔ اول جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اصل میں رجحان یہ ہے کہ ان مقامات کا رخ کیا جائے۔ جہاں منڈیاں زیادہ سرعت سے ترقی کر رہی ہوں۔ جہاں کہیں ایسا ہو کہ منڈیاں بڑے شہروں اور قصبوں کی بجائے چھوٹے شہروں میں زیادہ ترقی کر رہی ہوں۔ وہاں چھوٹے شہروں کی طرف نقل و حرکت ہوگی۔ لیکن اختصار کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ رجحان عام اس کے برخلاف ہے۔ کوئی شہر جتنا بڑا ہوگا۔ اتنی ہی سرعت سے اس کا تجارتی رقبہ پھیلے گا۔ عوام کی زبان میں یوں کہیے۔ کہ بڑا شہر تجارت کو اپنی طرف کھینچ کر لاتا ہے۔ تجارت تجارت کو کھینچتی ہے۔ یہ اسی حقیقت کو بیان کرنے کا ایک اور طریقہ ہے۔ جب کوئی شہر اس بات میں نام پیدا کرے۔ کہ وہاں ایک خاص چیز ہمیشہ بڑی مقدار میں مل سکتی ہے۔ تو اس چیز کے گاہک قدرتی طور پر اس شہر کا رخ کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص جو صفت و حرمت کا کام کرتا ہے۔ یا

کام شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اپنا کارخانہ بنانے کیلئے مناسب جگہ تلاش کر رہا ہو۔ تو قدرتی طور پر اس کا خیال اسی طرف جاتا ہے۔ جہاں گاہک زیادہ جاتے ہیں۔ اس سے اور گاہک اس شہر کی طرف آتے ہیں۔ پھر ان کو دیکھ کر اور اربابِ حرفت کا دھیان اُدھر جاتا ہے۔ اس طور پر ایک تجارتی یا صنعتی مرکز اس غذا سے جو اسے ملتی ہے۔ نشوونما پاتا ہے۔ پھر جوں جوں تجارت یا صنعت و حرفت کا ایک ایسا مرکز رقبہ میں ترقی کرتا ہے۔ اس کے اندر مرکزی مواقع و محلات کیلئے شدید مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان مرکزی شہروں میں اچھے موقع و مقام کیلئے اتنی اتنی بڑی قیمتیں ادا کی جاتی ہیں۔ کہ بہت سے لوگ اندرونی اور مرکزی مقام کے اخراجات سے ڈر کر مجبوراً کاروبار مرکز سے دور شروع کرتے ہیں۔ اس طرح ایک رجحانی حرکت وجود میں آتی ہے۔ یعنی زیادہ آباد علاقوں کو چھوڑ کر مضافات کی طرف جانے کی ایک رو پیدا ہوتی ہے۔ یہ مرکزی مقامات کی خاطر جو اس قدر شدید جدوجہد ہوتی ہے۔ (حالانکہ وہاں مصنوعات کے بنانے کیلئے کوئی زیادہ موافق حالات نہیں ہوتے۔ البتہ تیار شدہ مصنوعات کے فروخت کرنے اور مواد خام کے بیچے میں سہولتیں ہوتی ہیں) اس سے ظاہر ہے کہ شہری صنعت و حرفت والے اور شہری لوگ منڈیوں کے مسئلے کو کس قدر اہم تصور کرتے ہیں۔ اور کس لئے وہ زیادہ آباد علاقوں میں مرکز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ رجحان انتشار جب تک ہم عبارت بالائیں تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ بھی بعض اوقات اس قدر زبردست نہیں ہوتا کہ چھوٹے شہروں کے مقابلے میں بڑے شہروں کے میلانِ ترقی کا مقابلہ کر سکے۔

بعض اوقات کسی شہر میں نمایاں قدرتی خوبیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً کانیں۔ پانی کی قوت۔ عمارت کا مصالحہ وغیرہ وغیرہ جس سے محسوس ہوتا ہے۔ کہ وہ شہر خاص اس موقع و مقام پر کیوں بنایا گیا۔ یہ فطری خوبیاں محدود بھی ہو سکتی ہیں۔ جب شہر ان حدود ترقی تک پہنچ جائے۔ جو اسکی قدرتی طبعی خوبیاں اُس پر عاید کرتی ہیں۔ تو جو آبادی بڑھی ہو یا ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس کا رجحان یہ ہوتا ہے۔ کہ کسی نئی جگہ چلی جائے۔ جہاں اور فطری فوائد حاصل ہو سکیں۔ اس طور پر کبھی کبھی چھوٹے شہر پرانے اور بڑے

شہروں کو نقصان پہنچا کر ترقی کرتے ہیں۔ ایسا خاکسرا اس وقت ہوتا ہے۔ جب نئی
 کالین کھودی جائیں۔ لیکن کبھی کبھی "قوت" کے کسی نئی منبع کے انکشاف کے بعد
 بھی ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً جب پانی کی قوت دریافت کی گئی ہو۔ فقط یہی وہ صورتیں ہیں جن
 میں شہری آبادی کی نقل و حرکت نئی منڈیوں کی جستجو میں نہیں ہوتی۔ اس نقل و حرکت
 کا مبداء چونکہ قدرتی وسائل کی جستجو ہوتا ہے۔ جسے ہم زمین کی تعریف میں شامل کر سکتے
 ہیں۔ اسلئے یہ نقل و حرکت دیہاتی آبادیوں کی نقل و حرکت کے مشابہ ہے۔ جس کا مبداء
 و محرک زمین کی تلاش ہوتا ہے۔ لیکن اس قسم کے شہر مستثنیات میں سے ہیں۔ اور
 شہری ترقی کے رجحان عام کی نمائندگی نہیں کرتے۔ سب سے نمایاں اور عمدہ مثالیں
 اس کالین کی چوبہری اور کان کنی میں مل سکتی ہیں؛

دیہاتی صنعتوں کو چھوڑ کر شہری صنعتوں کا اختیار کرنا، مہذب دنیا کی تاریخ
 میں اول تو ایسا کبھی ہوا نہیں۔ اور اگر ہوا ہے۔ تو شاید نوادہ ہی ہوا ہوگا۔ کہ آبادی کی
 نقل و حرکت کسی طویل مدت کیلئے یا عام طور پر شہری علاقے سے دیہاتی علاقے کی طرف ہوتی
 ہو۔ اس قسم کی عارضی نقل و حرکت بیشک کبھی کبھی ہوتی ہے۔ لیکن جب کبھی بھی ہوتی ہے
 تو مندرجہ ذیل امور کا نتیجہ تھی۔ نوآبادیاں قائم کرنے کا طریق عمل۔ جس مراد یہ امر ہے کہ ایک
 شہر اپنی فاضل آبادی کو کم کرنے کیلئے نوآبادیاں قائم کرنے والوں کی ایک جماعت کو
 کوئی نیا علاقہ جو خرید کے ذریعے یا معاہدہ کے ذریعے یا تسخیر کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔
 آباد کرنے کیلئے بھیجے۔ دوسرے یہ امر کہ نئے زراعتی ذرائع دیہات ہو جائیں۔ جس سے
 لوگوں کو شہر چھوڑ کر دیہات جانے کی ترغیب ہو۔ تیسرے یہ امر کہ کوئی تجارتی حادثہ رونما ہو۔
 جس سے کسی شہر کی تجارت تباہ ہو جائے۔ اس کی روزی کا وسیلہ جاتا ہے۔ اور اسکے
 باشندوں کو زندگی کے ضروری سامان کیلئے شہر چھوڑ کر نکل جانا پڑے۔

نوآبادیاتی قائم کرنے کا تعلق عظمت قومی سے، معاشیات کے دلچسپ
 مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ کہ کسی قوم کے ترک وطن کے ذریعے سے یا نوآبادیوں
 کی وجہ سے منتشر ہو جانے کا تعلق اس قوم کی عظمت و سطوت سے کہاں تک ہے۔ ہر

بڑی قوم کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک نوآبادیاں قائم کرنے
 والی قوم تھی۔ لیکن نوآبادیاں قائم کرنا عظمتِ قومی کا سبب نہیں۔ بلکہ اس کا ایک نتیجہ
 ہے۔ بڑی قوم وہی ہے۔ جس کے افراد قوی اور قابل ہوں۔ ایسے لوگ نوآبادیاں قائم
 کرنے میں بڑے کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ جب وہ ترک وطن کر کے
 باہر چلے جاتے ہیں۔ اور نئی قوموں سے اُن کا مقابلہ آپڑتا ہے۔ تو ان نئی قوموں سے
 وہ فنونِ پیدائش میں بازی لے جاسکتے ہیں۔ ان میں چونکہ زیادہ جسمانی طاقت اور قوت
 ہوتی ہے۔ معرہ ترقی نہایت ہوتی ہے۔ اور قوائے فطرت کے متعلق بہتر علم اور ان پر
 زیادہ قابو ہوتا ہے۔ اور خاص کر بچہ کہ ان کے اخلاقی اوصاف ایسے ہوتے ہیں۔ کہ جو
 زیادہ پیدا آویں۔ اور جن کی بدولت و متحدہ طور پر بہترین طریق پر کام کر سکتے ہیں۔
 ایک دوسرے کے متعلق بدظنی و بدگمانی کر کے اپنی قوتوں کو ضائع نہیں کرتے عدل
 و انصاف کا ایک لطیف احساس رکھتے ہیں۔ اور سوسائٹی کے مفاد و مصالح کو کمزور
 اور ناقابل افراد کے مفاد و مصالح پر قربان کرنے کی مضرت کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ
 لوگ باہر ملکوں پر باروک ٹوک چھا جاتے ہیں۔ اور ان کو تسخیر کر لیتے ہیں۔ اور اس امر کے
 لئے ضروری نہیں کہ وہ تباہ کن ذرائع ہی اختیار کریں۔ بلکہ زیادہ تر ان کے غلبہ کا باعث
 یہ ہوتا ہے کہ انہیں فنونِ پیدائش میں غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ایک کمزور
 قوم کا جب غیر قوموں سے واسطہ پڑ جائے۔ تو اس کو بہت کم کامیابی ہوتی ہے اسلئے
 نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے افراد اپنے وطن ہی میں گھٹے رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اُن کے
 سیاسی اور قانونی ادارات (حیثیہ۔ دفتر) غیر قوموں کے مقابلے میں ان کی رعایت
 اور حمایت کرتے ہیں۔ اس طرح آبادی کے ایک ہی جگہ اکٹھا ہوتے رہنے سے بہت
 سی معاشرتی اور سیاسی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ فاضل آبادی بیلے
 اس کے کہ گھر سے باہر نکلے اور روئے ارض کے اُن خطوں کو آباد کرے۔ جہاں زمین
 بکثرت ہے۔ اور ترقی کے مواقع بافراط ہیں۔ آبادی کے مرکزوں میں جمع ہوئی رہتی
 ہے۔ اور جو دولت قوم یا ملک نے جمع کی ہے۔ اُس میں سے حصہ پانے کے لئے

شور مہکا مہر پا کرتی رہتی ہے۔ جب عوام الناس یہ رویہ اختیار کر لیں تو سمجھ لیجئے کہ قوم
 کی تباہی کے دن آگئے۔ مصنوعی استملاک سے اور اموال الحرامی کی تلقین سے کچھ فائدہ نہ
 ہوگا۔ کیونکہ جب قوم کی ہمت ہی مر چکی۔ حوصلے ہی پست ہو چکے اور جو خوبیاں انہیں مٹ چکیں
 تو پھر وعظ و تلقین سے کیا ہوتا ہے؟

(۲) زمین کے بکفایت استعمال کے طریقے

مسئلے کی اہمیت اگر کوئی ایسا ملک ہو جو تہذیب میں اس درجہ ترقی کر چکا ہو کہ تسخیر جنگ سے نئی زمینیں حاصل کرنا اسے گوارا نہ ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسری صورت بھی نہ ہو۔ کہ وہ نئی زمینیں حاصل کر سکے تو اس ملک کیلئے سب سے اہم سوال یہ ہوتا ہے۔ کہ جو زمینیں اُس کے پاس پہلے موجود ہوں۔ اُن کو کس طرح بکفایت استعمال کرے۔ غیر ملکی منڈیوں کی تعداد محدود ہوتی ہے۔ اور پھر اس بات کا بھی یقین نہیں ہوتا کہ آج کوئی منڈی اپنے ہاتھ میں ہے تو کل بھی رہے گی۔ اسلئے کسی ملک کے حق میں یہ بڑی مضمرات ہے۔ کہ وہ اپنے ذرائع مادی کی طرف سے غافل ہو جائے۔ اور بڑھتی ہوئی آبادی کو روزی پہنچانے کیلئے غیر ملکی منڈیوں کا محتاج ہو جائے۔ اور یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ منڈیوں کو اپنے قبضہ اختیار میں لانے کیلئے اقوام کے درمیان ہمیشہ سخت مقابلے رہتے ہیں۔ اس مقابلہ میں وہی قومیں کامیاب ہو گئی۔ جنہوں نے اپنے ملک کے قدرتی ذرائع کو کفایت سے برتنا ہو اور اپنی بنیادی اور قدرتی حرفتوں کو درجہ کمال تک پہنچایا ہو۔ اس کو غیر ملکی تجارت کے برخلاف باقومی تفریق و علیحدگی کے حق میں کوئی دلیل نہ خیال کرنا چاہیے۔ دو صورتیں ایسی ہیں۔ کہ ایک قوم کچھ مدت کیلئے غیر ملکی تجارت سے پیپ سکے۔ پہلی صورت تو یہ ہے۔ کہ قوم ساک سے اپنا مواد خام خریدے۔ اس کو تیار شدہ مصنوعات کی صورت میں منتقل کرے۔ پھر اس کو غیر ملکی منڈیوں میں لیجا کر فروخت کرے۔ اور اس کا روپار کے منافع پر گزارہ کرے۔ جیسا کہ صفحات بالا میں توضیح کی گئی ہے۔ یہ ایک نہایت مرغوب طریقہ ہے۔ اور جہاں کہیں ممکن ہو۔ یا جہاں کہیں غیر ملکی منڈیاں بڑی تعداد میں میسر آسکیں۔ یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ ایسے ملک کی دولت کی کوئی حد نہیں۔ نہ اس آبادی کی کوئی حد ہے۔ جس کیلئے وہ روزی پٹیا کر سکتا ہے۔ ایک ایسی قوم جس کی آبادی برسر ترقی ہو اور جو اس بڑھتی ہوئی آبادی کو فقط صنعت و حرفت اور بین الاقوامی تجارت سے

روزی بہم پہنچانے کی کوشش کرے۔ اور اپنے قدرتی ذرائع کی طرف سے غافل ہو جائے۔ وہ بہت جلد یہ محسوس کرے گی کہ اُس کے معاملات ایسی صورت اختیار کر رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی مضرت ثابت ہوگی۔ اول تو اس قوم کو ہمیشہ خوف رہیگا کہ مبادا جنگ اور دوسری سیاسی بد نظمیاں اُس کے مواد عام کی رسید کی درآمد کا ذریعہ مسدود کر دیں۔ یا اس کے تیار شدہ مصنوعات کی برآمد کا راستہ بند کر دیں۔ لیکن اس سے قطع نظر بھی کر لیں تو پھر خصوصاً بحری کا قانون اور گھاٹ بندی اور دوسرے ناموافق قوانین اس کے سید راہ ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ ایک ایسی صورتِ حالات ہے کہ بہت سی قومیں ملکر اس پر قائم نہیں رہ سکتیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو جائے۔ تو بڑی بڑی غیر ملکی منڈیاں کہاں رہیں گی۔ اور تو اور ایک اکیلا ملک بھی اس صورتِ حالات میں صرف اس وقت تک خوشحال رہ سکتا ہے۔ کہ جب تک ایسی غیر قومیں موجود ہوں۔ جنہوں نے فی الحال اتنی ترقی نہ کی ہو۔ کہ اپنے استعمال کیلئے مصنوعات خود تیار کر سکیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خاص موافق حالات اس کے مساعد ہوں۔ مثلاً قوتِ آبی یا کوئلے کی کابینہ جن سے وہ اپنی مقابل قوموں پر غلبہ پاسکے ہو۔

دوسری صورت جس میں کوئی قوم غیر ملکی تجارت سے بے نیاز ہو۔ یہ ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کی پیداوار کو عام اس سے کہ وہ خام ہو یا تیار شدہ۔ مصنوعات کی شکل میں ہو۔ غیر ملکوں کو دے اور اس کے عوض میں اُن سے خام پیداوار یا تیار شدہ مصنوعات جن کیلئے خود اس کا ملک موزوں و مناسب نہیں لے لے۔ اس صورت میں یہ بیشک درست ہے۔ کہ ملک کی دولت اور وہ آبادی جس کیلئے وہ روزی جیٹا کر سکتا ہے۔ ان دونوں کی تعداد اس کی قابلیتِ پیداوار کے مطابق محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ صورت پہلی صورت سے بہتر ہے۔ اس میں نقصان کا احتمال بہت کم ہے۔ ایک ایسے ملک کو اپنے استعمال یا غیر ملکوں سے معاوضہ کرنے کیلئے کس قدر پیداوار حاصل ہوگی۔ یہ منحصر ہے اس بات پر کہ اُس نے اپنے ذرائع قدرتی کا استعمال کس درجہ کفایت سے کیا ہے اکثر ملکوں میں اور خاص کر ریاستہائے متحدہ میں زمین خود سب سے بڑا قدرتی

ذریعہ ہے۔ زمین کی پیداوار کانوں اور ماہی گاہوں کی پیداوار سے قیمت میں کئی درجہ زیادہ ہوتی ہے۔ اور تمام اخراجی صنعتیں جتنے لوگوں کیلئے روزی چھپا کرتی ہیں۔ ان سے کہیں زیادہ کیلئے ایک ایکلی زراعت روزی بہم پہنچاتی ہے۔ اگر کانوں سے محدثا نکالے جائیں۔ تو ان کا ذخیرہ کم ہو جاتا ہے۔ لیکن زراعت کی یہ صورت نہیں۔ اگر زمین کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جائے۔ اور مناسب طریقے سے اس کا استعمال کیا جائے۔ تو وہ ایک غیر محدود مدت تک سونا اگلتی اور روزی چھپا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ترقی کرنے والی قوم کیلئے زمین کو بکفایت ریتنے کا سوال اس قدر اہم سوال ہے۔ اب ذرا اُن طریقوں پر غور کرنا چاہیے۔ جن سے ملک کی زمین کا استعمال بکفایت ہو سکتا ہے اور ایک بڑھتی ہوئی آبادی کیلئے زمین سے کافی خوراک حاصل ہو سکتی ہے۔

زمین کے پرکار ہونیکے اسباب

۱۔ ناموافق طبعی حالات } ا۔ بہت پتھریلی زمین
ب۔ بہت گیلی زمین
ج۔ بہت خشک زمین

۲۔ ناموافق کیمیائی حالات } ا۔ بہت زیادہ۔
ب۔ بہت زیادہ۔

۳۔ ناموافق معاشرتی حالات } ا۔ ناموافق محصولات
ب۔ ضرورت سے زیادہ تخمین

زمین کے پرکار ہونیکے اسباب اگر کسی ملک کی ساری زمین میں ایک ہی مرتبہ کاشت کی جائے۔ تو اس کے بکفایت استعمال کا اور کوئی طریقہ نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ ہر ایک ٹکڑے سے زیادہ پیداوار حاصل کی جائے۔ لیکن یہ ایک ایسی صورت حالات ہے کہ غالباً کسی ملک کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسلئے سب سے پہلے بیجر زمین کو مزروع بنانے کے مسئلہ کو دیکھنا چاہیے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ تمام ملک آباد ہے۔ یعنی آبادی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ تمام وہ اراضی جو اتنی زرخیز ہیں۔ کہ لوگوں کو ان کی طرف کشش ہو سکے لوگوں کے قبضے میں آچکی ہیں۔ اس صورت میں بیجر زمین کا موجود ہونا ان تین اسباب میں سے

کسی کا نتیجہ ہو گا۔ انا موافق طبعی حالات میں ناموافق کیمیائی حالات (۳) ناموافق سیاسی حالات۔

ناموافق طبعی حالات کہ بہت سے طبعی حالات ایسے ہیں جنہیں ہم ناموافق کہہ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک اکیلا بھی زمین کو کاشتکاروں کی نظروں میں ماحذ بیت سے خالی کر دینے کیلئے اور اس طرح اس کو بیکار بنانے کیلئے کافی ہے۔ یہ حال تین خصوصی حالات ایسے ہیں۔ جو تین قسم کی زمین کے اچھے خاصے نتیجہ بیکار بنا دیتے ہیں۔ ان زمینوں کو ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ (۱) بہت زیادہ پتھریلی زمین (۲) بہت زیادہ گیلی۔ (۳) بہت زیادہ خشک۔

پتھریلی زمین کہ ریاست ٹائے متحدہ کی شمال مغربی ریاستوں میں سے پہلی حالت بیکار زمین کے نمائندہ اسباب میں سے ہے۔ یعنی وٹاں کی بیکار کی زمین زیادہ تر ایسی ہے۔ کہ بیکار پتھریلی ہے۔ گو بعض بعض جگہ دلدلیں بھی ہیں۔ جنوبی ساحل کے برابر اور غلیج کے ساحل کے برابر دوسری حالت زیادہ نمایاں ہے۔ یعنی وٹاں کی بیکار زمین زیادہ تر ایسی ہے کہ بیکار مطلوب ہے۔ گو بعض حصے ایسے بھی ہیں جو پتھریلے اور چٹان کی قسم کے ہیں۔ لیکن مغرب بعیدہ کے بہت وسیع علاقے ہیں جو ریاست ٹائے متحدہ کے قریب حصے کے برابر ہے۔ زمین بیکار خشک ہے۔ اور اس وجہ سے اس کا بہت سا حصہ بیکار رہ جاتا ہے۔ اس قسم کی بیکار زمین اتنی مقدار میں ہے۔ کہ اگر ایک چیز ہینا ہو جائے۔ یعنی پانی تو وہ ایک شہنشاہ کی اقلیم کیلئے کافی خوراک دیا کر سکتی ہے۔ جو لوگ ابتداً اس ملک کے نصف مشرقی میں اکبر آباد ہوئے۔ ان کو ایک اور حالت سے واسطہ پڑا جس نے ان کو بہت تکلیف دی۔ وہ یہ کہ گھٹے جنگلوں سے زمین کو سول تک ڈھکی ہوئی تھی۔ اور ان جنگلوں کو صاف کرنا پڑا تھا۔ لیکن یہ حالت آجکل دیہاتی معاشیات کے طالب علم کے سامنے کوئی قابل غور مسئلہ پیش نہیں کرتی۔ برعکس اس کے حقیقت یہ ہے کہ جنگلوں کی حفاظت بجائے ان کے صاف کرنے کی آجکل ایک اہم مسئلہ ہے۔

جو زمین ان دنوں پہاڑی اور پتھریلی ہونے کی وجہ سے بیکار بیکار پڑی ہوئی ہے

اس میں سے بہت سی زمینیں اس قدر پتھر لی ہیں کہ کبھی جوتنے کے قابل۔ بلکہ چراگاہ بنانے کے قابل بھی نہ ہوگی۔ اس کو پتھروں سے صاف کرنے کیلئے اتنے مصارف برداشت کرنے پر طے ہو گئے۔ کہ کسی کو یہ امید نہیں ہو سکتی۔ کہ جو مٹی اس سے ہوگی۔ وہ ان مصارف کا کافی معاوضہ ہوگی۔ لیکن اس زمین کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ضائع جا رہی ہے یہ اصل میں ہمارا قدرتی جنگل ہے۔ جوں جوں آبادی بڑھتی جا رہی ہے۔ لکڑی کی مانگ زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور جوں جوں قدیم جنگل کٹتے جاتے ہیں۔ لکڑی کی رسد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ وہ دن دور نہیں کہ جنگلی پیداوار کی مانگ اس قدر زیادہ ہو جائیگی کہ نیو انگلینڈ کی پتھر لی سے پتھر لی زمین بھی قیمتی بن جائیگی۔ بشرطیکہ وہاں درخت اگتے دیئے جائیں۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ پتھر لیے علاقے درختوں کیلئے بہ نسبت وادیوں اور میدانوں کی مہوار اور قابل زراعت زمین کے زیادہ مناسب ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ جو دوسری مہوار اور میدانی زمینیں ہیں۔ یہ دوسری اشیاء اگانے کے کام بھی آ سکتی ہیں۔ اور پتھر لی زمینیں اس مقصد کیلئے مقرر ہیں۔ اس لئے دانشمندی اسی میں ہے کہ یہ چٹانیں جس مصرف کی ہیں۔ اسی کیلئے انہیں وقف کر دیا جائے۔ اور قابل زراعت زمین کو دوسرے مقاصد کیلئے مخصوص کر لیا جائے۔ لکڑی کے علاوہ ان چٹان دار اور پتھر لیے علاقوں سے ایک اور فائدہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ یہ ہرنوں اور دوسرے شکاری کے لئے بہت اچھی شکار گاہیں ہیں۔ جو ہرن کا گوشت اور دوسرے شکار ایسی زمینوں سے حاصل ہونگے۔ گو ان کی قیمت اتنی نہ ہوگی۔ جتنی ان چراگاہوں کی پیداوار کی قیمت ہوتی ہے۔ جو جانوروں کے چرنے کیلئے وقف کر دی جائیں۔ تاہم یہ ایسی چیزیں نہیں۔ کہ ہم ان کو ایک جنس بے مایہ سمجھیں۔ خاص کر جب اس بات کا خیال کیا جائے کہ یہ چیزیں بغیر کسی محنت یا توجہ کے خود بخود پیدا ہوتی ہیں۔ اس قسم کی زمینوں سے جنگلی پیداوار سے فائدہ حاصل کرنے میں ایک مشکل ضرور ہے۔ وہ یہ کہ ان سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ وہ بڑی دیر میں اور بہت مختصر سی مختصر سی مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔

ایک درخت کو پورا پورا اُگنے کیلئے کم از کم بیس سال اور بعض صورتوں میں تو پچاس سال چاہئیں۔ اتنی دیر انتظار کرنا عام آدمی کو پسند نہیں۔ کیونکہ ایک توانسانی زندگی کی میعاد مختصر ہے۔ اور دوسرے انسانی دور اندیشی کا احاطہ محدود ہے۔ ایک اور مشکل یہ پیش آتی ہے کہ پتھر یلے علاقوں میں نئے سرے سے جنگل اُگانے کا کام جیسی کچھ فائدہ بخش ہوتا ہے کہ بڑے وسیع پیمانے پر کیا جاسکے۔ اس وجہ سے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ حکومت خود اس کار راہم کا ذمہ لے۔ حکومتوں کو چونکہ موت کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کو مدت انتظار کی زحمت سے نہ گھبرانایا جائیے۔ اور جنگل اُگانے چاہئیں۔ نصف صدی یا پوری صدی ایک حکومت کیلئے کچھ زیادہ مدت نہیں۔ اس مدت کیلئے وہ حاصل کا انتظار کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ حاصل اس قابل ہو۔ کہ اسکے لئے انتظار کی زحمت اُٹھائی جاسکے۔

اس معاملے میں ہمیں کوئی ایسا خیال دل میں نہ آنے دینا چاہیے کہ آیا یہ سنا بھی ہے یا نہیں۔ کہ ایک حکومت اس قسم کے کام کا بیڑا اُٹھائے۔ اس امر کے جواز میں ہمیں کچھ کلام نہ ہونا چاہیے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شخصی کاروبار بذاتہ پبلک کاروبار سے بہتر ہے۔ دو سر پبلک کاروبار کو بہتر تصور کرتے ہیں۔ اصل میں دونوں خیال یکساں طور پر تعصب اور تنگ نظری پر مبنی ہیں۔ اصلیت یہ ہے کہ بعض کاروبار کیلئے شخصی انتظام و انتظام زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ اور بعض کیلئے پبلک انتظام و انتظام۔ اور ایک تیسری قسم کے کاروبار ایسے ہیں کہ شخصی اور پبلک انتظام دونوں کے ماتحت بخوبی انجام پاتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنا محال ہوتا ہے۔ کہ دونوں میں سے کس کا انتظام اُن کیلئے مناسب ہے۔ چنان دار اور پتھر یلے علاقوں میں جنگل اُگانے کا کام یہاں خیال میں بہ نسبت شخصی انتظام کے پبلک انتظام کے ماتحت احسن طریقے سے انجام پائیگا۔ گو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ بعض ایسے جنگل بھی ہیں۔ جو شخصی ملکیت میں اور جن کا انتظام نہایت عمدہ ہے۔ کچھ بھی ہو۔ اگر کسی صورت میں ایسا ہو کہ کوئی شخص ذاتی طور پر چٹان دار علاقوں میں از سر نو جنگل اُگانے کے کام کا بیڑا اُٹھانیکو طیار رہے۔

تو پھر صریح طور پر یہ بات بہتر ہے۔ کہ حکومت اس کام کا ذمہ لے۔ بجائے اس کے کہ زمین یونہی بیکار پڑی رہے۔ اور کوئی اس کا پرسان حال نہ ہو۔
ہم بالیقین یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جن دنوں یہ زمینیں بظاہر بنجر اور بیکار پڑی ہوتی ہیں۔ جنگل اکثر ان سرلوہوں پر قبضہ جمالیتا ہے۔ اس کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے۔ کہ قیمتی لکڑی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات نہایت معمولی قسم کے درخت اُگ آتے ہیں۔ جنہیں جنگلی نباتات کا خاڑو خس کہنا چاہیے۔ اگر سوچ سمجھ سے کام لیکر ہر وقت ان جنگلوں کی نباتات کی دیکھ بھال کی جائے تو زمین ان بیکار درختوں سے محفوظ رہے۔ اور انہی بجائے قیمتی لکڑی والے درخت پیدا ہوں۔

یہاں سے لاکسی چٹان دار زمین کے بعض بڑے بڑے حصے چراگاہ کے طور پر نہایت خوبی سے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ یہ دعویٰ خاص طور پر ان مقامات پر صادق آتا ہے۔ جہاں چٹان دار زمینیں ایسی زمینوں کے قریب یا متصل واقع ہوں۔ جو فصل خریف کے چارے کی پیداوار کیلئے بہت موزوں ہیں۔ اس اعتبار سے مغرب اور جنوب کی چٹاندار اور پہاڑی زمینیں نہایت اچھے موقع پر واقع ہیں۔ لیکن نیوا انگلینڈ کی زمینیں اس اعتبار سے نقصان میں ہیں۔ نیوا انگلینڈ میں اچھی قابل زراعت زمینیں ترکاریوں اور دودھ کے پیدا کرنے کیلئے لیے عمدہ طور پر استعمال ہو سکتی ہے۔ کہ اسے فصل خریف کے چارے کے اُگانے کیلئے استعمال کرنا عموماً خاصے کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں زمین اتنی سمواراؤ نرم ہو کہ سوکھی گھاس کو شہر کے خریداروں کے ہاتھ بیچ دینا اس قدر نفع بخش معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسان اس بات میں کوئی فائدہ نہیں دیکھتا کہ گھاس اپنے جانوروں کو کھلائے۔ اس طور پر نیوا انگلینڈ کی پہاڑیوں میں بہت سی قیمتی چراگاہیں زمینیں بنجر پڑی رہتی ہیں یا اس میں جھاڑیاں اور درخت اُگتے ہیں۔ وہ صرف یہ کہ اب تک کوئی یا کثافت طریقہ ایسا نہیں دریافت کیا گیا۔ جس سے جانوروں کی خوراک سردیوں کے لمبے موسم میں بھی ہم پہنچائی جائے۔ تاہم دنیا کے تقریباً ہر حصے میں جہاں مویشیوں کے کاروبار نے کافی ترقی کی ہے۔ اس بات میں فائدہ دیکھا گیا ہے۔ کہ مویشیوں کو بڑی بڑی فصلیں

گرمی کے موسم کی چراگاہوں سے سردی کے موسم کی چراگاہوں کی طرف لیجا یا جائے۔ اور چراگاہوں سے پھر کھیتوں میں۔ مثال کے طور پر یورپ کے پہاڑی علاقے میں ہولیٹی بڑی تعداد میں موسم گرما میں چرنے کیلئے پہاڑوں اور پہاڑیوں میں چلے جاتے ہیں۔ اور جب موسم سرما آتا ہے۔ تو پھر میدانوں اور وادیوں میں واپس آ جاتے ہیں۔ تاکہ زرخیز کھیتوں کی پیداوار کھا کر گزارہ کریں۔ گوشت جوں جوں ہنگام ہونا جائیگا۔ یہ بات اور زیادہ مفید معلوم ہوگی کہ بحر اوقیانوس کے ساحل کی چٹان دار زمینوں سے بھی اس طرح کام لیا جائے۔ زمین سے چراگاہوں کا کام لینا بھی زراعت کے مقابلے میں کم درجہ کی کفایت شناری ہے ان معنوں میں کہ بمقابلہ چرائی کے زراعت سے فی ایکڑ زیادہ مقدار غذا حاصل ہوتی ہے جہاں زمین زراعت کے بالکل ناقابل ہو یا جہاں آبادی اتنی کم ہو کہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار کرنا کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو صرف ایسی جگہ زمین سے ہمیشہ چراگاہ کا کام لینا کفایت شناری پر مبنی ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر چرائی اور زراعت کا کام باری باری زمین سے لیا جائے۔ تو اور بات ہے۔ جوں جوں آبادی بڑھتی جائیگی اس کے ساتھ ساتھ زمین کو بکفایت برتنے کی ضرورت زیادہ ہوتی جائیگی۔ مزرعہ زمین کے رقبہ کو پھیلانے کی اہمیت بھی اس نسبت سے بڑھتی جائے گی۔ اسلئے زمین کو پتھروں سے صاف کرنے اور اس کو ہل چلانے کے قابل بنانے کا مسئلہ جہاں کہیں بھی محاشیات کے نقطہ نگاہ سے اس پر عمل کرنا امکان ہوگا۔ زیادہ اہمیت حاصل کر لیا۔

اب تک زمین کو پتھروں سے صاف کرنے کا جو کام کیا گیا ہے۔ اس میں سے زیادہ تر کاشتکاروں کی شخصی اور انفرادی کوششوں سے اور سیدھے سادے طریقوں سے ہوا ہے۔ پتھر مٹوں سے اٹھائے گئے ہیں۔ پٹیلوں۔ چھکروں یا گاڑیوں میں لادے گئے ہیں اور جس طریقے میں وقت کا صرف سب سے کم نظر آیا۔ اس کے مطابق ان کا قصہ پاک کیا گیا ہے۔ یہ ایک مفت کی جفاکشی تھی۔ جو ایسے حالات کیلئے مناسب تھی۔ جہاں اصل کی بہت کثرت نہ تھی اور جہاں پتھر لی زمین کے صرف چیدہ چیدہ حصوں کو صاف کرنے کی ضرورت تھی۔ آبادی کی ترقی اصل کی زیادتی اور میکافائی ایجادات کے بہتر ہوجانے کے ساتھ زیادہ

کار آمد طریقے بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں۔

اول وہ پتھر جو اپنی جگہ سے ہٹائے جائیں وہ علاوہ پتھر کی چار دیواری بنانے کے اور کاموں میں بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ تعمیرات اور سڑکوں کے کام کی روز بروز زیادہ مانگ ہوتی جا رہی ہے۔ اور کم از کم بعض صورتوں میں کفایت شعاری کا تقاضا یہ ہوگا۔ کہ اور مقدار کیلئے بھی ان پتھروں کو جو زمین سے صفائی کرتے وقت اٹھائے جائیں استعمال کیا جائے۔ اگر پتھر توڑ پھوڑ کر اتنے چھوٹے کر دیئے جائیں کہ ہل چلانے کے کام میں تھل نہ ہو سکیں۔ تو ان کو اٹھانے کی جتنی ضرورت نہیں۔ بلکہ جہاں ہیں وہیں ان کا رہنا اچھا ہے۔ اگر زمین پر پڑے رہنے دیئے جائیں تو تحلیل کے عمل کے ماتحت اور بار بار ہل چلائے جانے سے رگڑا رگڑا کر وہ غذائے نباتی کا ایک ایسا ذخیرہ بن جاتے ہیں۔ جو اہستہ اہستہ پودوں کی قوت نمو کی معاونت کرتا رہتا ہے۔ پتھر کوٹنے کی قابل حمل مشینیں جو زبردست انجنوں کے زور سے چلیں۔ وہ بھی ان گنجان آباد علاقوں میں جہاں زمین کی قیمت بڑھ رہی ہے قابل زراعت علاقے کا رقبہ وسیع کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔

یہ جمہور کیلئے اپنی محنت دکھانے کا ایک اور میدان ہے۔ گوان زمینوں کو صاف کرنے کا کام زیادہ تر افراد نے اتناک بطور خود انجام دیا ہے اور مستقبل میں بھی انجام دینگے۔ ناہم نپاک اگر چاہے تو اس طرح مزدور زمین کے رقبہ کی توسیع کر سکتی ہے۔ خاص کر ان بیاستوں میں جہاں سیاسی حالات ایسے ہیں کہ سزایافتہ مجرموں کو فائدہ بخش کام پر لگانے کی اجازت نہیں۔ سزایافتہ مجرموں سے کام لینے کے خلاف جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا آزاد مزدوروں کے ساتھ جو مقابلہ آپڑتا ہے۔ اس سے آزاد مزدوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور ان کے لئے روزگار کے موقع کم ہو جاتے ہیں۔ یہ دلیل صحیح ہو یا غلط اور ہم جانتے ہیں کہ واقعہ یہ صحیح نہیں، بہر حال اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کہ سزایافتہ مجرموں کو زمین صاف کرنے کے کام پر نہ لگانا چاہیئے کیونکہ اگر ان لوگوں سے کام نہ لیا جائے تو زمینیں کبھی صاف ہی نہ ہوں۔ جرائم پیشہ لوگوں کو ایسے کام پر لگانے سے آزاد مزدوروں کا مقابلہ کسی صورت میں نہیں ہوتا۔ سیدھی بات

ہے۔ کہ جب آزاد مزدوروں کو ایسے کاموں پر سرے سے ہی لگائے نہیں جاتے تو ان کے مقابلے کی صورت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی بیکار زمینوں کے صاف کرنے اور ان کو زراعت کے قابل بنانے سے مزدوروں کیلئے کام کے نئے موقع پیدا ہونگے۔ یعنی پہلے سے زیادہ زمین میں زراعت ہوگی۔ اسلئے زیادہ مزدوروں کی ضرورت ہوگی۔ مزید بریں اس امر سے مزدوروں کی جماعت کیلئے بحیثیت مجموعی خوراک کی رسد کی مقدار بڑھے گی۔

پھر یہ بات ہے کہ وہی زمینیں ذاتی تحت سے صاف کی جائیں گی۔ جن کا صاف کرنا آسان ہے۔ کیونکہ ان زمینوں کے حاصل کے لئے جو بہت لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اسکے لوگ زیادہ متحمل نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی شخص کو یہ امید نہ ہو کہ اسکی خرچ کی ہوئی رقم بیس یا تیس سال کی مدت میں واپس مل جائیگی تو ایسے کام کا ذمہ لینے کیلئے وہ تیار نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی قطعہ زمین جب ایک مرتبہ صاف ہو چکا اور اس کے بعد اس میں ڈھنگ کی کاشت کی گئی تو پھر صدیوں تک اس میں فصلیں اگتی رہیں گی۔ اگر کوئی ایسی جماعت ہے جو مدت تک قائم رہنے والی ہو۔ اور تیس چالیس سال کے بعد آنے والے واقعات کا اندازہ کر کے توجہ ایسے کام کا بیڑا اٹھا سکتی ہے۔ جس کا بیڑا اٹھاتے ہوئے اکیلا شخص بھگتا رہا ہو۔ اسلئے قطع نظر سزایا فتنہ مجرموں سے کام لینے کے بعض وجوہ ایسے ہیں۔ جن کی بنا پر اگر پبلک یعنی حکومت کسی ایسی زمین کے صاف کرنے کا بیڑا اٹھائے۔ جو افراد کے لئے کوئی دلچسپی نہ رکھتی ہو۔ خاص کر ایسے حالات میں کہ آبادی کے بڑھ جانے کے باعث زمین کی قلت ہو تو یہ عین دانشمندی ہوگی۔

مرطوب زمین اس سے کہیں زیادہ جاذب توجہ اس قسم کی زمین کا قابل زراعت بنانا ہے۔ جسے "مرطوب" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس مسئلے میں بعض ایسی خصوصیات ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ دماغ جو تعمیری کام کرنا چاہتے ہیں۔ اس مسئلہ کو بہت دلچسپ پاتے ہیں۔

اول خصوصیت یہ ہے کہ ایسی زمینیں ہمیشہ نشیب میں ہوتی ہیں اور قریباً ہر قرن تک

ارد گرد کی اونچی زمینوں کی مٹی دھل دھلا کر ان کے اوپر کھتی رہتی ہے۔ اس لئے انہی مٹی خاص طور پر زرخیز ہوتی ہے۔ صرف اتنی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک بار ان کو خشک کر دیا جائے۔ اور ان میں ہل جوتا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پانی کی کثرت کاشتکار کو خشک سالی کے خطرے سے بچائے رکھتی ہے۔ جب اونچی زمینوں میں بارش کم ہو تو جب بھی ان نشیبی زمینوں کو کافی رطوبت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ صرف اتنی ہی بات سے کہ ٹالیاں بند کر دی جائیں یا فالتو پانی کا ٹکاس جس رفتار سے لیا جا رہا ہے اس کو کم کر دیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان زمینوں کا کارآمد بنانا محض ایک انجینیری کا مسئلہ ہے۔ اور جو شخص ان کو کارآمد بنانے کا بیڑا اٹھائے۔ اسکی کامیابی کا انحصار موسم کے تغیرات بارش کی مقدار اور اس قسم کی اور باتوں پر جو آبپاشی کے کام کی کامیابی میں اثر مزاحم ہوتی ہیں۔ بالکل نہیں ہوتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ایسی زمینوں کو کارآمد بنانے کا فائدہ صرف یہی نہیں ہوتا۔ کہ مزرعہ زمین کا رقبہ بڑھ جاتا ہے۔ بلکہ اس سے اور فائدے بھی ہوتے ہیں۔ صحت عامہ کو دلدلوں اور مرطوب زمینوں سے جو خطرہ ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔ یہ نشیبی مرطوب زمینیں بیماریوں کا گھر اور مچھروں کے پلنے کی جگہ ہوتی ہیں۔ جو بیماری کے جراثیم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ پھر اس سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ نقل و حمل میں جو رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ وہ دور ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ دلدلیں پہاڑوں کو چھوڑ کر سڑکیں بنانے والوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔ بحیرہ اوقیانوس کے ساحل کے برابر براہِ زمین سے لیکر فلوریڈا تک۔ لیکن خاص طور پر ورجینیا سے لیکر فلوریڈا تک علاوہ ساحلِ خلیج کے بعض حصوں۔ بھیلوں کے ارد گرد کے بعض علاقوں اور دوسرے ادھر ادھر بکھرے ہوئے خطوں کے چند بڑے وسیع دلدلی علاقے ہیں۔ اگر وسیع پیمانے پر اور سائنٹفک طریقے سے کام کیا جائے۔ تو یہ علاقے قابلِ زراعت بنائے جاسکتے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اور تو او صرف بحر اوقیانوس کے ساحل کے برابر یہ دلدلیں

.....۸۔ ایکڑوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اتنا بڑا رقبہ بالکل بیابان پر پڑا ہے۔ کچھ لکڑی ان دلدلوں میں بیشک پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ محنت عامہ کیلئے ایک خطرہ عظیم اور نقل و حمل کیلئے ایک زبردست سبذراہ ہے۔ اور یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ آیا ان میں اتنی لکڑی پیدا ہوتی ہے کہ ان نقصانات کی تلافی ہو سکے۔ یعنی وہ محض بیابان ہیں۔ یا اس سے بھی بدتر۔ اگر ان کو خشک کیا جائے اور ان میں ہل چلایا جائے۔ تو وہ اتنی آبادی کیلئے خوراک مہیا کر سکتی ہیں۔ جو اس آبادی سے جو جدید نظام حکومت کے عمل میں آنے کے وقت امریکہ میں موجود تھی۔ دگنی ہو۔ ایک ایک خاندان کو چالیس چالیس ایکڑ زمین دی جائے تو.....۸ ایکڑ زمین سے.....۲۰ خاندانوں کے پیٹ پل سکتے ہیں۔ اگر ایک خاندان میں پانچ افراد شمار کئے جائیں۔ تو یہ آبادی کتنی بنتی ہے؟.....۱۰۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ ایسی زمینیں بہت سیر حاصل اور پیداوار ہو گئی اور ان میں سے اکثر آبادی کے بڑے بڑے مرکزوں کے قریب ہو گئی۔ چالیس ایکڑ فی خاندان کچھ کم حصہ نہیں معلوم ہوتا۔

مشکل ہے کہ اس قدر عظیم الشان کام افراد بخوبی انجام دے سکیں۔ یہ جب ہی اچھی طرح انجام پا سکتا ہے کہ بڑے وسیع پیمانے پر کیا جائے اور شخصی حدود بلکہ ملکی حدود کا بھی مطلق خیال نہ کیا جائے بالفاظ دیگر یوں کہیں کہ ایک وسیع دلدل کو خشک کرنے کا کام ایک بہت شاندار کام کے طور پر شروع ہونا چاہیے یہ یوں نہیں ہو سکتا کہ بہت سے افراد علیحدہ علیحدہ اس کا بیڑا اٹھائیں۔ کیونکہ اس طرح یہ خدشہ ہوتا ہے کہ میاں مختلف افراد ایک ہی کام کو کئے جائیں۔ یا ان کے مقاصد میں باہمی کشمکش پیدا ہو۔ اور اس سے قوت نقصان لازم آئے۔ اس سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسے عظیم کام کا بیڑا اگر کوئی اٹھا سکتا ہے۔ تو وہ حکومت متحدہ ہے۔ جو ریاستی حکومتوں کے تعاون سے اس کو با حسن وجوہ انجام دے سکتی ہے۔

ایک ایسے کام سے جو شاندار امیدیں ہو سکتی ہیں۔ تو می اصل سے اس میں جو زبردست اضافہ ہو سکتا ہے اور وہ کثیر التعداد آبادی جس کیلئے اس دولت کے ذریعے روزی مہیا کی جاسکتی ہے۔ یہ باتیں ایک ایسے عالی دماغ کے لئے جس کی

نظر اپنے ملک کیلئے ایک اقلیم شہنشاہی تعمیر کرنے پر جمی ہو۔ اور جو کچھ تعمیری کام انجام دینا چاہتا ہے یقیناً کافی محرک ہونا چاہیے۔ ایسے کام میں جو مصارف برداشت کرنے پر یوں گے وہ یقیناً بہت زیادہ ہونگے۔ یہ اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کہ وہ کتنے زیادہ ہونگے۔ تاہم یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ جتنا خرچ دس اول درجے کے جنگی جہاز تیار کرنے پر آتا ہے۔ اس سے ہرگز زیادہ نہ ہونگے۔ پھر ان مصارف کے بعد یہ بھی تو امید ہوگی۔ کہ وہ اپنے کار نمایاں کی زندہ شہادت یعنی ایک وسیع رقبہ میں جو زراعت کے قابل ہے پیش کر سکیگا۔

ہالینڈ کے کیا نظیر پیش کی ہے۔ اس قسم کے شجاعانہ کارناموں کیلئے ہالینڈ کا تجزیہ ایک نظیر کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے۔ کہ اس ملک کی بہت سی زمینیں پہلے زمانے میں یا تو پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ یا اس میں وقتاً فوقتاً سیلاب آتے رہتے تھے۔ اس کو یوں کارآمد بنایا گیا ہے۔ کہ بند تعمیر کئے گئے ہیں۔ میٹار نہریں اور خندقیں کھودی گئی ہیں اور پانی کے نکاس کیلئے بہت سی کھلیں بنائی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ مثال جھیل میمرلم لیک (Meerlamm Lake) کے خشک کرنے کی ہے۔ یہ ایک قطعہ آب تھا۔ جو تقریباً ۴۲۰۰۰ ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کی اوسط گہرائی ۱۳ فٹ سے زیادہ تھی۔ ۱۸۳۹ء تک جو جو قانون ضروری تھے۔ وہ مکمل طور پر نافذ ہو چکے تھے۔ اور اس قطعہ آب کو کارآمد بنانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ چونکہ اس قطعہ آب پر نقل و حمل اور آمدورفت کا بہت کام ہونا تھا۔ اسلئے ضروری خیال کیا گیا۔ کہ اس کی بجائے کسی اور جگہ انتظام کروینا چاہیئے۔ چنانچہ ایک نہر ۸ میل لمبی ۴ فٹ گہری اور ۱۱ سے لیکر ۱۳ فٹ تک چوڑی جھیل کے گرد اگر د بنا دی گئی۔ اس نہر کا فائدہ علاوہ نقل و حمل اور آمدورفت میں مدد ملنے کے یہ ہوا کہ جھیل کے پانی کا نکاس بھی ہونے لگا۔ کیونکہ جھیل میں سے بہنے والے پانی نہر میں داخل کیا جاتا تھا۔ نہر سطح سمندر سے نیچی تھی۔ اسلئے پانی کو بمبوں کے ذریعے نکالنے کی بڑی بڑی مشینیں لگائی گئیں جو..... ۱۰۰۰۰ ٹن پانی اس میں سے نکال سکیں۔ تین انجن خاص طور پر بنائے گئے۔ جن میں سے ہر ایک ۱۰۰۰۰۰ ٹن پانی ۱۲ ۵ گھنٹے میں نکال سکتا تھا۔ بمبوں کے ذریعہ پانی نکالنے کا کام ۱۸۴۸ء میں شروع ہوا۔ اور ۱۸۵۲ء میں جھیل خشک ہو گئی۔

زمین کی فروخت فوراً شروع ہو گئی۔ بالآخر تمام زمین ۳۷۶۰۰۰ ڈالر کی قیمت پر فروخت ہو گئی۔ یہ قیمت پانی خشک کرنے کے اخراجات سے ۱۲۵۰۰۰ ڈالر کم رہی۔ لیکن یہ نقصان جتنا عظیم معلوم ہوتا ہے۔ اتنا نہ تھا۔ اول تو اس زمین کی قیمت اب بہت بڑھ گئی ہے۔ گو قیمتوں کے بڑھنے کا فائدہ حکومت کو نہیں بلکہ ان افراد کو ہے جو زمین کے مالک ہیں۔ تاہم یہ مالک خود ملک کے اجزاء و اسکان ہیں۔ علاوہ بریں ان کی محصول ادا کرنے کی استطاعت زیادہ ہوگی۔ اور اس طرح حکومت کو ان سے فائدہ ہوتا ہے۔ ایک اور بات بھی ہے۔ پہلے جب جھیل تھی تو اس کا ہونا متعدد مرتبہ شہر امسرڈم اور شہر لیڈن کیلئے خطرے کا باعث ثابت ہوا تھا۔ جب کبھی اس میں طغیانی آتی تو ان دونوں شہروں کے کوچہ و بازار میں پانی پھر جاتا۔ ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کام نفع بخش اور دولت خیز ثابت ہوا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ہارلم جھیل کا خشک کرنا اس زمانے میں جب کہ یہ انجام دیا گیا۔ ایک بہت بڑا کام تھا۔ گو آجکل شاید اس کو کوئی دشوار کام نہ تصور کیا جائے۔ پھر اس قدر گہرے پانی کا خشک کرنا ہی مشکل تھا۔ کیونکہ کوئی قدرتی نشیب ایسا نہ تھا۔ جس کی طرف پانی کا بہاؤ خود بخود ہو۔ اگر یہی قطعہ آب محض ایک دلدلی علاقہ ہوتا۔ جس میں اتنا گہرا پانی کھڑا نہ ہوتا۔ تو اتنا مشکل کام نہ تھا۔ کیونکہ اس صورت میں پانی کو باہر لے جانے کیلئے اس قدر زیادہ بمبوں کی ضرورت نہ پڑتی۔

خشک یعنی کلر زمینیں۔ خشک زمینوں کو قابل زراعت بنانے کے سوال کی طرف ہمارے ملک میں بہ نسبت پتھرلی اور مرطوب زمینوں کے قابل زراعت بنانے کے زیادہ توجہ رہی ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایسا رقبہ زمین جو خشک ہونے کی وجہ سے بیکار پڑا ہو۔ بہ نسبت ایسے علاقوں کے جو پتھرلیے یا مرطوب ہونے کے باعث بیکار ہیں بہت زیادہ ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے دو بڑے طریقے یہ ہیں۔ (۱) آبپاشی۔ (۲) خشک کاشت۔

آبپاشی۔ قدامت زمانہ کے اعتبار سے پہلا طریقہ جس کی طرف عوام کی توجہ ہوئی۔ آبپاشی کا طریقہ تھا۔ آبپاشی کا کام کسی نہ کسی صورت میں ابتدائی آبادیوں کے وقت سے مغرب بعیدہ میں ہونا چلا آیا ہے۔ بہت سی جگہوں میں ایسے باقی ماندہ آثار ملتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ سفید

نسل کے آدمیوں کے سرزمین امریکہ پر قدم رکھنے سے بہت پہلے یہ فن امریکہ میں رائج تھا۔ وہ پانی کی
 مشنری جو قدیم زمانے میں میکسیکو سے چل کر اس حصہ ملک میں پہنچی۔ جو اب ریاستہائے متحدہ کا جنوب
 مغربی حصہ ہے۔ انہوں نے بھی اپنے مشرقی مرکڑوں کے آس پاس آبپاشی کا کام چھوٹے
 سے پیمانے پر کیا۔ لیکن آبپاشی کا پہلا کام جو بڑے پیمانے پر کیا گیا۔ وہ انگریز نوآبادیوں نے کیا
 یعنی مارمنوں (Marmon) نے۔ انہوں نے جو گرپٹ سالٹ لیک (نمک کی جھیل)
 ہے۔ قریب ۱۸۴۰ء میں اس کے کنارے پرانی آبادیاں قائم کر کے فوراً ہی آبپاشی کا کام شروع کر دیا
 انہوں نے چونکہ ایک ایسے ملک میں سکونت اختیار کی تھی۔ جو بظاہر باطل صحرا تھا۔ اور چونکہ
 وہ اس ناموافق ماحول سے روزی حاصل کرنے پر مجبور تھے۔ اسلئے انہوں نے ایسی ہیئت
 اور ذہانت سے کام شروع کیا۔ جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ وادی کی زمین
 میں جس چیز کی کمی ہے وہ پانی ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ پانی پہاڑی ندی نالوں سے
 مل سکتا ہے۔ اس لئے صریح طور پر انہیں جو کام کرنا چاہیے تھا۔ وہ یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ
 پانی بیکار بہا کرے۔ وہ اسے کاٹ کر اپنی سکونت کی زمینوں میں لے آئیں۔ چنانچہ نہریں
 اور خندقیں کھودی گئیں۔ پانی کو کام میں لایا گیا۔ اور بنجر زمین کو رشک گلزار بنا دیا گیا۔ مارمن
 جماعت آجکل ریاستہائے متحدہ کی سب سے خوشحال جماعتوں میں ہے۔ اور اسکی خوشحالی کی
 بنیاد اصل یہی آبپاشی کی نہریں اور خندقیں ہیں۔ اس عرصے میں ادھر ادھر اور آبپاشی کے
 کام بھی چھوٹے چھوٹے پیمانے پر شروع ہوئے۔ یہ ان لوگوں نے جو دریائوں کے کنارے
 سکونت پذیر ہوتے تھے۔ شروع کئے تھے۔ قدرتی طور پر یہ طریقہ وہیں کامیاب ہو سکتا تھا
 جہاں پانی کو ندی نالوں سے لکال کر باسانی زمینوں کی طرف لایا جاسکتا ہو۔ اور غوثے مصفا
 کی ضرورت ہو۔ آبپاشی کے کام کو وسیع پیمانے پر کرنے کی دوسری کوشش کربلی واقعہ کالریڈو
 میں رونما ہوئی۔ اس جگہ امداد باہمی کے اصول پر عمل کیا گیا۔ جیسا کہ پوٹاہ میں کیا گیا تھا۔ فرق یہ تھا
 پوٹاہ میں تو اس اصول کی بنیاد اتحاد و مذہب اور ایک مشترک حاکم کی اطاعت پر تھی۔ اور یہاں
 یہ بات نہ تھی۔ اس جماعت کی ہلاکی ذہانت و طباعی اور صلاحیت ترقی نہ صرف اس کے آبپاشی
 کے کاموں سے ظاہر ہے۔ بلکہ اس کا عظیم الشان مدرسہ اس کی انجمن عملی کی عمارت اور دوسری

بلند اور شاندار عمارتیں جو ذہنی اور معاشرتی زندگی کی ترقی و تربیت کے لئے بنائی گئیں وہ بھی اسکی شاہد ہیں۔ زراعت اور آبپاشی کے عہدہ سے عہدہ عملی طریقوں پر عمل کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت پھلی پھولی۔ اور کالریڈ اور کیلیفورنیا دونوں ریاستوں کی نوآبادیوں کیلئے ایک زندہ مثال ثابت ہوئی۔ بعدہ کیلیفورنیا میں آبپاشی کے ایک نئے طریقے پر عمل کیا گیا۔ وہ تخمینہ لپندی جو کیلیفورنیا والوں کی گھنٹی میں پڑی ہے۔ اس نے بہت جلد آبپاشی میں اپنا جلوہ دکھایا۔ جیسا کہ وہ کائیں کھودنے کے کام میں دکھا چکی تھی۔ چنانچہ جنوبی کیلیفورنیا میں دیوانہ وار سرگرمی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس ریاست نے آبپاشی میں ایک مشترکہ کام اور تخمینہ کی صورت اختیار کی۔ یونہی اور کالریڈ نے آبپاشی کے کام میں فقط اپنے ہاتھوں اور جانوروں سے کام لیا تھا۔ کیلیفورنیا نے سرمایہ کے حصے فروخت کئے اور یوں کہئے کہ اس نے اپنے مستقبل کو رہن رکھ دیا۔ لوگ کروڑ پتیوں کی ایک نئی نسل کے خواب دیکھنے لگے جو بگھمکتی ہوئی برف کی تجارت کر کے پانی کے کرایہ کے "محقق" کو فروخت کر کے اور ایک نئی جماعت جس کا نام آبپانہ ادا کرنے والے لوگ ہوگا۔ محصول وصول کر کے دولت مند بنے گی۔

جس طرح انفرادی حیثیت سے لوگ صرف اسی جگہ آبپاشی کا کام کر سکتے تھے جہاں خرچ کم آتا ہو۔ اسی طرح امداد باہمی کے اصول پر مبنی عمل ہو سکتا تھا جہاں نوآبادی کا ایک گروہ اپنی محنت سے آبپاشی کا کام کر سکتا ہو۔ اس بات کیلئے کہ جتنا پانی مہیا ہو سکتا ہے وہ پورا پورا حاصل کیا جائے۔ اور اس کا استعمال بہترین طریقہ پر کیا جائے۔ یہ ضروری تھا کہ کم از کم بعض صورتوں میں کام وسیع پیمانے پر شروع کیا جائے۔ جس کے لئے اپنے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ جو امداد باہمی کے انجمنوں کی دسترس سے باہر تھا۔ اس لئے مشترکہ سرمایہ کی انجمنوں کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس طریقے کے مطابق امداد باہمی کے اصول سے کہیں زیادہ برے برے کاموں کا بیڑا اٹھایا جاسکتا تھا۔ امداد انفرادی طریقے کا تو اس سے مقابلہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ جیب پانی کی دُور دُور تک پھیلانے کے مواقع سے لوگ انفرادی طور پر اور انجمن ہائے امداد باہمی کے ذریعے دونوں طرح فائدہ اٹھا چکے۔ اور پیچھے رہ گئے۔

حکومت متحدہ یا ریاستی حکومتیں ضروریات وقت کو محسوس کریں۔ تمام بڑے بڑے اور زیادہ اخراجات والے آبپاشی کے کام ان مشترکہ انجمنوں نے تکمیل کو پہنچائے اس عہد میں چند شاندار کام مکمل ہوئے۔ جن پر سربراہ کثیر خرچ ہوئے۔ اور انجینیئری کے حیرت انگیز کمال دکھائے گئے۔

ان میں سے بعض بعض کام تو مالی اعتبار سے کامیاب ثابت ہوئے لیکن بعض کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوا۔ جب کام تیار ہو چکے اور پانی آبپاشی کیلئے ہیبا کر دیا گیا۔ تو بعض حالات میں یہ دیکھا گیا کہ اصل مصارف کا ادا کرنے کا تو کیا ذکر۔ اخراجات رواں بھی اس روپے سے ... پورے نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان کمپنیوں میں سے اکثر کا دیوالہ نکل گیا۔ اور بعض بعض کا تو یہ حال ہوا کہ ان کی پوری کی پوری ملکیت اصل اخراجات کے دسویں حصے قیمت پر فروخت ہوئی۔ ناہم بعض بعض صورتوں میں یہ ہوا۔ کہ جن صورتوں کی بنیاد ڈالی گئی تھی وہ جماعت کے نقطہ نگاہ سے کامیاب ثابت ہوئی۔ اور نقصان صرف ان افراد کو اٹھانا پڑا۔ جنہوں نے اپنا روپیہ لگایا تھا۔ ان آبپاشی کی کمپنیوں کے ناکام رہنے کا باعث بعض اوقات بدانتظامی ہوتی تھی۔ لیکن عموماً اور اسباب بھی اس کے ذمہ دار ہوتے تھے مسٹر ایڈوڈ میڈ (Mr. Adolphus Mead) مندرجہ ذیل اسباب کو سبب اہم بتاتے ہیں۔

۱، جن زمینوں میں آبپاشی کی جاتی تھی ان کو آباد کرنے کے لئے بڑی طویل مدت تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اور پانی کیلئے اپنے خریدار جو قیمت ادا کریں دیر سے ہاتھ آتے تھے۔ ۲، سالہا سال تک جو اخراجات ہوتے تھے اور بے سود محنت صرف کی گئی تھی اس کا یہ تقاضا تھا کہ اجارہ زمینوں کو زراعت کے قابل بنایا جائے۔ وہ آباد ہونے والے جن کی آمدنی محدود ہو۔ یہ نہیں کر سکتے کہ آباد ہونے کے خرچ کو بھی برداشت کریں اور اس کے علاوہ آبیانہ بھی دیں۔ خشک زمینوں میں جن جن لوگوں نے سکونت اختیار کی ہے۔ وہ عموماً کم بصاعت آدمی ہیں۔ اس لئے نہر کی کمپنیوں کو شروع شروع میں پانی پھوٹے سے معاوضہ پر دینا پڑتا ہے۔ یا یہ ہوتا ہے۔ کہ پانی استعمال کرنے والے کم ہوتے ہیں۔ ۳، اراضی عامہ کے متعلق جو قانون جاری تھے۔ وہ آبپاشی کی ترقی کے حق میں

مفید نہ تھے۔

۴۴، جن زمینوں کو قابل زراعت بنانا مقصود تھا۔ وہ بعض بعض صورتوں میں نہروں کے مکمل ہونے سے پیشتر ایسے مالکیوں کے قبضے میں آگئیں۔ جنہوں نے خود دلی سکونت اختیار نہ کی یا جن کا مقصد محض ایک تھمینی کاروبار کرنا تھا۔ یہ لوگ ان زمینوں کی اصلاح کیلئے کوئی کوشش نہ کرنا چاہتے تھے۔

دہا، قانونی چارہ جوئی کے مصارف۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جب کسی بڑی نہر کے اخراجات کا تخمینہ طیار کیا جائے تو اس میں ان اخراجات کی بھی شوق رکھنی چاہیے جو قانونی چارہ جوئی کیلئے ایک طویل مدت تک برداشت کرنے پڑتے ہوں۔ یہ اخراجات یوں شروع ہوتے ہیں۔ اول اول لوگ پانی کا بجا استعمال کرنے لگتے ہیں اور بعد پانی کے حقوق کے متعلق آئے دن لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ ان اسباب کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اس بات کا خیال کر کے ہونے کہ انفرادی اولوالعزمی و آبپاشی کے اہم مسائل کو کامیابی سے حل نہیں کر سکتی یہ ظاہر تھا۔ کہ حکومت متحدہ اور ریاستی حکومتیں بھی آبپاشی کے مسئلے کو صحیح طور پر حل کر سکتی ہیں۔ چنانچہ امریکی آبپاشی کی تاریخ کا اب تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ یعنی وہ دور جس میں جمہوریہ امریکا یا حکومت متحدہ اس کام کو اپنے قبضہ اختیار میں لے لیتی ہیں۔ جو کچھ ان کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ اس کی ایک مثال لیجئے۔ پچھلے دنوں کی بات ہے کہ ایک نظام آبپاشی تکمیل کو پہنچا ہے جس نے ۱۰۰۰۰۰ ایکڑ سے زیادہ رقبہ زمین کو جو خاص طور پر زرخیز ہونے کے باوجود پانی کی کمی کے باعث بیکار پڑا تھا۔ قابل زراعت بنا دیا ہے۔ یہ زمین ۱۰۰۰۰ خاندانوں یعنی ۵۰۰۰۰ افراد کے لئے روزی دینا کر لیگی۔ حکومت کو جو اصل اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ وہ اس سے کم تھے۔ جو ایک جنگی جہاز بننے میں آتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا آئیگنا جب مزید مصارف کچھ بھی نہ ہونگے۔ کیونکہ زمین کے مالک جن کو اس کا فائدہ ہوگا تمام اخراجات کا معاوضہ حکومت کو دینا پڑے گا۔

مغربی امریکہ میں آبپاشی کے جو امکانات ہیں۔ ان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مصر کا وہ مہرورہ علاقہ جس کی آبیاری دریا کے نیل کرتا ہے ۱۰۰۰۰۰۰۰ ایکڑ سے

زیادہ نہیں۔ لیکن اس علاقے کی پیداوار سے ۵۰۰۰۰ یا اس سے بھی زیادہ آبادی کا پیٹ پلتا ہے۔ اس کی آبادی اتنی مدت سے گنجان چلی آتی ہے۔ جس کا تصور کوئی تاریخ دان نہیں کر سکا اور وہ قدیم ترین تہذیب جس کے متعلق کوئی بیان تاریخ تحریری کے صفحات پر ثبت ہے اس کا گہوارہ ہی ملک تھا۔ کوئی شخص صحیح صحیح نہیں بتا سکتا۔ کہ ریاستہائے متحدہ میں کتنی زمین آبپاشی کے ساتھ قابل زراعت بنائی جاسکتی ہے۔ لیکن ہمارے بعض چوٹی کے ارباب رائے کا قول ہے۔ کہ دریائے مسوری اور اس کے معاون اس زمین سے جس کی آبپاشی دریائے نیل کرتا ہے تین گنا زیادہ زمین کو سیراب کر سکتے ہیں۔ مصر کی گنجان آبادی کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ وہاں کے لوگوں کا معیار زندگی بہت پست ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ زمین خاص طور پر زرخیز ہے۔ مٹی سیلابی ہے۔ اور اس پر دریائے نیل ہر سال ایسے کیمیائی اجزاء کی ایک تہ بچھا دیتا ہے۔ جو زمین کی قوت نمو کیلئے مفید ہیں۔ اور پھر اس کو کافی رطوبت اور منطوقہ حارہ کی تیز گرمی میسر آتی ہے۔ یہ بات نہ تو ممکن ہے اور نہ اسکی ہمیں خواہش ہے کہ دریائے مسوری جس خطہ کو سیراب کرتا ہے۔ اُس میں ایسے لوگ آباد ہوں۔ جن کا معیار زندگی مصریوں کا سا چلت ہو۔ اس لئے اس کا امکان ہے۔ اور نہ ہمیں اس کی خواہش ہے۔ کہ اس خطے کو اتنی گنجان زراعتی آبادی کیلئے روزی جیتا کرنی پڑے۔ الا اس صورت میں کہ یہ مصر کی زمین سے بدرجہا زیادہ زرخیز بن جائے۔ غور ڈی سی آبادی جس کی گزران۔۔۔۔۔ اچھی ہوتی ہو۔ ایسی گنجان آبادی سے اچھی ہے۔ جس کے برے حالوں ہوتی ہو۔ ۱۹۲۰ء کی مردم شماری کے مطابق ۱۹۱۰ء اور ۱۹۲۰ء کے درمیان میں آبادی میں اضافہ ہوا۔ اور یہ رقبہ روز بروز بڑھتا رہا ہے۔ یہ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ ریاستہائے متحدہ کے نصف مغربی میں ایک دن اتنے رقبہ میں آبپاشی ہو جائیگی۔ جو نیوا انگلینڈ اور نیویارک کو ملا کر دو نو کے برابر ہوگا۔ اس زمین کا بیشتر حصہ پانی کے بغیر بالکل نکما ہے۔ لیکن اگر اس کو عمدہ طریقے سے سیراب کیا جائے۔ تو وہ اتنا ہی زیادہ قیمتی اور سیر حاصل بن جائیگا۔ جتنا کہ ملک بھر میں اور کوئی خطہ ہوگا۔ اور جس علاقے میں اب کاشت ہوتی ہے۔ اس کے بیشتر حصے سے تو یہ کہیں زیادہ سیر حاصل ہوگا۔ آبپاشی سے جہاں یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ زمین کو رطوبت پہنچائی جاسکتی ہے۔ وہاں یہ فائدہ بھی ہے

کہ وہ مٹی کی تہ جو زیادہ بلند یوں کی چٹانوں سے پانی میں تحلیل ہو ہو کر آتی ہے۔ زمین پر کچھ جاتی ہے اس وجہ سے وہ زمین جس میں آبپاشی کی جائے۔ نہ صرف سیر حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ مدت ہائے مدد تک اپنی زرغیزی کو قائم رکھ سکتی ہے۔

خشک زراعت۔ پہاڑی ندی نالوں سے جو پانی مل سکتا ہے۔ جب وہ تمام کا تمام نہریں کاٹ کر لایا جائے اور استعمال کیا جا چکے۔ تو پھر بھی اس اُجاڑ اور بیخبر خطے کا صرف ایک ادنیٰ حصہ سیراب ہوگا۔ وہ علاقہ جس میں آبپاشی ہوگی۔ گو مجموعی طور پر بہت وسیع ہوگا۔ لیکن اسکی مثال بالکل یوں ہوگی۔ کہ ایک صحرائے نق و دق یا ایک چٹیل میدان میں جس میں پانی کے بغیر کاشت مطلق نہیں ہو سکتی۔ چند تختان ہیں۔ بہر حال اس وسیع خطہ زمین کا کچھ حصہ اس طریقے کے مطابق جسے خشک زراعت کہتے ہیں۔ پیداوار کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ گویہ صحیح صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس حصے کا رقبہ کتنا ہوگا۔ اگر ہم دریائے سندس میں مغرب کی طرف بڑھے چلے جائیں۔ تو باسٹھ تائے چند پہاڑی علاقوں کے جن کی سطح اونچی ہے باقی تمام علاقوں میں بارش کی مقدار کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ تا آنکہ ہم بحر الکاہل کے ساحل کے نزدیک پہنچ جاتے ہیں۔

یہ بتانا مشکل ہے۔ کہ وہ خطہ جہاں کافی بارش ہوتی ہے۔ کہاں ختم ہو جاتا ہے اور وہ خطہ جہاں ناکافی بارش ہوتی ہے کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ پیرانے قواعد زراعت کے نقطہ نگاہ سے بھی اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن حفظ رطوبت کے مسائل کا سائنٹفک طریقے سے مطالعہ کرنے سے اور ایسے نئے پودوں کی کاشت کرنے سے جو خشک سالی کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ دریافت کیا گیا ہے۔ کہ یہ حد فاصل مغرب میں بہت دور جا کر واقع ہے دوسرے الفاظ میں بہت سے خطے مغربی علاقے میں ایسے ہیں۔ جن میں پہلے کاشت کرنا فصول خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن اب وہ سیر حاصل سمجھے جاتے ہیں۔

جن زمینوں کو پہلے سجد خشک سمجھ کر زراعت کے ناقابل کہا جاتا تھا۔ ان میں کمیابی کے ساتھ زراعت کرنے میں جو امر سب سے زیادہ مفید مطلب ہے۔ وہ غالباً یہ ہے کہ سطح زمین کے اوپر نرم مٹی کی ایک نہ بچھائی جائے۔ دریافت کیا گیا ہے۔ کہ رطوبت کے ضائع

ہونے کا ایک بڑا سبب پانی کا بخارات بن کر اڑ جانا ہے۔ جو رطوبت بارش کے وقت زمین میں سرایت کر جاتی ہے۔ وہ زمین کے ریشوں کی کشش کے زیر اثر سطح پر آ جاتی ہے جیسے کہ ایک لمپ کی تیلی میں تیل چڑھ آتا ہے۔ اگر یہ رطوبت بالکل سطح کے اوپر آ جائے تو بخارات بن کر اڑ جاتی ہے۔ اور ہوا اسے کہیں کی کہیں لے جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ تیل جو بنی میں آتا ہے۔ جل جلا کر غائب ہو جاتا ہے۔ اگر سطح کی مٹی ہمیشہ اُلٹی پٹی جائے۔ اور جھنڈ نہ دی جائے۔ تو رطوبت سطح کے اوپر آنے سے رُک جاتی ہے۔ پولی مٹی چونکہ اتنی سخت نہیں ہوتی۔ اور اس کے ریشے جو پانی کے باہر نکلنے کا ایک رستہ ہوتے ہیں بند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے پانی اس تہ میں یا سانی اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ اس طور پر رطوبت زمین کے نیچے کی مٹی میں رہتی ہے۔ اور نرم مٹی کی تہ اس کو ہوا سے ایک چادر کی طرح بچائے رکھتی ہے۔ زمین کی رطوبت کو ضائع ہو جانے کیلئے اس سیدھے سادھے طریقے کے استعمال نے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ جن زمینوں کو پہلے خشک اور خیر سمجھا جاتا تھا۔ ان میں پودے اُگائے جاسکتے ہیں۔ البتہ ایک خطرہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہوا رطوبت کو تو خیر اُڑا کر لے ہی جاتی ہے لیکن خود پولی مٹی کی تہ کا بھی کہیں صفایا نہ کر دے۔ اور اس طرح سارا کھیل نہ بگڑ جائے۔

مزدور زمین کی توسیع کا ایک اور ممکن طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک خطہ زمین میں ایک دوسرے کا شت کی جائے۔ پھر اس کو بے کاشت رہنے دیا جائے۔ یا مختلف پودے باری باری اس میں اُگائے جائیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کیا جائے۔ کہ رطوبت زمین کی پولی مٹی کی تہ کے ذریعے محفوظ رکھا جائے۔ جب کوئی پودا اُگ رہا ہو۔ تو وہ زمین میں سے بہت سی رطوبت کھینچ لیتا ہے۔ جڑیں رطوبت کو جذب کر لیتی ہیں۔ پھر وہ اوپر کو چڑھتی ہے۔ اور پتوں یا دُھنٹلوں میں سے بخارات بگڑا اڑ جاتی ہے۔ جس زمین کو باہر سے اتنی رطوبت نہ ملتی ہو کہ ہر سال فصل اُس میں اُگ سکے۔ یا وجودیکہ اس میں ہمیشہ پل جوتا جائے۔ اور اس پر پولی مٹی کی چادر بھی بچھائی جائے۔ تو ایسی زمین میں ہر سال پودے اُگلے جاسکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ایک سال اس کو بے کاشت رہنے دیا جائے۔ لیکن ایک سال چھوڑ کر

اس کی مٹی باقاعدہ پولی کی جائے۔ اس قاعدے کے مطابق زمین میں دو سال کے لئے رطوبت کا کافی ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ وہ ایک فصل کے اگانے میں کام آتا ہے یہ بیشک درست ہے۔ کہ اس طرح کاشتکار کو صرف آدھی زمین کا حاصل ملتا ہے۔ لیکن اگر موسم خراب نہ ہو۔ اور کاشتکار کے کام میں خلل نہ پڑے۔ اگر زمین مہوار ہو۔ اور اس میں آسانی سے کام کیا جاسکے۔ اگر گھوڑوں کی طاقت۔ ایسے ہل جن میں بہت سے گھوڑے جوتے جاسکیں۔ اور کارآمد ٹیلیں استعمال کی جائیں۔ تو وہ اتنی زمین میں کاشت کر سکیگا۔ کہ ہر سال اتنی ہی فصل پیدا ہو سکے۔ یعنی مشرقی کاشتکار کو جو ہر سال کاشت کرتا ہے۔ دستیاب ہوتی ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے۔ کہ آئے دن خراب موسم اور دوسرے ناموافق حالات اس کے کام میں مارج ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ زیادہ زمین میں کاشت کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس طریقہ زراعت سے اتنی گنجان آبادی کے لئے روزی مہیا نہیں ہو سکتی۔ یعنی کہ ایک ایسے قطعہ زمین سے جس میں بارش کافی ہو۔ پھر بھی مٹی پیداوار ہو سکے اتنی ہی اچھی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ زمین کو بیکار پر ڈارہنے دیا جائے ضرورت پڑ جائے تو اس طریقہ زراعت کو اور بھی وسیع کیا جاسکتا ہے۔ اور ہر قطعہ زمین میں تین سال میں صرف ایک مرتبہ فصل پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس طور پر روزی کما لینا ایک کاشتکار کے بس ہے۔ بشرطیکہ زمین کا محل وقوع مناسب ہو۔ زمین بڑی چیز ہو۔ اور اس میں کاشت باسانی ہو سکتی ہو۔

خشک زراعت کے طریقے کے متعلق اور بہت سے جزئی امور ہیں۔ جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں۔ کہ بحیثیت ایک ماہر خصوصی (specialist) کے ان کا علم حاصل کیا جائے۔ اس لئے جو شخص اس قاعدے کو اپنا دستور العمل بنانا چاہے۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس سکلے کے تمام چیزیات کا بغور مطالعہ کرے۔ گہرا ہل چلانا جس سے یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ زمین کی بارش کو جذب کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ اور بارش کا پانی تالابوں کی صورت میں ادھر ادھر یہ کر ضائع نہیں ہو جاتا۔ مٹی میں جو مادہ بیاقی ہے۔ اس کو بڑھانا۔ اور اس کی حفظ رطوبت کی قوت کو بڑھانا۔ سطح کے نیچے تر جانا۔ اور

اس قسم کے اور خاص خاص طریقے سب سیکھنے چاہئیں۔ اور پھر ان پر عمل کرنا چاہیے۔
 کہا گیا ہے کہ جو کاشتکاران مختلف طریقوں پر سائنٹفک طریقے سے عمل کر لیا۔ وہ بعض
 ایسی زمینوں سے جن کو پہلے بیکار خیالی کیا جاتا تھا۔ وہ یہ کہا سکتا ہے۔ اس میں کلام
 نہیں کہ خشک زراعت کے طریقے کے متعلق ہماری اس وقت جو معلومات ہیں وہ ناکافی
 ہیں۔ اور ان میں ابھی اضافہ ہوگا۔ نئی نئی چیزیں لگائی جائیں گی۔ جن میں خشک سالی کا مقابلہ
 کرنے کی طاقت ہوگی۔ اور اس طرح مغربی امریکہ کی مزرعوں میں کاروبار بھی وسیع
 ہو جائیگا۔ یہ سب کچھ درست ہے۔ لیکن کہنا پڑتا ہے کہ جب یہ سب کچھ جس کی ہم امید
 ہو سکتی ہے۔ انجام پا چکیگا۔ تو پھر بھی بہت سے قطعات زمین ایسے رہ جائیں گے جنہیں
 مجبوراً بیکار رہنے دیا جائیگا۔ ان میں بہت سے قطعات سے چراگاہ کی صورت میں کام
 لیا جائیگا۔ لیکن بحیثیت چراگاہ کے بھی بعض قطعے ایسے نکمے ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔
ناموافق کیمیائی حالات۔ جو زمینیں اسوافق کیمیائی حالات کی وجہ سے آجکل بیمار
 پڑی ہیں۔ ان زمینوں کو قابل زراعت بنانا ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کے حل کرنے کیلئے
 اعلیٰ درجہ کی بہارت اور علمیت کی ضرورت ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ اس قسم کا علمی زمانہ
 نمایاں یا کم یا ب ہے۔ زیادہ خشک یا زیادہ مرطوب زمینوں کو قابل زراعت بنانے کیلئے بعض
 اوقات آبپاشی یا آبادی کے کام کی اتنے وسیع پیمانے پر ضرورت ہے۔ کہ افراد کو ان کا
 بیڑا اٹھانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ لیکن جو زمینیں کیمیائی خرابیوں کی وجہ سے رانگلاں جا
 رہی ہیں۔ ان کا معاملہ جدا ہے۔ ان کیلئے شروع شروع میں ایک تجرباتی دور ہوتا
 ہے۔ جس میں ضرورت ہوتی ہے کہ حکومت یا قوم کاموں کا بیڑا اٹھائے۔ لیکن اس کے
 بعد اسکی ضرورت نہیں رہتی۔ جب سائنٹفک مطالعہ اور تجربہ سے ایک مرتبہ یہ طریقہ سیکھ
 لیا جائے۔ کہ ایسی زمینوں کو کس طرح ٹھیک کرنا چاہیے۔ تو پھر افراد اور پرائیویٹ کمپنیاں
 بھی اس مسئلہ کو اتنی ہی خوبی سے حل کر سکتی ہیں۔ جتنی خوبی سے حکومت اور قوم اس کو حل
 کر سکتی ہیں۔ اس بنا پر یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس سے مٹی کے خواص کے ماہر کو تعلق
 ہے۔ اور معاشیات کے طالب علم کو اتنا تعلق نہیں تو

زمین شور۔ جو زمینیں آجکل کیمیائی خرابیوں کی وجہ سے بیکار پڑی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ نمایاں قسم کیا مہالے ملک میں اور کیا باقی دنیا میں اس زمین کی ہے۔ جسے عام طور پر زمین شور کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی زمینیں عموماً ان خطوں میں پائی جاتی ہیں جہاں بارش کم ہوتی ہے۔ اور فاضل پانی نالوں کی صورت میں ادھر اُدھر پہنچانے کیلئے بالکل ناکافی ہوتا ہے۔ اور اس کا بہت سا حصہ بخارات بن کر اُڑ جاتا ہے۔ جن خطوں میں یکثرت بارش ہوتی ہو اور اس لئے بیشمار زندگی نالے بہتے ہوں وہاں شور سے کئے اجزا زمین سے نکل کر بہتے ہوئے سمندر میں جا ملتے ہیں۔ اور پانی کے نمکی اجزاء میں اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن جہاں بارش تھوڑی سی رہتی ہو اور بہت سا پانی بخارات کی صورت میں غائب ہو جاتا ہو۔ وہاں اجزائے شور زمین کے اندر رہ جاتے ہیں۔ ایسے خطوں میں بھی اگر سطح زمین اونچی یا ڈھلوان ہو یا نالوں اور بدروؤں کا اچھا انتظام ہو تو زمین شور سے خالی ہوتی ہے ورنہ ہر کہ تھوڑی سی بارش بھی اس کو مٹی سے نکال کر بہا لے جاتی ہے۔ کبھی سمندر کی طرف بھی کم بلند زمینوں کی طرف۔ لیکن وہ قطعات زمین جس کی سطح نیچی ہو یا چوڑی اور ہموار ہو یا جہاں بدروؤں کا انتظام خاطر خواہ نہ ہو وہ ان نمکی اجزاء سے بھر پور رہتی ہیں۔ اسلئے پودوں کے اُگنے میں خلل واقع ہو جاتا ہے یا وہ بالکل تباہ ہو جاتے ہیں۔

کرہ ارض کے ہر حصے کے خشک خطوں میں اس قسم کی شور زمینیں بہت پائی جاتی ہیں ان کا نظارہ سرسبزی و شادابی سے یکسر خالی اور سنسان ہونے کی وجہ سے نہایت باصرہ خراش ہوتا ہے اور ان میں سفوف سا باریک غبار ادھر اُدھر اُڑتا رہتا ہے۔ جس سے مسافر کے ہونٹوں پر پتھر یاں جم جاتی ہیں۔ اس کی آنکھ اور ناک میں خاک پڑ جاتی ہے اور اس کی طبیعت بہت بد مزہ ہوتی ہے۔ جو زمینیں اس وجہ سے ضائع جا رہی ہیں ان کے رقبے کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اول تو کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمین کا رقبہ ہے کتنا اور دوسرے اس کا بہت سا حصہ رطوبت کے کم ہونے کی وجہ سے اس قدر بیکار ہے کہ کوئی دریافت کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ بہر حال چونکہ ایک خشک خطے کا نشیبی اور کم خشک حصہ عموماً شور سے معمور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کیمیائی خرابیاں دور کر دی جائیں

تو ایسی زمینیں پرلے دریچے کی سیر حاصل ثابت ہوتی ہیں۔ اس بنا پر یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور اس کی اہمیت ریاستہائے متحدہ کے مغربی حصے سے زیادہ اور کہیں نہیں۔

ہم درستی زمین کے طریقوں سے کوئی مفصل بحث نہیں کرنا چاہتے۔ تاہم چند ایسے طریقے جو تجربہ سے فائدہ بخش ثابت ہو چکے ہیں۔ ذیل میں درج کئے دیتے ہیں۔ ان پر کامیابی سے عمل کرنے کیلئے عملی قابلیت اور بہارت کی ضرورت ہے:-

(۱) زمین دوز بردروئیں ان کے ذریعے سے پانی زمین میں سے اجزائے شور نکال کر لے جاتا ہے۔ ہلگارڈ (Hilgard) اس کو آخری اور عالمگیر علاج بتاتا ہے۔

(۲) طغیانی۔ بغیر زمین دوز بردروں کے مٹی سے شورے کے اجزا طغیانی کے ذریعے بنا کر دور کئے جاسکتے ہیں۔

(۳) اوپر کی مٹی کا بمقدار چند انچ سے بالکل مٹا دینا۔ چونکہ اجزائے شور پانی میں تحلیل ہو کر سطح پر پہنچتے ہیں۔ اور جب پانی بخارات بن کر اُڑ جاتا ہے تو وہاں رہ جاتے ہیں اسلئے عموماً سطح بہ نسبت نیچے کی مٹی کے شورے سے زیادہ لبریز ہوتی ہے۔ اس طور پر ایک سال کی مدت میں تیسرے حصہ سے لیکر نصف حصہ تک اجزائے شور زمین سے دور کئے جاسکتے ہیں۔

(۴) نہایت گہرا ہل چلاتا۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر جو اجزائے شور سے لبریز تہ جی ہو وہ نیچے چلی جاتی ہے۔ نیچے جا کر وہ باقی مٹی سے مل جاتی ہے اور نباتات کی پیدائش کے لئے کم مفرت ثابت ہوتی ہے۔

(۵) جو اجزائے سمیانی زیادہ مسرت رساں ہیں ان کے اثر کو زائل کر دینا مثلاً کیمچر سے یا کھربا مٹی سے بہت کافی لیمپ مینے سے بعض صورتوں میں اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۶) بتجربہ کے اثر کو زائل کر دینا۔ اگر کوئی طریقہ اختیار کیا جائے یا نہ کیا جائے یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ پولی مٹی کی تہ جس کا استعمال خشک زراعت میں کیا جاتا ہے مٹی کی مصنوعی نہیں دھوپ سے بچنے کیلئے چھاؤنی چھانا یا اور کوئی طریقہ جس سے بخارات کے اُڑنے میں کچھ کمی واقع ہو جائے تمام حالتوں میں یہ چیزیں مفید ثابت ہونگی۔

کیونکہ یہ ہر حالت میں مفید ہیں۔

(۷) ایسے پودے لگانا جو اعلیٰ کا مقابلہ کر سکیں۔ الفا فا اور آسٹریلیا کی جھاڑیاں (Salt-bushes) بعض صورتوں میں اچھی ثابت ہوتی ہیں۔ تجربے کے جاہے ہیں۔ کہ کون کون سے پودے زمین شور میں اُگ سکتے ہیں۔

شور و دل لیس۔ وہ شور و دل لیس جو ساحل بحر اور دریاؤں کے کنارے کے نزدیک پائی جاتی ہیں۔ اُن زمینوں کی ایک اور قسم ہے۔ جو ناموافق کیمیائی حالات کی وجہ اور خاص کر ناموافق طبعی حالات کی وجہ سے بیکار پڑی ہیں۔ ایسی زمینوں کے درست کرنے کیلئے صرف بندوں اور بدرروں کے بنانے کی ضرورت ہے۔ بند اس لئے کہ شور ملاوٹا پانی باہر باہر رہے اور بدرروں اس لئے کہ تازہ پانی باہر نکال دیا جائے۔ اگر تازہ پانی باہر نکالا جاسکے تو وہ اپنے ساتھ شورے کو بہائے جائیگا اور زمین کی حالت ایسی ہو جائیگی کہ اس میں پیداوار ہو سکیگی۔ اسلئے یہ گندے پانی کے نکاس کے مسئلہ کا فقط ایک جزو ہے۔ اور اس پر اسی حیثیت سے بحث کرنی چاہیئے۔

ناموافق سیاسی حالات۔ ہر صاحب نظر نے یہ بات دیکھی ہوگی کہ قیمتی زمینوں کے قلعے کے قلعے خاص کر ہمارے بڑے بڑے شہروں کے قریب وجوہ میں بیکار پڑے ہیں۔ یہ زمینیں ان معنوں میں رائیگاں جا رہی ہیں کہ لوگوں کی معاش کیلئے یہ کچھ پیدا نہیں کرتیں اور ان کا ہونا بالکل ایسا ہے۔ جیسے اراضی شور کا ہوتا۔ اس کی وجہ ناموافق طبعی یا کیمیائی حالات کا ہونا نہیں بلکہ سیاسی خرابیوں کا ہونا۔ یہ زمینیں عموماً تختہ بن چکی ہوتی ہیں۔ ان کے مالک ان سے روپیہ کماتے ہیں یا امید رکھتے ہیں کہ کسی دن کمائیں گے۔ وہ اس طرح نہیں کہ اس سے کچھ کام لیں بلکہ اس طرح کہ اس سے مطلق کچھ کام نہ لیں۔ ان کو امید ہوتی ہے کہ سال بے سال اچھی قیمت چڑھتی جائیگی۔ جو روپیہ وہ اس طور پر کماتے ہیں وہ اس بنا پر کماتے ہیں کہ باقی مخلوق خدا محنت کر کے ملک و قوم کی دولت میں اضافہ کر رہی ہے یا اس بنا پر کہ باقی لوگوں کی ضرورتیں ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں۔ بہر کیف مالکوں کو یہ امید ہوتی ہے کہ ان کی جماعت کو بہت جلد اُن کی زمین کی زیادہ ضرورت لاحق ہوگی۔ یہ سیاسی حالات کی

ایک خرابی اور کمزوری ہے کہ کوئی شخص ایسے قدرتی عطیہ کو صرف میں لاکر نہیں بلکہ بیکار رکھ کر اور اپنی جماعت کی قوت پیدا آوری میں اضافہ کر کے نہیں بلکہ اس قوت کے پورے استعمال کا انسداد کر کے روپیہ کمائے۔ اور کوئی مزاحم نہ ہو۔ امریکہ کی اکثر ریاستوں میں محصول کے متعلق ناقص قوانین ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اس قسم کی زریاں کاری کی ہمت ہوتی تھی۔ اور اب بھی بعض ریاستوں میں ایسی حالت ہے۔ جو شخص اپنی زمین کو استعمال نہ کرتا تھا وہ حکومت سے یہ درخواست کرتا کہ اس کے محصول میں کمی کی جائے۔ اور اس کی درخواست عموماً منظور کر لی جاتی۔ اب چونکہ ایک مقررہ رقم حاصل جمع کرنا لازمی تھا۔ اسلئے اس نقصان کی تلافی کرنے کیلئے اور قسم کی ملکیتوں پر محصول بڑھانے پڑتے۔ اس طور پر ایک شخص کو ایک قدرتی وسیلہ کے ضائع کرنے کا انعام ملتا۔ اور اس کے ہمسایہ کو اس بات کی سزا ملتی۔ کہ وہ کیوں ایک قدرتی وسیلہ سے وہ کام لیتا ہے۔ جس کیلئے جمہور نے وہ قدرتی وسیلہ اس کو تفویض کیا ہے۔ مقام شکر ہے کہ اب آہستہ آہستہ عوام کو اس بات کا احساس ہوتا جا رہا ہے۔ اور اب زمین کے ضائع کرنے والے پر اتنی ہدایاں نہیں ہوتیں جتنی کسی زمانے میں ہوتی تھیں۔ خاصکر ان ریاستوں میں جہاں پبلک سائل کے متعلق لوگوں میں روشن خیالی پیدا ہو گئی ہے۔ تاہم یہ بات اب بھی ساری ریاستوں میں پائی جاتی ہے کہ جو شخص اپنی زمین کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کرے زیادہ محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ بشرطیکہ طبعی حالت میں دونوں زمینوں کی قیمت مساوی ہو۔ اس قسم کا محصول اس محصول کی ذیل میں آتا ہے جو ملکیت کی تمام صورتوں پر یکساں لگایا جاتا ہے۔ زمین پر بھی اتنا زمین کی اصلاح پر بھی اتنا ہی۔ اگر اصلاح شدہ زمین اور بغیر اصلاح زمین دونوں پر مساوی محصول لگایا جائے۔ تو اس صورت میں کسی قطعہ زمین کو سیکار رکھنے میں کوئی فائدہ مالکوں کو نظر نہ آئے۔ ان کو جتنی قیمت بڑھنے کی امید ہو اس کی کسر محصول میں نکل جائے اور مالک محسوس کرنے لگیں کہ زمین سے روپیہ کمائے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ وہ جس کام کیلئے اس سے وہ کام لیا جائے۔ اس سے یہ فائدہ بھی ہو گا کہ وہ زمین جس کی اصلاح میں محنت و کفایت شکاری اور الو اعز می کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس پر یہ جو محصول لگایا جاتا ہے۔ وہ

قدر سے کم ہو جائیگا اور اس طرح لوگوں کو اس بات کی ترغیب ہوگی کہ وہ اپنی زمین کو بہتر بنائیں اور محنت کفایت شکاری اور جواں ہمتی کا ثبوت دیں۔ اگر سیاسی حالات میں یہ اصلاح ہو جائے تو زمین کے بیکار پرٹے زمین سے جو سخت نقصان ہوتا ہے۔ وہ بڑی حد تک دور ہو جائے اس زیربان کاری کے جو مضر اثرات ہیں ان کا اندازہ زمین کے رقبے کے حساب سے نہیں کیا جاسکتا۔ جو زمینیں ریلوں صنائع کی جاتی ہیں وہ عموماً ملک بھر میں سب سے زیادہ قیمتی ہوتی ہیں۔ ان میں کا ایک ایک ایکڑ اس زمین کے سو سو ایکڑوں کے برابر ہوتا ہے۔ جو خشک زراعت کے خطے میں بیکار پڑی ہیں۔ پارکوں۔ عشرت گاہوں اور شکار گاہوں میں جو زمین برباد کی جاتی ہے۔ خاص کر یورپ میں۔ اس کے متعلق بہت کچھ تحریر و تقریر کی صورت میں اظہار رائے کیا جا چکا ہے۔ اگر زمین فی الواقع پیداوار کے لحاظ سے اتنی قیمتی ہو کہ اس کو ان مقاصد کیلئے استعمال کرنا کفایت شکاری کے منافی ہو تو اس صورت میں یہ خرابی اس طرح با سائی و در کی جاسکتی ہے کہ ایسی زمینوں پر محصول اس اعتبار سے لگایا جائے کہ زراعت یا اس قسم کے اور پیداوار مقاصد کے نقطہ نگاہ سے ان کی قیمت کیا ہے۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوگا۔ کہ یہ خرابی جو بیان کی جاتی ہے۔ اس میں بڑی حد تک مبالغہ کو بھی دخل ہے۔ جو زمینیں ان سیر و تفریح کے مقاصد کیلئے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان میں یقیناً اکثر ایسی ہیں جو زراعت کیلئے کچھ زیادہ موزوں و مناسب نہیں ہیں۔ یہ زمینیں عموماً سیدنا ہمارے پتھر ملی اور بنجر ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں صریح طور پر یہ کہنا چاہیے کہ اگر ان کو بل جو تے کیلئے صاف نہیں کیا جاسکتا۔ تو ان میں جب تک اُسے دینا چاہیے۔ اگر کچھ شکار ان سے حاصل ہو جائے اور بحیثیت پارکوں یا شکار گاہوں کے سامان تفریح بھی ان سے ہیا ہو جائے۔ علاوہ اس کے کچھ لکڑی بھی ہاتھ لگ جائے۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ لیکن اگر اچھی اچھی زراعت کے قابل زمینیں ایسے کاموں کیلئے استعمال کی جاتی ہوں۔ حالانکہ اگر ان میں کاشت کی جاتی تو زیادہ فائدہ ہوتا اور پھر یہ بھی ہو کہ لوگوں کے وسیلہ معاش کیلئے ان زمینوں میں زراعت کرنے کی ضرورت ہو تو پھر یہ یقیناً سیاسی بد نظمی کی دلیل ہے۔ جن لوگوں کو یہ اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اچھی زمینوں کو یوں برباد کرتے ہیں۔ ان سے کم از کم اس رعایت کا معقول معاوضہ لینا چاہیے۔ اور کچھ نہیں

ان سے اتنا محصول تو ضرور وصول کرنا چاہیئے۔ جتنا کہ وہ اس صورت میں ادا کرتے کم زمین کو درست کرتے اور اس میں ہل جوتے۔ یہ علاج اگر کیا جائے تو جو زمینیں سرے سے زراعت کے قابل ہی نہیں اُن کو تو جانے دیجئے۔ باقی جو زمینیں زراعت کے کام کی ہیں۔ اُن میں یقیناً زراعت ہونے لگے گی۔

۳) زمین کے یکفایت استعمال کے طریقے

(سلسلہء سابق)

فی ایکڑ زیادہ پیداوار کرنا۔ بیکار زمین کو قابلِ زراعت بنانا اور جن زمینوں میں پہلے ہی زراعت ہوتی ہے۔ ان کی پیداوار قوت کو بڑھانا۔ یہ دو مختلف باتیں ہیں۔ لیکن ان کا باہمی فرق باسانی واضح نہیں کیا جاسکتا۔ جو زمینیں پہلے صرف مویشی چرانے کیلئے استعمال کی جاتی تھیں لیکن اب ان میں خشک زراعت یا آبپاشی کے ذریعے کاشت کی جاتی ہے۔ ان کو ہم بعض اوقات ان زمینوں کی ذیل میں شمار کرتے ہیں۔ جو پہلے خراب تھیں اور اب قابلِ زراعت ہو گئیں ہیں۔ اور بعض اوقات ان زمینوں کے زمرہ میں جن کی قوت پیداوار کو بڑھایا گیا ہے مغرب بعیدہ کی خشک زمینیں بعض اوقات چراگاہوں کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان میں سبزی اس قدر کم ہوتی ہے کہ کئی کئی ایکڑوں کو ایکسلی بھیر چر سکتی ہے۔ جب ایسی زمینوں میں آبپاشی کی جائے اور ان میں غلہ اور الفاٹا کی فصلیں پیدا کی جائیں تو درست شدہ زمینوں کا نام ان پر ٹھیک بیٹھتا ہے۔ لیکن جب مشرقی بعیدہ کی طرف کی زمینوں میں جہاں بارش کافی ہوتی ہے اور سبزی بھی ذرا زیادہ اگتی ہے۔ اور اس لئے چراگاہیں اچھی ہوتی ہیں۔ خشک زراعت کے قاعدے کے مطابق ہل چلائے جائیں اور دوسرے سال ان میں گیہوں کی فصل پیدا کی جائے۔ تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ درست شدہ زمینیں ہیں۔ گو ان کی پیداوار میں ترقی ہی کیوں نہ ہو گئی ہو۔ اسلئے بیکار زمینوں کو استعمال میں لانے کا سوال اس بڑے مسئلہ کی ایک شق ہو کر رہتا ہے کہ فی ایکڑ پیداوار کو بڑھانے کی کیا ترکیب ہے۔ آخر لاکھ زمین کے یکفایت استعمال کا ایک اور طریقہ ہے۔

اس جگہ ایک بات جتنا دینی ضروری ہے۔ بعض اوقات یہ فرض کر لیا جاتا ہے۔ کہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار بذاتِ خود ایک پسندیدہ چیز ہے۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے جس چیز کی خواہش کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ فی کس پیداوار زیادہ ہو۔ جن ملکوں میں فی کس پیداوار کافی ہوتی ہے صرف وہاں متوسط الحال آدمی کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے اور اعلیٰ درجے کی

خوشحالی اسے نصیب ہوتی ہے۔ جن ملکوں میں زمین کی بہتات ہو۔ وہاں فی کس کافی پیداوار کا
 وسیع سے آسانی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یعنی اس طرح کہ فی کس کافی رقبہ زمین کی کاشت
 کی جائے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فی ایکڑ پیداوار کم ہوتی ہے۔ لیکن اگر کسی ملک میں ساری
 کی ساری زمین رُکی ہوئی ہو۔ اور آبادی بڑھتی جا رہی ہو۔ تو فی کس زیادہ پیداوار جاری رکھنے
 کی صرف ایک ترکیب ہے۔ وہ یہ کہ فی ایکڑ پیداوار زیادہ کی جائے یعنی یہ کہ اگر چہ فی ایکڑ
 زیادہ پیداوار بذاتِ خود کوئی پسندیدہ چیز نہیں۔ تاہم فی کس زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے
 وسیلہ کے طور پر اس کو پسندیدہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ملک میں فی
 ایکڑ بہت زیادہ پیداوار ہو۔ اور فی کس پھر بھی ناکافی ہو۔ لیکن جہاں یہ حالت ہو وہاں عموماً
 افلاس اور قلاشی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے ملک جن میں فی ایکڑ پیداوار
 زیادہ ہوتی ہے لیکن لوگ بھوکے مرتے ہیں مثال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔ لطف کی
 بات ہے کہ یہی وہ ملک ہیں جن کو بے عقل اور کم فہم لوگ قابل رشک بتاتے ہیں۔

ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ خدا کی مہربانی ہمیں اس افتاد یعنی مصیبت سے محفوظ رکھیں گی
 جو ان ملکوں پر پڑی ہے یا یوں کہئے کہ ہمارے اہل ملک خود اس یا اسے میں خبردار رہیں گے۔ کہ ایسی
 بات یہاں نہ ہوتے پائے۔ تاہم یہ بات اٹل معلوم ہوتی ہے کہ آئندہ چند سال میں ہمارے
 ملک کی آبادی بڑی تعداد میں بڑھے۔ خاص کر اس صورت میں کہ لوگ جس طرح ان دنوں جوق
 درجوق امریکہ کی طرف ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اسی طرح آتے رہے۔ اس لئے اشد ضروری بات
 ہے۔ کہ ہم جہاں فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کا ڈھنگ سیکھیں۔ وہاں فی کس پیداوار بڑھانے
 کا طریقہ لفظاً اندازاً نہ کریں۔ جس زمین میں پہلے زراعت ہوتی ہو۔ اس کی پیداوار فی ایکڑ بڑھانے
 کے دو عام طریقے ہیں۔ اول تو یہ کہ کم پھلنے پھولنے والی اجناس کی بجائے اچھے پھلنے پھولنے
 والی اجناس لگائی جائیں۔ دوسرے یہ کہ ہر جنس کی زیادہ عمیق کاشت کی جائے۔

کم حاصل اجناس کی بجائے سیر حاصل اجناس کی کاشت کرنا۔ جیسا کہ
 اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ درستی زمین کے کام کے بیشتر حصے سے اول الذکر عنوان کے
 ماتحت بحث کی جاسکتی ہے خود رو گھاس کی بجائے مزدور گھاس کا اگانا چرکا ہو بھی

بجائے کاشتکاری۔ ایسی چیزوں کی بجائے جو کم کاشت لیکن زیادہ زمین چاہتی ہوں ایسی
 چیزوں کا اگانا جو زیادہ کاشت اور کم زمین چاہتی ہوں۔ یہ زمین کے باکفایت استعمال کی
 مختلف منزلیں ہیں۔ اس معاشیاتی ترقی کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ریاستہائے
 متحدہ کا علاقہ مغرب کی طرف ہٹتا چلا جا رہا ہے۔ گیہوں دینا کی تجارت میں بڑی اہمیت رکھتا
 ہے۔ تاہم کاشت عمیق کے زاویہ نگاہ سے یہ ایک ادنیٰ درجہ کی جنس ہے۔ ایک درمیانہ درجہ
 کی فصل پیدا کرنے کیلئے معمولی محنت درکار ہوتی ہے۔ لیکن اس فصل کی مقدار بڑھانے
 کیلئے اگر کاشتکار کوشش کرے تو اور اجناس کی فصل تو بڑھ جاتی ہے لیکن گیہوں کی
 فصل نہیں بڑھتی۔ مٹی کے ایک ایجر کی کاشت میں گیہوں کے ایک ایکڑ کی کاشت سے
 زیادہ محنت خرچ ہوتی ہے۔ لیکن اگر آب و ہوا اور طبیعت زمین مناسب حال ہو تو ان
 اجناس کی فصل بہت مقدار میں بڑھائی جاسکتی ہے۔ یعنی یہ اجناس بہ نسبت گیہوں
 کے کاشت عمیق کو جلدی قبول کر لیتی ہیں۔ گیہوں نقل و حمل کیلئے بہت مناسب ہوتا ہے
 تھوڑا سا حجم اور زیادہ قیمت یہ اس کی بڑی خوبی ہے۔ اس لئے وہ دور دور تک جہازوں پر لادکر
 جاسکتا ہے۔ اور نقد داموں پر یک سکتا ہے اس بنا پر کئی سال سے یہ ہو رہا ہے کہ دنیا کی
 گیہوں کی رسد زیادہ تر ان خطوں سے آتی ہے جن کی آبادی کھلی کھلی ہے۔ اور جو مرکزی
 منڈیوں سے بہت فاصلے پر واقع ہیں۔ زمین بکثرت ہے اور مزدوروں کی تعداد کم۔ جہاں تک
 ہمارے ملک کا تعلق ہے۔ گیہوں سرحدی علاقوں میں پیدا ہوتا رہا ہے اور گیہوں کی پیداوار
 کا مرکز پچھلے سالوں میں مغرب کی طرف ہٹا گیا ہے اور اب بھی اُسی طرف جا رہا ہے آبادی
 جیسے جیسے گنجان ہوتی چلی گئی ہے اور زمین کی بمقابلہ مزدوروں کے قلت ہوتی چلی گئی ہے
 ویسے ویسے یہ محسوس کیا گیا ہے کہ گیہوں کی بجائے اور کوئی غلہ یا دوسری اجناس
 اگانا معاشیاتی اعتبار سے زیادہ فہم بخش ہے یا گیہوں کو اگر اگایا بھی جائے تو ان
 دوسرے پودوں کے ساتھ باری باری اگایا جائے۔ بہر کیف زمین کی روز افزوں قلت
 اور مزدوروں کی کثرت نے بجائے کم حاصل اجناس کے سیر حاصل اجناس کی کاشت
 کو رواج دیا ہے۔

یہ سیر حاصل اجناس کا کم حاصل اجناس کے بجائے اگایا جاتا بعض نہایت پیچیدہ
 معاشیاتی مسائل پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے۔ گیتھوں کا خطرہ جو مغرب کی
 طرف ہٹتا جاتا ہے۔ تو اس کا ایک سبب نقل و حمل کی آسائیاں ہیں۔ گوستی زمینوں کا
 دستیاب ہو سکتا اور کاشت وسیع کے موقعوں کا میسر آنا بھی بڑے اہم اسباب ہیں۔
 بڑے بڑے شہروں کے قرب و جوار میں یاغ کے پودوں کی جو کم اور بھی سیر حاصل ہیں۔ لیکن
 نقل و حمل کے کام کے نہیں۔ جو کاشت ہونے لگی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی نقل و حمل کا سوال
 ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیزیں حجم میں زیادہ یا جلدی خراب ہو جانے والی ہوتی ہیں۔
 یا اور کسی وجہ سے ان کی نقل و حمل کا کام مشکل ہوتا ہے۔ ان کو اس جگہ کے نزدیک پیدا
 کرنا چاہیئے۔ جہاں کہ وہ صرف میں آتی ہوں۔ اور وہ چیزیں جو حجم میں کم اور نسبتاً دیر
 سے خراب ہونیوالی ہوں یا جن کے نقل و حمل میں خراب ہونے والی ہوں یا جن کے نقل و حمل میں
 اتنی دقت پیش نہ آتی ہو۔ وہ اگر اس جگہ سے جہاں وہ صرف ہوتی ہیں دور بھی پیدا کی جائیں
 تو مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ نقل و حمل کے ذرائع کی کفایت کرنے کا ایک طریقہ ہے نہ کہ زمین کی
 کفایت کرنے کا طریقہ۔ مزید بریں تقسیم کار کی یہ صورت اسی ملک میں کفایت کا باعث ہو
 سکتی ہے۔ جہاں گنجان آبادی والے اور کم آبادی والے دونوں طرح کے خطے موجود
 ہوں۔ اور دونوں ایک جیسے زرخیز ہوں۔ جب تمام ملک میں آبادی گنجان ہو جائے۔
 تو اسی میں زیادہ کفایت ہوگی۔ کہ جہاں ملک میں سیر حاصل اجناس کی کاشت کی جائے
 وہاں ایسی پیداوار بھی کی جائے جو بھاری بھر کم اور جلدی خراب ہو جانے والی ہو اور جس کی
 نقل و حمل میں دقت پیش آتی ہو۔ اور گیتھوں اور اس قسم کے اور کم حاصل اجناس کی رسد
 کیلئے دوسرے ملکوں پر انحصار رکھا جائے۔ جن کی آبادی کم گنجان ہو۔ بشرطیکہ ہمارے
 پاس کوئی ایسی پیداوار ہو کہ ہم وہ اس کے عوض میں ان ملکوں کو بھیج سکیں۔ گیتھوں اور
 گائے کا گوشت ایسی چیزیں ہیں جو سرحدی علاقوں میں سب سے زیادہ پھلتی پھولتی
 ہیں۔ اس لئے ہم کو یہ دیکھ کر تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ ریاستہائے متحدہ میں جوں جوں
 آبادی بڑھتی جا رہی ہے یہ دو چیزیں کمتر مقدار میں پیدا کی جا رہی ہیں اور ان کی جگہ ان سے

زیادہ فائدہ بخش چیزیں اگائی جائیں گی۔ یہ ترقی کی نشانی ہے نہ کہ زوال کی۔ کم حاصل اجناس کو چھڑ کر سیر حاصل اجناس کی کاشت کرنے کی ایک اور مثال مغرب بعیدہ میں ملتی ہے۔ وہاں کے مویشی پالنے کے میدانوں میں ایسے لوگ آکر آباد ہو رہے ہیں۔ جنہوں نے زمین میں کاشت کرنا شروع کر دی ہے۔ جس طرح کئی کے علاقے نے گیہوں کے علاقے کو مغرب کی طرف دھکیل دیا ہے۔ اسی طرح گیہوں کے علاقے نے مویشیوں کے علاقے کو مغرب کی طرف ہٹا دیا ہے۔ جب تک میدانی علاقے میں ایسے خطے مل سکتے تھے۔ جوڑ کے ہوئے نہ تھے اور وہاں جا سکتے تھے اور مویشی گاہیں (Ranches) گیہوں کے علاقے کے آگے آگے مغرب کی طرف ہٹتی جاتی تھیں۔ لیکن جب سائے کا سارا رینج (Ranch) کا علاقہ رک چکا۔ تو پھر گیہوں کے علاقہ کے مغرب کی طرف ہٹنے کے معنی یہ تھے۔ کہ رینج کے علاقے میں مویشیوں کے پالنے کا کام بالکل فنا ہو گیا یا تنہا ہی کے قریب آ گیا۔ پچھلے چند سالوں سے یہ صورت حالات پیدا ہو رہی ہے۔ رینج کے علاقے کے اندر بھی اس طرح کا عمل بر روئے کار ہے۔ بھیڑوں کی تعداد میں ترقی ہو رہی ہے۔ اور مویشی باہر دھکیلے جاتے ہیں۔ کیونکہ بھیڑیں ان چراگاہوں میں جن میں بہت کم چارہ ہوتا ہے۔ گزارہ کر سکتی ہیں۔ اور مویشی نہیں کر سکتے۔

دراختی پیداوار کے ان مختلف علاقوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے کا نتیجہ غالباً اس صورت میں رونما نہیں ہوا کہ تمام تجارتی دنیا کی منڈیوں کو رسد بہم پہنچانے کے رقبہ میں کچھ نمایاں تغیر ہوا ہو۔ یعنی کسی جس کیلئے زیادہ رقبہ وقف کیا جائے لگا ہو۔ اور کسی لئے کم۔ مختلف اجناس کیلئے جو رقبہ وقف کیا جاتا ہے۔ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن جب تک تجارتی دنیا خورد و نوش کے متعلق اپنی عادات میں نہ یہ نیگی اس وقت تک وہ مختلف اجناس کو اسی نسبت سے خریدے گی۔ اگر ہم یہ تصور کر سکیں کہ دنیا میں جتنی زمین ہے سب رُک چکی ہے اور اس میں کاشت ہوتی ہے اور پرائے ملکوں اور نئے ملکوں کے درمیان جو فرق تھا اٹھ گیا ہے۔ تو اس وقت یہ تصور کرنا مشکل نہ ہوگا۔ کہ کیونکر یہ مختلف علاقہ جات پیدا کش ایک دوسرے کو سننے اور سے ملکوں کی

و صکیل رہے ہیں۔ اس لئے دنیا کے صرف کنندوں کی خورد و نوش کی عادتیں اگر وہی ہیں جو اب ہیں تو سیر حاصل انہاس کی بجائے کم حاصل انہاس کا اگنا ممکن نہ ہوگا۔ اس کا امکان صرف اس صورت میں ہے کہ لوگ گوشت کم اور دودھ زیادہ کھانے لگیں۔ گہوں کی بجائے مکئی اور روٹی کی بجائے آلو کھانے لگیں۔ روٹیاں کی آبادی جب اور زیادہ بڑھ جائیگی تو ممکن ہے کہ یہ تبدیلیاں واقع ہو جائیں۔ فی الحقیقت اگر کچھ مدت تک آبادی سرعت سے بڑھتی رہی تو ان کا واقع ہونا ضروری ہو جائیگا۔ تاہم بعض ملکوں کیلئے کفایت شعاری اور معاشیاتی بہبودی اسی میں مضمر ہے کہ وہ آبادی کے بڑھنے یا نہ بڑھنے سے قطع نظر کر کے کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق اپنی عادتوں کو بدلیں۔ یہ بات کہ دودھ بہ نسبت گوشت کے زیادہ کفایت کی خوراک ہے۔ اس امر سے ظاہر ہے کہ جتنا دودھ کسی شیر خانہ کی ایک گائے سال بھر میں دیتی ہے اُس کی غذائیت ۳۰۰ سے بیکر ... ہونڈ گائے کے گوشت کے برابر ہوتی ہے۔ یا پنج یا چھ گائیں اُس قدر گوشت ایک سال میں پیدا کر سکتی ہیں۔ اور دو تین یا چار شیر خانہ کی گائیوں کے برابر خوراک اس عرصے میں کھا جائیگی۔ اس بنا پر اگر لوگ زیادہ دودھ پینے اور کم گوشت کھانے کی عادت ڈالیں تو ملک کی بڑی بچت ہوگی۔ بہر حال ایک بات اس کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہ صرف کے بڑے بڑے مرکوزوں (centre of consumption) کیلئے جو دودھ جمع کیا جاتا ہے وہ ان کے قریب ہونا چاہیے۔ جہاں کہ زمین کی قلت ہے۔ برخلاف اس کے گائے کا گوشت بٹے ملکوں میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ جو صرف کے مرکوزوں سے بہت فاصلے پر واقع ہوں۔ اور جہاں زمین اتنی سستی اور اس قدر کثرت سے ہو کہ اس کی بچت کی ضرورت فی الحال نہ ہو۔ مزید یہ کہ اگر گائے کا گوشت رینج کے علاقے کے حالات سے مانت پیدا کیا جاسکے تو وہ ایک مقررہ مقدار خوراک کیلئے بہت قابلہ دودھ کے کم محنت چاہتا ہے۔ تاہم ایک وقت ایسا آ سکتا ہے کہ غذا میں ایسی تبدیلی باعث کفایت ہو جائے یا اس وجہ سے کہ اس وقت تک ان میں سے تمام ملک ایک ایک کر کے آباد ہو چکے ہونگے۔ یا اس وجہ سے کہ دودھ کو محفوظ

رکھنے کے بہتر اور کم خرچ طریقے دریافت ہو جائیں گے اور اس کو دور دور تک بے جانا آسان۔ لیکن ان دونوں میں سے اگر کوئی بھی تبدیلی واقع ہوئی تو دودھ اور گائے کے گوشت کی اضافی قیمت میں بھی فرق پڑ جائے گا کیونکہ ایسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ کہ اگر ایک پیڑ سستی ہو اور دوسری ہنگامی اور دونوں سے ایک ہی کام چلتا ہو تو سستی چیز کو ترجیح دی جاتی ہے۔

فہرست ذیل تخمینہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ ایک ایکڑ زمین میں مختلف اجناس کو کس مقدار میں پیدا کرنے کی قوت ہے:-

جنس	غذائیت فی پونڈ ریگسٹریو کے حساب سے	پونڈ فی ایکڑ	گیلیاں فی ایکڑ	
گندم کا آٹا مجموعی طور پر	۱۶۶۰	۱۸۰۰	۲۹۸۸۵۰۰۰	۱۰۰ روپے
سودیشی گائے کا گوشت	۱۱۳۰	۲۰۰	۲۲۶۵۰۰۰	۷ روپے
پھیر کا گوشت (حسب خرید)	۱۲۷۵	۲۵۰	۳۱۸۷۵۰۰	۱۱ روپے
دودھ کا مجموعی طور پر	۳۲۵	۷۰۰۰	۱۳۰۰۰۰۰۰	۳ روپے
	۱۵۵۰	۳۶۰۰	۵۵۵۸۰۰۰۰	۱۸۶ روپے
	۱۸۶۰	۱۸۰۰	۳۳۳۸۵۰۰۰	۱۱۲ روپے
چاول	۱۶۳۰	۲۷۰۰	۳۵۹۱۲۵۰۰	۱۳۱ روپے
	۱۶۳۰	۱۸۰۰	۲۹۳۳۷۵۰۰	۹۸ روپے
	۱۵۹۰	۲۷۰۰	۳۵۸۱۶۵۰۰	۱۲۹ روپے
آلو	۳۲۵	۲۷۰۰۰	۷۸۰۰۰۰۰۰	۲۶۰ روپے
	۳۸۰	۳۰۰۰۰	۱۲۷۵۰۰۰۰۰	۴۸۲ روپے

تاہم دو باتیں اس فہرست کی تشریح کیلئے بیان کر دینا ضروری ہیں۔ اول غذائیت کو صرف مقدار اور وزن کے مطابق جانچنا چاہیے۔ قابلیت ہضم اور کیفیت ذائقہ بھی ضروری چیزیں ہیں۔ نیز بعض اجزائے خوراک میں ہڈیوں اور عضلات کے تعمیر کرنیکی جو طاقت ہوتی ہے اس کا بھی خیال رکھنا لازمی ہے۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالنا چاہیے

کہ مبیعہ آلوؤں کی غذا کو محض اسلئے ترجیح دیجانی چاہیئے کہ اس کے ایک ایکڑ میں
 آلوؤں کی زیادہ تعداد پیدا ہوتی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے۔ کہ جب کوئی چیز اتنی خوش
 ذائقہ اور زود ہضم ہو جتنا کہ آلو ہو تا ہے تو اس کے زیادہ کھانے سے زمین کی بہت
 کفایت ہو سکتی ہے۔ دوسرے فی ایکڑ پیداوار کا اندازہ ہم نے محض مشاہدہ عام
 کی بنا پر لگایا ہے۔ یہ اندازہ اوسط پیداوار کے اعداد و شمار یا بیشتر بن پیداوار پر مبنی
 نہیں۔ فی ایکڑ جتنی پیداوار ہم نے اوپر کی فہرست میں دکھائی ہے۔ وہ اتنی ہے
 جتنی راقم الحروف کی رائے میں ایک اوسط درجہ کی ایک ایکڑ زمین میں جو کسی جنس
 کیلئے موزوں ہو اور جس میں عمدہ تر طور پر کاشت کی جائے۔ اگنے کی توقع رکھنی چاہیئے۔
 کوئی اور مصنف بجا طور پر پیداوار کی مختلف مقداریں بنا سکتا تھا۔ اور مختلف نتیجے اخذ
 کر سکتا تھا۔ لیکن راقم الحروف کو یہ یقین ہے۔ کہ خود اس کے اندازے صحیح ہیں۔
 اور اس کا خیال ہے کہ اُس نے جو پیداوار مختلف اجناس کے متعلق بتائی ہے وہ
 پیدا کی جاسکتی ہے۔

ہمارے ملک کی مختلف اجناس میں جو غذائیت کی قوت ہے اور جو صفحہ ۱۸۹
 کی فہرست میں دکھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کیلوں۔ کھجوروں اور منطقہ حارہ
 کے پھلوں کی غذائیت بھی بہت زیادہ ہے۔ جب ہم اس امر پر غور کریں اور یہ بھی
 دیکھیں کہ یہ پھل اُن ملکوں میں پیدا کئے جاتے ہیں۔ جہاں زمین بکثرت اور سستی ہو
 تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان ملکوں کیلئے خوراک کا مسئلہ آئندہ لئی سال کیلئے
 ایک طے شدہ امر ہے۔ بشرطیکہ وہ کیلوں۔ کھجوروں اور اس قسم کے اور پھلوں کو بطور
 خوراک کے کھانا پسند کریں۔ اور ان پھلوں کو دوسرے ملکوں سے معاوضہ پر لینے
 کیلئے کوئی اپنی جنس بھی پیدا کرتے ہوں۔ اگر یہ شرائط پوری ہو جائیں تو پھر خوراک کا
 مسئلہ محض نقل و حمل کے مسئلہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو

مہمبارزہ نگاری پر اس کا اثر۔ خورد و نوش کی عادات میں ایسی تبدیلی کا ہونا کہ
 رو سے سیر حاصل اجناس زیادہ اُگائی جائیں اور کم حاصل اجناس نسبتاً کم اُگائی

جائیں۔ قابل اعتراض سمجھا جاسکتا ہے۔ اس پر اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سے معیار زندگی پست ہو جاتا ہے۔ البتہ تو بہت ممکن ہے۔ اس صورت میں کہ کسی سستی چیز کو کسی عمدہ چیز کے مقابلے پر ترجیح دیجائے اور تنوع و تبدیلی ذاتہ کا کچھ خیال نہ کیا جائے۔ روٹی کی بجائے ترے آلوؤں کا کھانا ایک بات ہے اور روٹی کے ساتھ ساتھ آلوؤں کا بھی استعمال کرنا بالکل عدا بات ہے۔ اگر ترے آلو روٹی کے بجائے کھائے جائیں۔ تو معیار زندگی پست ہو جاتا ہے۔ اور اگر روٹی کے ساتھ ساتھ کھائے جائیں۔ تو اس سے کھانے میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ اور معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی کھانے کے اخراجات بھی کم ہوتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے باشندوں کو صرف ایک سیر حاصل جنس پر گزارہ کرنا پڑے۔ خاص کر جب وہ جنس آٹوؤں اور بعض زمینی پودوں کی طرح جو جاپان میں بہت کھائے جاتے ہیں۔ فی پونڈ غذا قیمت کم رکھتی ہو تو اس ملک کی حالت قابل رحم ہے۔ فی ایکڑ پیداوار اگر اتنی زیادہ ہوگی۔ تو فی ایکڑ غذا بھی کسی قدر زیادہ ہو سکتی ہے۔ باوجود اس بات کے کہ وزن کی نسبت سے غذا قیمت کم ہوگی۔ لیکن عام رائے یہ ہے کہ کسی قوم کے لئے مشکل ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کے کھانے یعنی جس میں غذا قیمت بہت زیادہ مقدار میں ہو اپنی قوت و طاقت کو قائم رکھ سکے۔ ایک ملک کو کسی حد تک صنعتی چیزیں کھانا چاہئیں یا ایسی چیزیں کھانا چاہئیں۔ جن سے زمین کی کفایت ہوتی ہے۔ یہ ایک مشکل مسئلہ ہے۔ لیکن اس بات میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔ کہ ایسی خوردہ نوش کی عادتیں جو مضر ہوں۔ اور جن سے خوراک کی تصنیع لازم آتی ہو۔ چھوڑ دینا کفایت کا باعث ہے مثلاً افیون اور تمباکو کے استعمال کی عادت۔ ان چیزوں کے پیدا کرنے کیلئے بہت زیادہ زمین درکار ہوتی ہے۔ اور پھر یہ زندگی کے آرام اور بہتری و بہبودی میں بالکل حائل نہیں ہوتیں؟

ترکاری اور گوشت بہ حیثیت غذا کیا معاشیاتی قدر قیمت رکھتے ہیں؟
بعض اوقات یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ ترکاریوں کا کھانا بمقابلہ گوشت کے کھانے

زیادہ کفایت کا باعث ہے۔ جن ملکوں میں گوشت بے کاشت اور پتھر زمینوں کے حالات کے ماتحت پیدا ہو سکتا ہے۔ مثلاً جس طرح مغربی میدانوں میں آج سے ایک صدی پہلے ہوتا تھا۔ یا جس طرح نئی دنیا کے اور حصوں میں آجکل بھی ہوتا ہے اُن ملکوں میں اس کی پیداوار پر محنت بہت کم صرف ہوتی ہے۔ اور اس لئے وہ منجملہ سستی غذاؤں کے ہوتا ہے۔ بیشک اس کیلئے زمین بہت درکار ہوتی ہے۔ اور جب یہ تھے علاقے آباد ہو جائیں اور ان کی آبادی گنجان ہو جائے تو پھر گوشت کی رسد مزرعوں سے حاصل کرنی پڑیگی۔ ان حالات میں اگر گوشت زیادہ مقدار میں پیدا کیا جائے تو ایک ہتھکلی چیز ہے۔ ایک گائے کو موٹا کرنے کیلئے دانوں میں جتنی قوت تغذیہ درکار ہوتی ہے۔ وہ اس گوشت سے جو پیدا ہوتی ہے۔ کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر اس کے علاوہ گائے اور بہت سی چیزیں کھا جاتی ہیں۔ سال بھر ایک گائے چرانے کیلئے جتنی زمین درکار ہوتی ہے اگر اس میں غنہ یا ترکاریاں پیدا کی جائیں تو جتنا گوشت اس عرصے میں اس گائے کے جسم پر بڑھے گا۔ اس سے کہیں زیادہ خوراک حاصل ہوگی۔ بہر حال یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کا اطلاق گوشت پر اسی صورت میں ہوتا ہے کہ اس کو ایک منڈی کی جنس کے طور پر پیدا کیا جائے۔ اگر گوشت تھوڑی مقدار میں اور ملک کی ایک ضمنی پیداوار کے طور پر پیدا کیا جائے تو وہ کفایت کے لحاظ سے ایک ملک کیلئے بہترین پیداوار میں سے ہے۔ اول یہ بات ہے کہ غنہ اور ترکاریوں کے پیدا کرنے میں بہت سی فاضل اور بیکار چیزیں اتنی پیدا ہو جاتی ہیں جو انسان کے کھانے کے کام کی تو نہیں ہوتیں۔ لیکن یا فوراً نہیں کھا سکتے ہیں۔ ہضم کر سکتے ہیں۔ اور کھا کر موٹے ہو سکتے ہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے یوں سمجھئے کہ جانور گویا ایک مشین ہے۔ جس کے ذریعے ناغور اور فضول چیزوں کو نہایت عمدہ غذا کی صورت میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسی مشین کا بڑا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ان فضول چیزوں کو دودھ یا انڈوں کی صورت میں منتقل کیا جائے۔ لیکن دودھ اور انڈوں کے پیدا کرنے کیلئے اس بات کی ضرورت ہے کہ مویشی اور مرغیاں پورے طور پر پل چکی ہوں۔ لیکن جب وہ پل کر

جوان ہو چکی ہوں۔ تو پھر ان کو بیکار رہتے دینے کی بجائے اُن کا کھانا بہتر ہے۔ یہ حال بھیڑ کے گوشت کا ہے۔ اگر وہ بھی زراعت کی ضمنی پیداوار کے طور پر پیدا کیا جائے تو یہی مشکل پیش آتی ہے۔ جب بھیڑیں پورے طور پر پل چکیں تو بجائے اس کے کہ فاضل چیزوں کو کھائیں اور بیکار موٹی ہوتی جائیں۔ اُن کو بطور غذا کے کام میں لے آنا اچھا ہے جن جن ملکوں میں گھوڑے کے گوشت کو مکروہ نہیں خیال کیا جاتا۔ وہاں بھی یہی مشکل پیش آتی ہے۔ اگر وہاں گھوڑوں کی بطور باربرواری کے جانوروں کی ضرورت ہو۔

اس قسم کی ایک اور دلچسپ اور قابلِ تذکرہ بات یہ دلیل ہے۔ جو شہری لوگ پیش کرتے ہیں۔ کہ اگر بچھڑے ذبح نہ کئے جائیں۔ بلکہ اُن کو بلکہ جوان ہونے دیا جائے تو پھر گوشت کی مقدار اور بھی زیادہ پیدا ہوگی۔ یہ نظریہ ہماری قومی کانگریس میں شد و مد سے پیش کیا جا چکا ہے۔ اور دارالخلافتوں کے بعض اخبارات کے ایڈیٹروں نے بھی اس کی حمایت میں بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن یہ تو بالکل یوں ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ اگر مہمار اس وقت تک اپنا کام بند نہ کیا کریں۔ جب تک کہ عمارت میں منزل اونچی نہ بن جائے۔ تو مسکانوں میں گنجائش زیادہ نکل آئیگی۔ یہ بات بظاہر صحیح ہے۔ کہ اگر ہر بچھڑے کو اس وقت سے پیشتر ذبح نہ کیا جائے جب تک اس کا وزن ایک ٹن نہ ہو جائے تو اس کا گوشت زیادہ ہوگا۔ یہ نسبت اس کے کہ جب اس کا وزن کل دو سو پونڈ ہو اُسے ذبح کر لیا جائے۔ لیکن ذرا غور کیجئے اور حقیقت حال کو دیکھئے اگر یہ ممکن ہو کہ بچھڑا جن دنوں پل رہا ہو ان دنوں وہ اپنی غذا فضائے آسمانی سے حاصل کرتا ہو اور زمین کی چیزوں کو منہ نہ لگاتا ہو۔ اس کو موٹا ہونے دینا یقیناً اعلیٰ درجے کی کفایت شعاری ہے۔ لیکن واقعہ چونکہ یہ ہے کہ وہ زمین سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے اور جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے اتنی زیادہ غذا کھاتا ہے۔ اسلئے صریح طور پر یہ اصول کفایت کے منافی ہے۔ کہ اگر کو خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ طویل مدت کیلئے پلنے اور موٹا ہونے کی اجازت دی جائے جب وہ اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کا گوشت کھاتے کے قابل ہو جائے اسی وقت اس کا قتیہ پاک کر دینا بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چاہے کتنی ہی زمین کیوں نہ صرف کی جائے اور محنت کی کوئی مقدار کیوں نہ خرچ کی جائے۔ تب بھی گائیوں کی بہ نسبت بچھڑوں سے زیادہ خود

حاصل ہو سکتی ہے۔

رسالہ امریکہ کی دیہاتی زندگی بابت جولائی ۱۹۵۰ء میں ایک مضمون نگار لکھتا ہے یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ اگر جانوروں کو موٹا کرنے کی مدت کو طول دیا جائے تو فی پونڈ گوشت کے مصارف بڑھتے جاتے ہیں۔ ایک تجربہ کر کے یہ دیکھا گیا کہ موٹا کرنے کی مدت کے پہلے دو مہینوں میں سو پونڈ گوشت کیلئے ۳۰ پونڈ دانوں کی ضرورت تھی۔ لیکن ۶ مہینے کے بعد گوشت کی اس مقدار کیلئے ۱۰۰ پونڈ دانے درکار تھے۔ ثابت کیا گیا ہے کہ بعض جانور ایسے ہوتے ہیں کہ جتنا خرچ اُن کو موٹا کرنے کیلئے شروع شروع میں برداشت کرنا پڑتا ہے اس سے چار گنا زیادہ خرچ اخیر میں ہوتا ہے؛

یہی مضمون نگار ایک اور جگہ لکھتا ہے: یہ بیشک درست ہے کہ جانوروں کو زبردستی کھلا کھلا کر موٹا کرنے کا سوال تو علیحدہ رام اُن کے کھانے دانے کا خرچ اُن کی عمر کے تقاضے سے بڑھتا ہے۔ ۵۰۰۰ سے زیادہ مختلف عمروں کے جانوروں پر تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے۔ ان تجربوں کے اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ آدھ سال کی عمر کے جانور میں گوشت کی اوسط روزانہ ترقی ۲۰۳ پونڈ ہوتی ہے۔ چھ سال کی عمر میں ۲۱۰۹ پونڈ ۲ سال کی عمر میں ۵۸ پونڈ ۳ سال کی عمر میں ۴۴ پونڈ ۴ سال کی عمر میں ۱۲ پونڈ؛

ان اعداد و شمار سے یہ ظاہر ہو گیا ہو گا کہ گوشت کی رسد بڑھانے کا طریقہ یہ نہیں کہ جانوروں کو پل کر جوان ہونے دیا جائے۔ بلکہ یہ کہ جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ اُن کو کھایا جاسکے تو فوراً انہیں ذبح کر دیا جائے۔ رہا یہ فیصلہ کہ کوئی جانور کھانے کے قابل ہوا ہے یا نہیں۔ سو یہ کھانے والوں کے ذائقہ اور عادتوں پر منحصر ہے۔ اگر بہت سے جانور پالے جائیں اور چھوٹی عمر ہی میں ذبح کر لئے جائیں تو ہماری چراگاہوں اور کھیتوں میں زیادہ گوشت پیدا ہوا کرے۔ یہ نسبت اس کے کہ جانوروں کی تھوڑی سی تعداد بہت مدت تک ان چراگاہوں اور کھیتوں کی پیداوار کو کھاتی ہے۔ بکھڑوں کا گوشت چونکہ شیر خانہ (meat) کے کام کی ایک ضمنی پیداوار (by-product) ہے۔ اس لئے یہ خاص طور پر مستطاب ہے۔ خورد و نوش کی عادتوں کے بدلنے سے صرف غذا کے بائے میں کفایت نہیں ہو سکتی۔

اور طرح کی کفایتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اُون کے کپڑوں کی بجائے سوت کے کپڑے پہنے سے بھی زمین کی بڑی بچت ہوتی ہے۔ ایک ایکڑ زمین سے جس قدر کپاس اُگی ہو۔ اُتنے ہی کپڑے کیلئے مواد مل سکتا ہے۔ جتنا کہ دس ایکڑ زمین سے جس میں اُون کی پیداوار کی جاتی ہو۔ مانا کہ اُون کے کپڑے زیادہ پائدار ہونگے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ کپاس سے نمین کی بہت بچت ہوتی ہے۔ سوت کے کپڑے بیشک وہ کام نہیں دے سکتے۔ جو اُون کے کپڑے دے سکتے ہوں۔ تاہم بعض باتوں کے لحاظ سے ایک اور منفرد حرکت کہ دو نو ایک دوسرے کا بدل ہیں۔ اس حد کے اندر اندر ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی بنا محض یہ ہو سکتی ہے کہ سوت سستا ہے اور اُون فیشن میں داخل ہے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں۔ کہ فیشن آہستہ آہستہ سستے پن کی طرف رجوع کر لگا۔ بہر حال گمان غالب یہ ہے۔ کہ اگر اُون کی بجائے سوت کے کپڑے پہنے لگیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زیادہ مقدار میں اور زیادہ انواع و اقسام کے کپڑے پہنے جائیں گے۔ اس سے یہ فائدہ تو بیشک نہیں ہوگا۔ کہ زمین کم خرچ ہونے لگے۔ تاہم ایک اعتبار سے زمین کی کفایت ہوگی۔ وہ یوں کہ بغیر اور زیادہ زمین کو استعمال کئے معیار زندگی بلند ہو جائیگا۔ دوسری طرف یہ بات ہے۔ کہ اُون کا نقل و حمل آسان ہے۔ اور اسلئے صرفت کے مرکوزوں سے بہت دور نئے ملکوں میں اس کی کاشت ہو سکتی ہے یعنی ایسے ملکوں میں جہاں زمین بکثرت ہے۔ اور اس لئے اسکی بچت کا خیال کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ برخلاف اس کے کپاس کیلئے بہت زیادہ محنت درکار ہوتی ہے۔ اور اسلئے اُس کی کاشت اُسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں آبادی اتنی ہو کہ مزدور باسانی مل سکیں یعنی یوں کہئے۔ کہ وہ سرحدی علاقوں میں پیدا ہونے کیلئے موزوں نہیں۔ علاوہ بریں جن ملکوں میں بھیر کا گوشت پسند کیا جاتا ہوں اور اس کی بڑی قیمت ادا کی جاتی ہو اور اُن کے پیدا کرنے کا خرچ اس طرح کم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ سوال حل طلب ہے۔ کہ آیا اُون بھیر کے گوشت کی ایک ضمنی پیداوار ہے۔ بھیر کا گوشت اُون کی ایک ضمنی پیداوار ہے۔ جہاں پہلی صورت ہو۔ وہاں یہ سمجھئے کہ ابھی سوت کے کپڑوں کے حق میں لوگوں کا اتنا خیال پیدا نہیں ہوا جتنا آئندہ زمانے میں ہونا یقینی ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور چیز مثلاً *cellulose* نہ

کمپاس کی جگہ نہ لے لے ہو

کاشت عمیق - ایک ایکڑ زمین میں جتنی پیداوار اب ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ پیداوار کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس کا فوری حل اشد ضروری ہے۔ جسے کاشت عمیق کہتے ہیں۔ اس کا عام طور پر یہی مطلب سمجھا جاتا ہے۔ گو اس سے کبھی کبھی یہ مراد بھی جاتی ہے۔ کہ کم حاصل اجناس کے بجائے سیر حاصل اجناس کی کاشت کی جائے۔ کاشت عمیق صحیح معنیوں میں مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کا نام ہو سکتا ہے۔ (۱) زمین کی گہرائی کرنے اور فصل کو کٹتے میں زیادہ محنت کی جائے۔ (۲) کسی رقبہ معلوم پر محنت کی کفایت کر کے کیلئے زیادہ اصل خرچ کیا جائے تاکہ اتنی ہی محنت سے زمین زراعت کیلئے اچھی طرح نگہداشت ہو جائے۔ (۳) زمین کی زرخیری کو قائم رکھنے کیلئے یا اس کو زیادہ کرنے کیلئے زیادہ سائنٹفک طریقے اختیار کئے جائیں۔

کاشت عمیق کی بہترین صورت یقیناً وہ ہوگی۔ جس میں یہ نینوں طریقے ایک ساتھ اختیار کئے جائیں۔ لیکن یہ طریقے عموماً یکجا نہیں پائے جاتے۔ پرنے اور زیادہ آباد ملکوں میں جہاں زمینیں ہنسکی ہیں۔ اور مزدور سستے مل جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلا طریقہ زمین کی پیداوار بڑھانے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔ انتہا درجے کے استقلال اور محنت و جفاکشی۔ دکھانے پر لے درجے کی کفایت کرنے سے اور کھاد کے ذرا ذرا سے حصے کو سنبھال سنبھال کر رکھنے سے ان ملکوں نے زرخیز زمین کے چپے چپے میں عمدہ طریقے سے زراعت کی ہے۔ اور اپنی بیشمار آبادی کیلئے اپنی ہی زمین کی پیداوار سے خوراک بہم پہنچائی ہے۔ دہن میں شینری کا استعمال کم کیا جاتا ہے۔ اور غالباً اس کا استعمال ہونا بھی کفایت کے منافی۔ کیونکہ شینری کیلئے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طاقت خاص کر طاقت حیوانی کیلئے زمین کی پیداوار کا ایک حصہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ ہو سکے کہ زمین کی پیداوار میں اتنا اضافہ ہو جائے۔ کہ بار برداری کے جانوروں کی مزید تعداد کی خوراک اس میں سے نکل آئے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر یہ نہ ہو سکے تو زیادہ جانوروں کے رکھنے کے معنی یہ ہونگے۔ کہ ملک کے باشندوں کیلئے جو خوراک دستیاب کی جاتی ہے۔ اُسکی مقدار میں کمی واقع ہو جائے گی۔ جن ملکوں میں

مزدور سستے داموں مل سکتے ہیں اور زمینیں ہنگامی ہیں۔ وہاں یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ محنت کی کفایت کیونکر کی جائے۔ بلکہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ زمین کی کفایت کیونکر کی جائے؟ مشینری کا استعمال ایسے ملکوں کے باشندوں کو اس مسئلہ کے حل میں مدد نہیں دے سکتا کیونکہ مشینری محنت بچانے کا ایک ذریعہ ہے نہ کہ زمین بچانے کا۔

پہلے سے زیادہ محنت۔ زمین کی سچت کرنے کا یہ طریقہ کہ زمین پر زیادہ محنت صرف کی جائے۔ کوئی ایسا فائدہ بخش اور پسندیدہ نہیں کہ ریا سناہٹے متحدہ کے معاشیات دیہاتی کے طالب علم اس کی طرف متوجہ ہوں یہ طریقہ یہ چاہتا ہے کہ بالو کا شتکار زیادہ محنت کریں یا یہ کہ زمین کی نسبت سے کاشتکاروں کی تعداد زیادہ ہو۔ پہلی صورت صریح طور پر رد کر دینے کے قابل ہے۔ کیونکہ اس بات میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں کہ ہمارے یہاں کے کاشتکار عام طور پر ضرورت سے زیادہ محنت کرتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم ان کو کاشت کے کام میں زیادہ محنت کرنی کی تلقین کریں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان کو کم محنت کرنے کا مشورہ دیں۔ گو اس سے زراعت کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ امریکہ کی دیہاتی زندگی کی اہم ضروریات کا ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ کسانوں کو پڑھتے لکھتے کیلئے آپس میں ملنے جلنے کیلئے دیہاتی اصلاہ کی ترکیبوں پر تبادلہ خیالات کرنے کیلئے اور دیہاتی مفاد و مصالح کی ترتیب و تنظیم کیلئے وقت کا وقت ملے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ کھٹوا اور کھٹے لوگ ہمارے ملک میں موجود نہیں ہیں۔ یقیناً بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو مزدوروں میں رہتے ہیں اور بظاہر کاشت کے کام میں بڑے مصروف ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اپنا وقت بیکاری میں ضائع کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ کاشتکار کے نام کے مستحق ہی نہیں۔ جس طرح وہ شخص جو بوٹ کے قسے بچیتا ہو۔ "سوداگر" کے نام کا مستحق نہیں۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جو اصل معنوں میں کاشتکار ہیں وہ بہت زیادہ کام کرتے ہیں۔ کم از کم جسمانی محنت میں وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ دماغی کام کاشتکار یا اس قسم کے لوگ زیادہ نہیں کرتے۔ اور نہ اس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ کرنے لگیں گے۔

پہلے کی بہ نسبت چھوٹے مزرے۔ رہی یہ بات کہ مزدوروں میں کام کرنے والوں کی

تعداد بڑھ کر زیادہ پیداوار کی جائے۔ نو اس پر نسبتاً کم اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی کوئی زیادہ دلکش اور مرغوب طریقہ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اور سسطہ مزرے چھوٹے ہو جائیں گے یا مزرعوں میں۔ اُجرتی مزدوروں کی تعداد زیادہ ہو جائیگی۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ملک کے بعض حصوں میں چھوٹے مزرے زیادہ مفید ثابت ہونگے۔ بعض بعض جگہ کاشتکاروں نے ایک تجزیہ (Spence and Co. Ltd.) کے زیر اثر اتنی زیادہ زمین لے لی ہے کہ اُس کی اچھی طرح کاشت نہیں کر سکتے۔ اُن کو امید یہ تھی کہ زمینوں کی قیمت بڑھ جائیگی یا اصل میں اتنی ترقی ہو جائیگی کہ وہ اُن زمینوں سے مناسب طور پر نفع حاصل کر سکیں گے یا اُن کا یہ خیال ہوگا کہ اتنی زمین پاس ہو کہ اولاد میں تقسیم ہو سکے۔ کچھ بھی ہو۔ اُنہوں نے ضرورت سے زیادہ زمینیں خرید لی ہیں۔ حالانکہ اگر وہ کم زمینیں خریدتے۔ اور اُن کو بہتر طور پر سامان سے آراستہ کرتے تو ہر سال زیادہ روپیہ کما سکتے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس خرابی کو مبالغہ کی صورت میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔ ملک کے بعض حصوں میں اوسط طور پر مزرے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ بات نیوا انگلینڈ کے اُن حصوں میں خاص طور پر پائی جاتی ہے جو بازاری پھل ترکاریوں کے اُگانے کیلئے موزوں نہیں ہیں۔ بہت سے حصوں میں مزرعوں کا اوسط رقبہ ۷ سے ۱۰۔ ایکڑ تک ہے۔ اور اس میں سے ایک چوتھائی سے لیکر آدھ تک درختوں سے رکا ہوا ہے۔ اس رقبہ کے مزرے کھیتی کے پودوں کو اُگانے کیلئے پُرانے قواعدوں کے مطابق نہایت موزوں تھے۔ لیکن جب یہ اعلیٰ درجہ کے اوزار اور مشینری کا رواج ہو گیا ہے۔ اس وقت سے ایک آدمی کافی گھوڑوں کی طاقت کی مدد سے پہلے سے کہیں زیادہ کام کر سکتا ہے۔ اور زیادہ بڑے کھیتوں میں کاشت کر سکتا ہے۔ مزید بریں آج کل کے پیش از پیش بڑے آلات کے باکفایت استعمال کیلئے کھیت بھی اتنے بڑے درکار ہوتے ہیں۔ کہ نیوا انگلینڈ کے متوسط درجہ کے مزرے میں ایسے کھیت میسر نہیں آ سکتے۔ اسی لئے کھیتی کے پودوں کو اُگانے میں نیوا انگلینڈ کی زراعت کو اوسطاً چھوٹے کھیت درکار نہیں۔ بلکہ بڑے بڑے کھیت جو اب موجود ہیں۔ وہ البتہ بازاری پھل ترکاریوں کے اُگانے اور غالباً شیرخانہ کے کام کیلئے کافی بڑے ہیں۔

مغرب وسطیٰ میں بھی یہ اندیشہ ہے۔ کہ اگر مزرعے بہت چھوٹے ہو جائیں تو پیداوار فی کس میں بہت کمی ہو جائیگی۔ اور اس کا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں۔ اگر مزرعے بہت چھوٹے ہو جائیں۔ تو بہترین اور مفید ترین اوزار استعمال نہیں کئے جاسکتے۔ اور اگر استعمال کئے بھی جائیں تو اتنے کم کئے جائیں گے۔ کہ ان کا خریدنا منفعت سے خالی ہوگا۔ اگر کاشتکار مفید ترین اوزار اور مشینری استعمال نہ کر سکے اور اپنے مزرعہ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے مجبور ہو کر پرانے اور کم پیداوار طریقے اختیار کرے تو اسکی پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ مفلس ہو جاتا ہے۔ گو وہ اپنے چھوٹے سے مزرعہ میں فی ایکڑ بہت سی فصل کیوں نہ پیدا کر لے۔

یہ قبل از وقت نہیں کہا جاسکتا کہ کسی شخص کا مزرعہ کتنا بڑا ہونا چاہیے۔ تاہم عام الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مزرعہ اتنا بڑا ضرور ہونا چاہیے کہ کاشتکار اور اس کے خاندان کو معقول طور پر کام کرنے کیلئے جو وقت ملتا ہے وہ وقت اس میں صرف ہو سکے اور وہ بھی اس صورت میں کہ وہ مفید ترین اوزار اور مشینری جو زرعی دنیا کو معلوم ہے استعمال کر سکے۔ اور اس مشینری کے چلانے کیلئے کافی گھوڑوں کی طاقت سے یا کسی اور قسم کی طاقت سے کام لے۔ اس قاعدہ کلیہ کے مطابق یہ بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ کٹائی۔ گیہوں۔ والیں۔ سوکھی گھاس۔ اور اس قسم کے دوسری کھیتی کی پیداوار کے اُگانے میں ایک مزرعہ جس کا رقبہ ۱۶۰۔ ایکڑ سے کم ہو محنت کے سب سے زیادہ بالکفایت استعمال کیلئے بہت چھوٹا ہے۔ یعنی اتنا چھوٹا ہے کہ فی کس جو بیشترین مقدار پیدا کی جاسکتی ہے وہ اس میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ تاہم ٹوٹی پھوٹی اور ناہموار زمین میں جہاں جدید مشینری کا استعمال محال ہے۔ مزرعے اگر چھوٹے بھی ہوں تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس قسم کی چیزیں ضروری طور پر لگائے جائیں۔ لیکن اس امر کی صحت میں شک ہے۔ کہ ایسی زمین کا بالکفایت استعمال ایسی چیزوں کی کاشت کے لئے کیا بھی جاسکتا ہے یا نہیں۔ پھر اس ناہموار زمین کے بیشتر حصے کو بطور چراگاہ استعمال کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں

فی کس بیشترین مقدار پیدا کرنے کے لئے بہت بڑے مزرعے ہوتے چاہئیں۔ یا نیچے یا بارڈی کی پیداوار کی پیدائش کیلئے یا ایسی چیزوں کی پیدائش کیلئے جن کی کاشت میں دستی کام کرنے کی بہت ضرورت ہو۔ اس سے بہت چھوٹے مزرعے بھی باعث کفایت ہو سکتے ہیں۔

مزدور اُجرتی مزدور۔ لیکن ایک ایجنڈہ پر جو محنت صرف ہوتی ہے۔ اس کی مقدار کو بڑھانے کے علاوہ اس امر کے کہ ہر کاشتکار سے زیادہ محنت طلب کی جائے یا اُس سے کہا جائے۔ کہ اپنے مزرعہ کا رقبہ کم کر دے۔ ایک اور بھی طریقہ ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ مزرعہ میں جو مزدور ہیں۔ یا ایسے کام کرنے والے ہیں کہ اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ لیکن زمین کے یا اُن اوزاروں کے جو وہ استعمال کرتے ہیں مانگ نہیں ہوتے۔ نہ اُس فصل میں جو وہ پیدا کریں حصہ دار ہوتے ہیں اُن کی تعداد بڑھا دی جائے۔ جن مقامات میں مزرعہ کے مزدور کم مقدار میں ہوتے ہیں اور مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ وہاں اُن کی اُجرت اچھی ہوتی ہے۔ اور اُن کی زندگی بڑی آرام کی زندگی اور تسلی بخش زندگی ہوتی ہے۔ یا وجود اس بات کے کہ جن چیزوں سے وہ کام کرتے ہیں اُن میں سے ایک کے بھی مانگ نہیں ہوتے۔ گویا قانونی طور پر اُن کی برخاست کیا جاسکتا ہے۔ گویا ہری حیثیت سے وہ بے گھر ہوتے ہیں۔ اور کوئی اُن کی جائے سکونت نہیں رکھتے۔ تاہم عملی اور واقعی حیثیت سے ضرورت مند اُن کے پیچھے پھرتے ہیں۔ اور وہ جہاں چاہیں اپنے لئے مقام سکونت اور جس قسم کا کام چاہیں ایسا کام ڈھونڈ سکتے ہیں۔ لیکن جب اُن کی تعداد بہت بڑھ جائے۔ تو حالات بدل جاتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ لوگ اُنکو ڈھونڈتے پھریں۔ وہ خود روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی جائے سکونت خود پسند کریں اور جو کام چاہیں اختیار کریں۔ وہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ جس قسم کا کام ملے منظور کریں اور صبر و شکر سے گزارہ کریں۔ یہ صورت حالات مزرعوں کے مالکوں کیلئے تو بہت خوشگوار ہوتی ہے۔ لیکن اُجرتی مزدوروں کیلئے ایک مصیبت

ہوتی ہے۔ چونکہ مساوات کے لحاظ سے ایک شخص کا فائدہ اتنا ہی اہم ہے۔ جتنا کہ دوسرے کا۔ اس لئے اس قسم کی صورتِ معاملات دیہاتی سہائیات کے عالم کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اُسے کسی جماعت سے جانبدارانہ دلچسپی نہیں ہوتی چاہیے بلکہ سب کے ساتھ ایک جیسی دلچسپی۔ مزید بریں پُرانی ریاستوں میں اُجرتی مزدوروں کی تعداد میں کثیر تر ترقی گو پیداوار قی ایجر دیں اضافہ کا باعث ہوگی۔ تاہم پیداوار قی کس اس سے کم ہو جائیگی۔ زراعتی پیدائش کے اُس بڑے قانون کے دو سے جسے قانونِ تغلیل حاصل کہتے ہیں۔ ردو آدمی جو مساوی قابلیت رکھتے ہوں۔ اگر مل کر کام کریں تو اس کی ایک آدمی سے جو ایسے مزرعہ میں کاشت کرتا ہو۔ جس میں ایک آدمی کی محنت سے پیداوار کی بیش تر مقدار حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ دگنی مقدار میں پیدا نہیں کر سکتے۔ اس قانون کے ماتحت تم ایک مزرعے میں مزدوروں کی تعداد جتنی بڑھاتے جاؤ گے۔ اتنی ہی پیداوار قی کس کم ہوتی جائیگی۔ (گو پیداوار قی ایجر زیادہ ہو جائیگی) الا اس صورت میں کہ مزدوروں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اُس کے ساتھ اصل میں بھی اضافہ کیا جائے۔ اوزار اور مشینری بھی استعمال کی جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ بعض صورتوں میں اُجرتی مزدوروں کی تعداد میں نفور اس اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مزرعہ کے مالک بعض اوقات بیماری یا کسی حادثہ بابرہا پہ کی وجہ سے کام کے لائق نہیں رہتے۔ ایسی صورتوں میں اگر اُجرتی مزدوروں سے مدد نہ لی جائے تو مالکان مزرعہ کو بڑا نقصان پہنچا دیتے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ زراعتی مزدوروں کی ایک جماعت کی جماعت دائمی طور پر رکھی جائے۔ تاکہ ایسے وقتوں میں کام آئے۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک بہتر زراعتی طریقہ ہے۔ کہ ہر مزرعہ کا مالک عام حالت میں خود اپنا کام کرنے کیلئے آمادہ ہو بہ نسبت اس کے کہ وہ عام حالات میں اُجرت پر دوسروں سے کام لینے کی توقع رکھے۔

مزید اصل۔ ایک اور ممکن طریقہ یہ ہے۔ کہ کاشتکار اپنے کمینوں کی کاشت کا کام کریں۔ اور اس کے ساتھ جو اصل خرچ کرنا ہے۔ اس میں اضافہ کر دیں۔ اس طریقے سے مزدوروں کی ایک مقررہ تعداد جو ایک مقررہ رقمین میں کام کر رہی ہے۔ اُس زمین کی کاشت زیادہ کارگر طریقے سے کر سکتی ہے۔ اور اس طرح نہ صرف پیداوار قی ایجر

فی کس کو بھی بڑھا سکتی ہے۔ اس اصل کو عموماً دُروں کے حساب سے ظاہر کیا جاتا ہے اور شروع شروع میں اصل یا تو زر کی صورت میں ہو سکتا ہے یا اس صورت میں کہ کاشتکار کے پاس خرید کرنے کی قوت کہاں تک ہے۔ لیکن بالآخر یہ اصل یا تو عمارتوں۔ اوزاروں۔ مشینری بار برداری کے جانوروں اور دوسرے جانوروں بار کے سامان۔ بدر روؤں۔ نملوں۔ پھول اور آپاشی کے کاموں۔ زمین پر و چیزوں۔ بیجوں۔ جانوروں کے بھوسے چارے اور دیندھن وغیرہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس جگہ زمین بکثرت ہو اور مزدوروں کی قلت ہو وہاں اصل کی ان صورتوں میں اضافہ کرنے کا عموماً یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ محنت کی کفایت ہو جاتی ہے یعنی مزدوروں کی جو تعداد موجود ہو۔ وہی زمین میں کاشت کر سکتی ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اصل کی ان صورتوں سے یہ فائدہ بھی اس حد تک اٹھایا جاسکے۔ کہ مزدوروں کی کوئی تعداد معلوم ان کی بدولت اسی رقبہ زمین میں زیادہ عمیق کاشت کر سکے اور جب زمین کی قلت ہو جائے اور اس کے بکفایت استعمال کی ضرورت محسوس ہو تو اُس نے ہی رقبہ زمین سے پیداوار حاصل کر سکے۔ بہر حال اس مقصد کیلئے اصل کی صورت میں کسی قدر ترسیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ مزرعہ کا مالک اپنے اصل میں یوں اضافہ کرے کہ مزید اوزار خریدے۔ جن سے وہ ایک بہتر قسم کا کام انجام دے سکے۔ مثلاً ایسے ہل جو گہری زمین کھودتے ہوں۔ ایسے آلات جو مٹی کو پیس کر خوب باریک کر دیتے ہوں اور دوسرے اوزار جو گھاس پات کو نکال کر یا ہر پھیلنے میں زیادہ کام آدر ہوں تاکہ زمین کی تمام تری اور زرخیزی پودوں ہی کے کام آئے۔ بہتر گھوڑے جو ان اوزاروں کو چلا سکیں۔ ہل مویشی کی بہتر نسلیں کہ جو کچھ دکھائیں اُس کو بہ نسبت ہمایے معمولی ڈھورڈنگر کے زیادہ قیمتی پیداوار کی صورت میں منتقل کریں۔ اس طریقے سے اُس قسم کے دوسرے بیشمار طریقوں سے اپنے اصل میں اضافہ کر کے کاشتکار اپنی زمین کی پیداوار کو اور اپنی محنت کے نتیجہ کو بھی زیادہ کامیاب بنا سکتے ہیں۔

عمر پیداوار (سنسندگی)۔ مزید اصل کا خرچ کرنا۔ زراعت کے بعض زیادہ علمی طریقوں سے اگر پوری موافقت نہیں رکھتا۔ تو قریب کا تعلق ضرور رکھتا ہے۔ پوری موافقت اس لئے نہیں کہ نئے انجشافات یا نئی معلومات کی عدم موجودگی میں کاشتکار کے پاس

اگر کثیر سرمایہ ہو تو یہ ایک خاص طریقہ اختیار کریگا اور اگر اُس کے پاس سرمایہ کی کمی ہو اور اسے کہیں سے اصل میسر بھی نہ آتا ہو۔ تو اس صورت میں وہ کس قدر مختلف طریقے سے کام کریگا۔ اس کو گہرا ہل چلاتے۔ آڑا ہل چلاتے۔ سطح زمین کے نیچے تہ جانے۔ بار بار سیدھا اور آڑا سراون پھرنے کے فائدے خواہ معلوم ہی کیوں نہ ہو کہ دانوں کو بھیر کر بونے کی یہ نسبت ان کو دیر کر بونا بہتر ہے۔ تاہم اگر اس کے پاس اتنے جانور نہیں کہ قلیہ رانی اور سراون پھرنے کا کام کر سکیں اور اگر وہ ایک اناج ویرنے کی کل خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ تو پھر اس کیلئے زیادہ منفعت بخش یہی بات ہے کہ اپنی زمین میں کسی قدر عمیق کاشت کرے۔ بہ نسبت اس کے کہ زمین کے ایک حصے پر اپنی تمام قوت و طاقت صرف کر دے۔ اور باقی زمین کو بیکار پر ڈارہنے دے۔ اگر اسکے پاس اصل ہو یا کہیں سے لے سکے تو اس کو بکثرت صرف کرنا اور ساری کی ساری زمین میں سراسر کاشت کرنا زیادہ کفایت کا باعث ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ تھوڑی سی زمین میں عمیق کاشت کی جائے۔ اور باقی کو بیکار رہنے دیا جائے۔ اسلئے علمی طریق کاشت سے اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے کے بغیر بھی کاشتکاروں کیلئے یہ امر ممکن ہے۔ کہ اپنی زمین کی کفایت کر سکیں اور فی ایکڑ کے حساب سے بھی اور فی کس کے حساب سے بھی زیادہ پیداوار حاصل کریں۔

اگر زیادہ اصل بھی ہو اور اس پر علم زراعت سے اعلیٰ درجہ کی واقفیت اس کے علاوہ ہو تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اور اس سے زمین کو کفایت استعمال کرنے کا امکان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ ہر کیفیت کے حالات کے مطابق (جس میں نہ صرف اُس کی مٹی کی کیفیت اُسکی آب و ہوا اور اس کی بلندی اور سطح کی حالت وغیرہ شامل ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ اس کو سنڈیاں کتنی دستیاب ہو سکتی اور اس کے رسد کے وسائل کیا کیا ہیں) سائنٹفک طریقے سے اجناس باری باری کس طرح اُگائی جانی چاہئیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جو نہایت گہرا مطالعہ چاہتا ہے۔ اور اس پر عبور وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جس کو سائنٹفک تعلیم یا طویل تجربہ حاصل ہو چکا ہو۔ جب سائنٹفک کاشتکاروں کی کئی نسلیں ایک مزرعہ میں رہتے رہتے گزر جائیں گی اور اپنا علم و تجربہ وراثتہً ایک دوسری کو دیتی جائیں گی تو ان میں سے بہت سے مسائل یقیناً حل ہو جائیں گے اور زمین اور محنت کی تصنیع میں بہت کمی ہو جائیگی۔ ان کے علاوہ اور مسائل بھی ہیں

مثلاً ہوا ہی اور زمین کی قوتِ نمو کو بڑھانے کا مسئلہ۔ زمین کی طبیعی اور کیمیائی حالت کو بہتر بنانے کا مسئلہ یا جانوروں کی نسل بڑھانے اور پودوں کا مسئلہ جس کیلئے قوانینِ دراشت سے واقفیت رکھنے کی ضرورت ہے۔ ویائی بیماریاں مثلاً۔ مری رہیچھوندی وغیرہ جو نہ جانے کہاں سے آتی ہیں۔ اور بیچائے کسان کیلئے سوانِ روح ہوتی ہیں۔ یہ اور اس قسم کے ہزار مسئلے ابھی حل کے محتاج ہیں۔ اور ان کو حل نہ کر سکنے کے معنی ہیں نہ صرف زمین کا بلکہ محنت کا رانگنا جانا۔ بہر حال ان علمی طسریقوں کا مقصد تذکرہ ہمیں دیہاتی معاشیات کے دائرے سے نکال کر زراعت کی فنی اصطلاحی بحث کے دائرے میں لے جائیگا تو

۴۰ محنت زراعتی پیدائش کے ایک عامل کی حیثیت سے

یہ منقولہ کہ محنت اور زمین پیدائش کے اصلی اور بنیادی عوامل ہیں اور (سربراہ گواہ ایک اہم عامل ہے) تاہم ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ علم ریاست تدن (politic economy) کے مقولات عامہ میں سے ہے۔ زراعت کی کامیابی و ناکامیابی کا انحصار جتنا زمین کی طبیعت و خاصیت پر ہے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ محنت کی کیفیت پر ہے۔ قوم کی مرقہ الحالی کا دار و مدار جتنا زمین کے بکفایت استعمال اور وسائل قدرتی کے تحفظ پر ہے۔ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر محنت کے بکفایت استعمال اور وسائل مصنوعی کی حفاظت پر ہے ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ کہ جماعتیں یا قومیں اعلیٰ درجہ کے ماحول میں رہنے کے باوجود افلاس اور ناداری کی تباہ کن کی حالت میں رہی ہیں۔ یا باوجود زمین کی زرخیزی اور وسائل قدرتی کی بہتات کے اُن کو زوال آگیا ہے۔ یا اُن کو افلاس کا نہ دیکھنا پڑا ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ اُن کے افراد بکھے اور ادنیٰ درجہ کے تھے یا ان کو زوال ادنیٰ ہی سے بچانے کی کوئی ترکیب نہیں کی گئی۔ اس طرح بہت سی جماعتیں یا وجود بنجر اور بے حاصل زمینوں کے اور ادنیٰ درجہ کے ماحول میں رہنے کے دولتمند اور مرقہ الحال ہو گئی ہیں۔ اور وہ اس امر کی بدولت کہ اُن کے افراد جھاکش اور زمین تھے۔ اور سب کے سب کوئی نہ کوئی مفید کام کرنے میں مصروف تھے۔ کسی جماعت کی قوت محنت عبارت ہے۔ اُس کے عنصر انسانی سے۔ یعنی اس کے افراد کس قسم کے ہیں۔ اور اس امر میں ذہنی و جسمانی دونوں قسم کی قابلیت شامل ہیں۔ جس طرح موجد کا جوہر قابل منتظم کی قابلیت نظم و نسق۔ اور محکم کی علیت و فضیلت اس میں شامل ہیں۔ اسی طرح کمینک (مستری) کی کارِ بگری۔ کا شتمکار کی ہمت اور حسن تدبیر اور دماغی دارمزدور کی قوتِ عصبی بھی اس کی تعریف میں آتی ہیں۔ اس لئے کسی جماعت کیلئے یہ بات اتنی اہم نہیں کہ وہ اپنی زمین کے استعمال میں کفایت اور بکثت سے کام لے۔ جتنی یہ بات اہم ہے کہ وہ اپنی قوت محنت کی کفایت اور تحفظ کرے۔ اس

قوتِ محنت کا ضائع کرنا بہ نسبت زمین یا سہتی اور جنگلاتی وسائل کے ضائع کرنے کے بہت بڑا جرم ہے۔ اس جرم کے ارتکاب سے قوم پر زیادہ سرعت کے ساتھ اور ناگزیر طور پر تباہی آتی ہے۔ گویہ بات یقیناً پسندیدہ ہے۔ کہ ایک قوم کی قوتِ محنت اور اس کے طبعی وسائل دونوں کا تحفظ کیا جائے اور ان کو انتہائی درجہ تک ترقی دی جائے۔

محنت کی کفایت کرنے کے معنی میں زیادہ پیداوار فی ایکڑ۔ محنت کی کفایت پر بچت کرتے وقت یہ اہم فرق ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ کہ وہ صنعت و حرفت جسے ہم معقول کہہ سکتے ہیں اور وہ ملک داری جو تدریجاً پر مبنی ہو دونوں کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ ہونا چاہیے کہ فی کس جتن قدر زیادہ پیداوار ہو سکے حاصل کی جائے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ فی ایکڑ جتنی پیداوار ہو سکے کی جائے۔ فی ایکڑ زیادہ پیداوار اسی صورت میں پسندیدہ ہے۔ جب وہ فی کس زیادہ پیداوار کی ضامن ہو۔ اور اس کے سوا کسی صورت میں وہ پسندیدہ نہیں۔ اسی طرح زراعتی تدریج مدد (agricultural states man ship) کی حکمت عملی یہ ہوتی ہے اور ہمیشہ ہونی چاہیے۔ کہ ان حالات کو قائم رکھا جائے۔ جن کے ہوتے ہوئے ہر کام کرنے والے کیلئے زیادہ پیداوار میسر آئے۔ نہ یہ کہ ہر ایکڑ زمین سے زیادہ پیداوار ہو۔

سمتے داموں پر مزدوروں کی کافی تعداد کامل جانا بعض اوقات فی ایکڑ معقول پیداوار کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ بعض گمراہ لوگ جو معاشیات کے ابتدائی اصولوں سے ناواقف ہیں۔ اس بات کو لے اڑے ہیں۔ اور یہ وہ شور مچاتے رہتے ہیں۔ کہ کم اجرت پر مزدوروں کی کافی تعداد حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن وہ نفس مطلب پر غور نہیں کرتے۔ سمتے داموں پر کافی تعداد میں مزدوروں کے مل جانے کے معنی یہ ہیں کہ متعدد خاندان نہایت نفوڑی اجرت پر پل رہے ہیں۔ اور پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک میں افلاس اور غربی پھیلی ہوئی ہے اور یہی چیز ہے جس کا سدباب تدریج مدد کی اصلی غرض و غایت ہے چونکہ ہمارا مقصد یہ دریافت کرنا ہے کہ غربی کا تدارک کیونکر ہو سکتا ہے اور مردہ الحال کس طرح عام کی جاسکتی ہے۔ اس لئے یہ لازمی ہے کہ ہم وہ طریقہ دریافت کریں۔ جس سے ہم فی کس زیادہ پیداوار حاصل کر سکیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اگرچہ زمین کے

بارے میں ہم بلا خوف تردد یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ کافی مقدار میں سستی زمین کامل سکنا پسندیدہ امر ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بہت سے مزدوروں کا سستی اجرت پر دستیاب ہونا پسندیدہ امر ہے بلکہ یہ تو وہ چیز ہے۔ جس کے انسداد کی ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔

فی ایکڑ زیادہ پیداوار کی خواہش کرنی قطع نظر اس کے کہ کتنے لوگوں میں اس پیداوار کو تقسیم ہونا ہے۔ اور یہ خواہش کرنی کہ موجودہ آبادی فی ایکڑ جتنی زیادہ پیداوار ممکن ہے۔ اتنی حاصل کرے۔ یہ دو بالکل جدا باتیں ہیں۔ اگر کاشتکاروں کی موجودہ آبادی یا وہ آبادی جس کی ہمیں توقع ہے اپنی زمین کی پیداواری کی قوت کو بڑھا سکتی ہے تو ان کاشتکاروں کی آمدنیاں بڑھ جائیں گی۔ یہ بات بہت بہتر ہے کہ ہر ۱۶۰- ایکڑ کے رقبہ میں ایک خاندان ہو۔ خواہ اس صورت میں پیداوار فی ایکڑ فقط بیس پونڈ کی مالیت کے برابر پیدا ہو۔ بہ نسبت اس کے کہ ہر ۸۰- ایکڑ کے رقبہ میں ایک خاندان ہو۔ چاہے اس صورت میں فی ایکڑ پیداوار بیس پونڈ کی قیمت تکٹوں نہ پہنچ جائے۔ لیکن اگر فی الواقع ہر ۸۰- ایکڑ کے رقبہ میں ایک خاندان موجود ہو تو صریح طور پر یہ بہت بہتر ہے۔ کہ فی ایکڑ زمین سے بجائے بیس کے بیس پونڈ کی مالیت کی پیداوار حاصل ہو۔ یہ وہ نقطہ نگاہ ہے۔ جس سے ہمیں زمین کی پیداوار بڑھانے کے مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے جس نتیجہ کو ہم نے پسندیدہ قرار دیا ہے وہ فقط کاشتکاروں کی آبادی کے بڑھنے سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ ملک میں جتنی قوت محنت موجود ہے اس کو زیادہ کفایت شعارانہ عقلندانہ اور مفید طریقے سے صرف کیا جائے۔ بالکل محنت کے بکھارے استعمال کا یہی مطلب ہے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ آئندہ کئی سال تک ہماری آبادی غالباً بڑھیں گی۔ اور ہمارے یہاں مزدوروں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ یہ امر صاف ظاہر ہے کہ فی زمانہ جو فی کس اوسط شرح پیداوار ہے۔ اس کا بڑھانا تو کچھ اور برقرار بھی نہیں رکھی جاسکتی۔ لہذا اس صورت میں کہ زمین کی اوسط پیداواری کو ترقی دی جائے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ ہم وہ طریقے دریافت کریں۔ جن سے ہم اپنے مزدوروں کو اپنی زمین کے کام پر اس طرح لگا سکیں کہ ان کو اس کام سے جو کچھ اب حاصل ہوتا ہے۔ وہ کم نہ ہو جائے بلکہ زیادہ ہو۔

کاشت عمیق ہمیشہ محنت کی کفایت کا باعث کیوں نہیں ہوتی۔ اس کام کے انجام دینے میں دو بڑے سوائے ہیں۔ جن کو ہمیشہ دود کرنا چاہیے۔ اول مٹی کی یہ خاصیت کہ جب قدر زیادہ رسد خوراک یا اور پیداوار اُس سے حاصل کی جائے تو اتنی ہی اسکی زرخیزی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے توڑ کیلئے زراعتی اجناس کے باری باری اُگانے میں اور کھاد و زہری زمین پر ورچیزوں کے استعمال میں نہایت دانشمندی اور کار آگاہی سے کام لینے کی ضرورت ہے دوسری بات جو سب راہ ہے۔ وہ قانون تغلیل حاصل ہے۔ جسے بعض (وقات زراعتی پیداوار کا ایک بہت بڑا قانون کہا جاتا ہے۔ یہ قانون مجملًا ان الفاظ میں ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ تمدن کی کسی خاص حالت میں اور فن فلاحیت کی واقفیت عامہ کی کسی خاص حالت میں اس محنت اور اصل میں جو زمین کے کسی قطعہ کی کاشت میں صرف ہوا اضافہ کا ہونا زمین کی پیداوار میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ لیکن اُسی نسبت سے نہیں جس نسبت سے محنت اور اصل میں اضافہ ہو۔ یعنی فرض کیجئے کہ شروع شروع میں کاشت کی حالت نہایت عمدہ ہے۔ اور یہ بھی فرض کیجئے کہ کاشتکار نے اپنی محنت کو استعمال کرنے سے کوئی نئے اور بہتر طریقے نہیں سیکھے۔ اور بہتر تخم یا اوزار یا اس قسم کی اور اشیائے مفیدہ اکتساب نہیں کیں۔ اب اگر وہ اُسی زمین کی کاشت میں پہلے سے دگنی محنت صرف کرے۔ تو اس سے اسکی فصل دگنی نہ ہو جائیگی۔ گو کسی قدر پڑھے کی ضرور۔ اسی مطلب کو ایک اور پیرائے میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ بغرض ان مقدمات سے جو پہلے فرض کئے گئے ہیں۔ اگر کاشتکار اپنی ادھی زمین کو بے کاشت چھوڑے اور باقی ادھی زمین پر وہ تمام محنت صرف کرے۔ وہ جو پہلے ساری زمین پر صرف کرتا رہا ہے۔ تو اس کو پہلے جتنی فصل نہ حاصل ہوگی۔ گو یہ ضرور ہے کہ پہلی فصل کے نصف سے زیادہ مل سکتی ہے۔ یعنی فی ایکڑ اس کو قدرے زیادہ پیداوار حاصل ہوگی نہ کہ پہلے سے دگنی پیداوار فی ایکڑ۔ اس قانون کا عالمگیر طور پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور اس کا ثبوت بلا حاشا ذیل سے بہم پہنچتا ہے۔

کاشتکار صرف اپنی بہترین زمین کی کاشت کیوں نہیں کرتا۔ آپ کو کسی کاشتکار سے ملنے کا اتفاق ہو تو اُس سے اُس کی زمین کے متعلق پوچھ دیکھئے اگر اُس کے

کھیت خاص طور پر اچھے ہیں تو خیر ورنہ وہ ضروریہ جواب دینگا کہ ساری زمین ایک جیسی نہیں۔ ایک کھیت دوسروں سے زیادہ سیر حاصل ہے اور اس پر مٹی محنت اور وقت نامہ پر خرچ کیا جائے۔ اسی نسبت سے اُس میں زیادہ مقدار میں اور زیادہ قیمتی فصل پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ذرا اُس کاشتکار کو یہ مشورہ بھی دے کر آئیے کہ ”بھئی تم اُسی اچھے کھیت پر اپنی تمام محنت اور اپنا تمام اصل خرچ کرو اور باقی زمین کو یونہی پڑا رہنے دو۔“ یقین رکھئے۔ وہ ہرگز آپ کے مشورہ پر عمل نہ کرے گا۔ بلکہ آپ کی عقل و دانش کے متعلق اُسے بدظنی ہو جائیگی۔ تاہم اگر کوئی شخص کاشتکاری کے متعلق الف کے نام سے نہ جانتا ہو۔ اور اس میں وہ جبارت ہو۔ جو اس قسم کی جہالت کا جزو لاینفک ہوتی ہے۔ یعنی وہ جہل مرکب میں مبتلا ہو۔ تو وہ کاشتکار سے بحث مباحثہ کرنے لگے گا۔ اور اس کا طریق استدلال حسب ذیل ہوگا۔ اگر محنت اور سرمایہ کی ایک خاص مقدار زیادہ سیر حاصل زمین پر خرچ کرنے سے زیادہ قیمتی فصل پیدا ہو۔ یہ نسبت اس کے کہ محنت اور اصل کی وہی مقدار کسی کم سیر حاصل زمین پر خرچ کی جائے تو پھر گھٹیا درجے کی زمین پر محنت اور اصل کا ضائع کرنا غلطی ہے۔ مثلاً اگر سودن کی محنت مع مناسب آلات کے بہترین کھیت پر خرچ کی جائے تو اس سے پانچ سو ڈالر کی مالیت کی فصل پیدا ہوگی۔ حالانکہ وہی محنت اگر کسی اور کھیت پر خرچ کی جائے تو فقط چار سو ڈالر کی مالیت کی فصل پیدا ہو سکتی ہے۔ تو اس صورت میں کاشتکار کو اپنی دو سودن کی محنت کے بدلے میں صرف ۹۰۰ ڈالر کا ٹھانسیے لیکن اگر بہترین کھیت پر سودن کی محنت خرچ کرنے سے پانچ سو ڈالر کی مالیت کی فصل پیدا ہو سکتی ہے تو اُسی کھیت پر دو سودن کی محنت خرچ کرنے سے اُس سے دگنی فصل یعنی جس کی قیمت ایک ہزار ڈالر ہو پیدا ہوگی۔ اگر یہ بات درست ہوتی کہ دوسری مرتبہ جو سودن کی محنت بہترین کھیت پر خرچ کرنے سے ہوئی تھی۔ یا زیادہ صریح الفاظ میں یوں کہئے کہ اگر دو سودن کی محنت ایک کھیت پر خرچ کرنے سے اُس سے دگنی فصل پیدا ہوگی جتنی کہ سودن کی محنت سے ہوتی تھی۔ اور اس طرح فی زمین طور پر ہوتا چلا جائے تو اس صورت میں مندرجہ بالا دلیل ناقابل جواب ہوتی۔ اور کاشتکار اگر آپ کے

مشورہ پر کاربند نہ ہوتا۔ تو پرلے درجے کا احق ہوتا۔ مزید بریں اُس صورت میں عام لوگ اگر اپنی بہترین زمین کے چھوٹے سے رقبہ پر اپنی تمام قوتوں کو مجتمع نہ کرتے تو ایک فعل بیہودہ کے مرتکب ہوتے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ کاشتکاری بھی اور عام لوگ بھی خوب جانتے ہیں کہ واقعہ میں ایسا نہیں یعنی کسی خاص قطعہ زمین پر جو محنت اور اصل صرف کیا جاتا ہے۔ اس کی مقدار کے وگنا لگتا۔ چوگنا کر دینے سے اس کے حاصل کو دوگنا لگتا۔ چوگنا نہیں بڑھایا جاسکتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس جو صورت ہم نے اوپر فرض کی ہے۔ اس کے مطابق اگرچہ ایک سودوں کی محنت یا پنجسوڈ الر کی مالیت کی فصل پیدا کریگی۔ دوسودوں کی محنت اُسی کیفیت پر خرچ کرنے سے صرف آٹھ سوڈ الر کی قیمت کی فصل ہوگی۔ اُس صورت میں اُن حالات کے ہوتے ہوئے جو ہم نے فرض کئے ہیں اگر ہم کسی اور کیفیت پر دوسرے سودوں کی محنت خرچ کریں تو ہمیں سوڈ الر زیادہ وصول ہونگے۔ چونکہ کاشتکار جو اس معاملے میں خود بہترین فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ جانتا ہے کہ یہ حالات واقعی ہیں اس لئے وہ یہ نہیں کرتا کہ صرف اُس چھوٹے سے قطعے پر جسے وہ اپنی بہترین زمین سمجھتا ہے۔ اپنی ساری قوت خرچ کر دے۔

زیادہ زمین ٹھوڑی زمین سے کیوں بہتر ہے؟ ہم نے یہ جو کہا ہے کہ کاشتکار اتنا احق نہیں کہ اپنی ساری قوتیں اپنے بہترین قطعہ زمین پر خرچ کر دے اُس کے معنی یہ ہیں کہ وہ معاشیات کے ایک بنیادی قانون سے واقف ہے۔ اور اس پر کاربند ہوتا ہے۔ اس قانون سے ہماری مراد قانونِ تقلیل حاصل ہے۔ یہ قانون اس عام مشاہدے کا فقط ایک جزو ہے کہ موسم اور طبیعت زمین کے حالات چاہے ایک ہی کیفیت پر کیوں رہیں پھر بھی کسی قطعہ زمین کا حاصل اُس محنت اور اصل کے ساتھ جو اُس پر صرف کی جائے نسبت مستقل نہیں رکھتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حساب سے محنت اور اصل میں تبدیلی ہو اُسی حساب سے حاصل میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ نہیں ہوتا کہ جس نسبت سے محنت اور اصل بڑھیں یا گھٹیں اُسی نسبت سے حاصل بھی بڑھے یا گھٹے۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ حاصل بمقابلہ ان عاملین پیداوار کے کم سرعت سے بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ بشرطیکہ زمین کی مقدار مستقل رہے۔

اس کے معنی فقط یہ ہیں۔ کہ کسی فصل کی پیدائش میں بہت سے عاملین بر روئے کار ہوتے ہیں۔ جو محنت اصل اور زمین پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اب فصل کی مقدار ان میں سے کسی ایک عامل یا عاملین پر منحصر نہیں ہوتی۔ بلکہ سب پر بطور متحدہ محنت اور اصل چونکہ ان عاملین کا ایک جزو ہیں اسلئے فقط ان پر فصل کا دار و مدار نہیں ہو سکتا۔ عملی آدمی خوب جانتے ہیں۔ کہ کسی قطعہ زمین پر اگر کچھ جوس سے محنت اور اصل صرف کیا جائے۔ تو وہ اکارت جاتا ہے۔ جتنی پیداوار اس زمین میں ہونی چاہیے تھی۔ اس کے مقابلے میں خاک بھی پیدا نہ ہوگی۔

..... برخلاف اس کے اگر کھلے دل سے محنت اور اصل صرف کیا جائے۔ تو یہی نہیں ہوگا کہ فصل پہلے سے زیادہ پیدا ہوگی۔ بلکہ اتنی ہی زیادہ فصل پیدا ہوگی۔ جتنی مقدار میں اس پر محنت اور اصل صرف کیا جائیگا۔ یہاں تک تو یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ جتنی زیادہ مقدار میں محنت اور اصل زمین پر خرچ کیا جائیگا۔ اتنی ہی زیادہ فصل پیدا ہوگی۔ لیکن اگر ان عاملین کی مقدار کسی قطعہ زمین کی کاشت میں اور بڑھا دی جائے۔ تو بالآخر ہیں ایک ایسے نقطہ پر آکر ٹھہرنا پڑیگا۔ جس کے بعد پیداوار اسی نسبت سے ترقی نہ کرے گی جس نسبت سے ان عاملین میں اضافہ کیا جائیگا۔ اس نقطہ کے بعد زمین محنت اور اصل کا جو صلہ دیتی ہے۔ وہ قلیل تر ہوتا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زیادہ مقدار میں محنت اور اصل خرچ کرنے سے پھر بھی فی ایکڑ زیادہ پیداوار ہوگی۔ نہاں محنت اور اصل کی پیداوار اتنی زیادہ ہوگی۔ مثال کے طور پر گہوں جیسی جنس کی پیدائش میں اگر ایک شخص سہ اپنے گھوڑوں کی جوڑیوں اور مناسب آلات کے دس ایکڑ زمین پر صرف ایک دن کی محنت خرچ کرتے تو اسکی محنت اکارت جائیگی۔ کیونکہ مطلق کوئی فصل پیدا نہ ہوگی۔ اگر اسی رقبہ زمین پر پانچ دن کی محنت خرچ ہوتی تو پرائے نام کچھ فصل پیدا ہوتی۔ دس دن کی محنت یقیناً پانچ دن کی محنت سے دگنی نہیں بلکہ دگنی سے زیادہ فصل پیدا کرتی۔ اور بیس دن کی محنت غالباً دس دن کی محنت کے مقابلے میں دگنی سے زیادہ پھل لاتی۔ لیکن مشکل تھا۔ کہ چالیس دن کی محنت بیس دن کے مقابلے میں دگنی سے زیادہ فصل پیدا کرتی۔ اتنی دن کی محنت قطعاً چو گنی نہ پیدا کرتی۔ اور دس دن کی محنت دس دن کی فصل تو کچھ اس سے بہت کم پیدا کرتی۔ اگر یہ مقدمات زیر بحث کیفیت کے

ہارنے میں صحیح تسلیم کر لئے جائیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ کیفیت اس نقطہ تک کہ ہم اس پر بیس دن کی محنت خرچ کریں بڑھتا ہوا حاصل پیدا کرتا ہے۔ اس نقطہ کے ماوراء گھٹتا ہوا حاصل پیدا کرتا ہے۔

اس امر کی توضیح فہرست ۱ سے ہو سکتی ہے۔ جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ ایک دس ایکڑ رقبہ کے کھیت سے کتنی پیداوار حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس پر محنت اور اصل کی مختلف مقدار میں صرف کی جائیں۔ ہم نے ان مقداروں کو یوں ظاہر کیا ہے۔ کہ ایک شخص سو اپنے گھڑوں کی جوڑیوں اور دوسری آلات کے دونوں کے حساب سے کتنی محنت کرتا ہے۔ ایک طرف حاصل اور دوسری طرف محنت اور اصل ان دونوں کے مابین جو نسبت ہے۔ وہ آخری کالم میں درج کی گئی ہے۔ اس کالم کے اعداد ظاہر کرتے ہیں۔ کہ فی یوم محنت کے حساب سے کتنی مقدار پیداوار حاصل ہوئی۔ یا کتنے بشل پیدا ہوئے۔

فہرست ۱

روزانہ محنت کے مطابق بشلوں کی تعداد		مجموعی پیداوار (بشلوں کے حساب سے)	ایک آدمی کی روزانہ محنت گھڑوں اور آلات کی قیمت میں
			(روزانہ کی تعداد)
بڑھتا ہوا حاصل	۰	۰	۵
	۱۰	۵۰	۱۰
	۱۵	۱۵۰	۱۵
	۱۸	۲۴۰	۲۰
گھٹتا ہوا حاصل	۱۹	۳۸۰	۲۵
	۱۸	۴۵۰	۳۰
	۱۷	۵۱۰	۳۵
	۱۶	۵۶۰	۴۰
	۱۵	۶۰۰	۴۵
	۱۴	۶۲۰	۵۰
	۱۳	۶۵۰	

اس فہرست کے مطابق اس نقطہ پر پہنچ کر جہاں بیس دن کی محنت کی قیمت کی کاشت میں خرچ کی گئی ہے۔ حاصل تکثیر ختم ہو جاتی ہے اور تقبیل شروع ہو جاتی ہے۔

فہرست ب

ایک آدمی کی روزانہ محنت کے لئے اور اس کے لئے معمیت میں		روزانہ محنت کی نسبت ہفتویہ اندازہ	فرضی پیداوار (شولیک حساب)	روزانہ محنت کی نسبت ہفتویہ اندازہ
(در ہفتویہ پیداوار)				
بڑھتا ہوا حاصل	۰	۰	۰	۵
	۸	۴۰	۴۰	۱۰
	۱۳	۱۳۰	۱۳۰	۱۵
	۱۶	۲۲۰	۲۲۰	۲۰
گھٹتا ہوا حاصل	۱۵	۳۰۰	۳۰۰	۲۵
	۱۴	۳۵۰	۳۵۰	۳۰
	۱۳	۳۹۰	۳۹۰	۳۵
	۱۲	۴۲۰	۴۲۰	۴۰
	۱۱	۴۴۰	۴۴۰	۴۵
	۱۰	۴۵۰	۴۵۰	۵۰
	۰	۴۵۵	۴۵۵	۵۰

یہ تو ایک فرضی صورت تھی۔ لیکن کسی واقعی صورت میں بغیر آزمائش کے یہ بتانا ناممکن ہے کہ کس نقطہ پر پہنچ کر حاصل کی تقبیل شروع ہوتی ہے۔ گویہ درست ہے کہ ایک سجدہ کاشتکار اپنے تجربے کی بنا پر اصلیت کے اس قدر قریب اندازہ کر سکتا ہے کہ جس سے عملی طور پر کام چل سکے جب کبھی آپ یہ دیکھیں کہ ایک سجدہ دار اور سارا گاہ کاشتکار عمداً اپنی محنت اور اصل کا ایک حصہ مختلف قسم کی زمینوں میں کوئی فصل بونے پر خرچ کر رہا ہو تو یقین کر لیجئے تو اُس کے خیال میں بہ نسبت بہترین زمین پر اپنی تمام قوتوں کو مجتمع و مرکوز کر دینے کے لئے یہ زیادہ نفع بخش ہے۔ لیکن یہ بات کسی حالت میں درست نہ ہو سکتی تھی۔ بغیر اس صورت کے کہ محنت اور اصل کی اُس کے پاس اتنی مقدار ہو کہ وہ اگر اس کو صرف اپنے بہترین قطعہ زمین پر لگائے تو وہ اس کی کاشت کو تقبیل حاصل کے نقطہ سے پار

لیجا سکے۔ مثلاً اگر ہم یہ فرض کر سکیں کہ فہرست ملکئی کی اس مقدار کو ظاہر کرتی ہے۔ جو کاشتکار کے بہترین دس ایکڑ رقبہ کے کھیت پر کثرت اور اصل کی مختلف مقداروں کے خرچ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور فہرست ب بھی مقدار دوسرے درجہ کے دس ایکڑ رقبہ زمین کے متعلق ظاہر کرتی ہے۔ تو دونوں فہرستوں کا مقابلہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوگا کہ اگر وہ صرف بیس دن تک محنت خرچ کر سکتا ہے تو اس تمام محنت کو بہترین کھیت پر صرف کرنے سے وہ زیادہ بُشل حاصل کر سکتا ہے۔ یہ نسبت اس امر کے کہ وہ اس محنت کو بہترین کھیت اور دوسرے درجہ کے کھیت کے درمیان تقسیم کرے وہ آبادی جس کیلئے خوراک۔ لباس۔ گھر۔ اور دوسری بے شمار اشیاء ایک علاقے کی پیداوار سے ہمیا کرنی ہوتی ہیں۔ اُس کے بڑھ جانے سے یہ بات فی الواقعہ لازم آتی ہے کہ زمین سے زیادہ فصلیں حاصل کی جائیں۔ الا اس صورت میں کہ لوگ صنعت و حرفت اور تجارت اختیار کریں۔ ایک ہی زمین سے فصل کی بڑھتی ہوئی مقدار حاصل کرنیکی کوشش کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ زمین کی زرخیزی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ بالآخر اگر زمین کی زرخیزی نقصان سے محفوظ رہے بھی۔ تو پھر بھی زمین سے بڑھتی ہوئی مقدار حاصل کرنے کیلئے برطانوی قانون "تقلیل حاصل" کے اس امر کی ضرورت ہوگی۔ کہ کاشت میں جو محنت صرف کی جائے اُس کی مقدار حاصل کی مقدار کی نسبت سے بہت زیادہ بڑھائی جائے۔ اس سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے۔ وہ یہ کہ زراعت کے نئے اور بہتر طریقوں کا انکشاف ہو اور اُن پر عمل درآمد ہونے لگے۔

تجرباتی ثبوت۔ کاشتکاروں کو اس بات کا جو عام تجربہ ہے اور جس کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر سر جان لارڈ (John Lubbock) کی تین شہادت ملتی ہے جو غالباً عصر حاضر کے سب سے بڑے ماہر زراعت ہیں۔ انہوں نے ۱۸۹۶ء میں ایک پارلیمنٹری کمیشن کے سامنے یہ بیان کیا کہ اُن کے تمام تجربات کے نتائج یہی ظاہر کرتے تھے کہ جوں جوں آپ اپنی فصل کو زیادہ عمیق کاشت سے بڑھاتے چلے جائیں۔ ہر بُشل خاص مقدار پر پہنچنے کے بعد زیادہ فائدہ گنت چاہتا ہے۔ آخری بُشل پر سب سے زیادہ مصارف ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ جن دنوں قیمتیں گری ہوئی ہوں اُن دنوں عمیق کاشت پہلے سے زیادہ نہیں بلکہ کم کرنی چاہیئے۔ اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جیسے جیسے آبادی بڑھتی جائے اور زمین

زیادہ فصل طلب کی جائے۔ ویسے قیمتیں لازماً بڑھتی چائیں۔ تاکہ مزید تفصیل پر جو پہلے سے زیادہ لاگت آتی ہے اُس کی کسر نکل جائے۔ یہ شہادت خاص وقت رکھتی ہے۔ اور ایک مدتِ مدید کے تجربوں کا پتہ ہے۔ اس شہادت کی تصدیق ہر جگہ کے کاشتکاروں کے تجربہ اور عقل سے بھی ہوتی ہے۔ چاہیے کہ یہ شہادت عوام کے ذہن کو اُن بیہودہ خیالات سے غالی کرے جو انہوں نے بعض کوتاہ بین کاشتکاروں سے اخذ کئے ہیں۔ جو ان دنوں میں بھی یہی تعلیم دیتے ہیں کہ زیادہ عین کاشت چھوٹے مزے اور اس قسم کی اور چیزیں ہماری تمام زراعتی مشکلات کا حل ہیں۔

قانونِ تغلیل حاصل کئے عملدرآمد کی چند نہایت واضح اور آسان مثالیں گے جو اُن تجربات سے ملتی ہیں۔ جو مقامِ رائٹھم سٹیڈ (Rothamstead) کئے گئے۔ جہاں سر جان لاز نے اپنا گرانما یہ کام انجام دیا کہ زمین کو پانچ کھیتوں میں تقسیم کیا گیا۔ جن کی زرخیزی تقریباً سادی تھی۔ اُن یکساں حیثیت سے کاشت کی گئی۔ البتہ اس بات میں فرق رکھا گیا کہ نائٹروجن کی مختلف مقداریں ان کھیتوں میں داخل کی گئیں۔ اس طور پر کہ ۴۳ پونڈ نائٹروجن ہر کھیت میں پہلے کھیت سے زیادہ ڈالی گئی ہے۔ جیسا کہ ذیل سے ظاہر ہے:-

آٹھ سال کی اوسط پیداوار ڈیڑھ ایکڑ کے علاقے میں ۴۳ پونڈ نائٹروجن کے پیچھے فائدہ		
کھیتی ۵	۱۹
کھیتی ۶	$۲۷\frac{۷}{۸}$	$۸\frac{۷}{۸}$
کھیتی ۷	$۳۵\frac{۱}{۲}$	$۷\frac{۷}{۸}$
کھیتی ۸	$۳۶\frac{۷}{۸}$	$۱۲\frac{۷}{۸}$
کھیتی ۱۸	$۳۷\frac{۱}{۲}$	$۷\frac{۷}{۸}$

اس فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ جب ۴۳ پونڈ نائٹروجن کا پہلا جرعہ دیا جا چکا تو اُس کے بے حاصل کی مقدار گھٹنا شروع ہوئی۔ جیسا کہ تیسرے خانہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی کھیتی ۷ میں جو ۴۳ پونڈ کی مقدار بڑھائی گئی (۲) اُس سے حاصل میں کم ترقی ہوئی یہ نسبت اُس ترقی کے جو ۴۳ پونڈ کی مقدار سے ہوئی تھی۔ جو کھیتی ۶ میں بڑھائی گئی تھی۔ اور تیسرے جرعے سے

اس سے بھی کم ترقی ہوئی و علیٰ ہذا القیاس۔ کھیتی ۱۶ کی مقدار سے اگر کھیتی نمبر ۵ کی مقدار منہا کی جائے تو اتنی کم ترقی ہوئی کہ نہ ہونے کے برابر۔ ایک بشل کا ۱/۲ حصہ اگر پڑھ گیا تو یہ مزید ۳۳ پونڈ نائٹروجن کی لاگت پوری کرنے کیلئے ناکافی تھا۔ اس بنا پر اس کھیت کی کاشت بند کر دی گئی۔ اور دوسرے کھیتوں کی کاشت اڑتالیس سال تک جاری رہی۔ ان اڑتالیس سال کے اوسط نتائج حسب ذیل ہیں:-

پیداوار (یشلوں کے حساب سے)	۳۳ پونڈ نائٹروجن کے پیچھے فائدہ
کھیتی ۵	۱۵
کھیتی ۶	۲۴
کھیتی ۷	۳۳
کھیتی ۸	۳۴ ۳/۴

اس فہرست میں کھیتوں کی تعداد قدر سے کم ہے۔ تاہم جو نتائج اوپر درج کئے گئے ہیں۔ وہ بیش قیمت اور معنی خیز ہیں۔ کیونکہ وہ ایک طویل مدت کا اوسط ظاہر کرتے ہیں۔ پہلے دو جڑے جو کھیتی ۱۶ اور کھیتی ۷ کو دیئے گئے۔ ان سے برصغریٰ ہوئی مقدار حاصل ہوئی۔ لیکن تیسرے جڑے سے (جو کھیتی ۷ کو دیا گیا) نمایاں طور پر کم مقدار حاصل ہوگی۔ فرض کیجئے کہ ۳۳ پونڈ نائٹروجن کی قیمت ۶۰ ڈالر ہے اور گیہوں ایک ڈالرنی بشل کے نرخ سے بکتا ہے۔ اس صورت میں منافع حسب ذیل ہے:-

کھیتی ۵	کھیتی ۶	کھیتی ۷	کھیتی ۸				
۱۵	۲۴	۳۳	۳۴ ۳/۴
۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر
۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر
۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر	۶۰ ڈالر

بہر حال اگر گیہوں کی قیمت اس سے زیادہ ہوتی اور نائٹروجن کی لاگت کم ہوتی۔ تو نائٹروجن کا تیسرا جڑے کھیتی ۷ کو دینے سے جو گھٹا ہوا وہ نفع میں تبدیل کیا جاسکتا تھا۔

محنت کا کارت چانا۔ یہ بات معاشیات کے طالب علم کیلئے سمجھنا آسان ہے۔ کہ جماعت کی قوت محنت کا بکفایت استعمال اشد ضروری ہے۔ تاہم اس اصول کے متعلق غلط فہمیاں عام ہیں۔ قوت محنت کا بیجا صرف ضیاع کی ایک ایسی قسم ہے۔ جسے لوگ عام طور پر ضیاع نہیں سمجھتے۔ اور اس کی اہمیت کو محسوس کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس امر کا ثبوت اس سے ہم پہنچتا ہے۔ کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد بلکہ غالباً اکثرین کی جماعت یہ خیال کئے ہوئے ہے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ بلکہ اچھی ہے۔ مثلاً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی فارغ البال جماعت کا ہونا جو کام کرنے والوں کی محنت کا پھل کھائے معاشیاتی نقطہ نگاہ سے ایک ضروری امر ہے تاہم یہ بات یقینی ہے۔ کہ نقصان چاہے کسی قسم کا ہو اور پھر خاص کر جب وہ کسی قابل پیدائش کی ضیاع ہو وہ کام کرنے والوں کیلئے گرانباری کا باعث ہوتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے۔ کہ ملک بحیثیت مجموعی دولت مند بننے کی بجائے مفلس ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کی محنت ضائع جاتی ہے۔ ان کی چار اقسام ہیں:-

۱، وہ لوگ جن کا کوئی شغل نہیں۔

۲، وہ لوگ جن کا شغل ان کے لئے غیر موزون ہے۔

۳، وہ لوگ جو مکمل طور پر مشغول نہیں۔

۴، وہ لوگ جو اپنی خوشی سے بے شغل اور بیکار ہیں۔

ان چاروں اقسام کی روک تھام میں تعمیری کام کرنے والے معاشیات دان کیلئے کارگزاری کے اتنے موقع ہیں کہ وہ کسی کام میں میسر نہیں آ سکتے۔

بیکار لوگ۔ ان چاروں میں سب سے کم اہم ان لوگوں کی جماعت ہے جو بے شغل اور بیکار ہیں۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ ضیاع محنت کی صرف یہی ایک قسم ہے جس کی طرف لوگوں نے توجہ مبذول کی ہے۔ یہ سب سے اس لئے کم اہم ہے کہ اول تو عام طور پر جو لوگ سب سے کار آمد ہوتے ہیں وہی بیکار رہتے ہیں۔ دوسرے معاشرت کے اوپر کے طبقات میں جو قوت محنت ضائع ہو رہی ہے اگر اس کو کام میں لایا جائے تو اس سے یہ ہوگا کہ نیچے کے طبقات میں جو بیکاری کا مسئلہ ہے۔ اس کا حل بڑی حد تک خود بخود ہو جائیگا۔

وہ لوگ جو ناموزون کام کرتے ہیں۔ وہ محنت جو ایک شغل ناموزون پر صرف کی جاتی ہے۔ اس سے مراد وہ محنت ہے جو خود دولت پیدا کرنے کی غرض سے کم روزی کے معاشیاتی طریقوں کے بجائے غیر معاشیاتی طریقوں میں خرچ ہو۔ (ملاحظہ ہو باب اول) بہت سے ایسے کاروبار ہیں۔ جن کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی جیبوں سے جہاں پہلے ایک ڈالر لکا لاجاتا تھا۔ وہاں اب دو لکے جائیں۔ ان کی بدولت قوت کا ایسا مقول ذخیرہ ضائع ہوتا ہے۔ جس کا مناسب استعمال تو یہ تھا کہ جہاں پہلے گھاس کی ایک پتی پیدا ہوتی تھی۔ وہاں اب دو پیدا کی جائیں۔ جو کاروبار صحیح معنوں میں پیدا آور ہو اور جو خالص پیدا آور طریقوں سے چلایا جائے۔ وہ جتنا کاسا ہوگا اتنا ہی دوسرے لوگوں کی دولت میں ازبیا و کا باعث ہوگا۔ اور ایک ایسے کاروبار میں اور ایسے طریقوں کے اختیار کرنے سے کوئی شخص جتنا دولت مند بنتا جائیگا اتنا ہی وہ اپنے ملک کو بجائے مفلس بنانے کے دولت مند بنائیگا۔ وہ قانون ساز جو ہماری ذہنی اور جسمانی قوت محنت کو ایسے کاموں پر لگائے وہ ملک کو اتنا پیدا آور بنا دے گا کہ باہر سے کوئی حملہ یا کوئی آفت ارضی نہیں دولت مند بنانے سے روک سکے تو روک سکے ورنہ اور کوئی چیز نہ روک سکیگی۔ چاہے ہمارے مادی مسائل اتنے کم کیوں نہ ہوں۔ جتنے کہ نیوا انگلینڈ کے ہیں۔

وہ لوگ جو مکمل طور پر مشغول نہیں ہیں۔ وہ محنت جس سے پورا پورا کام نہیں لیا جاتا۔ اس سے ہماری مراد وہ محنت ہے جو کو پیدا آور کاموں میں صرف کی جاتی ہے۔ تاہم ایسے پیدا آور کاموں میں نہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں اگر کوئی شخص جو باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے باہارت محنت کرنے کے قابل ہو سکتا تھا۔ بے ہمارت محنت کرتا ہو۔ یا باہارت دستی کام کرتا ہو۔ حالانکہ وہ کوئی اس سے زیادہ ہمارت طلب اور اس سے زیادہ ضروری کام مثلاً کسی کاروبار کا انتظام و اہتمام کر سکتا تھا۔ تو اس صورت کو ہم ایسی محنت کی جس سے پورا پورا کام نہیں لیا جاتا۔ ایک مثال کہیں گے۔ یہ قوت پیدا آوری کا ایسا ہی بیجا استعمال ہے۔ جیسا کہ ایک ایسی زمین کو جو باغیچہ کے لائق ہو کسی "لانگ مارن" بکھرے کے سے ادنیٰ جائزہ کے چرنے کے کام میں لانے سے ہوگا۔ ایک مدبر ملکی کیلئے اپنی قوم کو دولت مند بنانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی قوت محنت کے پورے پورے استعمال کے مواقع ہتیا کرے۔ ہماری بہت سی قوت محنت رائگاں جا رہی ہے۔ ان

معنوں میں کہ اس سے ایسے کام لینے پڑتے ہیں جو بالکل بے قدر و قیمت ہیں اور یہ محض اس وجہ سے کہ محنت کی رسد طلب سے زیادہ ہے۔ برخلاف اس کے بہت سے کام ایسے ہیں جن کو قابل اور ذی لیاقت آدمیوں کی گلی کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ جس طرح ایک زرخیر کی مضبوطی کا اندازہ اس کی سب سے کمزور کوفی سے کرنا چاہیئے۔ اسی طرح کوئی صنعت و حرفت بھی ہو وہ صرف اس حد تک ترقی کر سکتی ہے۔ جس حد تک وہ عامل جو اس کے عاملین میں سب سے کمزور ہے۔ اجازت دیتا ہو۔ فی زمانہ بہت سے کاموں میں سب سے کامیاب چیز قابلیت انتظام ہے۔ اسلئے جو حکمت عملی عام اس سے وہ تعلیمی ہو یا اخلاقی۔ قابلیت انتظام کی رسد بڑھانے کا باعث ہوگی وہ صنعت و حرفت کی اشاعت میں مدد دے گی اور بیشتر بیکار لوگوں کو برسر کار دوبار کرنے کا باعث ہوگی۔ ضمنیہ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ تقسیم دولت میں مساوات پیدا کرنے کا موجب بھی بنے گی۔

وہ لوگ جو اختیاری طور پر بیکار ہیں جو لوگ اختیاری طور پر کاہل ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ لوگ جنہوں نے قابلیت اور محنت سے دولت پیدا کی ہے اور آرام سے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو اس دولت پر گزارہ کرتے ہیں۔ جو انہوں نے خود نہیں کمائی۔ پہلی جماعت سے امریکہ بڑی حد تک محفوظ ہے۔ گو اس بات کا تصور ابھرتا خطرہ ہے کہ کہیں امریکہ والے یورپی نکتہ چینوں کی بانوں سے متاثر نہ ہونے لگیں۔ جو فتور و مانع کے باعث اس عجیب غریب نظریے کے حامی ہیں۔ کہ تصنیع محنت کا یہ نمایاں طریقہ یعنی اپنی مرضی سے بیکار رہنا شرافت و نجابت اور شائستگی کی نشانی ہے۔ دوسری جماعت کی رحمت سے بھی ہم بھی کل کی بات ہے۔ کہ بالکل محفوظ و مصون تھے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ خود ہماری مرفہ اعلیٰ اس جماعت کی پیدائش کا باعث ہو رہی ہے اور ہمیں آئندہ کیلئے اس کا تدارک کرنا چاہیئے۔ وہ لوگ جو بدروٹی دولت کھاتے ہیں۔ یا وہ دولت کھاتے ہیں۔ جو اراضی کی قیمتوں کے چرٹھ جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کا عنصر اس جماعت کے افراد میں غالب ہے۔ یہ ایک اور صورت حالات سے جو تعمیری کام کرنے والے مدبر کی توجہ کی محتاج ہے۔ اس قسم کی تصنیع محنت خاص طور پر انیسواں ہے۔ کیونکہ عموماً بہترین قسم کی قوت محنت اس طور پر برباد ہو جاتی ہے۔ جس شخص کو پاسکے

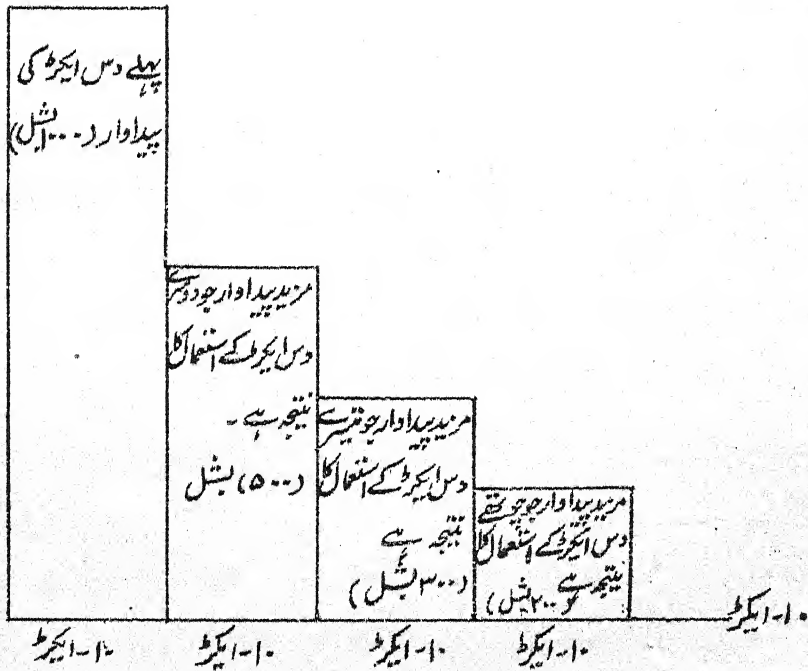
بڑی جائداد اور ثمنیں ملے۔ اُس کا باپ یقیناً غیر معمولی کاروباری قابلیت کا آدمی ہوگا قانونِ شہر
 کے مطابق گمان غالب یہ ہے کہ بیٹے نے بھی کچھ حصہ باپ کی قابلیت سے پایا ہوگا۔ لیکن اس بات کا
 امکان بہت زیادہ ہے۔ کہ چونکہ اس شخص کے بیٹے بچائے سرورثی دولت مل گئی ہے۔ اور
 اُسے کام کر نیکی ضرورت نہیں پڑی۔ اس لئے اس کی قابلیت محنت یقیناً تباہ ہو گئی۔
 اور اس کاروباری صلاحیت کو قوت سے فعل میں لایا جائے اور اس کے صحیح طور پر نشوونما کھائے
 تو ہمارے ملک کے وسائل پیدا آوری میں اُس عنصر کا اضافہ ہوگا۔ جو سب سے زیادہ کم یا ہے
 اور جس کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ یعنی تنظیم کی قابلیت یہ اس قسم کی قوت ہے
 کہ اگر اس سے کام لیا جائے تو صنعتی ترقی کا سب سے قلیل عنصر بڑھ جائیگا۔ صنعت و حرفت کی
 جو سب سے بڑی کمزوری ہے۔ وہ دُور ہو جائیگی۔ اور ہماری قومی مرقدہ الحالی دنِ دفعی رات چمکتی ہوگی
تفصیل قوت۔ قوتِ محنت کی تفصیل کا سب سے بڑا ذریعہ بدکرداری اور بد اخلاقی ہے۔ سوچ
 معنوں میں ہر قسم کی بدکرداری اور بد اخلاقی انسانی قوت کے ضائع کرنے کا طریقہ ہے۔ اور انسانی
 قوت کے ضائع کرنے کا ہر طریقہ بدکرداری اور بد اخلاقی میں شامل ہے۔ کاہلی، شرابخوری، فتنہ
 پردازی، غل غپاڑا، ہمسایوں سے لڑائی جھگڑا، بددیانتی۔ یہ تفصیل قوت کے انتہائی
 اور معروف طریقے ہیں۔ اس سے کم درجے کے طریقے لیکن اتنے ہی نمایاں طریقے یہ ہیں۔
 عہدی پن۔ غیر ذمہ دارانہ عادتیں۔ اور اپنے کام سے کوئی دلچسپی نہ رکھنا۔ اگر مزدور اس
 طور پر کام کرنے لگیں۔ تو یہی نہیں ہوگا۔ کہ ان کا کام بالکل ناکارہ ثابت ہوگا۔ بلکہ حالات
 سے زیادہ ان مزدوروں کی نگرانی کی ضرورت ہوگی۔ یہ انتہائی نگرانی کی ضرورت اتنی قوتِ
 محنت کی تفصیل کا باعث ہوتی ہے۔ جس کو براہِ راست پیدا آوری کے طریقوں میں استعمال
 کیا جاسکتا تھا۔ بجائے اس کے کہ اُس کو دوسروں کے کام کی نگرانی کرنے میں بالواسطہ
 صرف کیا جائے۔ کسی قوم کی وہ خصوصیات جو اس کی قوتِ پیدا آوری کے زوال کا باعث ہو
 اس طے پر کریا تو اس کی محنت کو بالکل ناکارہ کر دیں۔ یا اس کو پیدائش اور خدمت کے کام سے ہٹا
 کر دوسروں کے کام کی خبر گیری و نگرانی۔ واسطائی و جھوٹاری کی طرف مبذول کر دیں۔ وہ خصوصیت
 قوت کا باعث ہیں، اور اُسی لئے ان کو بدکرداری اور بد اخلاقی میں شمار کرنا چاہیے۔ اس نقطہ نگاہ سے

اخلاق کو محنت کی کفایت کا سب سے بڑا کفیل کہنا چاہیئے۔ اس لئے یہ کوئی امر اتفاقی نہیں کہ جن ملکوں میں اخلاق کا معیار سب سے بلند ہے وہی سب سے زیادہ خوشحال اور زبردست ہیں۔ اس کی ساری وجہ یہی ہے کہ ان کا نظام اخلاق ان کو اس قابل بنادیتا ہے کہ بمقابلہ دوسری قوموں کے جن کا نظام اخلاق ادنیٰ ہے۔ اپنی قوت پیدا آوری کو بہتر اور زیادہ کفایت شعارانہ طریقے سے کام میں لاسکیں۔ اس بنا پر ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے مادی وسائل کی حفاظت اور کفایت کی ترکیبیں سوچیں اور قوائے انسانی کی اس گرانمازہ دولت کے اگارت جانے کو نظر انداز نہ کر دیں۔ جو اس وقت دیکھنے میں آتا ہے۔ ورنہ ہم ایک جرم عظیم کے مرتکب ہونگے بہر حال یہ امور عام اعتبار سے قوت محنت کے یکفایت استعمال پر صادق آتے ہیں۔ اور زراعت میں محنت کی جو کفایت ہونی چاہیئے۔ کچھ اسی پر خصوصیات سے چپان نہیں ہوتے۔ یہ امر عبارت ذیل کا موضوع بحث ہے:

ہمیں محنت کی کفایت کرنی چاہیئے یا زمین کی؟ اس بات کی اہمیت
 جتنا ناہایت ضروری ہے کہ محنت کی کفایت کرنے کا مقصد جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں۔ کہ فی کس بیشترین پیداوار کی جائے نہ کہ فی حصہ زمین بیشترین پیداوار۔ اس تعریف کے مطابق محنت کی بیشترین کفایت کیلئے حسب ذیل چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) زمین کی کافی مقدار (۲) طاقت آلات اور مشینری کے متعلق کافی ساز و سامان۔ (۳) زراعت سے علمی و فنی دونوں حیثیتوں سے واقفیت۔ (۴) اعلیٰ درجہ کی کاروباری تنظیم۔ اس بات کے وجہ کہ زمین کی کافی مقدار کیوں ضروری ہے۔ مجملہ قانون تغلیب حاصل کی صورت میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو معاشیات کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ کیونکہ محنت کی بیشترین کفایت کیلئے اتنی وسیع زمین کا استعمال ضروری ہوتا ہے کہ صرف بیجا کی حد تک پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی طرح زمین کی بیشترین کفایت کیلئے محنت کی اتنی مقدار ضروری ہوتی ہے کہ وہ بھی زیادہ ہی میں داخل معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا دو پہلو قیاس ہے۔ جس سے گریز ناممکن ہے۔ یہ زراعتی انتظام میں ایک مستقل حیثیت رکھنے والا مسئلہ ہے۔ اور اس کا تقصیف دائمی توجہ کا محتاج ہے۔ اگر کسی قطعہ زمین کی کاشت میں اتنی محنت کی جائے کہ فی ایکڑ بیشترین

پیداوار ہو سکے۔ تو اس سے فی مقدار محنت نسبتاً کم پیداوار ہوگی۔ برخلاف اس کے اگر فی مقدار محنت اتنی زمین خرچ کی جائے کہ فی کس بیشترین پیداوار ہو سکے تو اس سے فی ایکڑ نسبتاً کم پیداوار ہوتی۔

یہ سوال کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ فرض کیجئے کہ ایک شخص دس ایکڑ زمین کی کاشت میں تمام ممکن محنت مع مناسب آلات کے صرف کرے اور اس سے ۱۰۰۰ بٹل کی فصل پیدا کرے۔ یعنی فی ایکڑ ۱۰۰ بٹل وراثتاً لیکہ اگر وہ ۲۰۰ ایکڑ زمین زمین کی کاشت میں اتنی ہی محنت کرتا تو ۱۵۰ بٹل کی پیداوار اُسے ملتی۔ یعنی فی ایکڑ ۷۵ بٹل۔ اگر وہ تیس ایکڑ پر اتنی محنت خرچ کرتا۔ تو اس کو صرف ۸۰۰ بٹل کی فصل حاصل ہوتی۔ یعنی ۶۰ بٹل فی ایکڑ اگر چالیس ایکڑ پر اتنی محنت کرتا تو ۳۰۰ بٹل اُسے ملتے یعنی فی ایکڑ ۷۵ بٹل۔ پچاس ایکڑ سے اُسے اس سے زیادہ پیداوار نہ ملتی۔ جتنی کہ چالیس ایکڑوں سے۔ یعنی کل دو ہزار بٹل اور چالیس بٹل فی ایکڑ۔ ان مفروضات کو تسلیم کرتے ہوئے ان مختلف تجربات کے نتائج ذیل کی شکل کے مطابق ظاہر کئے جاسکتے ہیں :-



اس سے یہ ظاہر ہے کہ کاشتکار اپنے سال بھر کے کام کے بدلے اوپر کی مقداروں میں سے سب سے بڑی مقدار کے برابر کل پیداوار حاصل کرتا ہے۔ یعنی ۲۰۰۰ ہزار بشل چاہے وہ ۴۰۰ ایکڑ زمین میں کاشت کرے۔ چاہے ۵۰ ایکڑ میں۔ لیکن چونکہ وہ پچاس ایکڑ زمین میں چالیس سے زیادہ پیداوار نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ امر واضح ہے کہ پچاس ایکڑ میں کاشت کرنا زمین کو خواہ مخواہ ضائع کرتا ہے۔ یہ مزید دس ایکڑ زمین بالکل رائیگاں جاتی ہے۔ اور اس کو اگر بے کاشت پڑا رہنے دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ۴۰۰ ایکڑ زمین میں کاشت کرنے سے ۳۰۰ ایکڑ سے زیادہ پیداوار ہوتی ہے۔ یعنی جہاں ۳۰۰ ایکڑ سے ۸۰۰ بشل پیداوار ہوتی ہے وہاں ۴۰۰ سے ۲۰۰۰ بشل تاہم یہ بھی ایک نقطہ نگاہ سے زمین کا بے جا استعمال ہے۔ کیونکہ مزید دس ایکڑ کے صرف سے صرف ۲۰۰ بشل کا اضافہ ہوتا ہے۔ ۳۰۰ ایکڑ سے اُسے یہ نسبت ۲۰۰ ایکڑ کے ۳۰۰ بشل زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ تاہم یہ بھی زمین کا کوئی بہت کفایت شعارانہ استعمال نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اُس کے مزید ۱۰۰ ایکڑ اُسے محض ۲۰۰ بشل زیادہ دیتے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ ۲۰۰ ایکڑ زمین سے اُسے ۱۰۰ ایکڑ کی بہ نسبت زیادہ فصل حاصل ہوتی ہے۔ یعنی ۱۵۰۰ کے مقابلے میں ۲۰۰۰ تاہم یہ بھی زمین کا بہترین کفایت شعارانہ استعمال نہیں۔ کیونکہ یہ دوسری دس ایکڑ زمین فقط ۵۰۰ بشل کا اضافہ اس کی مجموعی پیداوار میں کرتی ہے۔ دراصل لیکہ پہلی دس ایکڑ زمین اگر اکیلی جوتی جاتی تو اکیلی اُس سے ۱۰۰۰ بشل پیداوار ہوتی۔ اس مثال سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر دس ایکڑ کے رقبہ کیلئے ایک آدمی ہونے میں بہت کفایت شعاری ہے۔ تاہم یہ بھی کسی قدر بچا استعمال ہے۔ یہ امر ملاحظیات ذیل سے ظاہر ہے :-

اگر ایک شخص جو بیس ایکڑ زمین میں کاشت کر رہا ہے اوپر کی مثال کے مطابق ۱۵۰۰ بشل کی پیداوار حاصل کرے۔ اور وہ آدمی جو انہی بیس ایکڑوں میں کاشت کر رہا ہے ۲۰۰۰ بشل کی مجموعی پیداوار حاصل کریں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ دوسرے آدمی نے پہلے آدمی کی پیداوار میں صرف ۵۰۰ بشل کا اضافہ کیا ہے۔ ایک کی بجائے دو آدمیوں کے ہونے سے اس رقبہ کی فصل صرف اتنی بڑھتی ہے۔ یہ محنت کا بیجا صرف ہے۔

کم از کم بمقابلہ اُن نتائج کے جو ایک ایک شخص کے چالیس چالیس ایکڑ میں کاشت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جس سے ہر شخص ۲۰۰۰ ہیکٹل پیدا کرتا ہے۔

ہم اس تجزیہ کی ذرا تفصیل کئے دیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک جماعت ایسی ہے جس کی تمام زمین یکساں طور پر زرخیز ہے۔ اور تمام کاشتکار ایک جیسے ہوشیار اور محنتی ہیں۔ سب کے پاس ایک جیسے اوزار ہیں۔ اور علاوہ بریں اوپر جو مثال دی گئی ہے۔ اس کے تمام حالات محنت کی پیداواری کے بارے میں جوں کے توں موجود ہیں۔ یہ بھی فرض کیجئے کہ اول اول اس جماعت میں ایک ایک آدمی چالیس چالیس ایکڑ کی کاشت کرتا ہے۔ اس صورت میں ہر آدمی ۲۰۰۰ ہیکٹل گیہوں پیدا کر سکیگا۔ بعد آدمیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک آدمی تیس تیس ایکڑ کی کاشت پر لگا یا جاتا ہے۔ اس صورت میں ہر شخص اوسطاً صرف ۱۸۰۰ ہیکٹل پیدا کر سکیگا۔ لیکن ایک بات ہے۔ اور وہ نہایت معنی خیز بات ہے۔ وہ یہ کہ اس پیداوار میں جو پہلے آدمیوں کی تعداد یعنی تھوڑی تعداد پیدا کر سکتی تھی۔ یہ مزید آدمی صرف ۱۲۰۰ ہیکٹل فی کس کے حساب سے اضافہ کر سکیں گے۔ ایک آدمی اگر ۳۰ ایکڑ کی کاشت کرے تو یہ مساوی ہے۔ اس کے کہ ایک آدمی ۴۰ ایکڑوں کی کاشت کرتے ہیں۔ ریایوں کیسے کہ ایک آدمی اپنا پورا وقت لگاتا ہے۔ اور دوسرا اپنے وقت کا تیسرا حصہ۔ مثال بالا کے مطابق ایک آدمی جو ۳۰ ایکڑ کی کاشت کرتا ہو وہ ۱۸۰۰ ہیکٹل پیدا کر سکتا ہے۔ اس حساب سے پہلے ۱۰ آدمی ۴۰ ایکڑوں کی کاشت کریں تو جتنی پیداوار ایک آدمی تیس ایکڑ کی کاشت کر سکتا ہے۔ وہ اس سے پہلے اگنا زیادہ پیدا کر سکتے ہیں۔ یعنی ۲۴۰۰ ہیکٹل۔ چونکہ ایک آدمی چالیس ایکڑوں سے ۲۰۰۰ ہیکٹل پیدا کر سکتا تھا۔ اور پہلے ۱۰ آدمی اتنی ہی زمین سے ۲۴۰۰ ہیکٹل پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لئے ۴۰۰ ہیکٹل کا فرق پہلے آدمی یا ایک آدمی کی محنت کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ اگر ایک شخص اپنے وقت کا پہلے حصہ صرف کرتے سے ۲۰۰۰ ہیکٹل پیدا کر سکتا ہے۔ تو اس کی ساری وقت کی پیداوار ۱۲۰۰ ہیکٹل ہوئی۔ اس لئے یہ مقدار فی کس لے کر وہ ساری مقدار ہے جو ہم مزید آدمیوں کی محنت کی طرف

منسوب کر سکتے ہیں۔ ان آدمیوں کے آنے سے پہلے جو پیداوار ہوتی تھی۔ اُس میں انہوں نے فقط اس قدر اضافہ کیا۔

اب اگر کچھ تازہ واردہ جہازین اس جماعت میں آئیں یا کسی اور وجہ سے اس کے افراد کی تعداد میں اضافہ ہو جائے تو اُن کے ایک آدمی کیلئے صرف ۲۰ ایکڑ زمین رہ جائے۔ تو مثال بالا کے مفروضات کے مطابق نتائج ذیل نمودار ہونگے۔

ایک آدمی ۲۰ ایکڑ کی کاشت سے ۵۰۰ بٹل پیدا کرتا ہے۔ اس لئے ۴۰ ایکڑ زمین سے دو آدمی ۳۰۰۰ بٹل پیدا کریں گے۔ یعنی ۱۵ آدمیوں سے ۶۰۰ بٹل زیادہ۔ اس لئے یہ ۶۰۰ بٹل ۳۰ آدمیوں یا ایک آدمی کی ۱۵ محنت کی طرف منسوب کرنے چاہئیں۔ اگر ایک آدمی کے وقت کے ۱۵ حصے سے اس ۴۰ ایکڑ کی پیداوار میں جو اُس کے بغیر ہوتی تھی صرف ۶۰۰ بٹل کا اضافہ ہوتا ہے۔ تو ایک آدمی کے پورے وقت سے ۶۰۰ بٹل کا اضافہ ہو گا۔ اسلئے یہ وہ مقدار ہے جو ہم نوادہوں میں سے ہر فرد واحد کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ جو مقدار اُن کے آنے سے پہلے پیدا ہوتی تھی اور جو اُن کی مدد کے بغیر پیدا ہو سکتی تھی۔ اُس میں انہوں نے صرف اس قدر اضافہ کیا۔

اب اگر آدمیوں کی تعداد میں اور بھی ترقی ہو جائے کہ ہر دس ایکڑ زمین ایک آدمی کے ذمے ہو۔ تو مثال بالا کے مطابق نتائج ذیل ظاہر ہونگے۔

چونکہ ایک آدمی دس ایکڑ زمین سے ۱۰۰۰ بٹل پیدا کرتا ہے۔ اس لئے دو آدمی جو علیحدہ علیحدہ دس ایکڑ زمین کی کاشت کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر ۲۰۰۰ بٹل پیدا کر سکیں گے۔ لیکن ایک شخص میں ایکڑ کی کاشت کر کے ۵۰۰ بٹل پیدا کرتا ہے۔ اس رقبہ سے دو آدمی ایک آدمی کی بہ نسبت ۵۰۰ بٹل زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے ۵۰۰ بٹل فی کس وہ تمام مقدار ہے جو ہم اُن لئے آدمیوں میں سے ایک ایک کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ جو پیداوار اُن کے آنے سے پہلے ہوتی تھی اور جو اُن کی مدد کے بغیر پیدا ہو سکتی تھی۔ اُس میں یہ لے دیکھا اسی مقدار کا اضافہ کرتے ہیں۔ اگر اسے عزت کا بیجا صرف نہ کہا جائے تو اُسی کے مرادف لفظ اس کیلئے استعمال ہونا چاہیئے۔ بہرہیف اگر اتنی قوت محنت اُس جماعت میں موجود ہے

تو اس کو کام میں لانا چاہیے۔ اور اس کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ حالات موجودہ میں جو بہترین طریقہ ہو وہ اختیار کیا جائے۔ لیکن اس کے معنی ہونگے فی کس نہایت نفوٹ پیداوار کا نقشہ و ذیل اس تجزیہ کے نتائج مجملًا ظاہر کرتا ہے:-

۲۰۰۰ بشل فی کس پیداوار جب کہ ایک آدمی چالیس ایکڑ کی کاشت کرے	۲۰۰۰ بشل مزید پیداوار جو ہر مزید آدمی پیدا کرتا ہے جب کہ ایک آدمی تیس ایکڑ کی کاشت کرے	۱۰۰۰ بشل مزید پیداوار جو ہر مزید آدمی پیدا کرتا ہے جب کہ ایک آدمی بیس ایکڑ کی کاشت کرے	۵۰۰ بشل مزید پیداوار جو ہر مزید آدمی پیدا کرتا ہے جب کہ ایک آدمی دس ایکڑ کی کاشت کرے
---	---	---	---

اس مثال سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ بیض کم نظر اور عاقبت نااندیش مصنفین جو یہ تلقین کرتے رہتے ہیں۔ کہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قطع نظر اس کے کہ فی کس پیداوار کتنی ہوگی۔ کتنی بڑی حقاقت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارا سب سے بڑا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اگر ہم زراعت سے فی کس زیادہ پیداوار حاصل کرنا چاہیں تو ہر مزدور کے لئے کافی رقبہ زمین دینا کرنا کس قدر اہم بات ہے اور اگر ہماری زراعت بڑھتی گئی۔ بغیر اس کے کہ مزدور عدزین کا رقبہ اس کے ساتھ ساتھ بڑھے تو پھر یہ کس قدر مشکل بات ہو جائیگی اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مختلف ملکوں کی پیداوار فی ایکڑ کا مقابلہ کر کے، اس سے نتیجہ نکالنا بغیر اس کے کہ ان ملکوں کی پیداوار فی کس کا مقابلہ بھی کیا جائے۔ کتنی بڑی

غلطی ہے۔ اور بہت سے معاملوں کی طرح اس معاملے میں بھی وہ لوگ جو خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔ یہ نسبت ان لوگوں کے جن کا علم صرف کتبی اور درسی ہے۔ زیادہ وقیفیت رکھتے ہیں۔ مغرب وسطی کے کاشتکار اپنے مزرعوں کے رقبہ کو وسیع بناتے جا رہے ہیں۔ اور جو زاید تعداد ہے وہ ان علاقوں میں جہاں کافی زمین مل سکتی ہے جا رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ وہ اندھا دہند نہیں کر رہے بلکہ سمجھ بوجھ کر۔ مختلف ملکوں کے گیہوں کے مزرعوں میں بڑا واسطہ حاصل فی کس ہوتا ہے۔ اس کے متعلق تسلی بخش اعداد و شمار طیار کرنا ناممکن ہے۔ لیکن ریاستہائے متحدہ کے مغربی حصے میں ایسے لوگوں کی بہت مثالیں ملتی ہیں جنہوں نے سالہا سال تک ۲۰۰۰ نسل سالانہ کی اوسط فصل پیدا کی ہے۔ جن ملکوں میں کاشت عمیق کے طریقوں پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ ان میں اس قسم کی پیداوار کی کوئی مثال موجود نہیں۔

ڈاکٹر ایل جی پاورز (L. G. Power) جو بارہویں اور تیرہویں مردم شماری میں زراعتی اعداد و شمار کے کام پر مقرر کئے گئے تھے۔ ان کے بیان کے مطابق ریاستہائے متحدہ میں ۵۰۰۰۰۰۰ زراعت پیشہ لوگ اس سے آدھا اناج پیدا کر لیتے ہیں۔ جتنا کہ یورپ میں ۶۶۰۰۰۰۰ زراعت پیشہ لوگ پیدا کرتے ہیں۔ جو لوگ پیداوار فی ایکڑ کو کامیاب زراعت کا معیار قرار دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ملک کو ان دوسرے ممالک کے مقابلے میں حقیر سمجھتے ہیں۔ لیکن جب ہم اس بات کو سمجھ لیں کہ پیداوار فی کس اصلی معیار ہے۔ تو اس میں ہرگز شرمندہ نہ ہونا چاہیئے۔

مردم شماری کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی کی پیداوار فی ایکڑ میکوسٹس (Massachusetts) میں بہ نسبت اینٹاکس (Indiana) یا آیووا (Iowa) کے زیادہ ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میکوسٹس مکی کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ریاست ہے۔ یا مکی کی پیدائش میکوسٹس میں بہ نسبت ان دوسری ریاستوں کے زیادہ کفایت شعارانہ اصول پر مبنی ہے۔

کافی اصل ضروری ہے۔ چونکہ ساری دنیا یہ اعتراف کرتی ہے کہ آلات اور

مشینری محنت کو بچانے کی تدابیر ہیں۔ اس لئے یہ کہنے کی ایسی ضرورت نہیں کہ ان تدابیر کی کافی رسد محنت کی بیشترین کفایت کیلئے لازمی ہے۔ تاہم محنت بچانے کی تدابیر ایک ایسی ترکیب الفاظ ہے۔ جو ہر اعتبار سے موزوں نہیں۔ پیداوار بڑھانے کی تدبیر کی ترکیب استعمال کرنا بعض صورتوں میں بہتر ہوگا۔ بہر کیف اگر یہ بخوبی ذہن نشین کر لیا جائے کہ آلات ان معنوں میں محنت بچاتے ہیں۔ کہ کام کرنے والوں کو زیادہ اور بہتر کام کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ تو اس صورت میں آلات کو محنت بچانے کی تدابیر کہنا مورد اعتراض نہیں ہو سکتا۔

مزرعے کی مشینری نے ہماری بڑی اجناس کی پیدائش میں کتنی مدد دی ہے۔ یہ فرستہائے ذیل سے ظاہر ہے جو ایچ ڈبلیو کونٹینس (H.W. Containments) کے رسالہ بعنوان ”مزرعہ کی مشینری کا اثر پیدائش اور محنت پر“ سے اقتباس کی گئی ہیں۔

کتنے دن کی محنت دستی طریقوں سے پیداوار کرنے کے لئے ضروری ہے

جنس	کس سال کی فصل ہے		تعداد ایتام
جو	۱۸۹۶	۳۰ — ۱۸۲۹	۱۴۵۱۷۷۷۷
کٹی	۱۸۹۴	۱۸۵۵	۱۱۷۷۷۷۷۷
کپاس	۱۸۹۵	۱۸۴۱	۸۰۷۷۷۷۷۷
بجوسہ	۱۸۹۵	۱۸۵۰	۹۹۷۷۷۷۷۷
	۱۸۹۳	۱۸۳۰	۱۰۷۷۷۷۷۷
آلو	۱۸۹۵	۱۸۶۶	۱۴۷۷۷۷۷۷
چاول	۱۸۹۶	۱۸۷۰	۳۹۷۷۷۷۷۷
	۱۸۹۵	۲۸ — ۱۸۴۷	۶۷۷۷۷۷۷۷
گیہوں	۱۸۹۶	۳۰ — ۱۸۲۹	۱۳۰۷۷۷۷۷۷
کل			۵۷۷۷۷۷۷۷

کتنے دن کی محنت مشین کی مدد سے پیداوار کرنے کیلئے ضروری ہے

جنس	کس سال کی فصل ہے	کس سال کے طریقے استعمال کئے گئے	تعداد ایام محنت	مشینری کی بدولت کتنے دنوں کی بچت ہوئی	بچت فیصدی
جو	۱۸۹۶	۱۸۹۵-۹۶	۶۳۰۰۳۵۴	۱۴۱۱۴۱۴۱	۹۵.۷
کئی	۱۸۹۴	۱۸۹۴	۴۵۸۷۳۰۲۷	۷۱۴۱۴۱۴۱	۶۰.۹
کپاس	۱۸۹۵	۱۸۹۵	۲۸۱۷۸۹۰۴	۵۱۸۹۲۹۸۷	۶۴.۸
جوسہ	۱۸۹۵	۱۸۹۵	۱۸۵۵۶۷۹۱	۸۰۰۰۴۶۶	۸۱.۳
	۱۸۹۳	۱۸۹۳	۱۱۳۳۴۲۶۶	۹۴۴۷۰۴۸	۸۹.۲
آلو	۱۸۹۵	۱۸۹۵	۱۰۱۳۴۱۰۰	۵۸۱۴۰۰	۶۵.۱
چاول	۱۸۹۶	۱۸۹۶	۱۰۸۸۸۹	۲۸۷۷۹۶	۷۲.۵
	۱۸۹۵	۱۸۹۴-۹۵	۲۷۳۹۱۴۷	۱۱۵۷۹۵	۶۰.۰
گیہوں	۱۸۹۶	۱۸۹۵-۹۶	۷۰۹۹۵۶۰	۱۲۳۷۵۲۲۳۶	۹۴.۵
کل			۱۱۹۷۵۵۰۳۸	۳۶۸۹۹۲۱۵۰	۷۹.۰

اگرچہ کافی آلات اور سامان کا استعمال زراعت میں پرلے درجے کی اہمیت رکھتا ہے۔ خاص کر ایک ایسے ملک میں جہاں زراعتی مزدوروں کی اتنی ہی قلت ہے اور جبریں اتنی ہی زیادہ ہیں۔ جتنی کہ ہماری ملک میں ہیں۔ تاہم ہر صنف کا جو اس موضوع پر کچھ لکھ سکے۔ یہ فرض ہے کہ وہ اس بارے میں اغیاط اور دوراندیشی کی بھی تلقین کرے۔ جس شخص نے بھی امریکہ کے زراعتی حالات اور زراعتی رسم و رواج کا بغور مشاہدہ کیا ہے۔ اس نے ضرور دیکھا ہوگا کہ بعض مرتبہ لوگ بیش قیمت آلات اور مشینیں خریدنے میں ضرورت سے زیادہ روپیہ لگا دیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جتنی اس کے مخالف مثالیں ملتی ہیں۔ یعنی محنت بچانے کے آلات کے بخیلانہ استعمال کی مثالیں۔ اتنی مثالیں اس امر کی دیکھنے میں نہیں آتیں۔ تاہم ان دونوں باتوں کے نتائج ایک جیسے مضر ہوتے ہیں۔ بیش قیمت آلات کا خرید لینا۔ بغیر ان باتوں کو سوچے ہوئے کے اول زمین سے بچت کیا کرنی چاہیے۔ اور دوسرے لاگت کیا آئے گی۔

کاروباری مصلحت کے منافی ہے اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ بیشمار کاشتکار آپ کو ایسے
 ملیں گے۔ جنہوں نے تلخ تجربہ سے عبرت حاصل کی ہے۔ جو شخص اپنی ضرورتوں کا صحیح
 صحیح اندازہ کئے بغیر چیزیں خرید لیتا ہے وہ عموماً مصارف کا حقیقت سے کم تخمینہ کرتا ہے
 زیر مشغلہ *Invested money* کی پہلی رقم پر جو سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا
 اندازہ کرنا بہت آسان ہے۔ لیکن یہ تو مصارف کا عشر عشر بھی نہیں ہوتا۔ مرمت پر جو خرچ
 کرنا پڑیگا۔ اس کا اندازہ کرنا قدرے مشکل ہے اور یہ خرچ بہت جلد ایک بڑی رقم کی صورت
 اختیار کر لیتا ہے۔ اتنی جلدی کہ نا تجربہ کار کاشتکار یا وہ کاشتکار جو باقاعدہ طور پر حساب کتاب
 نہیں رکھتا۔ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ مزرے کی مشینری بہت جلد خراب ہو جاتی ہے اور اسکی
 وجہ سے اتنے اخراجات کا تحمل ہونا پڑتا ہے کہ جس کاشتکار نے چند سال تک باقاعدہ حساب
 کتاب نہیں رکھا وہ انہیں سنکر دنگ رہ جائیگا۔ منیسوٹا (Minnesota) کی تجربہ گاہ
 میں جو تحقیقات اس کے متعلق پانچ سال تک کی گئی ہیں۔ اُس کے مطابق مزرے کی مشینری
 کی اوسط سالانہ فرسودگی ۳۳ فی صدی ہوتی ہے۔ مختلف آلات کی فرسودگی مختلف شرح
 فی صدی کے حساب سے ہوتی ہے۔ پھلکروں کی فرسودگی سے لیکر جو ۸۹ فی صدی
 ہوتی ہے۔ مکئی کے گٹھے باندھنے والی کل کی فرسودگی تک جو ۱۰۳ فی صدی ہوتی ہے اسلئے
 نہایت ضروری ہے۔ کہ کاشتکار کوئی قیمتی مشین خریدتے وقت بہت سوچ سمجھ سے کام
 لے۔ اور پورے طور پر اپنی تسلی کر لے کہ اس مشین سے اپنا کام لے سکیگا یا نہیں۔ کہ سود
 مشین کے روزانہ مصارف اور مرمت اور فرسودگی کے متعلق اُس کے جو اخراجات ہونگے،
 اُن سے زیادہ منافع کی گنجائش نکل آئے۔ اُس کو یہ اچھی طرح دیکھ بھال لینا چاہیئے کہ اپنی
 لاگت کی رقم وہ کس صورت سے واپس لیگا۔ یعنی اگر وہ مزدوروں سے کام لیگا۔ تو مزدوروں
 کی اجرت میں اس کو کس طرح بچت ہوگی۔ یا اپنے مزرعہ کی پیداوار کو وہ کس صورت سے اس
 حد تک بڑھا سکیگا۔ کہ لاگت کا معاوضہ بھی مل جائے اور اس کے ساتھ ہی منافع کی اتنی وسیع
 گنجائش ہو کہ اگر اندازہ کرنے میں کہیں غلطی ہوگی ہے تو اسکی کسر نکل جائے۔ تاہم ایک بات

مفصل بحث آگے چل کر کسی باب میں لینگے۔ تاہم یہاں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ اگر مزرعہ بہت ہی چھوٹا ہو تو وہاں اتنا کام سرے سے سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اعلیٰ درجے کی اور بڑی قیمتوں کی مشینیں استعمال کی جائیں۔ اکثر اتنا کام بھی نہیں ہوتا کہ دو گھوڑے یا ایک گھوڑا رکھنے میں کوئی نفع ہو۔ جتنا ایک گھوڑا اتنے چھوٹے مزرعہ کی پیداوار میں اضافہ کر لگا۔ اس سے زیادہ تو وہ خود کھا لینگا۔ جب یہ صورت ہو تو گائے رکھنے میں زیادہ کفایت شکاری ہے۔ مزرعہ میں جو کام ہوتا ہے۔ وہ اتنا ہلکا اور معمولی ہوتا ہے۔ کہ گائے کے دودھ دینے پر اس کا کچھ مضر اثر نہ ہوگا۔ اور نہ اسکی خوراک کا کچھ خرچ بڑھینگا۔ چنانچہ گائے ہر کام کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں یہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ ہل چلانا۔ ہینگا بھیرنا اور کھیت سے کھیلنا تک بوجھ اٹھا کر بیچانا یہ سارے کے سارے کام دو گایوں کو کرنے پڑتے ہیں۔ بعض اوقات اگر مزرے ذرا اس سے بڑے ہوں تو وہاں اکیلے ایک سیل سے یا ایک سیل اور ایک گھوڑے سے یہ کام لیا جاتا ہے۔ لیکن بہت چھوٹے مزرعوں میں ایسی ایک گائے یہ سب کام نبھاتی ہے۔ باقی جو کام ہوتے ہیں مثلاً بیج بونا۔ کھیت جوڑنا۔ فصل کاٹنا۔ اناج گاہنا اور چھڑانا وغیرہ وغیرہ یہ سب ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں۔ اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ یہ قدیم دستی طریقے عموماً ایک اکیلے کسان کیلئے اس کے حالات کے مطابق مشینوں کے استعمال کی یہ نسبت زیادہ کفایت کا باعث ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر اس سوال پر غور کیجئے۔ آیا کسان کو گیہوں سانٹ سے پٹنا چاہیئے۔ یا بھاپ کی خرمن کو ب مشین کرایہ پر لینا چاہیئے۔ اول تو اس کا مزرعہ نہایت چھوٹا ہے۔ اور اس کا سارا گیہوں کا کھیت پاتھ ایکڑے زیادہ نہیں۔ دوسرے اس کی ساری کمائی لے دے کہ اس مزرعہ کی پیداوار ہے۔ تیسرے اس کو اپنا وقت گزارنے کے لئے اور کوئی کام نہیں۔ جب خود اس کے یہاں کام کی کمی ہے۔ تو دوسری جگہ اس کو کام ملنا معلوم۔ اگر وہ کسی اور جگہ جا کر اجرت پر کام کر سکتا۔ تو اس صورت میں یقیناً اس کیلئے یہ زیادہ کفایت شکاری ہوتی کہ مشین کرایہ پر لے کر اپنا غلہ چھڑا لیتا۔ لیکن جب اس کی کوئی

صورت ہی نہیں۔ تو اس کا وقت خالی پڑا ہے۔ اور اگر وہ اس سے یہ کام نہ لے کہ اپنے گہیوں کی سانٹ سے چھڑے۔ تو اس کی ذاتی محنت بیکار جا سکیگی۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہ غلے کو سردی کے طویل موسم میں اپنے ہاتھوں سے چھڑے۔ تو اس کا کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے اگر وہ اسی کو کرایہ یا اجرت پر کرانا تو جو لاگت آتی وہ اس کی نقد آمدنی میں سے ایک معقول حصہ کم کر دیتی۔

ان حالات میں ایک کسان کا اپنے گہیوں کو آپ چھڑنا چاہیے کتنا ہی کفایت پر مبنی کیوں نہ ہو۔ تاہم جہاں اس قسم کے حالات موجود ہوں۔ وہاں بہت سی محنت بلا شک و شبہ ضائع کی جاتی ہے۔ جس کسی نے منظر دیکھا ہے کہ درجنوں اور کوڑیوں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے کسان ایریڈی چوٹی کا زور لگا کر گہیوں کو سانٹ سے پیٹ رہے ہیں۔ اُس پر یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے۔ اگر ایک مرتبہ وہ اپنے ماحول پر غالب آسکیں۔ اور ایسے حالات پیدا کر سکیں کہ سال کے ایک حصے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کے بجائے وہ اپنا تمام وقت کسی پیداوار کام میں لگا سکیں۔ تو وہ یقیناً اس قابل ہو جائیں کہ اس سے بہت کم محنت سے اپنے گہیوں کو چھڑا سکیں۔ اور اس سے زیادہ نفع حاصل کریں۔ ایک صورت صاحبِ لیاقت کسان کیلئے ممکن ہے وہ یہ کہ وہ اپنے چند ہمایوں کی زمین خرید لے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی جوتوں کو مل کر ایک مزرعہ بنائے۔ اور پھر جن لوگوں کے پاس پہلے وہ زمینیں تھیں انہیں اجرت دے کر اپنے گہیتوں میں کام پر لگائے۔ بعض ملکوں کی رسم و رواج اور روایات قدیمی اور انتقالِ اراضی کی مشکلات اس امر میں سیدراہ ہوتی ہیں۔ ورنہ یہ صورت کسی نہ کسی دن پیدا ہو کر رہتی۔ مثال کے طور پر بعض ملکوں میں انتقالِ اراضی پر جو اخراجات ہوتے ہیں۔ وہ مزرعہ کی نصف قیمت کے برابر ہوتے ہیں۔ جب یہ حالت ہو تو زمین کی خرید و فروخت میں بہت رکاوٹیں حائل ہونا قدرتی امر ہے۔

اگر بہت چھوٹے چھوٹے کسان امداد باہمی کے طریقے کے مطابق ایک خرمن کو ب مشین سے مل کر کام لیں۔ تو اس سے بھی کچھ امید ہو سکتی ہے۔ گو اس میں بھی ایک بڑی باتِ احتیاط ہے۔ اگر وہ اس وقت کو جو اس طرح ان کے پاس فوج ہے۔ کسی مفید کام میں لگا سکیں

تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ورنہ ہمیں اس طریقے کی کفایت میں شک ہے۔ کیونکہ اس قسم کی مشین کا خرچ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس مسئلے کا حقیقی معنوں میں صرف ایک حل ہے۔ وہ یہ کہ ان کسانوں کو جو دقت مشین کے استعمال کی بدولت بچ رہے۔ اس کے دوران میں وہ کوئی پیداوار کام کریں۔ صرف یہی ایک صورت ہے۔ جس وہ مشین کی اصلی لاگت ادا کر سکتے ہیں۔ یہی صورت دوسری مشینوں کے معاملے میں بھی ہے۔ اُس وقت کفایت ہو سکتی ہے۔ جب کسان اپنے زائد دقت کو زائد کام میں صرف کریں۔ راقم الحروف نے ان چھوٹے چھوٹے کسانوں کا جہاں تک مشاہدہ اور مطالعہ کیا ہے اُس سے اُس پر ثابت ہو گیا ہے کہ وہ جس کی وجہ سے یہ کسان ایسے طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں بیہودہ ہے۔ نہ انہم کسانوں کیلئے یہ انتہائی دانائی ہے۔ کہ اپنے آپ کو اس نظام کے مطابق بنائیں۔ اور جس طرح کام چل سکے چلائیں۔ کاشتکاری کے مختلف طریقوں کی قدر و قیمت کا موازنہ ہم کسی آئندہ باب کیلئے اٹھارہ کھتے ہیں۔

سائنٹفک واقفیت۔ یہ امر کارآمد آلات اور اوزار کے استعمال سے قریب کا تعلق رکھتا ہے کہ کاشتکار ذاتی طور پر زراعت سے مکمل اور سائنٹفک واقفیت رکھتا ہو۔ یا مستثنائے طلب اور نوشتہ و خواندہ کے اور جتنے پیشے ہیں۔ ان میں تعلیم کی جو ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ضرورت۔ خاص کر سائنٹفک تعلیم کی ضرورت کاشتکاری میں ہوتی ہے۔ مکمل سائنٹفک کاشتکار بننے کیلئے اعلیٰ اور عمدہ کی سائنٹفک تعلیم سے بہرہ ور ہونا لازمی ہے۔ اس قسم کے کاشتکار کیلئے صریح طور پر ضرورت ہے کہ وہ علم نباتات، حیاتیات، علم کیمیا، طبیعیات، اور علم ساخت سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ اور ان علوم کی بعض خاص خاص اور مشکل شاخیں اُسے بوجہ احسن جانی چاہئیں۔

زراعتی پیداوار اور جانوروں کی افزائش جنس کے اصول بھی اگر ممکن ہوں تو اچھی طرح جانا چاہئیں۔ لیکن یہ آجکل ممکن نہیں۔ کیونکہ کوئی ایسا شخص زراعتی جماعت میں یا اس کے باہر موجود نہیں۔ جو پورے طور پر ان سے واقف ہو۔ کاشتکار کو مٹی کے علم الکیمیا، طبیعیات، مٹی کے علم الجبرائیم، ماکولات کی غذائیت، زمین پر ورکھاؤں کے باہمی

تناسب اور اسی قسم کے اور مشکل مضامین سے جن کی طرف ان دنوں سائنس کے باہرین خصوصی کی توجہ مبذول ہو رہی ہے۔ رشتنا سا ہو تا چاہیے۔ گو یہ بات درست ہے۔ کہ کوئی فرد بشر عام اس سے کہ وہ کاشتکار ہو یا نہ ہو۔ صحیح معنوں میں ان تمام مضامین پر عبور حاصل نہیں کر سکتا۔

کاشتکاروں میں ایک پرانی کہاوت چلی آتی ہے کہ:-

”یہ کہاوت نہایت مختصر طور پر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ محنت کی کفایت کیلئے حسن انتظام کس قدر ضروری ہے۔ اس میں مطلق شبہ نہیں کہ ہمارے ملک کے مزدوروں میں جو محنت ضائع ہوتی ہے وہ اور سب چیزوں سے زیادہ بد انتظامی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ امر آگے چل کر ایک مستقل باب کا موضوع ہو گا۔ جس کا عنوان ہے ”تنظیم“۔

ترقی پسندی۔ محنت کی کفایت میں جو روکا دیٹن پیش آتی ہیں۔ ان میں شاید سب سے بڑا عکس وکاشتکاری یا مزرعہ کے مزدوروں کی خصالت و سیرت ہے۔ اس امر کی اس سے زیادہ نمایاں مثالیں پُرانے ملکوں میں یا ایسے ملکوں میں جہاں رسم و رواج کے معاملے میں کلیئر کی فیکری کی جاتی ہے مل سکتی ہے۔ مشرقی ممالک میں اور بعض اطالوی امریکی ممالک میں مزرعہ کے کام کرنے والے اپنے طریقہ کار کے بدلنے کیلئے اس قدر کم آمادہ ہوتے ہیں۔ کہ یہ بھی طبیعت زمین یا خالصت آپ و ہوا کی طرح ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوتی ہے اور ان لوگوں کی طبیعت کا بدلنا۔ ڈین ڈیون پورٹ (Devonport) اپنی ایک تحریر میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ جنوبی امریکہ کی ایک جاگیر میں ایک نہایت قیمتی چھکڑا بیکار پڑا پڑا ٹوٹ گیا۔ بات یہ ہوئی کہ وہاں کے مزدوروں نے اُس کے استعمال سے محض اس بنا پر انکار کر دیا۔ کہ اس کے پتوں سے وہ چوں چوں کی آواز پیدا نہیں ہوتی۔ جو ان کی پرانی لکڑی کی گاڑیوں سے پیدا ہوتی تھی۔

قدامت پرستی کی اس سے زیادہ مضحکہ خیز مثالیں ہماری سرحدوں کے باہر پیش نہ مل سکتی ہیں۔ لیکن دور کیوں جائیے۔ ہمارے ملک میں بھی ایسی مثالیں بہت مل جائیں گی ہر مزرعہ کے مینجر کو اُجرتی مزدوروں کی حماقت اور غردانگی سے پالا پڑا ہو گا۔ یہ لوگ یہ

خیال کرتے ہیں۔ کہ بعض کام ہیں جو خاص خاص مقررہ طریقوں سے کرنے چاہئیں۔ اور نہ نرمی سے نہ سختی سے وہ یہ مانیں گے کہ ان کے کرنے کا کوئی اور بھی طریقہ ہے۔ بس اُسی ڈگر پر چلے جائینگے مزدور تو پھر سے مزدور۔ بعض کاشتکار جو خود اپنے مالک و مختار ہیں۔ ایسے موجود ہیں۔ جو چاند سے شگون لیکر اور ہورت دیکھ کر بیج بوتے ہیں۔ اور ٹونکے ٹونکے والوں سے پوچھ پوچھ کر کنوئیں کھودتے ہیں۔ خاص کر ایسے نئے طریقوں کے اختیار کرنے میں تو وہ نہایت سست ہیں۔ جن سے جلدی اور تھوڑی محنت سے کام ختم ہو سکے۔ آپ ان لوگوں کو سمجھانے کی ہرلہ کوشش کیجئے۔ کہ مکی کے ایک بھٹے کا چھلکا اُتارنے یا گھوڑوں کو ہل کے آگے جوتنے کے کسی خاص طریقے سے یا اس قسم کے اور کھیتی باڑی کے کاموں کے خاص ڈھنگ سے کم محنت کرنی پڑتی ہے اور وقت بھی آدھا صرف ہوتا ہے۔ لیکن وہ ہیں کہ ایک بھی نہیں سُنتے۔ اور ان طریقوں پر عمل کرنا تو کجا اُن کو آزمانے کے بھی روادار نہیں۔ اُن کی حالت بالکل اس شخص کی ہے۔ جس نے پہلی مرتبہ اونٹ دیکھا تھا۔ پہلے تو وہ بڑی دیر تک اس عجیب الخلق جانور کو گھورتا رہا۔ پھر یہ کہہ کر چل دیا۔ "اونٹ اونٹ و اونٹ کسی جانور کا نام نہیں۔" ترقی کو پسند کرنا۔ اپنی عادات تبدیل کرنے کیلئے آمادہ ہونا۔ اگر کوئی نیا طریقہ پہلے طریقوں سے بہتر بنایا جائے تو اُسے سیکھنے کی کوشش کرتا۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ کسی جماعت کی قوت محنت کے بالکلیہ صرف کیلئے سب سے لازمی ہیں۔ بعض طبائع کیلئے اپنے آپ کو بد لے یا کوئی نیا طریقہ سیکھنے کا عمل اس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی کم محنت طلب کام جس سے بیشتر آمدنی ہو سکے اُن کو بنایا جائے۔ تو وہ اس کے سیکھنے کی زحمت کو ادا نہ کریں گے۔ اور اس پر محنت شائد اور تنگدستی کو ترجیح دیں گے۔ اجتماعی مسائل کے بعض طلباء اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ کسی قوم میں اس ترقی پذیری اور اصلاح پسندی کی خاصیت کا ہونا ٹیکنیکل اور سائنٹفک علم سے بھی زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اگر لوگوں میں صرف اتنی بات ہو کہ وہ نئی بات سیکھنے کی طرف مائل ہوں ٹیکنیکل اور سائنٹفک علم دوسری قوموں سے آسانی عاریتہ لیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ میلان ترقی عاریتہ نہیں لیا جاسکتا۔ یہ لوگوں کی گھٹی میں موجود ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ پشتہا پشت کی تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر جاپانیوں کو لیجئے۔ اہل مغرب کو فن حرب کے متعلق جو کچھ معلوم تھا اور جو آلات اور ہتھیار انہوں نے ایجاد کئے تھے۔ وہ سب جاپانیوں نے ان سے اخذ کر لئے ہیں۔ لیکن ایک چیز انہوں نے کسی سے نہیں لی اور نہ قدرتی طور پر لے سکتے تھے۔ وہ بہادری و لاوری۔ وہ انتظام پسندی اور وہ سرگرمی جس کی بدولت انہوں نے ان صنعتی ایجادات کے ایسے ایسے شاندار کام کئے۔ یہ کہنا میانہ میں داخل نہیں۔ کہ اگر ہمارا نظام تعلیم ترقی پسندی کا رجحان اور ہر وقت اپنے آپ کو بہتر بنانے کا حقیقی ذوق و شوق ہماری قوم میں پیدا کر سکے۔ تو ہم زراعت کے متعلق لازمی ٹیکنیکل علم کسی نہ کسی طرح حاصل کریں گے۔ اگر علاوہ ترقی پسندی کی خاموشیت پیدا کرنے کے ہمارے مدارس کسان کو ٹیکنیکل علم سے بھی مرصع کریں۔ تو یہ سونے پر سہاگہ ہو گا۔

(۵) اصل راعی پریشاں کے ایک نل کی حیثیت سے

ابواب سابق میں ہم نے ملاحظہ کیا ہے۔ کہ اصل زمین کو بہتر طور پر استعمال کرینا یا اس کی کفایت کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس طرح محنت کی کفایت کا باعث ہے اب میں اصل کی مامیت پر غور کرتا ہوں اور یہ دریا فت کرتا ہے کہ وہ کون کون سے حالات ہیں۔ جن کے ماتحت یہ وجود میں آتا ہے۔ اور زراعتی پیداوار میں اس کا کیا حصہ ہے؟ معاشیاتی نقطہ نگاہ سے مفید اشیاء کو کسی میں؟ تمام فائدہ بخش چیزیں دو بڑی جماعتوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔ اول وہ جنہیں معاشیاتی مفید اشیاء اور دوسری وہ جنہیں غیر معاشیاتی یا بغیر محنت کے ملی ہوئی مفید اشیاء کہا جاتا ہے۔ پہلی قسم کی مفید اشیاء اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ہر شخص جتنی چاہے اتنی حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے اُن کے بارے میں کفایت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بات فوراً ہر شخص کے ذہن میں آئیگی کہ ایک ہی چیز ایک وقت یا مقام پر معاشیاتی اعتبار سے ایک مفید شے (a good) ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے وقت اور مقام پر غیر معاشیاتی اعتبار سے بھی ایک مفید شے (a good) ہو سکتی ہے۔ اور یہ اس کی قلت یا کثرت پر منحصر ہے۔ معاشیاتی مفید اشیاء یعنی وہ اشیاء جو نا اور الوجود ہیں۔ تمام معاشی جدوجہد کا مقصد و منتہا ہیں۔ کفایت۔ بچت۔ ذخیرہ رکھنا اور تبادلہ ان تمام کا مقصد کوئی نہ کوئی معاشیاتی فائدہ ہی ہوتا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں۔ جن کے پیدا کرنے کیلئے ہم محنت کرتے ہیں۔ جن کیلئے تمام معاشیاتی نظام تیار کیا گیا ہے۔ صرف یہی تبادلہ میں کچھ قدر قیمت یا حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ محض اس وجہ سے کہ کوئی شخص کسی چیز کو معاوضہ میں نہیں لیتا۔ جب تک وہ کم یا ب نہ ہو۔ یعنی جب تک وہ چیز اُس کے پاس ضرورت سے کم نہ ہو۔ باقی تمام مفید اشیاء کو معاشیات کا عالم نظر انداز کر دیتا ہے۔ جس طرح ہم جہاں تک کہ ہمارے کسب معاش کیلئے کوششوں کا تعلق ہے انہیں نظر انداز

کرتے ہیں۔

پیدا کنندوں اور صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیا۔ ان معاشیات

اشیا میں سے اکثر اپنے استعمال یا صرف کرنے والوں کے لئے براہ راست فائدہ بخش ہوتی ہیں۔ اور دوسری یا لواسطہ فائدہ بخش ثابت ہوتی ہیں۔ یہ ارفع حوائج کا باعث ہوتی ہیں یعنی دوسری قسم کی مفید اشیا کی وساطت سے۔ روٹی پہلی قسم کی مثال ہے۔ یعنی وہ ان مفید اشیا میں سے ہے جنہیں صرف کرنے والوں کی مفید مطلب اشیا کہا جاتا ہے دوسرے الفاظ میں..... صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیا وہ ہیں جو براہ راست

صرف کی جاتی ہیں۔ یہ براہ راست ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ برخلاف اس کے پیدا کنندوں کی وہ مفید مطلب اشیا دوسری کارآمد اشیا کے پیدا کرنے کیلئے کام میں لائی جاتی ہیں۔

یا ان دوسری مفید اشیا کی مدد سے جن کو وہ پیدا کرتی ہیں۔ ضرورتوں کو بالواسطہ پورا کرتی ہیں۔ بہر حال بعض مفید اشیا ایسی ہیں کہ ایک وقت میں صرف کنندوں اور دوسرے

وقت میں پیدا کنندوں کے حق میں مفید ہو سکتی ہیں۔ یا ایک ہی وقت میں کسی حد تک صرف کنندوں اور کسی حد تک پیدا کنندوں کے لئے مفید ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر کاشتکار

کی گھوڑوں کی بوڑی اس کو کاروبار میں بھی مدد دے سکتی ہے اور تفریح کی سواری کے کام بھی آ سکتی ہے یا نتھی کا ساز روزی کمانے کا وسیلہ بھی بن سکتا ہے۔ اور نشاط

و تفریح کا ذریعہ بھی ہے۔

اصل کیا چیز ہے؟ زمین کے سوا باقی جتنی چیزیں پیدا کنندوں کے حق میں مفید ہیں

ان کو مجموعی طور پر اصل کہا جاتا ہے۔ وہ اس مقصد کیلئے استعمال کی جاتی ہیں۔ کہ دوسری

مفید اشیا کی صورت میں ان سے آمدنی ہو سکے۔ بعض ایسی چیزیں ہیں۔ جنہیں عموماً

صرف کنندوں کے حق میں مفید اشیا کہا جاتا ہے۔ یعنی بعض اوقات اصل کے نام سے

بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اصل کے مفہوم نہ صرف تمام پیدا کنندوں کی مفید اشیا

شامل ہیں۔ بلکہ وہ صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیا بھی جن کو ان کے مالک (مالکوں

اور استعمال کرنے والوں میں فرق کرنا چاہیئے) آمدنی کیلئے استعمال کریں۔ یعنی وہ

صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیا رجن کے مالک انہیں فرض پر یا کرایہ پر دوسروں کو استعمال کیلئے دیدیتے ہیں۔ اپنے مالکوں کیلئے بہر صورت وہ ایک قسم کا اصل یا ذریعہ آمدنی ہیں۔ کیونکہ اصل اس دولت کا نام ہے۔ جو آمدنی کیلئے صرف میں لائی جائے آمدنی سے مراد ادوی مفید اشیا کی ایک مقدار ہے نہ کہ غیر مادی یا روحانی تمکین۔ جیسی کہ اس قسم کی اشیا سے حاصل ہوتی ہے۔ جنہیں ہم اصل کے نام سے موسوم نہیں کر سکتے۔ تاہم اصل کی ان دو قسموں کے درمیان تفریق کی جاتی ہے۔ ایک کو اصل پیدا آور یا اجتماعی اصل کہا جاتا ہے۔ اور دوسری کو اصل جلیبی یا شخصی اصل کہا جاتا ہے۔ پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیا ریا اصل پیدا آور کو اجتماعی اصل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام جماعت کی قوتِ پیدائش میں اضافہ کرتی ہیں۔ اور اس قسم کا اصل جتنا زیادہ ہوگا۔ اتنی ہی زیادہ ساری جماعت پیدا کر سکیگی۔ صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیا ر جو فرض پر یا کرایہ پر یا استعمال کئے والوں کو بھارت سے پرہیز جاتی ہیں۔ ان کو شخصی اصل کا نام دیکر اجتماعی اصل سے الگ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جماعت کی قوتِ پیدائش میں کوئی اضافہ نہیں کرتیں۔ جو دولت پہلے ہی پیدا ہو چکی ہے۔ یہ اس کو از سیر نو تقسیم کرنے کے ذرائع ہیں اور پس یعنی وہ اپنے مالکوں کیلئے انفرادی طور پر آمدنی کا وسیلہ ہے لیکن جماعت کے لئے حیثیت رکھتی نہیں۔ اس باب میں ہم صرف اصل پیدا آور پر غور کریں گے۔ کیونکہ شخصی یا جلیبی سرمایہ تعریف یا مال کے مطابق زراعتی پیداوار کا عامل نہیں ہے۔

یہ بات کہ زمین اصل سے مختلف چیز ہے۔ اور ایک علیحدہ قسم کی چیز ہے۔ عموماً تسلیم کی جاتی ہے کہ یہ ضرور ہے کہ ان دونوں میں بہت مشترک صفات پائی جاتی ہیں۔ محاسب یا کاروباری آدمی کے نقطہ نگاہ سے ان دونوں کا باہمی فرق بہت بڑا نہیں۔ اور زمین عموماً اصل کی اقسام میں شمار کی جاتی ہے۔ ایک شخصی کاروبار کی حساب کی کتابوں میں ہم زمین کو اصل کی ایک قسم کی حیثیت دے سکتے ہیں۔ اور اس سے کوئی خلط مبعث نہ ہوگا۔ لیکن معاشیات دان جو اس مسئلے پر اجتماعی یا

سیاسی زاویہ نگاہ سے غور کرتا ہے۔ اس کے نزدیک زمین بہت اہم امور ہیں۔ اصل سے مختلف حیثیت رکھتی ہے۔ اول زمین ایک قدرتی پیداوار ہے درآئینہ اصل یعنی آلات عمارتیں وغیرہ انسانی محنت کے نتائج ہیں۔ دوسرے زمین کی رسد عملی طور پر ایک دفعہ مقرر ہو چکی ہے۔ درآئینہ اصل غیر معین طور پر بڑھایا گھٹایا جاسکتا ہے نیز زمین کی رسد چونکہ معین ہے۔ اور طلب معین نہیں اس لئے اس کی قیمت یا لگان کا کوئی حد و حساب نہیں۔ اگر آبادی کافی بڑھ جائے اور اس کے ساتھ ہی زمین کی طلب ترقی کر جائے تو اتنی اتنی قیمتیں زمین کی ادا کی جاسکتی ہیں۔ اور کیجاتی ہیں۔ کہ شکر سائنس میزری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ کسی قسم کے اصل کی رسد معین نہیں بلکہ غیر محدود طور پر بڑھائی جاسکتی ہے۔ اسلئے کوئی جزو اصل جو قیمت پاسکتا ہے اس کی حد مقرر کی جاسکتی ہے۔ اگر طلب زیادہ ہو جائے اور قیمتیں چڑھ جائیں تو رسد اتنی بڑھائی جاسکتی ہے کہ طلب کو پورا کر سکے۔ اور قیمتوں کو بڑھنے سے روک سکے۔

زراعتی معاشیات کے عالم کے نقطہ نگاہ سے زمین اور اصل کی تفریق باہمی کا بخوبی ذہن نشین کر لینا نہایت اہم ہے۔ ملک کی زرعی زمین ایک عطیہ قدرت ہے۔ لیکن وہ آلات اور ساز و سامان جو اس زمین سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہیں صرف غور و فکر اعتدال اور محنت سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اصل کبھی اپنے آپ پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ مساعی انسانی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اصل کی پیدائش میں اولین کام یہ ہے کہ آدمی انتظار کے لئے تیار ہو جائے۔ یعنی صرف کشتوں کی مفید مطلب اشیا کیلئے جو خواہش اس کے دل میں ہے اس خواہش کی تسلی کیلئے عام حالات سے زیادہ دیر تک انتظار کیلئے آمادہ ہو جائے۔

یہ انتظار بیشمار طریقوں سے کیا جاسکتا ہے۔ کسی شخص نے ایک ڈالر کیا ہے تو وہ یا تو اسے اپنے مصرف کی چیزوں کیلئے خرچ کر سکتا ہے یا اس کو ایسے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ جس سے اسکی موجودہ صرف تو نہ بڑھے لیکن آئندہ آمدنی بڑھ جائے۔ اگر وہ شخص اپنے ڈالر کو آئندہ آمدنی بڑھانے کیلئے استعمال کرے تو وہ ایک اصل دار بن جاتا ہے۔ جس کی دولت ایک ڈالر ہے۔ اگر وہ شخص کوئی آلہ یا کوئی چالو یا کوئی

ایسی چیز جس سے اسکی آئندہ آمدنی بڑھے۔ خریدے تو وہ ساری جماعت کی آئندہ قوت پیدائش میں اضافہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اس جماعت کا ایک فرد ہے۔ یعنی ایک آلہ کے عوض میں وہ ایک ڈالر دے کر اُس آلہ کے بنانے والے کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ اور اُن کو آلات بنانے کے کام میں اتنی مدد دیتا ہے۔ جتنی ایک ڈالر سے مل سکتی ہے۔ اگر وہ ایک جانور کے بدلے میں ڈالر دیتا ہے۔ تو وہ جانوروں کا بیوپار کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ اور جانوروں کی پرورش کے کام میں بھی اس حد تک مدد و معاون ہوتا ہے۔ جتنا ایک ڈالر سے ممکن ہے۔ وہ چاہے ایک ڈالر کوئی سامان خریدنے میں لگائے یا ایک کروڑ ڈالر۔ تاہم معاملے کی حقیقت ایک ہی ہے اور اس کے نتائج بھی نسبتاً ایک ہی ہیں۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے ڈالر کو بالواسطہ کسی کام میں لگائے۔ یعنی وہ اسے کسی بنک میں جمع کرادے۔ اس صورت میں وہ اپنا ڈالر بنک والوں کو قرض دے دیتا ہے۔ اور بنک آگے وہ ڈالر کسی اور شخص کو دیدیتا ہے جو اُسے کاروبار میں لگاتا ہے۔ یعنی اُس سے آلات۔ جانور یا کوئی اور عامل پیدائش خریدتا ہے۔ اصل کے وجود میں آنے کی کوئی صورت تصور کیجئے یا کوئی ایسی صورت تصور کیجئے۔ جس سے دینا کا ذخیرہ اصل بڑھ سکتا ہو تو معلوم ہوگا کہ اس کا آغاز انتظار یا بچت سے ہوا۔ یعنی اس کے صرف کو معرض تصدیق میں ڈال دیا گیا۔ تاکہ آئندہ کی آمدنی کا ذریعہ اپنے پاس موجود ہے۔ اس لئے عاقبت اندیشی تمام اصل دارانہ پیدائش کا بنیادی اصول ہے۔

زر اور اصل۔ جو مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں۔ اُن میں زر کو اس چیز کی حیثیت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جو پس انداز کی جاتی ہے۔ اور کاروبار میں لگائی جاتی ہے۔ جب زر نہ تھا۔ تو اس وقت بھی اصل موجود تھا۔ اور یہ آج بھی ممکن ہے کہ زر کے استعمال کے بغیر اصل پیدا ہو جائے۔ لیکن چونکہ ہم ایک ایسے زمانے میں رہتے ہیں۔ جس میں زر ہر جگہ ذریعہ مبادلہ ہے۔ زر ہی کی صورت میں اجرت ادا کی جاتی ہے۔ اور زر ہی شغل اصل کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اصل عموماً زیادہ تر سب سے پہلے زر کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یعنی عموماً اصل کے استعمال کا پہلا درجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ زر کی ملکیت حاصل کی جائے۔ یا قرض کے ذریعے اس پر قبضہ حاصل کیا جائے۔ بعد ازاں یہ زر آلات۔ جانوروں اور دوسرے ساز و سامان کے عوض میں

دے دیا جاتا ہے۔ چونکہ زر پہلی صورت ہے۔ جس میں ایک شخص پہلے پہل اصل حاصل کرتا ہے اس لئے عام طور پر اصل کو زر کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں تمام پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیاء ایک شخص کے پاس ہیں۔ وہ سب زر کے فیض سے خریدی گئی ہیں۔ اور چونکہ ان سب کی ایک قیمت فروخت مقرر رہتی ہے۔ اس لئے یہ رواج ہو گیا ہے۔ کہ ان اشیاء کے اصطلاحی ناموں کو بھی زر سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی فلاں چیز اتنے ڈالر کی قیمت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں۔ کہ چونکہ ایک شخص کے تمام آلات۔ اوزار۔ مال مویشی وغیرہ قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کو صرف ایک صفت سے منسوب کرنا باعث سہولت ہے۔ اس خیال نے بعض لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ کہ اصل ایک قسم کی روحانی یا غیر مادی شے ہے جو ان اجسام مادی میں جنہیں اوزار۔ آلات اور شین کہا جاتا ہے رہتی ہے واقعہ یہ ہے کہ جب لوگ ان الفاظ میں سخنریا تقریر کرتے ہیں۔ تو ان کے ذہن میں صرف ان اشیاء کی "قدر و قیمت" ہوتی ہے۔ اور اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کسی کا شتکار یا کاروباری آدمی سے پوچھ دیکھئے کہ تمہارے پاس کتنا اصل ہے وہ کہے گا کہ اتنے ڈالر اتنے ڈالر۔ پھر اس سے پوچھئے کہ تمہارا اصل کن چیزوں پر مشتمل ہے۔ اب وہ ڈالروں کے حساب سے اپنے اصل کا اندازہ نہیں بتا سکتا بلکہ یہ کہے گا کہ اتنے ہل۔ اتنے گھوڑے۔ اتنے مویشی۔ اتنی عمارتیں۔ اتنی مشینیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے جواب سے ظاہر ہو گا کہ وہ اصل کے صحیح معنی جانتا ہے۔ گو وہ بعض اوقات الفاظ کا غلط استعمال بھی کر جاتا ہے۔ بہر حال قدر و قیمت کے ذریعے مقدار ظاہر کرنا یعنی یہ کہنا کہ کتنی دولت کس شخص کے پاس ہے کوئی غلطی نہیں۔ بہت سی مختلف النوع چیزوں کی مقدار کو ظاہر کرنے کا سوائے اس کا کوئی طریقہ نہیں کہ ان تمام کیلئے ایک مشترکہ نام تجویز کیا جائے۔ مثلاً طول۔ حجم وزن وغیرہ۔ لیکن اگر کوئی کاشتکار ان الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کرے آپ کو اپنے اصل کی مقدار بتائے مثلاً اگر وہ یہ کہے کہ میرے پاس اتنے سیر یا اتنے کتھب فٹ آلات گھوڑے اور مویشی ہیں۔ تو یہ بالکل بیہودہ بات ہوگی۔ اس کیلئے صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ ان چیزوں کی "قدر و قیمت" کا

مجموعہ وہ آپ کو بتائے اور ان کی قدر و قیمت کو با صفا لہجہ ظاہر کرے۔

جزر سی کا تعلق اصل سے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے دورانہ نشی اور جزر سی اصل دارانہ پیدائش کا سنگ بنیاد ہیں۔ اگر ہر شخص اپنی ساری آمدنی کھاد اے تو اصل کا وجود ناپید ہو جائیگا۔ یعنی کوئی نئے اوزار نہیں بنیں گے اور جو ذخیرہ پہلے موجود ہے وہ بھی بالآخر استعمال ہوتے ہوئے ختم ہو جائیگا۔ جس جماعت کے تمام افراد ایسے ہوں وہ بہت جلد تباہ ہو جائیگی۔ اب اگر ایک جماعت میں ہر شخص اوسطاً اپنی آمدنی میں سے اتنا بچالے کہ جو اصل فرسودہ ہو چکا ہے۔ اس کی بجائے اور خرید کے تو ایسی جماعت کو ثبات و استحکام ہوگا۔ اگر ایک تیسری جماعت کا ہر رکن اپنی آمدنی میں سے اتنا بچالے کہ فرسودہ اصل از سر نو ہیا کرنے کرنے کے بعد بھی اس کے پاس کچھ بچ رہے تو ایسی جماعت دولت اور قوت پیدا آوری میں ترقی کرے گی۔ اسی مطلب کو مختصر طور پر یوں ادا کیا جاسکتا ہے۔ اگر صرف پیدائش کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو تو صنعتی انحطاط اس کا نتیجہ ہوگا۔ اگر پیدائش صرف سے زیادہ ہو تو اس کا نتیجہ صنعتی ترقی ہوگا۔

اصل کن معنوں میں پیدا آورے۔ جو لوگ موجودہ نظام معاشی میں خاص قسم کی اصلاحات کے آرزو مند ہیں یا اس میں ایک قلم انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں انہوں نے یہ ثابت کرنے کیلئے بہت کچھ لکھا ہے کہ اصل غیر پیدا آور چیز ہے۔ اس قسم کے تمام دلائل جن کا مقصد یہ نتیجہ ثابت کرنا ہو۔ وہ لفظ اصل کے معنی سمجھنے میں غلطی کرنے کے باعث ہیں۔ یہ بات ایک مرتبہ نہایت وضاحت سے سمجھ لینی چاہیے کہ اصل سے مراد آلات ہیں۔ پھر کوئی صحیح الذراغ شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اصل غیر پیدا آور ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آلات بیکار اور بیفائدہ ہوتے ہیں۔ اب اگر آلات مفید ہیں تو وہ کسی چیز کیلئے مفید ہوئے چاہئیں۔ وہ چیز کیلئے اس کا جواب ہے پیدائش آلات ہیں اس مقدار سے زیادہ پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ جو ہم ان کے بغیر پیدا کر سکتے تھے۔ ان معنوں میں اور صرف ان معنوں میں ہم نے آلات کو پیدا آور کہا ہے لیکن اس کے جواب میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ گویا آلات بے شک پیدا آور ہیں

لیکن اصل کی جو ابتدائی صورت ہوتی ہے۔ وہ پیدا آوری نہیں ہوتی۔

عبارت بالائیں ہم نے یہ ملاحظہ کیا ہے کہ در زمانوں کا تو ذکر نہیں۔ کم از کم پہلے اصل اول زر کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یعنی جو شخص اصل کی ملکیت یا اس پر قبضہ حاصل کرنا چاہے وہ پہلے زر کو اپنے قبضہ میں لاتا ہے۔ خواہ براست خواہ قرض کے ذریعے یہ عام قاعدہ ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہی واحد قاعدہ ہے اور اس کے سوا کوئی قاعدہ ممکن نہیں۔ نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ قاعدہ لازمی اور ناگزیر ہے۔ البتہ یہ بات لازمی ہے کہ ایک شخص جتنی دولت صرف کرتا ہے۔ اس سے زیادہ دولت پر قبضہ حاصل کرے یعنی اس کے پاس دولت کی ایک فاضل رقم موجود ہونی چاہیے۔ یہ فاضل رقم زر کی صورت میں ہو یا نہ ہو۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ زائد الصرف دولت اگر اس کو فقط فاضل دولت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کیا یہ پیدا آوری ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب تک اسے آئینہ پیداوار کے بڑھانے کیلئے استعمال نہ کیا جائے۔ لیکن جب اس کا استعمال اس مقصد کیلئے کیا جائے تو پھر اس کو پیدا آوری کہنا غلط نہیں۔ الفاظ کے معنوں کے متعلق کوئی قیل و قال نہ ہونی چاہیے۔ صرف اس بات پر اتفاق کر لینا کافی ہے کہ اس فاضل دولت کا موجود ہونا اس مقصد کے لئے کہ وہ آئینہ پیدائش کے لئے استعمال کی جائے۔ جماعت کے حق میں مفید ہے۔

اصل میں اضافہ کیونکر کیا جاتا ہے؟ یہ امر کہ جماعت کے قبضے میں جاتا ہے۔ ان کی تعداد۔ طاقت اور کاریگری کو آئینہ بڑھانے کیلئے فاضل دولت کی ضرورت ہے۔ ملاحظات ذیل سے واضح کیا جاسکتا ہے :-

۱۔ اس مقصد کیلئے کہ آلات کی تعداد میں آئینہ ترقی ہو۔ موجودہ قوت پیدا آوری کا یہ حصہ جو یوں صرف کیا جاتا ہے خود بخود پیدا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ یہ اسی قوت پیدا آوری سے منہا کیا جاتا ہے۔ جو صرف کنندوں کے مفید مطلب اشیاء کے پیدا کرنے میں خرچ کی جا رہی ہیں۔ اسی طرح آخر الذکر قوت پیدا آوری کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ جماعت کو چاہیے کہ جو صرف کنندوں کے حق میں مفید اشیاء اس کی قوت پیدا آوری کے ایک

حصہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اُن سے وہ فی الحال گزارہ کرے۔ کیونکہ باقی حصہ آلات کے پیدا کرنے میں لگایا جا چکا ہے۔ جو سردست زندگی کا سہارا نہیں ہیں۔ بلکہ کسی مستقبل میں جا کر سہارا بنیں گے۔ اس لئے یہ اشد ضروری ہے۔ کہ جماعت کے پاس صرف کی ضروریات سے زائد قوت پیدا آوری موجود ہو ورنہ وہ آلات کی تعداد کو کسی صورت میں نہیں بڑھا سکتی۔

۲) موجودہ نظام اجتماعی کے ماتحت یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جماعت بہ حیثیت مجموعی ہمیشہ یہ حکم دے کہ اُس کی قوت پیدا آوری کا ایک حصہ صرف کنندوں کے حق میں مفید اشیاء تیار کرنے کی بجائے آلات کے تیار کرنے میں لگایا جائے۔ البتہ بعض صورتوں میں ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً روشنی کے مینار۔ سرسڑکیں نہریں اور مختلف قسم کے رفاہ عام کے کام جماعت کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ لیکن عموماً افراد آلات وغیرہ کے بنانے کا کام اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ کوئی شخص اٹھتا ہے اور دل میں یہ سوچتا ہے۔ کہ کیا میں اپنی ساری آمدنی صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء میں خرچ کروں یا کچھ حصہ اس کا پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیاء کیلئے بھی اٹھا رکھوں؟ اگر وہ اپنی ساری آمدنی صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء میں خرچ کر دے تو وہ اس آمدنی کی حد تک جماعت کی قوت پیدا آوری کو صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء کیلئے وقف کر دیتا۔ لیکن اگر وہ یہ فیصلہ کر لے۔ کہ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیاء پر خرچ کرے گا خواہ براہ راست ذاتی طور پر خواہ سیرنگ بنکوں کے ذریعہ تو اُسی حد تک وہ جماعت کی قوت پیدا آوری کو پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیاء میں یعنی آلات کے پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ آلات کو پیدا کرنے کے لئے قوت پیدا آوری کا یہ زائد ذخیرہ موجود ہونا ضروری ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں معلوم ہوتا کہ اصل اس ابتدائی صورت یعنی زر کی صورت میں بھی ایک عامل پیدا نش ہے وہ یقیناً ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے جماعت کی آئندہ قوت پیدا آوری بڑھائی جاسکتی ہے

اور اس کا عدم وجود اس قدرت کے گھٹانے کا ذریعہ بن سکتا ہے یعنی یوں کہیے کہ
 زر بھی ایک عامل پیدائش ہے۔ ان معنوں میں کہ ضروری تباہی کرنے میں جو وقت
 اور طاقت مفت میں صرف ہوتی ہے۔ وہ اس کے بچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس
 دعویٰ کی صداقت کا ہر شخص کو قائل کیا جاسکتا ہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اگر کسی قسم کا
 زر مروج نہ ہوتا تو آپ کو ضروریات زندگی کے فراہم کرنے میں کتنی مشکلات پیش
 آتیں۔ بجائے اس کے کہ آپ زر کی صورت میں قیمت ادا کریں اور ضروری چیزیں
 خرید لیں۔ آپ کو یہ کرنا پڑتا کہ ہر چیز کے عوض میں اپنی عادات یا اپنی پیدا کی ہوئی چیزیں
 پیش کرتے پھرتے۔ اس سے کتنا وقت مفت میں ضائع ہوتا اور کتنی قوت بیکار خرچ
 ہوتی؟ لیکن ان سب تکالیف کو ذرنے دور کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے زر کو ہم ایک
 محنت بچانے کا آلہ کہہ سکتے ہیں۔ اور اصل کی ذیل میں اسے شمار کر سکتے ہیں۔
زر کے استعمال میں کفایت کے طریقے۔ اصل زر کو کہنا یقیناً بڑی
 غلطی ہے تاہم جیسا کہ ہم اوپر کی فصل میں دیکھ چکے ہیں۔ زر کو اصل کی ایک صورت
 کہنا غلطی نہیں۔ بہر حال ہم زر کو اصل کی ایک قسم کہیں یا نہ کہیں۔ تاہم اس امر کے
 متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کا کفایت استعمال یعنی اسے اس
 طرح برتنا کہ ٹھوڑے سے زیادہ کام نکلے۔ ایک اچھی بات ہے۔ تاہم اس کے فقط
 یہی معنی ہیں۔ کہ افراد کو اپنے طور پر سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے۔ کہ آپس میں تمام ضروری
 تباہی کمترین مقدار زر سے کئے جاسکیں۔ یہ امر چاہے کبھی ممکن ہو یا نہ ہو کہ خالص زر
 اعتباری بغیر کسی زر فلزاتی کے رائج ہو سکے۔ تاہم یہ یقینی ہے۔ کہ اب تک کوئی قوم
 ایسی نہیں ہوئی۔ جس کو یہ ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو۔ کہ اپنے زر کی کوئی خالص مقدار
 ہونی چاہیئے۔ جو کہ دھات سے بنا ہوا اور جس کی قدر و قیمت علاوہ زر کے اور مقاصد کے
 اعتبار سے بھی زیادہ ہو۔

جدید زمانے میں سونے اور چاندی سے یہ کام لیا گیا ہے۔ لیکن ان دھاتوں کا
 زر بہت کم پڑتا ہے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ دنیا کی قوت پیدا آوری کا

ایک حصہ زمین سے سونا چاندی نکالنے کیلئے وقف کر دیا جائے۔ زر فلزاتی کی جو مقدار ان دنوں رائج ہے۔ اگر اس سے آدھی مقدار سے ہم گزارہ کر سکتے۔ یعنی اپنے تمام مبادلات جاری رکھ سکتے۔ تو جتنی قوت پیدا آوری اب ان دھاتوں کے نکالنے میں خرچ ہوتی ہے۔ اُس سے آدھی خرچ ہوتی۔ اور باقی آدھی سے یہ کام لیا جاسکتا تھا۔ کہ جن جن چیزوں کے بغیر ہم گزارہ نہیں کر سکتے۔ وہ چیزیں اُس سے پیدا کجائیں۔ ساکھ (Credit) زر فلزاتی کے استعمال میں کفایت برتنے کی ایک ترکیب یہ بھی ہے۔ کہ اُس کے بجائے کسی قسم کے اعتبار سے کام لیا جائے۔ جہاں ایک اعلیٰ درجہ کا نظام اعتباری موجود ہو۔ وہاں زر فلزاتی کے ایک ڈالر سے اتنے کام چلائے جاسکتے ہیں۔ جتنے اس نظام اعتباری کے نہ ہونے کی صورت میں چار یا پانچ ڈالروں سے چلائے جاسکتے تھے۔ مثلاً ایک ڈالر اگر بنک میں جمع ہو۔ تو یک لکھ کر دیئے جاسکتے ہیں۔ اور بنک کے ساتھ حساب کھولا جاسکتا ہے۔ اس طرح اعتباری انتظامات اور روایات کی مدد سے یہ اکیلا ڈالر اتنے کام کر سکتا ہے۔ جتنے سات ڈالروں کی مدد کے بغیر کر سکتے تھے۔ نظری حیثیت سے وہ نظام بہترین نظام ہو گا۔ جس کے ماتحت یہ لین دین اور جمع خرچ کا حساب ڈالر کے استعمال کے بغیر ہو سکے۔ یہ بالکل ایسا ہی خیال ہے۔ جیسے یہ خیال کہ تمام سرکاری ہوا میں بنائی جائیں۔ جس سے زمین کی کافی بچت ہو سکتی ہے۔ لیکن ان دونوں خیالوں کا پورا ہونا غالباً محال ہے۔ گویہ ضرور ہے کہ ہم ترقی کر کے ان کو کسی حد تک عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ اگر ہم رگڑ کو دور کر سکتے تو دائمی حرکت ممکن تھی۔ لیکن ہم رگڑ کو دور کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے بات یہیں تک آکر رہ جاتی ہے۔ اس طرح اگر ہم فطرت انسانی کے بعض جذبات کو بدل سکیں۔ مثلاً خود غرضی اور دوسروں پر اعتماد نہ کرنا۔ تو ممکن ہے۔ کہ ایک خالص اعتباری زر رواج پا جائے۔ لیکن اب تک ایسا نہیں ہوا کہ ہم انسان کے ان خواص فطری کو جنہیں ہم استعارۃً اجتماعی کہہ سکتے ہیں۔ دور کرنے میں کامیاب ہوئے ہوں۔ اس لئے جدید زمانے کے قانون ساز سے لئے یہ کوشش بالکل لاعا صل ہے۔ کہ ایک خالص اعتباری زر رواج پا جائے۔

تاہم یہ بات ممکن العمل ہے۔ کہ کسی ملک کے اعتبار کی سطح ترتیب و تنظیم کی جائے کہ زر کے استعمال میں مقبول کفایت ہونے لگے۔ یعنی یا تو ایسا انتظام کیا جائے۔ کہ ملک کا کاروبار زر فلزاتی کے ایک نسبتاً تھوڑی مقدار میں گردش کرنے سے چل سکے یا یہ کیا جائے۔ کہ پہلے سے زیادہ کاروبار بغیر زر فلزاتی کی مقدار کو بڑھائے چل سکے جو **مبادلہ کی تنظیم**۔ زر کی کفایت کا ایک اور طریقہ یہ ہے۔ کہ ملک کے تمام لین دین کے بازاروں کا انتظام اچھی طرح کیا جائے۔ تاکہ خریدار اور فروخت کرنے والے ایک دوسرے سے کافی تعداد میں اور آئے دن مل سکیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ زربہت جلدی گردش کرتا ہے۔ اور اس بات کی ضرورت نہیں رہتی۔ کہ اسے اٹھا کر دور دور تک لے جایا جائے۔ یا مدتوں تک بیکار پڑا رہنے دیا جائے۔

جو زر لوگوں کی جیبوں میں یا چوریکسوں میں پڑا رہتا ہے۔ اس سے صریح طور پر کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ جتنی جلدی وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائے گا اتنا ہی زیادہ ہر ڈالر سے کام لیا جائے گا۔ اور اس لئے بہت تھوڑے ڈالروں سے زیادہ کام چل سکے گا۔

جز رسی۔ لیکن زر ملک کے اصل کا ایک ادنیٰ جزو ہے۔ جب ہم اصل کی عام کفایت تدبیروں پر بحث کریں۔ تو ہمیں اس کے تمام مختلف مدارج پر نظر ڈالنا چاہیے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ اصل اس وقت وجود میں آتا ہے۔ جب کوئی شخص یہ ارادہ کرے۔ کہ وہ اپنی ساری آمدنی صرف نہیں کریگا۔ بلکہ اس کے ایک حصہ سے اوزار اور آلات خریدے گا۔ خواہ براہ راست خواہ بالواسطہ۔ اگر اس قسم کا ارادہ کوئی شخص بھی نہ کرے۔ تو ملک کی دولت میں اصل کی ذرہ برابر مقدار کا اضافہ نہ ہو۔ جتنے زیادہ لوگ اس قسم کا ارادہ کریں گے۔ اتنا ہی ہمارا اصل بڑھے گا۔ اس لئے اصل کی کفایت میں پہلا قدم یہ ہے۔ کہ آمدنی بچانے والے لوگوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اصل بالقوہ کو اصل بالفعل کی سعادت میں منتقل کیا جائے جو اس میں دوزبردست رکاوٹیں ہیں۔ اول غرضہ کا ہونا یا دوسرے دوساندریشی کا

نہ ہوتا۔ مستقبل کے متعلق کوئی تجویز سوچنے کی ناقابلیت۔ موجودہ عیش و عشرت کی چند لمحوں کی لذت کو مستقبل کے فوائد پر ترجیح دینا۔ یہ تمام ناقص الفطرت اشخاص کی خاصیت ہے۔ مہذب آدمی اور وحشی کے درمیان یا ایک کامیاب کاروباری آدمی اور ایک فضول خرچ آدمی کے درمیان جو بڑی بڑی باتیں مابہ الامتیاز ہیں۔ اُن میں ایک بات یہ بھی ہے۔ وحشی آدمی آئندہ کے منافع کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے نقد امروہ (نقد آج) اُسے نسبتاً فرد کے مقابلے میں بیچ معلوم ہوتا ہے۔ جزر سی اور دورانیشی کی عادتوں کا خاصہ بچوں میں پختہ کرنا اصل کے اضافہ کے سب سے زیادہ مفید طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

زر کی حفاظت کے متعلق اطمینان۔ بچت اور شغل اصل کی راہ میں ایک اور بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جب لوگ اپنا اصل کسی کام میں لگانے لگتے ہیں تو ان کے دلوں میں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں ہماری پونجی ضائع نہ ہو جائے۔ عام منقولہ یہ ہے کہ تو نقد نہ تیرہ ادھار۔ بہتر یہی ہے کہ تمہاری آمدنی جب تک تمہارے پاس ہے اسکو صرف کرو۔ اگر اسے کاروبار میں لگا دیا جائے۔ تو کیا جانے پھر اُسکی صورت دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو۔ جس ملک میں حالات ایسے ہوں کہ یہ طریق استدلال صحیح سمجھا جاتا ہو۔ وہاں اصل بہت کم جمع ہوگا۔

اس دغدغہ اور بے اعتباری کی بہت قسمیں ہیں۔ بد امنی کے زمانے میں جب جنگ و جدل اور غیر ملکی حملوں لوٹ مار اور بے آئینی کا دور دورہ ہو۔ صنعت و حرفت کی رفتار بہت سست پڑ جاتی ہے۔ اور اصل بہت کم جمع ہوتا ہے۔ لوگوں کو صرف آئندہ منافع کے متعلق ہی دغدغہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کو اکثر اپنی جمع کو بڑھاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کہ مبادا لیٹروں کی نظر پڑ جائے۔ ہمارے ملک میں جیب امن اور انتظام کا دور دورہ ہوا۔ تو لوگوں کو نئے سرے سے اصل جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جب لوگوں کو یقین ہونے لگا کہ سادہ گزراں اور جزر سی و دورانیشی سے کچھ حاصل ہوگا۔ تو انہوں نے یہ عادتیں اپنے میں پختہ کیں۔ لیکن خدشہ اور وسوساں حکومت کی خرابیوں ہی سے پیدا

ہوتا ہے۔ ایک قتلون مزاج اور جابر حکومت کے ماتحت کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ
محصول والا اُس سے کیا طلب کر لگا۔ ہر شخص کو ہمیشہ یہ خوف دامنگیر رہتا ہے کہ کسی نہ
کسی دن حکومت کے گڑگے محصول والوں کا روپ بھرے ہوئے آئیں گے۔ اور قانون
کی آرٹیں اُس کی دولت پر چھاپہ ماریں گے۔ ایک جمہوری حکومت جس کے ارکان میں
ایک زبردست جس انصاف اور ضابطہ قانون کا احترام موجود ہو۔ اُس کے ماتحت ہر
شخص محفوظ ہوتا ہے۔ لیکن ایک جمہوری ریاست جس پر شورش پسند لوگ حکمران ہوں
اور جس کی یہ حالت ہو کہ ذرا کسی نے کہہ دیا کہ فلاں شخص دولت مند ہے۔ اور ایسی دولت مندی
ایک جرم ہے۔ تو سب اُس پر پل پڑے۔ بغیر اس بات کی تیز کئے ہوئے کہ کس شخص نے باندھ
سے دولت جمع کی ہے۔ اور کسی نے مجرمانہ طریقوں سے اور یہ سوچے بغیر کہ ایسے لوگ جن کی
دولت مندی ایک جرم ہے انکی تعداد کتنی ہے۔ اور وہ لوگ کتنے ہیں۔ جن کی غریبی اور ناداری
خود ایک جرم کبیرہ ہے۔ ایسی جمہوری ریاست غالباً حکومت کی بدترین صورت ہے۔

اس طرح ایک کمزور اور ناقابل حکومت جس کے ماتحت بڑے بڑے دولت مند
مل کر لوٹے پر کم باندھے بیٹھے ہوں۔ ایسے حالات کا سد باب نہیں کر سکتی۔ جن کے ہوتے
ہوئے تھوڑی پونجی والے کے لئے کوئی رقم کسی کاروبار میں لگانا جو کھوں میں پڑتا ہے
زمانہ جدید بڑے بڑے اصل دارانہ کاروبار کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں نہایت وسیع پیمانہ
پر ایک منتظم جماعت کے ماتحت کام شروع کئے جاتے ہیں۔ جن کیلئے اتنا اصل درکار
ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص کی استطاعت سے باہر ہوتا ہے۔ اس کیلئے اس بات کی ضرورت
ہوتی ہے کہ بہت سی چھوٹی چھوٹی جائیدادیں یک جا جمع ہو جائیں اور یہ یوں کہا جاتا ہے
کہ سرمایہ مشترک کی کمپنیاں بنائی جاتی ہیں۔ اور ان کے حصے فروخت کئے جاتے ہیں۔
ان حصوں کو تھوڑی پونجی والوں کے لئے سیونگ بینک کا کام کرنا چاہیئے۔ اور اگر حکومت
دیا تدار اور قابل ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ حصے سیونگ بینک کا کام نہ دیں۔ چاہیئے تو
یہ کہ جس کسی نے سوڈا کی رقم یا اس سے بھی کم رقم پس انداز کی ہو۔ وہ بغیر خدشہ کے
پولٹی بڑی ریلوں کے کارخانوں یا صنعتی کارخانوں یا کانوں کے سرمایہ میں یہ رقم جمع

کرا سکے۔ لیکن بڑے بڑے سرمایہ داروں کی ریشہ دوانیوں کے باعث تھوڑی آمدنی والے آدمیوں کیلئے اپنے زر کو اس طرح بیوپاریں لگانا محسوس ہو گیا ہے۔ اور یہ حالت وہی ہے۔ جہاں حکام اور خاص کر عدالتہائے دیوانی کے حکام اس قدر رشوت ستان۔ بددیانت اور کمزور ہوں۔ کہ اس قسم کی ٹھگی کی روک تھام نہ کر سکیں۔ لوگوں کے دلوں سے خدشہ اور غدغہ کسی حد تک یوں بھی دور کیا جاسکتا ہے کہ سیونگ بینکوں کے متعلق عمدہ قانون بنائے جائیں۔ اور پھر بینکوں کی سیکورٹی ایسی ہو کہ لوگوں کے دلوں میں بدگمانی نہ پیدا ہو۔ یا سرکار کی طرف سے ڈاک خالوں کے سیونگ بینک کھولے جائیں۔ تاکہ اُن کے ذریعے تھوڑی پونجی والے لوگ بھی اپنے اندوختہ کو کسی کام میں لگا سکیں۔ لیکن اگر حکومت صحیح معنوں میں اہلیت اور قابلیت رکھتی ہو۔ تو اس قسم کے بینکوں وغیرہ کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے بغیر بھی تھوڑی پونجی والے اپنا روپیہ کام میں لگا سکیں گے۔ کیونکہ اُن کے دل میں کسی قسم کا خدشہ نہ ہو گا۔

محصول۔ ایک اور بات ہے۔ اگرچہ کسی ملک کے باشندے کتنے ہی امن پسند اور قانون کا احترام کرنے والے کیوں نہ ہوں اور حکومت کتنی ہی قابل کیوں نہ ہو۔ تاہم اگر محصول کا صحیح مفہوم حکومت کے ذہن نشین نہ ہو اور محصول کا جو اثر صنعت و خرفت پر ہوتا ہے۔ اُس کے متعلق اُس نے کوئی غلط نظریہ (اصول کار) قائم کیا ہو اور اس پر عمل کرے تو یہ بھی اصل کی فراہمی میں مزاحم ہو سکتا ہے۔ محصول کے متعلق اگر کوئی ایسا دستور ہو کہ جو اصل اس طرح شغل زر سے فراہم کیا گیا ہو اُس پر محصول لگایا جائے۔ اور زمین یا ایسی چیزوں پر جو قدرتی طور پر میسر آئیں محصول نہ لگایا جائے۔ تو یہ دستور بھی مضراثر رکھتا ہے مثال کے طور پر یہ فرض کیجئے۔ کہ دو کاشتکار ہیں جو ایک دوسرے کے ہمسایہ ہیں اور جن کی زمین ایک جیسی زرخیز اور ایک جیسے اچھے موقع پر بے جان میں سے ایک جزرہ رس اور ترقی پسند ہے۔ اپنی آمدنی میں سے کچھ پس انداز کرتا ہے۔ اور اس رقم کو کسی کام میں لگاتا ہے۔ دوسرا ایسا نہیں۔ اب اگر کوئی ایسا قانون ہو۔ جس کے تحت

پہلے کاشتکار پر زیادہ محصول لگایا جائے۔ تو یہ قانون جُز رسی اور ترقی پسندی کا دشمن ہوگا۔ فرض کیجئے کہ ایک کاشتکار کا ہلی اور سسنی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ کبھی اپنے مزرے کی اصلاح نہیں کرتا۔ کبھی اسکی قدر و قیمت میں گندے پانی کے نکاس حد بندی تعمیر عمارات اور نئے نئے ساز و سامان سے اضافہ نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے دوسرا کاشتکار مستقبل کیلئے تدبیریں سوچتا ہے۔ اپنے مزرعہ کی اصلاح کرتا ہے۔ گندے پانی کے نکاس سے حد بندی کتنی نئی عمارتوں اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے ساز و سامان سے اُس کو بہتر بناتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی ذاتی محنت اور دورانہ پیشی کی بدولت دوسرے کاشتکار کی زمین سے قیمت میں دو بالا ہو جاتی ہے۔ اب اگر اس شخص کو دوسرے کی نسبت جس کی زمین شروع میں اُس جیسی ہی اچھی تھی وگنا محصول ادا کرنا پڑے تو ظاہر ہے کہ حکومت محنت اور دورانہ پیشی کی قدر نہیں کرتی۔ اور ان کی ترقی میں کوشاں نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ اس معاملے میں کیا کہا جائے؟

قانون تناسب (Principle of Proportionality) کفایت اصل کے مسئلے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ جو اصل فراہم کیا جا چکا ہے۔ اُس سے جتنا کام ممکن ہو لیا جائے۔ اس مسئلے کے متعلق پہلا اہم قانون وہ ہے جسے "قانون تناسب" کہتے ہیں۔ بطریقِ مجمل وہ قانون یہ ہے کہ اصل کی مختلف اقسام کو بہترین تناسب باہمی سے جمع کرنا چاہیئے۔ بطریق تفصیل اُس کا مطلب یہ ہے کہ ہل کے اندازے سے زیادہ گھوڑے نہ ہونے چاہئیں۔ اور گھوڑوں کی تعداد اور طاقت کے اندازے سے بڑا ہل نہ ہونا چاہیئے۔ سرائوں کی تعداد اور جسامت گھوڑوں کی تعداد کے مطابق ہونا چاہیئے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس قانون کا اطلاق مختلف صورتوں میں ہوتا ہے جو آپس میں کم و بیش تعلق رکھتی ہیں۔ اور مجموعی طور پر مشیر ترین اہمیت رکھتی ہیں۔ مثلاً ہل کی جوڑی کو لیجئے۔ ہل چلانے میں جو تھکان ہوتی ہے۔ وہ کسی حد تک تو محض چلنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور کسی حد تک ہل پر بوجھ ڈالنے کی وجہ سے۔ اگر گھوڑوں کو بغیر کسی چیز کو کھینچنے کے کیفیت میں چلایا جائے۔ تو بھی اُن کو کچھ ماندگی ضرور ہوتی ہے۔ گو ہل چلانے سے ماندگی دو چند ہو جاتی ہے۔ جس ہل کو دو گھوڑے چلائیں

اُس کی جسامت اتنی ہونی چاہیے کہ یہ دونوں باتیں جن سے ٹکان ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے اس طور پر متوازن و متوازن ہو جائیں۔ کہ مجموعی طور پر ٹکان جتنی کم ممکن ہے اتنی کم ہو اگر دو گھوڑے اتنا بڑا ہل چلائیں جو بارہ اونچ گہرا چلتا ہے۔ تو وہ ایک ایکٹ زمین کو جوڑنے میں آٹھ میل کی مسافت طے کرینگے (اور ابھی اس میں وہ مسافت شامل نہیں۔ جو وہ کھیت کے کناروں پر مڑنے میں طے کرتے ہیں) لیکن اگر ہل ایسا ہو جو چودہ اونچ بڑا ہو۔ تو وہ چار میل کا سفر کرینگے۔ چلتے سے جو ٹکان ہوتی ہے۔ وہ قدرے بڑھ جائیگی۔ رہی یہ بات کہ ان دونوں میں سے کونسی بات کم تھکانے والی ہے۔ یہ کچھ تو زمین کی کیفیت پر منحصر ہے۔ اور کچھ گھوڑوں کی قسم پر۔ اگر گھوڑے ایسے ہوں کہ دوڑنے میں اچھے ہوں۔ اور ہل چلانے میں ناقص تو چھوٹا ہل اُن کو نسبتاً کم تھکائے گا۔ لیکن اگر وہ بھاری ڈیل ڈول کے جانور ہوں تو بڑا ہل بہتر ہوگا۔ تناسب کا اصول دونوں صورتوں میں تجربہ سے دریافت کیا جاسکتا ہے۔ جو مثال ہم نے دی ہے۔ اس زیادہ سادہ مثال ممکن نہیں۔ اب فرض کیجئے۔ کہ آپ کے پاس چودہ اونچ کی پھالی کا ہل ہے۔ اور آپ کو یہ سوال درپیش ہے کہ دو گھوڑے جوڑتے جائیں یا تین۔ گوا آپ جانتے ہیں۔ کہ ہر صورت آپ کو جتنا گہرا ہل چلانا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ اگر آپ دو گھوڑوں کی مدد سے دن بھر میں دو ایک ڈزین جوت سکتے ہیں۔ تو تین گھوڑوں سے آپ دن بھر میں تین ایک ڈزین میں کسی صورت ہل نہیں چلا سکتے۔ بغیر اس کے کہ گھوڑے اور آدمی دونوں کو ٹکان پہلے سے بہت زیادہ ہو۔ بجائے ۱۰۲ میل چلتے کے ۲۱ میل چلنا ضروری ہوگا۔ اور یہ اتنا فاصلہ ہے۔ کہ ہل چلانے کے بغیر بھی بجائے خود کافی تھکائیے والا ہے۔ جتنا بوجھ ایک گھوڑے کو کھینچنا پڑتا ہے۔ اُس میں ایک تہائی کی کمی کر دینے سے یہ نہیں ہوتا۔ کہ اُس کی مسافت میں جو نصف کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کی کسر نکل جائے۔ علاوہ بریں کھینچنے کی تکلیف ایک تہائی نہیں کم ہوگی۔ ہر کوئی اتنی بات جانتا ہے۔ کہ ایک کشتی کو چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلانے کیلئے قوتی محنت درکار ہوتی ہے۔ ہل کیلئے اُس گئی کی ضرورت ہوتی ہے۔ رفتار قوتی زیادہ تیز ہوگی۔ ہائی کی فراحت ہی اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی۔ یہی کیفیت ہل کی ہے۔ اگر ہل زیادہ رفتار سے زمیں میں

چلانا ہو تو اُس سے ہل پر زیادہ تناؤ ہوتا ہے۔ ایک خاص حد تک تو یہ ہوتا ہے کہ زور لگانے سے جو تکان ہوتی ہے۔ وہ محنت کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن اس حد سے گذرنے کے بعد جتنی محنت کی جائے۔ اُس کے تناسب سے زیادہ تکان ہوتی ہے۔ گھوڑوں کی ایک جوڑی یہاں تک سڑے سڑے چل سکے وٹاں تک تو ٹھیک ہے۔ اس کے بعد اپنی رفتار کو دوبالا کرنے سے اُسے دگنی سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

یہ بات یقینی ہے۔ کہ جتنی آسانی سے دو گھوڑے دو ایکڑ زمین میں ایک دن میں ہل چلا سکتے ہیں۔ اتنی آسانی سے تین گھوڑے تین ایکڑ زمین میں ہل نہیں چلا سکتے۔ تاہم ہمت ممکن ہے۔ کہ اگر ہل زیادہ بڑا بنا دیا جائے۔ تو پھر دونوں صورتوں میں ایک جتنی آسانی ہو۔ یہاں بھی ضرورت اسی بات کی ہے۔ کہ اس تمام مجموعے کے مختلف اجزاء کے تناسب باہمی کا اندازہ صحیح صحیح کیا جائے۔ اس تناسب باہمی کی ماہیت فرا زیادہ موزوں الفاظ میں ذیل کی مثال کے ذریعے بیان کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس اصول کا عمل میں لانا صرف تجربہ سے ہو سکتا ہے۔

فرض کیجئے کہ دو گھوڑے حد سے زیادہ کام کر کے نہیں بلکہ جتنا کام معقول طور پر ان کی طاقت برداشت کر سکتی ہے۔ اتنا کام کر کے دو ایکڑ زمین میں روزانہ ہل چلاتے ہیں۔ تین گھوڑے اسی ہل سے تین ایکڑ نہیں۔ بلکہ ۲-۲ ایکڑ زمین میں ہل چلا سکتے ہیں ایسے طور پر کہ آدمیوں کو بھی اور جانوروں کو بھی پہلے جتنی تکان ہو۔ اس صورت میں آدھ ایکڑ زیادہ زمین میں ہل چلنا ایک تیسرے گھوڑے کا اضافہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اس صورت میں فائدہ ہے؟ اگر تیسرے گھوڑے سے جو کام لیا گیا ہے وہ نہ لیا جائے۔ تو اُسے بیکار رکھ دیا رہنا پڑتا۔ یعنی اس کے سوا اُس کے لئے اور کوئی کام کرنے کو نہ تھا۔ تو بیشک اس کے اضافے میں فائدہ ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ تیسرا گھوڑا کرایہ پر لینا پڑتا ہے۔ یا دو کی بجائے تین گھوڑے رکھنے پڑتے ہیں۔ اس صورت میں یہ سوال درپیش ہوگا کہ آدھی ایکڑ زمین میں جو ہل چلایا جاتا ہے۔ آیا اُس کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ تیسرا گھوڑا رکھنے کے مصارف کا اور علاوہ بریں اُس کی بیماری

اور بڑھاپے کے اخراجات کا اُس کی اصل قیمت پر جو سود دیا جائے گا۔ اُس سود کا معقول معاوضہ ہو سکے۔ اگر گھوڑے کا مجموعی خرچ ۵۰ روڈا اگر روزانہ ہو۔ اور ہل چلنے سے ۲۰۰ روڈا الرقی ایچر کی آمدنی ہو تو یہ نسبت ہر گز تسلی بخش نہیں۔ اور دو گھوڑے تین گھوڑوں سے زیادہ نفع بخش ہیں۔ لیکن اگر روزانہ اخراجات ایک ڈالر سے کم ہوں تو یہ نسبت باہمی نفع بخش ہے۔

عام الفاظ میں ہم اس قانون کو یوں بیان کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس مجموعہ کا ایک حصہ لیں (جیسے کہ اوپر کی مثال میں ہم نے ہل کو لیا تھا) اور اُسے قاعدہ یا مقرری اکائی قرار دیں۔ اور دوسرے حصوں کو بدلیں۔ مثلاً گھوڑوں کو تو قانون تناسب یہی چاہتا ہے۔ کہ جو حصہ ہے۔ اُس میں جو آخری اکائی اضافہ کی جائیگی۔ جیسا کہ اوپر کی مثال میں تیسرا گھوڑا) وہ جتنے مصارف کو بڑھاتی ہے۔ اتنا ہی حاصل کو بڑھائیگی علاوہ بریں اس جزو میں اضافہ اُس وقت تک نفع بخش ہوگا۔ جب تک کہ آخری اکائی جس کا اضافہ کیا جائے۔ وہ حاصل کی مقدار کو بہ نسبت مصارف کے زیادہ ترقی دے۔ جب یہ قانون ان الفاظ میں بیان کیا جائے۔ تو خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا قانون ہے کہ اگر اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کرنیکی خواہش ہو تو اس کے بغیر چارہ نہیں۔ بہت سے کامیاب کاشتکار ایسے ہیں۔ کہ ان کو مطلق خبر نہیں کہ یہ بھی کوئی قانون ہے۔ لیکن اس کے باوجود کچھ وہ کرتے ہیں۔ وہ اس قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

اس قانون سے واقف ہونے کا قاعدہ حسب ذیل ہے:—
اگر کسی مزرع کا بیج اس بات کا خواہشمند ہو کہ ایسے ایسے مسائل کے حل کرنے میں کہ ایک ہل کیلئے کتنے گھوڑے درکار ہیں۔ ہر جوڑی کے ساتھ کتنا بڑا ہل ہونا چاہیئے ہر ایک آدمی کے فتنے کتنے گھوڑے اور کتنا بڑا ہل ہونا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ جبکہ اپنی عقل دوڑانے کے صحیح صحیح تجربات سے کام لے۔ تو اس کے لئے اس قانون سے واقف ہونا بہت مفید ہے۔ اس کی مدد سے وہ ان مسائل کو بوجہ احسن حل کر سکیگا

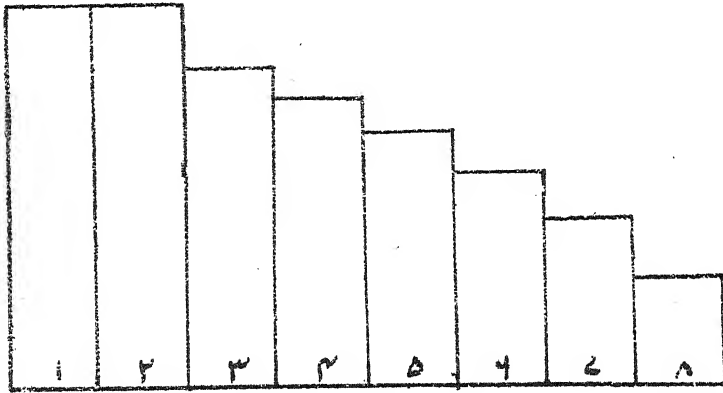
مزید بریں یہ مسائل کہ ایک آدمی اور گھوڑوں کی جوڑی کو کتنے ایکڑ زمین کی کاشت کرنی چاہیے جانوروں کو کتنی خوراک دینی چاہیے۔ اور اُس خوراک کے اجزاء کیا ہونے چاہئیں۔ اور ایسے ایسے جتنے بیشمار مسائل ہیں۔ جن کا فیصلہ خواہ غلط خواہ صحیح۔ خواہ یونہی عقل سے یا تجربوں سے مزید کے میجر کو ضرور کرنا پڑتا ہے۔ ان سب مسائل پر یہ قانون حاوی ہے۔ ایک بات کا اس موقع پر بتادینا بیجا نہ ہوگا۔ یہ زمین کے متعلق ہم نے جو قانون "قانون تقابیل حاصل" کے نام سے بیان کیا ہے۔ اُس میں اور قانون زیر بحث میں صرف اتنا فرق ہے کہ یہ اُس کی ایک مجمل صورت ہے۔ اس کی مزید توضیح آئندہ صفحہ کے اعداد سے ہو سکتی ہے۔ جو بغیر کسی انتخاب کے مثلاً پیش کئے گئے ہیں۔

ہم یہ فرض کئے ہیں کہ ہل چلانے کے کاموں کے مجموعہ میں قاعدہ مندرجہ بالا مقررہ اکائی (Unit of Work) ایک آدمی ہے۔ وہ ایک دو تین چار یا آٹھ تک گھوڑوں سے ہل چلا سکتا ہے۔ اور گھوڑوں کی تعداد کے مطابق مختلف قسم کے ہل استعمال کرنا ہے مزید بریں یہ فرض کیجئے کہ ایک گھوڑے کے ساتھ وہ ایک ایکڑ زمین جو ت کتاب ہے اگر یہ بات صحیح تسلیم کر لی جائے تو یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ کہ وہ خود کو یا گھوڑوں کو تھکائے بغیر دو گھوڑوں کے ساتھ دو ایکڑوں میں ہل چلا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہل پہلے سے بڑا استعمال کرے۔ دو گھوڑوں کو چارہ دینے ساز سجتے۔ جو تھے۔ کھولنے میں ایک گھوڑے کی بہ نسبت بیشک زیادہ وقت لگیگا۔ لیکن یہ وقت کا زبان اتنا معمولی ہوگا۔ کہ ہم اس کو بآسانی نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اب اگر تین گھوڑے ہوں۔ تو انہی خیر گیری کرنے۔ چارہ ڈالنے۔ ساز سجنے اور ایسے ایسے اور کام ان کے متعلق کرنے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے وہ اتنا ہوتا ہے۔ کہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر آدمی پہلے سے زیادہ وقت کیلئے کام نہ کرے تو تین گھوڑوں کے ساتھ تین ایکڑ زمین میں ہل نہ چل سکیگا چاہے وہ پہلے سے بہت بڑا ہل کیوں نہ استعمال کرے۔

سروستام ایک بات کو خارج از بحث قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس بات کو کہ ایک بڑا ہل بمقابلہ ایک چھوٹے ہل کے چلنے میں اُس سے زیادہ سہت ہوتا ہے جتنا کہ بلحاظ

تناسب ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہر ٹکڑے ہل کے ساتھ بڑے بڑے ڈھیلے زمین سے کھداتے ہیں۔ اور ان کا توڑنا زیادہ وقت طلب ہوتا ہے۔ جتنے وقت میں ایک آدمی دو گھوڑوں سے دو ایکڑ زمین میں ہل چلاتا ہے۔ فرض کیجئے اُتنے ہی وقت میں وہ تین گھوڑوں سے تین ایکڑ زمین نہیں بلکہ $\frac{1}{2}$ ایکڑ زمین جوتتا ہے۔ جس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں اُسی بنا پر چار گھوڑوں سے وہ $\frac{1}{4}$ ایکڑ زمین میں ہل نہیں چلا سکیگا۔ بلکہ $\frac{1}{8}$ میں یا پانچ گھوڑوں سے پانچ ایکڑ میں نہیں۔ بلکہ $\frac{1}{16}$ میں۔ $\frac{1}{4}$ گھوڑوں سے $\frac{1}{4}$ ایکڑ زمین نہیں بلکہ $\frac{1}{16}$ میں $\frac{1}{8}$ گھوڑوں سے $\frac{1}{8}$ ایکڑ زمین نہیں بلکہ $\frac{1}{16}$ میں۔ اور $\frac{1}{8}$ گھوڑوں سے $\frac{1}{8}$ ایکڑ زمین نہیں بلکہ $\frac{1}{16}$ میں۔ یہ بات ضرور ہے کہ اگر وہ صبح سویرے اُٹھ بیٹھا کرے اور گھوڑوں کو چارہ سے دلا کر سارے سچا کر فارغ ہو جائے۔ دوپہر کو غھوڑی دیر دم لیا کرے اور اُسی میں گھوڑوں کو دانہ کھلا دیا کرے۔ اور پانی پلا دیا کرے۔ پھر کھیت سے واپس آکر شام کو پہلے سے زیادہ کام کیا کرے۔ تو اس طرح ممکن ہے کہ وہ گھوڑوں کی تعداد اور جتنے ہوئے ایکڑوں کی تعداد میں ایک مقررہ تناسب قائم رکھ سکے۔ یعنی گھوڑے چاہے کتنے ہی کیوں نہ ہوں وہ ایک گھوڑے کے ساتھ ایک ایکڑ کے حساب سے ہل چلا سکے۔ لیکن اس صورت میں زیادہ گھنٹوں کے لئے کام کرنے کے معنی میں زیادہ کام کرنا۔ اور یہ معاشیاتی نقطہ نگاہ سے مزدوروں کی تعداد بڑھانے کے مرادف ہے۔ ہمارے مفروضات کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے گھوڑے کے اضافہ نے دو گھوڑوں کی جتنی ہوئی زمین میں $\frac{1}{2}$ ایکڑ کا اضافہ کیا۔ چوتھے گھوڑے کے اضافہ نے تین گھوڑوں کی جتنی ہوئی زمین میں $\frac{1}{4}$ ایکڑ کا اضافہ کیا۔ دہلی پڑا قیاس۔ اس سے ہر گھوڑے نے دوسرے گھوڑوں کے اضافہ کے ساتھ علی الترتیب $\frac{1}{2}$ ایکڑ $\frac{1}{4}$ ایکڑ $\frac{1}{8}$ ایکڑ اور $\frac{1}{16}$ ایکڑ مزید زمین میں ہل چلایا:۔

(سلسلہ کیلئے دیکھو صفحہ نمبر ۲۵۹)



ان اعداد کو ہم اوپر کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں۔ پہلے گھوڑے نے جو کام کیا وہ مستطیل کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ دو گھوڑوں نے جو کام کیا وہ مستطیل ۱۱۱ اور مستطیل ۱۱۲ کے مجموعہ کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں جو کام کیا وہ مستطیل نمبر ۳۰ و ۳۱ کے مجموعہ کی صورت میں۔ مستطیل ۱۱۲ یہ ظاہر کرتی ہے کہ تیسرے گھوڑے نے دو گھوڑوں کے کام سے کتنا زیادہ کام کیا۔ یعنی مستطیل نمبر ۳۰ تیسرے گھوڑے کی کارکردگی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور یہ بتاتی ہے کہ سارے گھوڑوں میں سے اس نے مقابلہ کتنا کام کیا۔ مزید گھوڑوں کی کارکردگی رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مستطیل نمبر ۸ جو آٹھویں گھوڑے کی کارکردگی کو ظاہر کرتی ہے۔ بہت چھوٹی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگرچہ ایسٹریمن میں ہل چلانے کی قدر و قیمت (مستطیل ۱۱۲) ہنگامی اور مقامی حالات کے ماتحت ایک گھوڑے کے روزانہ مصارف سے زیادہ ہے۔ تو آٹھ گھوڑوں سے کام لینا نفع بخش ہے ورنہ ہرگز نہیں۔ آپ اگر اس شکل میں وہ مستطیل دریافت کر لیں جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ کتنی زمینیں ہل چلانے کا فائدہ اٹھا ہے کہ ایک گھوڑے کے روزانہ مصارف درجن میں تمام قرات خرچ مثلاً مطالبات فرسودگی۔ بیمہ۔ سود وغیرہ شامل ہیں، کے مساوی یا الگ بھگ ہو سکے۔ تو آپ نے یہ مسئلہ حل کر لیا کہ کتنے گھوڑوں کے ساتھ مل کر ایک آدمی کا کام کرنا سب سے زیادہ فائدہ بخش ہے جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ ہل چلانے کے کاموں کے مجموعہ میں اگر ہم کسی قطعہ زمین کو اساس یا معینہ اکائی قرار دیں اور یہ مسئلہ درپیش ہو کہ اس قطعہ زمین

کے ساتھ جو دوسرے عالمیں شامل کئے جائیں گے (یعنی آدمی - ہل - گھوڑے) اُنکی مقدار یا تعداد کیا ہونی چاہیے۔ تو اُس صورت میں بھی یہی قانون حاوی ہوتا ہے۔ اس مسئلے کا حل بھی اُسی طریقے سے ہو سکتا ہے۔ اور اسکی تصریح کیلئے بھی وہی اوپر کی شکل استعمال کی جاسکتی ہے۔ حاصل کلام قانون تناسب ایک قاعدہ کلیہ ہے۔ جس کا اطلاق ہر مجموعہ عالمیں پر ہو سکتا ہے۔ کیا کاشتکاری میں اور کیا صنعت و حرفت کے دوسرے شعبوں میں۔ مثلاً ایک جانور کو موٹا کرتے کا مسئلہ لیجئے۔ اگر ہم اس کو بہت کافی مدت تک غذا دیتے جائیں۔ تو بالآخر معلوم ہو گا کہ روز جتنا گوشت جانور کے جسم پر بڑھتا تھا۔ اس کی مقدار کم ہوتی جا رہی ہے۔ ہر مزید دن کے پیچھے مزید ترقی وزن میں یا قیمت میں کم ہوتی جا رہی ہے۔ جب وہ وقت آئے کہ قدر قیمت میں روزانہ ترقی روزانہ خوراک کے مصارف سے زیادہ نہ رہے۔ تو اس وقت جانور کو بیچ دینا چاہیے یا اس کو خوراک دینی بند کر دینی چاہیے۔ اس مسئلہ کی تصریح بھی اُس جیسی شکل سے ہو سکتی ہے جیسی ہم نے اوپر بنائی ہے۔ فرض کیجئے کہ مختلف مستطیلین روزانہ یا ہفتہ وار ترقی قدر قیمت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اب اگر آپ مستطیل دریافت کر لیں جو روزانہ یا ہفتہ وار خوراک کے مصارف کے مساوی یا لگ بھگ ہے تو آپ نے یہ مسئلہ حل کر لیا کہ جانور کو کب فروخت کرنا چاہیے۔

زراعت پر قانون تناسب جس طرح منطبق ہوتا ہے اسکی ایک پہلو یہ قاعدہ ہے کہ ہر قسم کے اصل سے حتی الوسع فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اگر آپ ایک چھوٹے سے مزرعے میں بہت بڑا ہل جسکے آگے گھوڑوں کی کئی کئی بوڑیاں بٹی ہوں یا گٹھ باندھنے والی مشین استعمال کریں تو آپ اس قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب ہونگے۔ جہاں ایک گھوڑا کافی ہو وہاں دو گھوڑے رکھنا ضرورت سے زیادہ انداز اپنے پاس رکھنا جن میں سے بعض کے استعمال کرنیکی کبھی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ بھی فضول خرچی اور عدم لغایت کی مثالیں ہیں۔ جو اکثر دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس بات کیلئے کہ آدمی اصل کے اس نقصان کو بچ سکے اور اس کے ساتھ ہی اپنے مزرعے کا کام عمدہ طریقے پر چلانیکے لئے کافی ساز و سامان بھی جیسا کر سکے۔ یہ ضروری ہے کہ مزرعے کا منتظم نہایت صائب رائے اور قوت فکر و نظر رکھتا ہو۔

چوتھا باب

انتظام زراعتی پیداوار کے ایک عامل کی حیثیت سے

کفایت کا انحصار پیچھے (ناظم) پر کہاں تک ہے؟ زمین محنت اور اصل کی کفایت کے متعلق اور باتیں جتنی اہم ہیں وہ تو ہیں۔ لیکن ان باتوں کو عملی جامہ پہنانا اور مادی صورت میں متشکل کرنا سب مزرعہ کے ناظم کا کام ہے۔ دانشمندانہ قوانین جو پہلے نافذ ہیں۔ ان کے عملی انداز میں قابلیت سے کام لینا اور سائٹس کے نئے نئے انکشافات یہ وہ باتیں ہیں۔ جو زراعت کیلئے موافق حالات اور مناسب مواقع پیدا کر سکتی ہیں۔ رہا یہ امر کہ زراعت کہاں تک اپنے آپ کو ان موافق حالات کے مطابق بنائیگی اور کہاں تک ان نئے مواقع سے فائدہ اٹھائیگی۔ اس کی ذمہ داری تمام و کمال مزرعہ کے منیجر پر ہے۔ کوئی نئی زراعتی ایجاد چاہے کتنی ہی عمدہ کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر ناظم اتنی دانشمندی۔ دور اندیشی اور اجتہاد قافی نہیں رکھتے۔ کہ اپنے پرانے طریقوں میں ترمیم کر کے ان کو اس نئی ایجاد کے مطابق بنائیں۔ اور اپنے مزرعہ کی ازمیر نو تنظیم کریں۔ تو اس ایجاد کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور موجود کو اپنی محنت کے عوض نہ شہرت حاصل ہوگی۔ نہ کوئی مادی نفع۔ حکومت اپنی زراعتی حکمت عملی میں چاہے کتنی ہی دانائی اور قابلیت سے کام کیوں نہ لے۔ لیکن اگر ناظم ترقی کے دلدادہ نہیں اگر وہ ایک توہم پرست مذہب کی قید و بند میں جکڑے ہوئے ہیں یا بے اصول خود اوندان تعلیم کے زیر اثر ہیں تو قانون ساز کی تمام محنت رائیگاں جائیگی۔ ان حالات میں اس کے لئے زراعت کو فائدہ پہنچانے کی صرف ایک ممکن صورت ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنا کام اُلٹے سرے سے شروع کرے۔ یعنی ایک ایسا نظام تعلیم وضع کرے جو عوام کو آخر کار مابقی ترقی کر دے۔ اور رکاوٹوں کو دور کرے۔ مزرعہ کے منیجر کا سب سے بڑا فرض

کفایت کی تجاویز سوچنا ہے۔ جتنی ذمہ داری اس کام کے متعلق اس کی ہوتی ہے اور کسی کی نہیں ہوتی۔ کہ جماعت کے وسائل پیدا آوری کو ایسے طریقہ سے استعمال میں لایا جائے کہ ان سے کچھ حاصل ہو۔ اور وہ بیکاروں کے سود ضائع نہ ہو جائیں۔ گواہی جیثیت فقط منجری کی کیوں نہ ہو۔ مگر وہ زمین کے مالک مزدور اور اصل دار کی جیثیتوں کا جامع ہوتا ہے اس کے فرائض جیثیت منجری کے ان تمام مناسب کے فرائض سے جدا گانہ ہیں۔ اور باسانی تیز کئے جاسکتے ہیں۔ چاہے وہ ایسا ناظم ہو۔ جو کسی دوسرے کی زمین کو ایہ پردیہ کا ذمہ دار ہو یا کسی کو دوسرے سے قرضہ لیکر دینے کا چارہ دوسروں سے اجرت پر کام کراتا ہو۔ چاہے وہ ناظم زمیندار۔ اصل دار۔ مزدور ان تمام جیثیتوں کو اپنی ذات میں جمع کرے۔ بہر صورت اس کے تین ضروری فرائض ہیں۔

اول۔ شغل اصل کے بعض اساسی مسائل کا فیصلہ کرنا۔

دوم۔ کام چلانا اور اس امر کی نگرانی کرنا کہ کام ٹھیک طرح پر انجام دیا جائے۔

سوم۔ خرید و فروخت کرنا۔ یعنی ضروری ساز و سامان۔ مثلاً بیج۔ زمین کمانے والی چیزیں۔ مال مویشی کا خریدنا اور مزرعہ کی پیداوار کو بیچنا۔

ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے کہ یہ تین فرائض مختلف آدمیوں میں تقسیم ہو جائیں جو ایک ہی زراعتی کاروبار میں مشترکہ طور پر کام کرتے ہوں۔ تاہم ایسا ہوتا ضرور ہے وہ یوں ہوتا ہے کہ ایک آدمی پہلا فرض ادا کرتا ہے یعنی ان امور کا فیصلہ کرتا ہے کہ کس قسم کی چیزیں پیدا کرنی چاہئیں۔ کتنے وسیع پیمانہ پر ان کی کاشت کرنا چاہیے۔ اور کس قسم کے آلات استعمال کرنے چاہئیں۔ دوسرے آدمی کے ذمے یہ کام ہوتا ہے کہ اہتمام بندوبست کرے آدمیوں کی نگرانی کرے اور اس بات کا خیال رکھے کہ وہ اپنا اپنا کام مستعدی سے اور کسی بخشش طور پر کرتے ہیں یا نہیں تبصرے آدمی کو یہ کام سپرد ہو کہ وہ خرید و فروخت کرنا والا کارندہ۔ لیکن ناظم کے فرائض کی کسی تقسیم اس صورت میں ممکن ہے کہ زراعتی کاروبار اتنے وسیع پیمانے پر ہو جو کہ نمونہ ہمارے ملک میں شاذ و نادر ملتا ہے۔ اس لئے ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں۔ کہ یہ تمام فرائض ایک ہی شخص کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ گو بعض بحث ہم ان کو جدا جدا لیں گے۔

دراہنہ دی مسائل یعنی شغل اصل کے متعلق مسائل

جو بنیادی مسائل ناظم مزرعہ کو حل کرنے پڑتے ہیں۔ وہ ان باتوں سے متعلق ہیں۔ اول یہ کہ ناظم کا زمین سے کیا تعلق ہے۔ یعنی اس کی ملکیت۔ دوم۔ کس قسم کی زراعت کرنی مقصود ہے۔ یعنی کس قسم کی فصل پیدا کرنی چاہیے۔

سوم۔ پیداوار کس پیمانے پر کی جانی چاہیے۔ یعنی جس کاروبار کا انتظام وہ اپنے ذمہ لے گا۔ کس پیمانے پر ہوگا؟ چہارم۔ کس قسم کا ساز و سامان استعمال کرنا چاہیے۔ اور مختلف قسم کے آلات کس نسبت باہمی سے جمع کرنے چاہئیں۔

ان میں سے تیسرا مسئلہ کسی حد تک قانون تناسب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا ہم باب ماسبق میں تذکرہ کر آئے ہیں۔ یہ مسئلہ کہ ناظم کا زمین سے کیا تعلق ہے۔ نہ صرف مزرعہ کے مالک کیلئے بلکہ معاشیات کے طالب علم کے لئے بھی ایک دائمی دلچسپی رکھتا ہے۔ ان صورتوں میں سے کوئی بہتر ہے۔ کہ کاشتکار خود اپنی زمین کا مالک ہو۔ یا زمین لگان پر لے یا نتخواہ لیکر کام کرے۔ یا فرض اگر وہ زمین لگان پر لے۔ تو پھر کوئی صورت بہتر ہوگی۔ کیا یہ کہ وہ نقد لگان ادا کرے۔ یا یہ کہ وہ پیداوار کا کچھ حصہ مالک کو دے۔ یا یہ کہ وہ کچھ لگان نقد ادا کرے۔ اور کچھ جنس کی صورت میں۔

زمین کا مالک ہونا بہتر ہے یا اجارہ دار ہونا۔ امریکہ کے کاشتکار عام طور پر یہ تصور رکھتے ہوئے ہیں کہ جس زمین وہ کاشت کریں اس کا مالک ہونا بہتر ہے۔ اس اصول کار کے فوائد یا ان کی خوبیوں سے ہمیں سیر دست بحث نہیں۔ ان سے قطع نظر کر لیجئے تو زیادہ نہیں تو کم از کم تین اتفاقی امور ایسے ہیں۔ جن کو دراصل زراعت کی کامیابی و خوبی سے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ تاہم وہ اس رواج کو فروغ دینے کا باعث ہوئے ہیں۔ کہ کاشتکار خود زمین کا مالک ہو۔ اول یہ امر ہے۔ کہ حکومت متحدہ کی اراضی کے متعلق

حکمت علی کم از کم ۸۴۱ء سے یہ رہی ہے کہ اولاً زمین کی ملکیت براہ راست کاشتکاروں کی دی جائے۔ دوسرا یہ امر ہے کہ ملک کے بیشتر حصے میں اور بھاری تاریخ کے بیشتر زمانے میں زمین قدر قیمت میں بڑھتی رہی ہے۔ قدر و قیمت کی اس زیادتی کو کاشتکاری کے منافع کا ایک حصہ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اور ہر ہوشیار کاشتکار کی یہی کوشش رہی ہے کہ دولت کے اس اضافہ سے خود فائدہ اٹھائے۔ فائدہ اٹھانا اسی صورت میں ممکن تھا کہ کاشتکار خود اپنی زمین کا مالک ہو۔ ورنہ زمین کی قیمت بڑھنے سے کسی غیر شخص کو جو اس کا مالک ہونا فائدہ ہوتا۔ تیسرا امر یہ ہے کہ زمین کو ٹھیکہ پر دینے کا کوئی عمدہ دستور موجود نہیں اس کی وجہ بلا شک و شبہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں جو بہترین کاشتکار ہوئے ہیں ان سے بہت کم ایسے تھے کہ انہوں نے زمین کو ٹھیکہ پر لینا پسند کیا ہو۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ورنہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں آسامی داری کا کوئی ایسا دستور موجود نہیں جو کسی ترقی پسند اور دور اندیش کاشتکار کے لئے جاوید توجہ ہو سکے۔ ہمارے یہاں جو مختصر المیعاد ٹھیکوں کا دستور ہے جس کے مطابق آسامی کو بہت کم اختیار اور آزادی حاصل ہوتی ہے۔ وہ آج اور اجتہاد ذاتی اور اولو العزمی کا انتہائی دشمن ہے جتنی اور کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ زمیندار کے مفاد کی حفاظت بھی ہمارے قانون اور رسم و رواج اس بُرے طریقے سے کرتے ہیں۔ کہ اس کو اپنی زمین زیادہ مدت کیلئے ٹھیکہ پر دیئے ہوئے اور آسامی کے ہاتھ میں زیادہ اختیار دیتے ہوئے درحلولم ہوتا ہے۔ ہمارے ضابطہ قانون میں یہ نقص ہے۔ اس نے اس ملک میں آسامی داری کے دستور کو اور بھی زیادہ نامناسب اور ناقابل قبول بنا دیا ہے۔

جو امور اور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اور جو کامیاب زراعت سے تعلق نہیں رکھتے ان سے قطع نظر کر کے اس دستور میں کہ کاشتکار زمین کے مالک ہوتے ہیں۔ بعض فائدے کی باتیں ہیں۔ ٹھیکیداری کے بچھڑے اور معاہدہ کی شرائط کے متعلق جو باتیں پیش آتی ہیں۔ یہ سب یکبارگی میٹ جاتی ہیں۔ کاشتکار کو زمیندار کی نگرانی کا ہر وقت کھٹکا نہیں لگا رہتا۔ جو کہ اپنی زمین کا ناجائز استعمال سے بچانے کے لئے اس بات پر مہر ہوتا ہے کہ کھاد ڈالنا

اجناس کا باری باری اُگاتا۔ زمین کمانا وغیرہ سب کام ٹھیک طور پر ہوں۔ پھر اس دستور
 سکے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ کہ کاشتکار کو اپنے مزرعہ اور اپنی جماعت سے دائمی دلچسپی
 رہتی ہے۔ اور اس کو ایک ایسا ذمہ داری کا احساس رہتا ہے جو کرایہ داری یا آسانی
 کو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لیکن دوسری طرف دیکھئے تو یہ اہل امر واقعہ نظر آتا ہے جسکو
 کسی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جاسکتا کہ دنیا میں بہترین زراعت پٹہ داری کے دستور
 کے ماتحت ہو رہی ہے۔ بالکل کاشتکاری کا بہترین اور کامیاب ترین نظام اس وقت انگلستان
 میں پایا جاتا ہے اور وہاں پٹہ داری کا طریقہ رائج ہے۔ زراعت کی خاص خاص پیداواروں کی
 کامیاب ترین کاشت پیرس کے مضافات کے چھوٹے چھوٹے باغیچوں میں ہوتی ہے۔ وہاں
 بھی ایسا کم ہوتا ہے کہ باغبان خود زمین کا مالک ہو۔ لیکن ان دونوں حالتوں میں بعض وجوہات
 ہیں۔ جسکی بنا پر کاشتکار زمین کا مالک ہونے کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ انگلستان میں زمیندار
 ہونا معاشرت کے اعلیٰ طبقوں میں داخل ہونے کیلئے ایک قسم کا پروانہ و راہداری ہے
 کم از کم اتنا ہے کہ زمین کے مالک کو ایک خاص عزت و وقار حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے
 خوشحال طبقوں میں زمین کی ملکیت کے لئے نہایت شدید مقابلہ ہوتا ہے۔ اس مقابلہ
 کی وجہ سے زمین کی قیمت فروخت لگان کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ امریکہ میں
 جس زمین کا لگان ۵ ڈالر فی ایکڑ ہو وہ سو ڈالر ہو۔ ۱۵ ڈالر کی قیمت پاتی ہے انگلستان
 میں اسکی قیمت دوگنی ہوگی۔ اس بنا پر مالک کو زمین پر اپنے روپیہ لگانے کے عوض میں
 اتنا کم سود ملتا ہے۔ یعنی قیمت کے مقابلہ میں زمین سے آمدنی اتنی کم ہوتی ہے کہ سوائے
 اُس شخص کے جو سوسائٹی میں نام و نمود حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کسی کی طبیعت زمین خریدنے
 کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ وہ کاشتکار جو فقط کاشتکاری کے منافع کا خواہاں ہے محسوس
 کرتا ہے۔ کہ اگر وہ اپنے اصل کو کسی اور صورت میں لگائے تو زمین پر روپیہ لگانے کی نسبت
 اس کو زیادہ نفع ہوگا۔ اگر اُس کے پاس زمین ہوتی بھی اور اس کو ۳۰ ڈالر فی ایکڑ کے حساب
 سے قیمت ملتی۔ اور اس کے علاوہ اس کے ساتھ یہ رعایت بھی کی جاتی کہ اس کو زمین ۵ ڈالر
 سے بیکر ڈالر فی ایکڑ کے حساب سے کرایہ پر دی جاتی تو وہ زمین بیچنے کو تیار ہو جاتا۔

زمین بیچ کر اس کو جو معقول رقم ملے اُس سے وہ کاشتکاری کے آلات کا ذخیرہ اور ساز و سامان خرید سکتا ہے۔ اور اس طرح بہ نسبت زمین کا مالک ہونے کے زیادہ آمدنی پیدا کر سکتا ہے۔ اگر اُس کے پاس اپنی زمین موجود نہیں تو اس صورت میں انہی وجوہ کی بنا پر زمین کے بیٹھے پر لینے میں بہ نسبت خریدنے کے اُس کو زیادہ نفع نظر آئے گا۔ پیرس کے مضافات میں اگر باغبان اُن مختصر قطعات زمین کا جن میں وہ باغ لگاتا ہے خود مالک نہیں ہوتا تو اُس کے بھی بعض وجوہ ہیں۔ اس زمین کا بہت سا حصہ لیا ہے۔ جس کے مالکوں نے اُسے آئندہ عمارات کے موقع کے طور پر محفوظ رکھا ہے چنانچہ اس حصہ زمین کی جو قیمت بحالت موجودہ باغ کی زمین کی حیثیت سے ہے۔ اُس سے بدرجہا زیادہ اس کی تخمینی قیمت بہ حیثیت موقع کے ہے۔ جس شخص کو فقط باغ باغ لگانے کیلئے زمین درکار ہے وہ بھلا اتنی قیمت کہاں ادا کر سکتا ہے۔ بہر حال ایک شخص یہ سوچتا ہے کہ زمین سیکار کیوں پڑی ہے۔ اس سے کچھ آمدنی کیوں نہ پیدا کی جائے۔ اس لئے وہ اتنے لگان پر زمین دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ جو اس کی تخمینی قیمت کے معمولی سود کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ بعض جگہ تو یہ صورت ہے اور بعض جگہ یہ کہ باغیچہ کی زمین فوج کے قلعوں کے نزدیک ہے۔ وہاں قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ عمارتیں بنائی جائیں۔

آئینہ نگ کا ایک مقولہ مشہور ہے۔ ”اصل داری کا جادو مٹی کو کندن بنا دینا ہے۔“ یہ مقولہ اُس نے شمالی یورپ کے چھوٹے چھوٹے کسانوں کو دیکھ کر کہا۔ جو اپنے مختصر قطعات زمین پر رات دن محنت کرتے رہتے ہیں۔ اور بنجر، خٹوں کو تلبہ، باسیت کر کے اعلیٰ درجہ کی زرخیز زمین بنا دیتے ہیں۔ یہ مقولہ عام کہاوت کی طرح ایک موٹی سی بات بیان کرتا ہے لیکن ایک علمی مضمون کی سی صحت اور عالمگیر شان اس میں نہیں پائی جاتی۔ یہ اصل داری کا افسون یا کوئی ادا افسون نہ تھا۔ بلکہ محض ضرورت جس نے ان لوگوں کو بنجر اور ریتیلی زمینوں سے روزی حاصل کرنے کا بہت شکن اور روح فرسا کام کرنے پر مجبور کیا۔ اور یہ محض جفاکشی اور محنت کا کرشمہ تھا۔ کہ ان لوگوں نے خشک اور بنجر

ریگستانوں کو گلزار بنادیا۔ ان ہمت والے لوگوں کی کامیابی قابلِ تعریف ہے کہ انہوں نے
 پیٹ پر پتھر باندھ کر تخت کی۔ اور کھن بکھنوں اور خشک روٹی کے خیال سے نہ ڈرے۔
 اگر اصل و سرایہ میں کوئی جادو ہے۔ تو یورپ ہی پر کیا منحصر ہے۔ انگلستان میں بھی
 اس کو اپنا کر شمع کمال دکھائے کے ہزار ناموتع ملے ہیں اور نیو انگلینڈ (New England)
 میں اب بھی مواقع مل سکتے ہیں۔ پھر انگلستان کے کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور
 اور وہ نووارد جو نیو انگلینڈ میں باہر کے ملکوں سے آتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اتنے ہی ہمت
 والے اور مضبوط ہیں۔ جتنے یورپ کے کسان تھے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ انگلستان یا
 نیو انگلینڈ میں ضرورت نے ان لوگوں کو چھوڑ نہیں کیا۔ اصل میں بات بالکل سیدھی
 سادی ہے۔ انگلستان کے قوی اور مضبوط مزدور اُچرت پر کام کر کے اچھی طرح
 گزارہ کر سکتے ہیں۔ اور ان میں جو لوگ کچھ قابلیت بھی رکھتے ہیں۔ وہ اچھی اچھی نہیں
 ٹھیکے پرے کر کافی کما سکتے ہیں۔ پھر اُن کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ بنجر زمیوں کو زرخیز
 بنانے کے لیے اُٹھائیں اور خواہ مخواہ کی مشقت کریں۔ اور وہ بھی بہت کم آمدنی کی خاطر
 اسی طرح نیو انگلینڈ میں جو لوگ باہر کے ملکوں سے ترک وطن کر کے آئے ہیں اُن کو
 بھی کوئی مجبوری نہیں کہ ذاتی ملکیت کی خاطر بنجر زمیوں کو کاشت کے قابل بنائیں۔ وہ
 اس سے بہتر اور کئی کام کر سکتے ہیں۔ بہر حال کیپ کاڈ (Cape Cod) میں اور
 بعض مقامات پر چند پھلوں اور ترکاریوں کے مزارع ہیں جو پر تکال اور اطالوی جاہل
 نے ایسی زمیوں میں بنائے ہیں۔ جن سے مطلق کچھ امید نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان لوگوں کا
 معیار زندگی نہایت پست ہے۔ اور ان کو جو کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ اُس پر صبر و شکر
 سے گزرا کر رہتے ہیں۔ اُن لوگوں نے اس بات کی مثال پیش کی ہے کہ اگر کبھی ہماری
 آبادی اتنی بڑھ جائے کہ لوگوں کو روزی میسر نہ آ سکے تو ہم کیا صورت اپنی بسا اوقات
 سنبھال کر سکتے ہیں۔ اگر معیار زندگی کافی پست ہو جائے تو نیو انگلینڈ میں بے شمار بنجر
 زمینیں ایسی ہیں۔ جو ایک گنجان زراعتی آبادی کے لئے روزی پیدا کر سکتی ہیں۔
 بہر حال ہم کو جو مسئلہ میر درست درپیش ہے وہ یہ ہے کہ آیا ناظم مزرعہ کے لئے

زمین کا مالک ہونا بہتر ہے یا زمین لگان پر لٹا۔ کوئی جواب ایسا نہیں دیا جاسکتا۔ جو مقام ممکن صورتوں پر حاوی ہو۔ کیونکہ وقت اور مقام کے حالات پر بہت کچھ منحصر ہوتا ہے۔ اگر اس بات کی کافی امید ہو کہ زمین کی قیمت بڑھ جائیگی۔ تو صرف اس طرح زمین خریدنے میں فائدہ ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں سینکڑوں کاشتکار ایسے ہیں۔ جن کو مرنہ الحال کی عام رو بہخیری ہی میں بہا کر کہیں سے کہیں لے گئی ہے۔ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے جن دنوں زمینیں سستی تھیں کچھ زمین خرید لی تھی اور اب جو اسکی قیمت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ تو ان کو بیٹھے بٹھائے ایک خزانہ لاقہ آگیا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کاشتکاری کے کام میں کامیاب ہیں۔ یہ ترقی دولت ان کی دور اندیشی کا نتیجہ ہے۔ جس سے انہوں نے زمین کی مالیت کے آثار چڑھا دیے یعنی بڑھنے گھٹنے کا اندازہ لگانے والے کی حیثیت سے کام کیا۔ اگر زمین کی قیمت اس اثنا میں بجائے بڑھنے کے کم ہو گئی ہوتی تو صریح طور پر ان اشخاص کو زمین کا مالک ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا۔

تجسین اراضی کو یا زمین کے آئندہ اندازہ قیمت کو جانے دیجئے۔ اس سے صرف نظر کر کے اور بھی چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں زمین کا ٹھیکہ کن شرائط پر لینا چاہیے۔ یہ ایک نہایت اہم بات ہے۔ جہاں کہیں اسامی داری کے مروجہ شرائط کے مطابق کاشتکار کو بہت کم اختیار دیا جائے اور میعاد اجارہ بھی مختصر ہو تو ہر قابل کاشتکار یہ کوشش کرے گا کہ جتنی جلدی ہو سکے خود زمین کا مالک بنے اور کسی بنا پر نہیں تو کم از کم اس بات کو مد نظر رکھ کر کہ ملکیت سے اس کی دائمی حق استیلاک بھی مل جائیگا اور خواہ مخواہ کے دخل و محفوظات سے بھی چھٹکارا نصیب ہو جائیگا۔ جہاں کہیں زمین کا ٹھیکہ یا پٹہ اچھی شرائط پر مل سکتا ہے۔ وہاں فیصلہ اس امر پر منحصر ہوگا کہ لگان زمین کی قیمت سے کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر زمین کی قیمت بہ نسبت لگان کے اتنی زیادہ ہو کہ زمین خریدنے سے کم منافع ہو۔ تو لگان پر زمین لینا بہتر ہے۔ یعنی اس صورت میں ایک قدر کاشتکار اگر اپنا اصل آلات مشینوں اور جانوروں وغیرہ کے خریدنے میں لگائے تو بمقابلہ زمین لینے میں روپیہ لگانے کے زیادہ کما سکتا ہے۔ اگر کوئی زمیندار ایسا ہو جو کاشتکاری کے کام سے

کما حقہ واقف ہو۔ اپنی زمین اور آسامیوں سے دلچسپی رکھتا ہو۔ اور معاملہ فہم ہو تو اس دستور کے بہترین فائدے ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو زمیندار اپنی زمینوں سے ہمیشہ غیر حاضر رہتے ہیں۔ اپنی زمین اور آسامیوں کو صرف ذریعہ آمدنی سمجھتے ہیں۔ اور اس کے سوا ان سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ ان کے اس فعل کے نتائج اجتماعی نقطہ نگاہ سے اس قدر مذموم ہوتے ہیں کہ ان کے حق میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس امر کو دیکھتے ہوئے کہ ہمارے ملک میں زیر مشغولہ (Investment) محفوظ رہتا ہے۔ اور دوسرے امور کا لحاظ کرتے ہوئے ہمارے ملک میں شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے کہ زمین کی قیمت یہ نسبت لگان کے اتنی زیادہ ہو جائے کہ شرح سود بچہ کم حاصل ہو۔ قیمتیں ایسی غیر معمولی طور پر بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ جب آمدنی کی خواہش کے علاوہ کوئی اور خواہش مثلاً لوگوں کی نگاہ میں عزت پانے کی خواہش لوگوں کو زمین کے خریدنے کی محرک ہوتی ہو۔ اس لئے عام حالات میں ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ ہمارا ملک ابھی ترقی پذیر ہے اور زمین کی قیمتیں ابھی بڑھ رہی ہیں۔ نیز ہمارے آئین دقوانین اور رسم و رواج طویل المیعاد ٹھیکوں کے حق میں مضر نہیں ہیں۔ اور زمین کی قیمت لگان کے مقابلے میں زیادہ نہیں ہے۔ ہم یہ بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں۔ کہ قابل کاشتکار کے لئے زمین خریدنا بہ نسبت لگان پر لینے کے بہتر ہے۔ اور جتنی جلدی ہو سکے اُسے زمین خرید لینی چاہیئے۔

تاہم نوجوان کاشتکار جس کا اصل اور تجربہ محدود ہو۔ اس کی حد امکان میں ہمیشہ یہ بات نہیں ہوتی۔ کہ وہ زمین بھی خرید سکے اور اس کے ساتھ ہی مزرعہ کو ساز و سامان سے آراستہ کرنے کی استطاعت بھی رکھے۔ یا تو وہ زمین خرید سکیگا یا ساز و سامان۔ اس بنا پر ہمارے ملک میں عام دستور یہ ہے۔ کہ نوجوان کاشتکار جس کے پاس کافی اصل نہ ہو وہ مختلف مدارج ترقی سے گذر کر بالآخر مزرعہ کے مالک کی حیثیت حاصل کرتا ہے۔ پہلے درجہ میں وہ مزرعہ کا ایک مزدور ہوتا ہے۔ جب وہ کچھ علم اور تجربہ حاصل کر چکتا ہے۔ اور آلات کاشتکاری اور گھوڑے خریدنے کیلئے کچھ رقم حاصل کر لیتا ہے تو یہ حیثیت ایک کرایہ دار کے زمین کی کاشت شروع کرتا ہے۔ اگر وہ حیثیت کاشتکار کے کامیاب ثابت ہو اور جتنا اصل وہ فراہم کرے۔

وہ کسی آفتِ ناگہانی کے ہاتھوں خاک میں نہ مل جائے۔ تو بالآخر و مزرعہ کا مالک بن جائیگا۔
 اول اول تو یہ ہوگا کہ اُس کا مزرعہ رہن پر ہوگا۔ اور بعدہ و قرض سے بالکل سبکدوش بن جائیگا۔
لگان نقد ادا کرنا چاہیے یا حصہ پیداوار کی صورت میں۔ جن دونوں کا اشتکار
 مجبوراً آسامی کی حیثیت میں ہوتا ہے۔ اُس کیلئے یہ سوال عملی طور پر بڑی اہمیت رکھتا ہے
 کہ آیا وہ لگان نقد ادا کرے یا جنس کے حصے کی صورت میں۔ عام طور پر حالات نقد لگان کے
 خفیہ ہوتے ہیں۔ گو بعض خاص حالات ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے ماتحت جنس کے حصے کی
 صورت میں لگان ادا کرنا بہتر ہوتا۔ بہر حال چاہے کسی طرح لگان ادا کیا جائے۔ دونوں صورتوں
 میں یکساں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ معاہدہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں ہو اور
 آپس میں نیک نیتی برقی جائے۔ اگر نقد لگان کا دستور ہو تو اس بات کا اغلب گمان ہے
 کہ کرایہ دار زمین کا ناجائز استعمال کرے گا۔ اور ستیاناس کر کے رکھ دیگا۔ جنس کا حصہ دینے
 کا دستور ہو تو کرایہ دار زمین کی کاشت میں کم محنت سے کام لیتا ہے۔ اور کم درجے کے
 ٹکڑوں میں یا حد بندی کے قریب یا ایسے قطعوں میں جہاں کاشت کا نفع مشکوک ہو
 وہ بہت ہی کم محنت کرتا ہے فی الجملہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نقد لگان ادا کرنے کا دستور
 عمدہ کاشتکاری کے موافق ہوتا ہے۔ لیکن زمین کی آئینہ زرخیزی اس سے معرض خطر میں
 پڑ جاتی ہے۔

نقد لگان کو جنس کے حصے کی صورت میں لگان دینے پر جو برتری حاصل ہے۔ اُسے
 نظر انداز کر کے اس بات کا ایک بنیادی معاشیاتی سبب یہ ہے۔ کہ نقد لگان بہ نسبت
 جنس کے لگان کے زیادہ عمدہ کاشت کا موجب ہوتا ہے۔ نقد لگان ادا کرنے والا جتنی
 اچھی کاشت کرے اُس کا نفع اُسی کو ہوتا ہے۔ حصہ دینے والی آسامی کو اس منافع کا صرف
 ایک حصہ ملتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہیے کہ نقد لگان ادا کرنے والا جب اتنی پیداوار
 کرچکے کہ اپنا لگان اُس سے ادا کر سکے تو اس کے بعد ہر ڈالر جو وہ مزرعہ سے پیدا کرے
 خود اس کی جیب میں جاتا ہے۔ برخلاف اس کے حصہ دینے والا چاہے پیداوار کے
 بڑھانے میں کتنی ہی محنت کرے اُس کو اضافہ پیداوار کا فقط ایک حصہ ملتا ہے۔

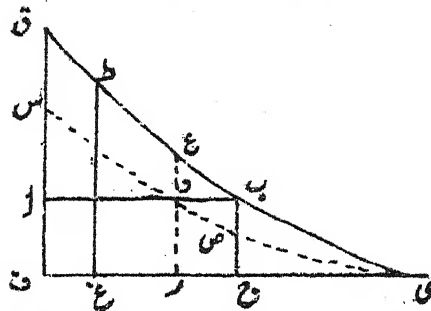
”قانون تفصیل حاصل“ کے مطابق نقد لگان ادا کرنے والا اپنی زمین میں زیادہ عمیق کاشت کر سکتا ہے۔ تاہم حقیقہ مزید مصارف مزید پیداوار سے مساوی، المقدار نہ ہو جائیں۔ برخلاف اس کے حصہ خیرے والا کاشتکار کاشت اُسی وقت تک کر سکتا ہے۔ جب تک مزید مصارف مقدار میں مزید پیداوار کے اُسی حصے کے برابر نہ ہو جائیں جو اس کو ملیگا۔ اس اصول کی توضیح آئندہ صفحے کی شکل کی مدد سے کی جا سکتی ہے۔

مررعہ کی کاشت میں بر محنت صرف ہوتی ہے۔ اُس کی مقدار کو ہم خط ف۔ سی کے اوپر ناپینگے۔ اور جو خرچ ہوتا ہے۔ وہ خط ف۔ سی کے اوپر۔ ایک مقدار واحد پر جو مصارف ہونے میں۔ وہ ف اور ا کے درمیان فیصل سے ظاہر ہوتے ہیں۔ خط منحنی ق۔ ط۔ غ۔ رب۔ ی اُس پیداوار کو ظاہر کرتا ہے۔ جو زمین کی کاشت میں پے در پے محنت سے ہوگی۔ نقد لگان ادا کرنے والا مررعہ کیلئے ایک مقررہ رقم ادا کرے گا۔ جس کو ہم شکل ف۔ ق۔ ط۔ غ سے ظاہر کرتے ہیں۔ زیادہ ایک مقررہ مقدار محنت کا تمام حاصل ادا کرے گا۔ جسے ہم خط ف۔ غ سے ظاہر کرتے ہیں۔ جب یہ حاصل ادا ہو چکے تو جو مزید محنت وہ کریگا۔ اس کا تمام حاصل اس کو ملیگا۔ اس مزید محنت کو ہم خط غ۔ ی سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس شکل کے مطابق وہ ایک مقدار محنت جو خط ف۔ ج سے ظاہر کی گئی ہے۔ صرف کرنے کی استطاعت رکھتا تھا۔ کیونکہ اس مقدار کی آخری اکائی اتنا حاصل پیدا کرتی ہے۔ جو مصارف کے مساوی ہو۔ محنت کی اس آخری اکائی کے مصارف اور حاصل دونوں خط ب۔ ج سے ظاہر کئے گئے ہیں۔

یہ تو ایک نقد لگان ادا کرتے والے کی حالت تھی۔ لیکن ایک حصہ جنس کی صورت میں لگان ادا کرنے والا جو مررعہ کے لگان کے طور پر پیداوار کا تیسرا حصہ دیتا ہے۔ اس کو اپنی محنت کے صلے میں حاصل کا بقیہ پہلے حصہ ملیگا۔

جسے منحنی منقطعہ کے نیچے کی جگہ ظاہر کرتی ہے۔ اگر وہ اپنی کاشت کو اسی درجہ عمیق تک پہنچائے تو اپنے کام کے ایک حصے پر اُسے زر کا نقصان ہوگا۔ یعنی اگر وہ اتنی مقدار پر محنت صرف کرتا۔ جو خط ف۔ ج سے ظاہر ہے تو اس کے کام کی آخری مقدار واحد کے مصارف اتنے ہوتے جو خط ب۔ ج سے

ظاہر ہیں۔ لیکن اس کے عوض میں اس کو صرف اتنی مقدار ملتی۔ جو خط ص۔ ج سے ظاہر ہے
 انقصہ وہ خط ف۔ ر سے زیادہ محنت کرنے کو نفع سے خالی پاسے گا۔ خط ف۔ ر اس مقدار
 محنت کو ظاہر کرتا ہے جس کی آخری مقدار واحد سے اس کو اتنا ہی حاصل ہوتا ہے۔ جتنے
 اُس کے مصارف ہوں۔ یعنی اتنی مقدار جو خط د۔ ر سے ظاہر ہے۔ حاصل کلام اس شکل
 کے مطابق ایک نقد لگان ادا کرنے والا اس میں فائدہ دیکھے گا کہ اتنی مقدار محنت جو خط ف
 ج سے ظاہر ہے صرف کرے۔ اور مجموعی پیداوار اتنی کرے جو شکل ف۔ ق۔ پ۔ ج سے
 ظاہر ہے۔ برخلاف اس کے حصہ جس ادا کرنے والا اس میں فائدہ دیکھے گا کہ اس سے کم
 مقدار محنت صرف کرے یعنی اتنی جتنی خط ف۔ ر سے ظاہر ہے۔ اور مجموعی پیداوار اتنی
 کرے جو شکل ف۔ ق۔ ع۔ ر سے ظاہر ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نقد لگان ادا
 کرنے کا دستور حصہ جس ادا کرنے کے دستور سے برتری ایک نظام معاشیات کے
 اچھے ہے۔ بشرطیکہ زمین کی حفاظت ایسے طور پر ہو سکے کہ نقد لگان ادا کرنے والا زمین
 میں کان کنی کا کام نہ کر سکے یا اپنے ٹھیکہ کی میدان کے دوران میں اُس کی زرخیزی کو اور طرح
 پر باد نہ کر سکے۔



تتو اہ والے منہج یہ سوال کہ مزرعہ کے منہج کو تتو اہ پر کام کرنا چاہیے۔ یا نہیں محض ایک
 ذاتی معاملہ ہے۔ فی الجملہ تمام اسباب دو وجہ اس کے مخالف ہیں۔ لیکن بعض بعض غیر
 معمولی آدمی ایسے ہوتے ہیں۔ کہ یہ پیشیت کا اشتہار ہی کے بڑی قابلیت رکھتے ہیں۔
 جہاں تک کہ فصل اُگانے کے کام کا تعلق ہے۔ لیکن تجارتی معاملہ نہیں اور قابلیت اُن
 میں اس قدر کم ہوتی ہے۔ کہ کاروبار کے لائق نہیں ہوتے۔ وہ ہر طرح کے ایجنٹوں کے
 دھوکے میں آجاتے ہیں۔ جن چیزوں کی انہیں مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔ اُن کے

خریدنے کی خواہش کو ضبط نہیں کر سکتے اور جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن کے خریدنے میں ہمیشہ دھوکا کھاتے ہیں۔ اور اس بنا پر یاد وجود کا شتکار میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھنے کے وہ کاروبار کے معاملے میں اناڑی رہتے ہیں۔ ایک اس قسم کا آدمی اگر کسی زمیندار کے ماتحت تنخواہ پر ملازم ہو جائے اور زمیندار تجارتی پہلو کا خیال رکھے تو کچھ بُرا نہیں۔ راقم الحروف نے ایسی ایسی کئی مثالیں دیکھی ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اس قسم کی سرپرستی اور مدد کا محتاج نہ ہو تو اس کے لئے تنخواہ پر ملازمت کرنا زیادہ مدت کیلئے تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ امکان ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں آدمی بے روزگار رہ جائیگا۔

پیداوار کیا کرنی چاہیے؟ یہ مسئلہ کہ پیداوار کیا کرنی چاہیے۔ بعض اوقات کاشتکار اپنے مزرعہ کے موقعہ و مقام کو دیکھ کر خود حل کر لیتا ہے۔ یقیناً پہلی بات جو اُسے فیصلہ کرتے وقت دیکھنی چاہیے۔ مزرعہ کا موقعہ و مقام ہے اور کاشتکار کے ذاتی نقطہ نگاہ سے یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ لیکن ملک کے نقطہ نگاہ سے زمین کی مقدار تقریباً مقررہ ہے اور اُس کا ہر حصہ جو دستیاب ہو سکتا ہے کسی نہ کسی کے زیر انتظام ضرور ہوتا ہے۔ گو ایک مزرعہ کے مینجر کیلئے ہمیشہ یہ ممکن نہیں ہوتا۔ کہ بہت سی اجناس میں سے ایک جنس انتخاب کرے۔ تاہم اُسے انتخاب کی گنجائش کسی نہ کسی حد تک ضرور ہوتی ہے۔ وہ مسئلہ جس پر تنظیم کے متعلق اور بہت سے مسائل کا فیصلہ منحصر ہے یہ ہے کہ آیا بازار کی رائج الوقت اجناس بچنی چاہئیں یا خاص خاص اجناس؟ بازار کی اجناس اگانی چاہئیں یا خاص خاص اجناس؟ بازار کی اجناس؟ بازار کی اجناس اور خاص اجناس کے درمیان جو فرق ہے وہ ہمیشہ واضح نہیں ہوتا۔ اور ان دونوں کے درمیان کوئی حد فاصل قائم نہیں کی جاسکتی۔ یہ ایک دوسرے سے بہت سی باتوں میں مشابہ ہیں۔ فی الجملہ ایک بازار کی جنس سے مراد وہ پیداوار ہے جو کسی نرخ مقررہ پر بیک ہو۔ یعنی کوئی ایسی پیداوار جس کی قیمت بڑھنا یا بازار سے دریافت کی جاسکتی ہے۔ مثلاً غلہ۔ سوکھی گھاس۔ گائے کا گوشت۔ کپاس۔ سورا اور

موبشی بازار کی رائج الوقت اجناس کہلا سکتی ہیں۔ برخلاف اس کے کوئی پیداوار جو کو بازار میں گھٹیا بڑھیا میل کے مطابق تقسیم نہ کیا جاتا ہو۔ اور جس کے متعلق کوئی بازار کا باقاعدہ نرخ مقرر نہ ہوتا ہم اُس کی بکری کافی ہو۔ اور بعض اوقات خاص طور پر زیادہ قیمتیں پاتی ہوں۔ اس کو ہم خاص جنس کہہ سکتے ہیں۔ تسل لیتے کے لئے اعلیٰ قسم کے اسیل جانور سواری کے اور گاڑی کے اچھے اچھے گھوڑے جن میں سے ہر گھوڑے کی جداگانہ قیمت ہوتی ہے۔ خاصے کے پھل پھول اور ترکاریاں جو خاص مذاق کے لوگوں کے کام کی ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ چیزیں خاص خاص پیداواروں کی مثالیں ہیں۔ (Market Goods) یعنی بازاری جنس کے اگانے میں مزرعے کے منخر کو سب سے پہلے یہ سوال درپیش ہوتا ہے۔ کہ پیدائش کے مصارف کس طرح کم کئے جائیں۔ اُسکی پیداوار جو کہ ہمیشہ مقررہ نرخ پر بچے گی۔ اس لئے اُس کے فروخت کرنے کا سوال اُس کیلئے اتنا وقت طلب نہیں ہوتا جتنا کہ کوئی اور جنس کے لئے ہوتا ہے۔ تاہم مصارف پیدائش کو کم کرنے کا مسئلہ اس سے نسبتاً زیادہ اہم ہے۔ لیکن خاص خاص اجناس کے اگانے میں یہ صورت نہیں ہوتی۔ اُن کے معاملہ میں مزرعہ کے منخر کو سب سے بڑا مسئلہ جو درپیش ہوتا ہے۔ وہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کو بازار میں کس طرح فروخت کرے۔ یعنی کس طرح اپنی جنس کیلئے اچھے دام چکائے۔ یہاں بھی گو مصارف پیدائش کو کم کرنے کا مسئلہ بنظر خاص اہم ہوتا ہے۔ تاہم فروخت کرنے کے مسئلہ کے مقابلے میں اس کی اہمیت بہت کم ہے۔ بازاری اجناس کے پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کرنا منحصر ہے۔ ایک اچھے کاشتکار ہونے پر۔ برخلاف اس کے خاص خاص اجناس کے پیدا کرنے میں کامیابی کا دار و مدار ایک اعلیٰ درجے کا مشہر یعنی اعلیٰ درجے کا فروشنده ہونے پر ہے۔ خاص خاص زراعتی اجناس کے اگانے والے کی ضرورت کو ہمیشہ رہیگی۔ تاہم زراعتی صنعت و فروخت کلیشتر حصہ ہمیشہ بازار کی رائج الوقت اجناس کی پیدائش سے متعلق رہیگا۔ بنا بریں ہمارا موضوع خاص اس صفت کی ہی شاخ ہے۔

گو یہ درست ہے کہ یہ جغرافیائی حالات اور بازار کی صورت معاملات پر منحصر ہے کہ کونسی جنس کس مزرعہ میں اگائی جائے۔ تاہم یہ بات جتنی آسان معلوم ہوتی ہے۔ درحقیقت اتنی آسان نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مزرعہ کی زمین گہیوں یا گائے کا گوشت پیدا کرنے کیلئے قابل تعریف طور پر موزوں ہو لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جو علاقے بازار سے دور ہوں۔ ان میں بھی کامیابی کے ساتھ پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اب اگر زیر بحث مزرعہ ان دونوں میں سے کسی چیز کیلئے وقف کر دیا جائے۔ تو اس کو بڑے بڑے علاقوں سے مقابلہ کرنا پڑیگا۔ جو ان چیزوں کی پیدائش کیلئے موزوں ہیں۔ اور دوسری اجناس کیلئے موزوں نہیں۔ جن کو کم زمین اور زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جو نقل و حمل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اب اگر یہ مخصوص قطعہ زمین ان دوسری اشیاء کی پیدائش کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ یعنی غلہ۔ کپاس۔ آلو۔ دودھ یا باغیچہ کے پودے یعنی ایسی اشیاء جو تھوڑے سے رقبوں میں یعنی بازار کے قریب پیدا کی جاسکتی ہوں۔ تو اس قطعہ زمین میں ان میں سے چند اشیاء کی پیدائش کرنا نہ صرف کاشتکار کیلئے زیادہ منافع کا باعث ہے بلکہ قوم کے وسائل کے حق میں بھی زیادہ کفایت کا ضامن ہے۔ بہر حال یہ امر شاذ و نادر خود کاشتکار کیلئے نفع بخش یا قوم کیلئے باعث کفایت ہوتا ہے۔ کہ ایک مزرعہ کو صرف ایک چیز کی پیدائش کیلئے وقف کر دیا جائے۔ صرف بعض مستثنیٰ حالات میں جبکہ کوئی خاص طور پر قسمتی زراعتی پیداوار کی جائیں۔ اور کھادوں اور حاصل خیز چیزوں پر کافی روپیہ صرف کیا جائے۔ یہ بات نفع بخش ہو سکتی ہے۔ پیداوار میں تنوع کا خیال رکھنا اکثر مزرعوں کیلئے ایک اصول کار ہونا چاہیئے۔ تنوع پیداوار کے وجہ۔ اس کے تین بڑے وجہ ہیں۔ تو بعض اور وجہ بھی بیان کیے جاسکتے ہیں۔ اول ہر جنس کے مخالف اسباب ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک ہی جنس متواتر اگائی جائے۔ تو ان مخالف اسباب کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔ ایک جنس کے مخالف اسباب ضروری نہیں کہ دوسری جنس کے حق میں بھی مضر ہوں۔ گویا بعض اوقات ہوتا ہے۔ اگر ہر سال جنس تبدیل کر دی جائے۔ تو ہر جنس کے جو خاص خاص مخالف

اسباب ہیں۔ ان کی روک تھام ہو جاتی ہے۔ گو یہ ضروری نہیں کہ ان کا پورے طور پر قلع قمع ہو جائے۔ ایک اصول کے مطابق کسی جنس کے جو مخالف اسباب معلوم ہیں مثلاً کیڑے مکوڑے پھپھوندی وغیرہ ان کے علاوہ خود پودوں میں جانوروں کی طرح یہ خاصیت ہوتی ہے۔ کہ ان میں سے مادہ اُسے فاسد خارج ہوتے رہتے ہیں۔ جو خود ان کے حق میں زہریلے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب ایک ہی جنس کی نہایت گھنی گھنی فصلیں متواتر کئی سال کیلئے ہوتی رہیں تو اس کے بعد زمین اُس جنس کی پیداوار کے حق میں نامزد بن جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بہت سے جانور اگر کسی تنگ جگہ میں کچھا کچھ بھرے ہوں اور مدت تک وہیں بند رہیں تو ہوا سموم ہو جاتی ہے۔

تنوع پیداوار کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ مختلف اجناس زمین سے غذائے نباتی کے مختلف اجزا جذب کرتی ہیں اور مختلف مقداروں میں جذب کرتی ہیں۔ اس لئے اگر سوچ سمجھ کر پیداوار میں تنوع کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ زمین کی قوت نمو کم تیزی سے خرچ ہوگی۔ یا یہ کہے کہ زرخیزی کے جو مختلف اجزاء ترکیبی ہیں ان میں زیادہ مدت کیلئے توازن قائم رہے گا۔ تنوع پیداوار کی تیسری وجہ گونا گوت خود چنداں اہم نہیں تاہم متوسط درجے کے کاشتکار کے دل کو بہت بھاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مختلف اجناس کیلئے سال کے مختلف حصوں میں محنت اور توجہ درکار ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک کاشتکار ایک ایسے علاقے میں رہتا ہے جہاں مکئی پیدا ہوتی ہے۔ اگر اُس کے پاس کافی کام کرنے والے ہوں تو جتنی مکئی وہ بوسکتا ہے کاشت کر سکتا ہے۔ اور اس کی فصل کاٹ سکتا ہے اسکی ایک مقدار مقررہ کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر وہ مکئی کے سوائے اور کوئی چیز نہ اُگائے تو ایسے وقت اور ایسے موسم بہت آئینگے۔ جب اُس کیلئے کوئی کام کرنے کو نہ ہوگا۔ مثلاً مکئی کے کھیت میں ہل چلانے اور مکئی اُگانے اور اس کے دانے اُٹک کرنے کے وقت کے دیہاتی و فقہیں وہ بالکل بیکار ہوگا۔ ایسے وقتوں میں اس کی قوت محنت ضائع ہو جائے گی۔ اگر وہ کوئی اور جنس بونی چاہیے تاکہ مراغت کے وقتوں میں مصروف رہے۔ تو وہ اپنی قوت محنت میں بغیر کوئی اضافہ کئے ہوئے اور اپنی مکئی کی فصل کو نقصان پہنچائے ایسا کر سکتا ہے

چھوٹے دانوں کی کوئی جنس ہو۔ یا بہتر یہ ہے کہ کوئی فصل ربیع کا غلہ ہو۔ مثلاً جئی یا اگر آب و ہوا
غلہ اور ربیع کے گیہوں دونوں کیلئے موافق ہو۔ تو ربیع کا گیہوں یہ چیزیں اُس کیلئے بہت موزوں
ہیں۔ ربیع کے گیہوں کو وہ سالوں کے آغاز میں بوسکتا ہے۔ اور یہ وہ موسم ہوتا ہے کہ ابھی
غلہ کے اگانے کا ٹھیک وقت نہیں ہوتا۔ رہا فصل کاٹنا اور اس کا چھڑانا تو یہ کام وہ کی
کیلئے اہل چلانے اور اس کے دانے الگ کرنے کے درمیانی وقفہ میں کر سکتا ہے :

مقابل اور غیر مقابل اجناس۔ ان حالات کی بنا پر مقابل اور غیر مقابل اجناس کا
باہمی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ دو اجناس کو یا تو اس وقت ایک دوسرے کے مقابل اجناس
کہا جاتا ہے۔ جب وہ زمین کے ایک ہی حصے خواص کو جذب کریں۔ یا اس وقت جب وہ ایک
ہی وقت میں کاشتکار کی توجہ کی محتاج ہوں۔ یعنی سال کے ایک ہی وقت میں کاشتکار
کو ان کی ساخت پر داحت میں مصروف ہونا پڑے۔ یہ بات نہ ہونوں کو غیر مقابل اجناس
کہا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دو اجناس ایک لحاظ سے تو ایک دوسرے
کے مقابل ہوتی ہیں۔ اور ایک لحاظ سے غیر مقابل اجناس کہا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی
ہوتا ہے کہ دو اجناس ایک لحاظ سے تو ایک دوسرے کے مقابل ہوتی ہیں اور ایک لحاظ
سے غیر مقابل۔ تنوع پیداوار کی بہترین صورت یہ ہے کہ ایسی اجناس کی یک وقت کاشت
کی جائے۔ جو دونوں معنوں میں غیر مقابل ہوں۔ یہ اصول اس قدر اہم ہے کہ ہم قاعدہ کلیہ
کے طور پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ کوئی مزرعہ بغیر اس امر کے نفع بخش نہ ہوگا۔ کہ سال کے بیشتر حصے
میں وہ مزدوروں کی ایک مستقل جماعت کیلئے مستقل اور باقاعدہ کام مہیا نہ کرے۔ اور تو
اور شیرخانہ (سہارنہ) کا کام بھی جسے ہم زراعت کی ایک انتہا درجے کی خاص قسم کہہ
سکتے ہیں۔ شادو نادر نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ جب تک کہ اس کے ساتھ ساتھ کسی قسم کی فصل
فروخت کرنے کیلئے پیدا نہ کی جائے۔ جتنے آدمی صبح و شام دودھ دوہنے کیلئے ضروری ہوتے
ہیں۔ شادو نادر نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ جب تک کہ اُس کے ساتھ ساتھ کسی قسم کی فصل فروخت
کرنے کیلئے پیدا نہ کی جائے۔ جتنے آدمی صبح و شام دودھ دوہنے کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔
وہ گالوبھی خبر گیری کرتے اور ان کیلئے بھوسہ چارہ پیدا کرنے کیلئے کافی سے زیادہ ہوتے ہیں

یعنی اُن میں سے بہت سے فارغ رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی اور پیداوار نہ کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن لوگوں کے وقت سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا۔ اگر کھیتی کی اجناس فروخت کیلئے پیدا کی جائیں۔ تو مزید اجناس اگانے کے مصارف دودھ پیدا کرنے کے مصارف ہی میں سے نکل آتے ہیں۔ یعنی نقطہ نگاہ کو بدل کر یوں کہیے۔ کہ یہ اجناس دودھ کی ضمنی پیداوار (by-product) پیداوار ہوتے ہیں۔ اودان پر بہت کم لاگت آتی ہے۔ ہمارے ملک میں مرغیوں وغیرہ کے بیوپار میں بہت کم فائدہ ہے۔ ہاں صرف ان مرغیوں میں کچھ فائدہ ہے۔ جہاں یہ صحیح معنوں میں دوسری اجناس کے مقابل نہ ہوں۔ اگر مرغیاں خنوڑی تعداد میں رکھی جائیں تو اپنا اندونگہا یہ خود ہی تلاش کر لیتی ہیں۔ اور ادھر کی بیکار پڑی ہوئی چیزوں اور کپڑوں کو ڈول کو کھا کر گزارہ کرتی ہیں۔ اور زمین کو بالکل نقصان نہیں پہنچاتیں بلکہ اس کی زرخیزی کو بڑھاتی ہیں۔ علاوہ بریں مرغیوں کا بیوپار کا شش کار سے علیحدہ وقت نہیں چاہتا۔ کیونکہ عودین اور بچے مرغیوں کی رکھوالی کر لیتے ہیں۔ اس امر سے اس بات کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اکیلا مرغیوں کا بیوپار کرے۔ تو وہ اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جو مرغیوں کا بیوپار بھی کرے اور ساتھ ہی ساتھ کاشت کا کام بھی کرے البتہ اگر وہ یہ بیوپار بڑے پیمانہ پر شروع کرے۔ اور ہر طرح کی عملی و اقتصادی گھٹنا ہو تو یہ اور بات ہے۔ جہاں پیداوار میں تنوع کرنے کے معنی یہ ہوں کہ اُن اجناس کی کاشت کی جائے۔ جو ایک دوسرے کے حریف اور متقابل نہ ہوں تو اختصاصیت (specialization) دال سے کوسوں دور ہوتی ہے۔

اجناس کا باری باری اگانا۔ تنوع پیداوار کا مطلب عام طور پر یہ ہوتا ہے۔ کہ پودے باری باری اگائے جائیں۔ ہمارے ملک میں کمی کا جو وسیع علاقہ ہے۔ اُس کے بیشتر حصے میں اگرچہ میٹھا تدیریں کی جاسکتی ہیں۔ لیکن بہترین تدیر یہ ہے کہ تین سال کی مدت میں کمی جی اور تینیا گھاس باری باری اگائے جائیں۔ اگر مزرعہ کی قابل زراعت زمین تین حصوں میں منقسم ہو۔ اور ہر حصے میں باری باری اُن میں سے ایک ایک جنس اگائی جائے تو یہ اجناس دونوں معنوں میں غیر متقابل ثابت ہونگی۔ تنوع پیداوار میں ایک بڑی

رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ ایسی عمدہ اجناس نہیں ملتیں۔ کہ اُن کو باری باری اُکھایا جائے۔ مثلاً کئی کئیہوں اور پٹیا گھاس کو یکجا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ جب کئی کی فصل کاٹی جا چکے۔ تو اس کے فوراً بعد خریف کا گیہوں نہیں ہو سکتا۔ اور بیج کا گیہوں کئی کے علاقے کے شمال کی طرف بہت دور بویا جاتا ہے۔

کپاس کے علاقے میں تنوع پیداوار کے لئے ایک مزاحمت عظیم یہ ہے۔ کہ کپاس کے ساتھ کوئی ایسی جنس بونے کو نہیں ملی جو غیر متقابل ہو۔ کیونکہ کپاس کا شتکار کا بہت سا وقت لے لیتی ہے۔ جس زمین میں کپاس اگتی ہو۔ گو وہ عموماً کئی کے حق میں اچھی ہوتی ہے تاہم دو اجناس تقریباً ایک ہی موسم میں کاشتکار کی توجہ کی منتقاضی ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ اگر ادھر ایک ایچڑ زمین کئی کے کھیت میں اور شامل کرے تو ادھر کپاس کے پودوں سے ایک ایکڑ کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قدرتی طور پر وہ ان دونوں میں سے اس جنس کو زیادہ وقت دیتا ہے۔ جو زیادہ نفع بخش ہو۔

برٹے میں وسط اور چھوٹے پیمانے کی کاشت۔ ایک اور اہم اور بنیادی مسئلہ جو مدر کے پیچھے کو حل کرنا پڑتا ہے یہ ہے کہ کاشت کا کام کس پیمانے پر کیا جائے۔ بعض اوقات مدر کے کار قبہ اصل کی مقدار اور اس کے اعتبار کی حد (economic yield) یہ باتیں اس مسئلے کو خود بخود حل کر دیتی ہیں۔ لیکن اگر اُسے ایک قابل کاشتکار کی شہرت حاصل ہو تو وہ جتنی زمین کی کاشت کامیاب طور پر اور کفایت کو سکتا ہے۔ اتنی زمین اُسے کرایہ پر مل سکتی ہے۔ اور جتنے اصل کی اُسے ضرورت ہو اتنا اصل اُسے قرض پر مل سکتا ہے۔ اگر برٹے پیمانے پر کاشت بمقابلہ چھوٹے پیمانے پر کاشت شروع کرنے کے خیالوں طور پر زیادہ نفع بخش ہوتی۔ تو اس کو برٹے پیمانے پر کاشت شروع کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آ سکتی تھی۔ لیکن چونکہ برٹے پیمانے پر کاشت عموماً کم نفع بخش ہوتی ہے اور برٹے پیمانے پر کاشت کرنے والے متوسط پیمانے پر کاشت کرنے والوں کی بد نسبت زیادہ ناکام رہتے ہیں۔ اس لئے برٹے پیمانے پر زمین لگان پر لینا اور اصل قرض پر لینا مشکل ہے۔

بڑے متوسط اور چھوٹے پیمانے کی کاشت کے درمیان کوئی حد فاصل قائم کرنا
 محال ہے۔ مزرعہ کا رقبہ بحساب ایکڑوں کے اس امر کا کوئی معیار نہیں کیونکہ ممکن ہے
 کہ دس ایکڑ زمین میں اگر کاشت پستی کی جائے۔ تو بہ نسبت اس کے کہ ہزار ایکڑوں
 میں کاشت وسیع کی جائے زیادہ اصل خرچ ہو جائے اور زیادہ محنت صرف ہو۔ بغرض
 بحث ہم بڑے پیمانے کی کاشت کی تعریف یوں کئے دیتے ہیں۔ کہ اگر کسی مزرعہ میں اتنی
 کافی زمین۔ اتنا کافی سرمایہ اور اتنے کافی آدمی ہوں۔ کہ میجر کیلئے اپنا تمام وقت
 کاشت کے کام کی نگرانی اور انتظام میں خرچ کرنا کفایت میں داخل ہو اور دستی کام
 تمام مزدوروں کے ذمے ہو جو اسکی زیر ہدایت کام کرتے ہوں تو اس مزرعہ میں بڑے
 پیمانے پر کاشت کی جاتی ہے۔ اگر ایک مویشی کی چراگاہ ہو۔ جس کا رقبہ وسیع ہو اور جس
 میں بہت سا اصل ذخیرہ کی صورت میں لگایا گیا ہو۔ اور اس میں قلیل تعداد آدمی
 کام کریں۔ تو وہ برابر ہونگے ان کثیر تعداد آدمیوں کے ہونے والے سے رقبہ زمین میں
 جس میں بازاری ترکاریاں اگائی جاتی ہیں کام کرتے ہیں۔ وہ چیز جن کی بنا پر ہم کسی مزرعہ
 کو بڑا مزرعہ کہتے ہیں نہ اکیلے آدمیوں کی تعداد ہے اور نہ اکیلا رقبہ زمین بلکہ تمام کاروبار کا
 پیمانہ من حیث اسکل متوسط پیمانے کی کاشت سے مراد وہ طریقہ کاشت ہے جس کے
 مطابق میجر بیشتر کام بذات خود انجام دیتا ہے۔ یعنی وہ خود اس کا خاندان اور اکاد کا
 اجرتی مزدور کام کرتے ہیں۔ اور رقبہ زمین اتنا بڑا ہوتا ہے کہ میجر کی تمام قوت محنت مع
 گھوڑوں۔ اوزاروں۔ آلات اور مشینوں کے جو اس قوت محنت سے پورا پورا کام لینے
 کیلئے ضروری ہے۔ اس پر خرچ ہوتی ہے۔ رقبہ جس طرح کی جنس بوئی جائے۔ اس کے
 مطابق چاہے بڑا ہو چاہے چھوٹا۔ لیکن وہ اتنا بڑا ضرور ہونا چاہیے کہ مشینوں اور اوزاروں
 وغیرہ کا استعمال کفایت سے کیا جاسکے۔ ہمارے وسط مغربی حصے کے اناج اور پھوس کے
 رقبوں میں سو سے لیکر دو سو ایکڑ تک یا اوسط ۱۴۰ ایکڑوں پر یہ تعریف صادق آتی ہے
 چھوٹے پیمانے کی کاشت سے مراد ایک ایسا طریقہ کاشت ہے جو بعض یورپی
 ممالک کے چھوٹے چھوٹے کسانوں میں اور خاص طور پر جاپان۔ چین اور مشرق بعیدہ کے

بعض ممالک میں مروج ہے۔ یہ طریقہ حسب ذیل ہے۔ ایک چھوٹا سا قطعہ زمین جو درشتاً یا کسی اور ذریعے سے کسی شخص کے قبضے میں آ جاتا ہے۔ اُس سے وہ شخص اپنی روزی کماتا ہے۔ اور وہ طریقہ اختیار نہیں کرتا۔ جو فصل یا کفایت پیدا کرے کیلئے موزوں ہیں۔ بلکہ ایسے طریقے اختیار کرتا ہے۔ جو مزرعہ کے چھوٹے رقبے کے مناسب حال ہوں۔ اگر مزرعہ کافی بڑا ہو۔ تو فصل کاٹنے کی مشین یا غلہ کے گٹھے باندھنے والی کل فصل کاٹنے کیلئے بہت خوب چیز ہے۔ لیکن زمین کے ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں یہ چیزیں گیہوں کاٹنے کے حق میں بالکل نکلے ہیں۔ اگرچہ گیہوں یا چاول کے ہرے پودوں کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جانا کفایت کے معافی ہے۔ اور ایک بے ٹمراور یا حاصل طریقہ ہے۔ کیونکہ اس سے انسانی طاقت نہایت افسوسناک طور پر ضائع ہوتی ہے۔ تاہم جب اس بات کا خیال کیا جائے۔ کہ ان کسانوں کے پاس کتنے چھوٹے چھوٹے قلعے ہوتے ہیں۔ اور پھر انہی قلعوں کی پیداوار سے اُن کو اپنا پیٹ بھی پالنا ہوتا ہے۔ تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جو طریقہ وہ اختیار کرتے ہیں وہ اس قسم کی کاشت کیلئے نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ اس سے پیداوار فی ایکڑ بڑھ جاتی ہے یہ بات بیشک درست ہے۔ کہ اس طرح گیہوں اُگانے کے مصارف جہاں تک انسانی محنت کا تعلق ہے۔ بہت زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ تاہم ان کسانوں کی مختصری جوت پر اس بات کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ وہ مجبور ہیں کہ جو زمین اُن کے پاس ہے اُنہی سے جس طرح ہو سکے روزی کمائیں۔ ورنہ پیاروں کو فاقوں میں مار پڑینگا۔ اس لئے زمین سے جتنا کچھ حاصل ہو سکے اور چاہے کیسی محنت شاقہ سے حاصل ہو سکے۔ وہ اُسی پر تانے ہیں اُن کی روزی کا سہارا ان کی محنت کا ثمرہ نہیں بلکہ اُن کی زمین کی پیداوار ہی ہے۔ اس لئے وہ محنت کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔

متوسط پیمانے کی کاشت کی فوقیت۔ ہمارے ملک میں بلا شک و شبہ متوسط پیمانے پر کاشت کرنے کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ ہے اور وہ اس بارے میں افراط و تفریط دونوں سے گریز کرتے ہیں۔ دست کاری۔ بار برداری اور کانگنی فی الجملہ برے پیمانے کی یہ کاشت کی طرف مائل ہیں۔ لیکن زراعت جو ہماری تمام صنعتوں میں سب سے بڑی

صنعت ہے۔ اس کا اب تک یہ حال ہے کہ متوسط الحال آدمی اُس میں خود اپنا آجر (employment) بن سکتا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ چند بڑے بڑے مزرعے بھی بنائے گئے ہیں۔ لیکن عام طور پر وہ متوسط پیمانے کے مزرعوں سے کم کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ اور اتنے بڑے بڑے زراعتی کاروبار اب آہستہ آہستہ معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ بڑے پیمانے کی پیدائش میں بیشک چند فائدے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی چند بڑی دقتیں اور نقصانات بھی ہیں۔ اور عام لوگوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے۔ کہ اس کے نقصانات فائدوں سے زیادہ ہیں۔

بڑے پیمانے کی پیدائش کے فوائد۔ زراعت میں بڑے پیمانے پر پیدائش کے فوائد ہی ہیں جو اور صنعتوں میں ہوتے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔ اول۔ ہمارے بارے میں کفایت۔ دوسرے ساز و سامان کے بارے میں کفایت۔ تیسرے خرید و فروخت کے بارے میں کفایت۔

ہمارے بارے میں کفایت اُس وقت ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص جو کسی کام میں ہمارے رکھنا ہوا اپنا تمام وقت اس کام میں صرف کر سکے۔ اگر اس قسم کا کوئی کام اسکو صرف اتنا مل سکے کہ اس وقت کا کچھ حصہ اس میں صرف ہو تو باقی جو وقت بچ رہے۔ اُس میں اُسے بیکار رہنا پڑے گا۔ یا کوئی اس سے ادنیٰ درجہ کام کرنا پڑے گا جو اس سے کم نہرند آدمی بھی کر سکتا تھا۔ بڑے مزرعہ میں بہ نسبت چھوٹے مزرعہ کے ایسے شخص کو اتنا کام ملتا ہے کہ وہ تمام وقت مصروف رہ سکے مگر زیادہ امکان ہے۔ مثلاً لیکن ہے کہ کاشتکار خود ایک ماہر اور کارآگاہ مہجر ہو۔ ایک بڑے مزرعہ میں بہت سے آدمی اس کے زیر ہدایت کام کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح اسکی ہمارے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ایک چھوٹے مزرعہ میں کسی قدر تھوڑے آدمی اسکی ہمارے سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ ایک بہت سے چھوٹے مزرعہ میں ممکن ہے۔ اس کو دستی کام اور قوت جسمانی کام سارے کا سارا یا اس کا بہت سا حصہ فرو کرنا پڑے۔ حالانکہ اُس سے کم اجرت والا آدمی بھی یہ کام اتنا ہی اچھا کر سکتا تھا۔ بہر حال بڑے پیمانے پر کاشت کرنے کا جو یہ فائدہ ہے کہ مہجر کی ہمارے سے مکمل فائدہ اٹھایا

جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے کی کفایت کا مفہوم اس میں بہت کم ہے۔ تاہم میجر کی ہمارے کا استعمال کفایت بامشک و شبہ بہترین طور پر بڑے پیمانے کی کاشت ہی میں ہو سکتا ہے۔ پروفیسر ایلفریڈ مارشل (Alfred Marshall) اس موضوع پر یوں اظہار رائے کرتے ہیں۔

”ایک بڑے کاروبار کا منتظم چاہے تو اپنی قوتوں کو اپنے کاروبار کے اور بنیادی امور کیلئے وقف کر سکتا ہے۔ اُس کو اس بات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ اُس کے ماتحت میجر۔ کلرک اور فورین اپنے اپنے فن میں طاق ہیں۔ اور اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام دیتے ہوں۔ لیکن جزئی امور کے متعلق اُس کو تکلیف کرتے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ اگر چاہے تو چھوٹی چھوٹی باتوں کو دوسروں پر چھوڑ دے اور اپنے کاروبار کے اہم اور دقیق مسائل پر غور کرنے کیلئے اپنے دماغ کو تازہ رکھے۔ ان باتوں کا خیال رکھے کہ بازار کے حالات میں کیا کیا تغیرات ہوتے ہیں۔ اور ملک اور بیرون ملک میں جو اتفاقات رونما ہو رہے ہیں اُن کے نتائج و عواقب کیا ہونگے۔ اور یہ تدریس سوچے۔ کہ کاروبار کے اندرونی و بیرونی انتظامات کو کیونکر بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ وہ شخص جو کسی چھوٹے سے کاروبار کا مالک ہو اس میں اس قسم کے مسائل پر غور و فکر کرنے کی قابلیت ہو بھی تو اسے اتنی فرصت نہیں ہوتی۔ وہ اپنی تجارت پر اتنی وسیع نظر نہیں ڈال سکتا۔ اور نہ آئندہ کے متعلق تدابیر سوچ سکتا ہے۔ اکثر معاملات میں اُسے دوسروں کی تقلید کرتی پڑتی ہے اور بہت سا وقت اُسے ایسے کاموں میں صرف کرنا پڑتا ہے جو اس کے شایان شان نہیں۔ اگر اس کو اپنے کاروبار میں کامیاب ہونا منظور ہے تو اس کا دماغ اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیے۔ اور اُس میں کافی اجتہاد ذاتی اور قابلیت انتظام ہونی چاہیے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس کو بہت سادگی اور درجہ کارور مرنہ کا کام کرنا پڑتا ہے۔“

ساز و سامان کے بارے میں کفایت اُس وقت ہوتی ہے۔ جب کسی محنت بچانے والی مشین سے پورا پورا کام لیا جائے۔ یہ بات بہ نسبت ایک چھوٹے مزرعہ کے ایک بڑے مزرعہ میں ہونی آسان ہے۔ ایک چھوٹے مزرعہ میں مشین صرف تھوڑے سے

وقت کیلئے چلائی جاسکتی ہے۔ اور اگر مزرعہ بہت ہی چھوٹا ہو تو بے حد تھوڑے وقت کیلئے اُس سے کام لیا جاسکتا۔ اس لئے اُس کے بغیر گزارہ کرنا اور ٹھنوں سے کام کر لینا بہتر ہے۔ مثلاً ایک ٹکڑے کے گٹھے باندھنے والی کل چھوٹے مزرعہ میں صرف فصل کاٹنے کے دنوں میں استعمال ہو سکتی ہے۔ اور جہاں فصل ہی بہت تھوڑی ہوتی ہو۔ وہاں اس کو ٹھنوں سے کاٹ لینا سستا پر قمار ہے۔ تاہم مشینری سے چھوٹے چھوٹے کاشتکار تعاون اور اردو باہمی سے اُنٹنابی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جتنا بڑے بڑے کاشتکار اُٹھاتے ہیں۔ یہ قول مغرب وسطیٰ میں اُتاج کے گاہنے اور پھرنے پر یا مخصوص صادق آتا ہے۔

خرید و فروخت میں کفایت بعض اوقات یوں ہوتی ہے کہ بڑے کاشتکار کو چونکہ زیادہ مقدار میں چیزیں خریدنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لئے وہ بازار کے حالات کا خیال رکھنے میں زیادہ توجہ سے کام لیتا ہے۔ اور جب کبھی ضرورت پڑے تو بجائے خودہ کے تھوک کی قیمتوں پر چیزیں خرید سکتا ہے۔ اس طرح چونکہ اُس کے پاس بہت سی مقدار بچنے کو ہوتی ہے۔ اسلئے بچنے میں بھی وہ بازار کے حالات کا زیادہ خیال رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات جس کو موٹر یا ریل گاڑی کے ذریعے جہاز پر پہنچانے کا جو کرایہ اُسے دینا پڑتا ہے اُس میں اُس کے ساتھ رعایت ہو جاتی ہے۔ اگر خاص خاص زراعتی اشیاء مثلاً نفیس مال عمدہ عمدہ پھل وغیرہ پیدا کرنے کے معاملے کو لیجئے۔ جن کیلئے ایک خاص قیمت مل سکتی ہے۔ جو شخص بڑے پیمانے پر ان کی کاشت کرتا ہے۔ وہ بہ نسبت چھوٹے پیمانے پر کاشت کرنے والے کے زیادہ کامیابی اور کفایت سے اشتہار دے سکتا ہے۔ لیکن منڈی کے اجناس کے پیدا کرنے والے کیلئے یہ کوئی نفع کی بات نہیں۔ کیونکہ منڈی کے اجناس بازار کے منقرض نرخ پر کیلنگی۔ اس لئے اُن کا اشتہار دینا فضول ہے۔

بڑے پیمانے کی کاشت کے نقصانات۔ بڑے پیمانے پر کاشت کرنے کی وقتیں یا نقصانات تین گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ یعنی منڈی، موسمی اور مزاجی منہدی مشکلات اس امر کا نتیجہ ہیں کہ کاشت کیلئے لازمی طور پر کافی جگہ یا سطحی رقبہ

ہونا چاہیے۔ اور نو اور کاشت عمیق اور باغبانی وغیرہ جو بڑے پیمانے کی کاشت کیلئے سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ یہ بھی دوسری صنعتوں کے مقابلے میں زیادہ جگہ چاہتی ہیں۔ اس لئے بڑے پیمانے پر کاشت کرنے کیلئے بہت سی کھلی جگہ یا وسیع رقبہ زمین لازماً درکار ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مزرعہ کے ایک حصے سے دوسرے حصہ تک جانے میں اور آلات اور مشینیں پیچ اور فصل وغیرہ لے جانے میں اور خامس کام پر جانے اور واپس آنے میں بہت سی قوت اور وقت صرف ہوتا ہے۔ علاوہ یہیں نگرانی اور انتظام کی تکلیفیں اس سے بڑھ جاتی ہیں۔ میجر مزرعہ کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں جلد نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ ایک مال گروام یا کارخانہ میں ممکن ہے۔ اسی وجہ سے مزرعہ کا قطعہ ایک تھوڑا سا حصہ ایک وقت میں اس کے زیر نگرانی رہ سکتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک قسم کی جوہارت بڑے پیمانے کی کاشت میں کام آ سکتی ہے یعنی قابلیت انتظام اس سے فائدہ اٹھانے کا امکان بھی محدود ہو جاتا ہے۔ یہ امکان موسمی مشکلات کی وجہ سے اور بھی زیادہ محدود ہو جاتا ہے۔ ایک کارخانہ میں بعض کام ایسے ہوتے ہیں جو سال بھر متواتر کئے جاتے ہیں۔ اگر ایک آدمی کو کسی ایسے کام پر لگا دیا جائے۔ تو کسی قدر نگرانی اور حساب کی جانچ پڑتال کی ضرورت ہو تو ہو۔ ورنہ یہ دیکھنے کیلئے کہ وہ پورا وقت سپرد شدہ کام میں لگا رہتا ہے۔ یا نہیں اور اسے تسلی بخش طور پر کرتا ہے یا نہیں کسی مزید توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے ایک اکیلا آدمی اپنے دماغ اور جدید کاروباری طریقوں اور جانچ پڑتال کے قاعدوں کی مدد سے ایک وسیع پیمانے کے کاروبار کا جن میں اس قسم کے آدمی کام کرتے ہوں۔ بخوبی انتظام کر سکتا ہے۔ جب آدمیوں کو ایک مرتبہ کسی ترتیب اور قاعدے کے مطابق کام پر لگایا جائے۔ تو اس کے بعد میجر کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بطریق احسن اپنے اپنے کام میں مصروف رکھے۔ اس لئے میجر ذہین اور مستعد ہو۔ تو وہ اکیلا متعدد آدمیوں اور مشینوں کے مجموعہ کا انتظام کر سکتا ہے۔ لیکن بڑے پیمانے کی کاشت کا معاملہ بڑے پیمانوں کے کارخانوں سے بالکل جُدا ہے۔ جہاں کئی ہزار یا چلنے لگنے والے آدمیوں کو کاشت کے موسم میں بار بار کاموں کی

نوعیت کے مطابق تبدیل کرنا ہو۔ اور مختلف کاموں پر لگانا ہو۔ وہاں ایک اکیلا دماغ کیا کر سکتا
 ہے۔ آدمیوں کی ایک بڑی جماعت جس کے ایک ایک فرد کو سارا سال ایک ہی کام کرنا ہو۔
 اُس کا انتظام جدا بات ہے۔ اور ایک بڑی جماعت جس کے ہر فرد کا کام آئے دن بدلتا
 رہے اس کا انتظام کرنا بالکل جدا۔ ایک مزرعہ میں پہینے پہینے کے بعد ہفتے ہفتے کے بعد
 اور کبھی کبھی ہر گھنٹے آدمیوں کا کام تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس تبدیلی کے باعث یہی نہیں
 کہ صرف نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ سارے کے سارے کام کی نئے سرے سے تنظیم کرنی
 پڑتی ہے۔ اور ہر آدمی کو مختلف نئے کام سپرد کرنے پڑتے ہیں۔ نگرانی کا کام بھی بہت مشکل
 ہو جاتا ہے۔ اسلئے کہ جامع پڑتال کے کسی منفرد طریقے سے کام کرنے والوں کے کام کا یا
 اُن کے کام کی نوعیت اور مقدار کا کوئی حساب نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اسی پر منحصر نہیں کہ موسم
 کے معمولی تغیرات کے مطابق کام تبدیل ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر غیر معمولی اور غیر متوقع تبدیلیاں
 بھی ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً طوفان۔ طغیانی۔ آتش زنی کیڑے مکوڑے۔ یڈی ول وغیرہ وغیرہ
 اور اُن کے مطابق نئے سرے سے آدمیوں کے کام کی تقسیم کرنی پڑتی ہے۔ فصل کے دنوں
 میں اگر یکا یک بارش شروع ہو جائے تو بیٹھے بٹھائے سارے دن کے کام کا نقشہ
 بگڑ جاتا ہے۔ اور کھٹے پھر میں نئے سرے سے کام کی تقسیم ضروری ہو جاتی ہے۔ سارے
 کام کرنے والوں کو از سر نو ایسے کام سپرد کرنے پڑتے ہیں۔ جو انہوں نے غالباً کبھی عمر بھر
 میں نہیں کئے اور اس لئے اُن کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے
 ایک درجن آدمیوں سے کام لینے کیلئے اعلیٰ درجے کی ذمہ داری۔ حاضر و غای۔ حُسن تدبیر اور
 قابلیت نظم و نسق درکار ہے۔ سو آدمیوں سے کام لینے کیلئے ایک فوجی کمانڈر یا ایک
 رئیس التجار یا ایک ریلوے کے کروڑ پتی مسیٹھ کی قابلیت درکار ہے اور ہزار آدمیوں سے
 کامیابی کے ساتھ کام لینا ایسے طور پر کہ اس میں محنت کی کفایت ہو سکے۔ یہ قوت بشری
 کیلئے محال ہے۔ ہندسی وقتوں میں جب ان موسمی مشکلات کا اضافہ ہو جائے۔ تو یہ بات
 واضح ہو جاتی ہے کہ کاشتکاری بمقابلہ دستکاری۔ کانکنی۔ بار برداری وغیرہ کے چھوٹے
 پیمانے پر ہونی چاہیئے۔ اگر اس کلیہ کی مستثنیات صرف ان خطوں میں پائی جاتی ہیں۔

بڑے پیمانے کی کاشت کو اُس کے سامنے ٹھہرتے نہ دیتے۔ جہاں کہیں بہت سے اجرتی مزدور جو کھیتی باڑی کا کام کرتے ہوں ملکر رہیں تو اُن میں ایک فرقہ دارانہ مہردی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر اُن کا آجر اُن کا کام بڑھانے کی کوشش کرے تو یہ اتفاق باہمی سے اُس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس کی کوششوں کو پسپے نہیں دیتے۔ وہ یہ مطالبے کرتے ہیں کہ کام کا وقت کم کیا جائے۔ تعلیمیں زیادہ دی جائیں اور بہت سی رعایتیں کی جائیں یہ سب باتیں مل ملا کر اُس کاشتکار کیلئے جو اجرتی مزدوروں کا محتاج ہے بمقابلہ اُس کاشتکار کے جو خود اپنا کام کر سکتا ہے دشواریاں پیدا کر دیتی ہیں۔ بنا بریں اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ صنعتی نقطہ نگاہ سے بھی بڑے پیمانے کی پیدائش قطعی اور یقینی طور پر فائدے میں نہیں رہتی اور چھوٹے پیمانے کی پیدائش کو معاشرتی فائدے حاصل ہیں وہ قطعی اور یقینی ہیں۔ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جب تک معاشرتی ماحول ہی رہیگا۔ جو آجکل موجود ہے۔ اس وقت تک چھوٹے پیمانے کی پیدائش زیادہ نفع بخش ہوگی۔

تاہم بعض معاشرتی حالات ایسے ہیں جو اس صورت حالات کو تبدیل کر سکتے ہیں اور صنعتی اعتبار سے بڑے پیمانے کی پیدائش کا پلہ بھاری کر سکتے ہیں۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے۔ کہ جہاں غلاموں کو مزدور مقرر کیا جائے۔ وہاں یقیناً بڑے پیمانے کی پیدائش لازم آتی ہے غلاموں کی محنت لازمی طور پر ادنیٰ درجے کی ہوتی ہے اور دوسروں کی ہدایت اور رہنمائی کی محتاج ہوتی ہے۔ غلاموں کیلئے ضروری ہے کہ وہ براہ راست کسی نگرانی کار یا داروغہ کے زیر ہدایت کام کریں۔ نگران غیر معمولی لیاقت کا آدمی ہونا چاہیے۔ اس لئے اسکی تنخواہ بھی خاص طور پر زیادہ ہوگی۔ دو تین غلاموں کے کام کی نگرانی پر ایسے اشخاص کا مقررہ کرنا صریح طور پر فضول خرچی ہے اور چاہے مالک اپنے طور پر ہنتم کے فرائض انجام دے لے تاہم غلاموں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے کام کی نگرانی اُسکے لئے بھی غیر مفید ہوگی۔ اگر نگران کی ملکیت سے اور اس کے وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ہو تو ضروری امر ہے کہ غلاموں کی ایک معقول تعداد ہو۔ اور کافی رقبہ زمین ہو۔ جس کے معنی ہیں بڑے پیمانے پر کاشت۔ یہ تو ہے غلاموں کے کام لینے کا لازمی نتیجہ؟ لیکن غلاموں ہی پر کچھ منحصر نہیں جہاں کہیں بھی ادنیٰ درجہ کے

مزدوروں سے جو خود اپنی رہنمائی نہیں کر سکتے عام اس سے کہ وہ غلام ہوں یا آزاد بڑی تعداد میں کام لیا جائیگا۔ وہاں نتیجہ یہی ہوگا کہ لازمی طور پر بڑے پیمانے کی کاشت کرنی پڑے گی۔ اگر زراعتی مزدور کھیتی باڑی کا کام خود بخود کرنا نہیں جانتے۔ اور کسی شخص کی براہ راست نگرانی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ توصاف بات ہے۔ کہ ان کے اوپر کوئی نگران ہونا چاہئے۔ لیکن اگر ایک نگران دو یا تین آزاد مزدوروں کے کام کی نگرانی کرنے لگے تو یہ بھی دیسی ہی بے سود ہے جیسی اس صورت میں ہوتی۔ کہ وہ دو یا تین غلاموں کے کام کی نگرانی پر مقرر کیا جاتا نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے پیمانے کی پیدائش کا پانچ سو یا چھوٹے پیمانے کی پیدائش پر بھاری سبک۔ کیونکہ اس میں آدمیوں کو ٹولیوں میں تقسیم کر کے ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر کھیتی باڑی کا کام کرنے والے مزدوروں میں ذہانت۔ قابلیت اور جوش پیدا ہو جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ بڑے پیمانے کی کاشت سب پر نالائق ہے۔ اس صورت میں جو شخص بڑے پیمانے کی پیدائش کا حامی ہو۔ اس کیلئے صرف ایک بات ممکن ہے۔ وہ یہ کہ سستی اہلکاروں پر گھنٹا درجے کے مزدور جو حق باہر سے لے آئے۔ اور اپنے وطن کے آزاد منشی اور خود ارکاشتکاروں کو نکال باہر کرے۔

مقابلہ سستی و اصول میسر آئے یا جنگ و اصول؟ ہماری آبادی کے مختلف طبقوں کے مفاد (مصلحتیں) کے درمیان جو مقابلہ جاری ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ کا اظہار عبارت بالا سے ہوتا ہے۔ وہ طبقہ جو زمین کا مالک ہے۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے کام نہیں کرتا۔ اور جس کی تعداد ہمارے ملک میں کم ہے۔ اس کی مصلحت اس میں ہے کہ سستی اہلکاروں پر بہت سے مزدور اسے مل جائیں۔ جن کی مدد سے وہ زمین کی کاشت زیادہ نفع بخش طریقے سے کر سکے اور اپنی آمدنی بڑھا سکے وہ طبقہ جو اپنے ہاتھوں سے محنت کرتا ہے۔ لیکن زمین کا مالک نہیں۔ اس کی مصلحت صریح طور پر اس میں ہے کہ محنت کی اہلیت ہنگی رہے لیکن متوسط طبقہ جو زمین کا بھی مالک ہوتا ہے اور محنت بھی اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے۔ اس کے اغراض اور مصالح کچھ اس طرف ہیں کچھ اس طرف۔ یاد دہانی کے مین بین۔ اس طبقہ کے افراد یہ حیثیت مالکان زمین کے یہ چاہتے ہیں کہ کرایہ بہت ملے۔ لیکن یہ حیثیت محنت کرنے والوں کے

وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ محنت کا صلہ بیش از پیش ملے۔ جب تک ہمارے ملک کے کاشتکار اکثر اس طبقے کے افراد ہیں۔ اس وقت تک اس بات کا امکان نہیں کہ زمین کے مالکوں اور اجرت لینے والوں کے درمیان کوئی تنازعہ یا کش مکش ہو۔ اگر سستی اجرت پر کثیر التعداد مزدور دستیاب ہونے لگیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ طبقوں میں تفریق ہو جائیگی۔ جب تک سستی زمین اور ہینگے داموں پر مزدور ملتے ہیں۔ اُسی وقت تک ہر شخص کیلئے یہ آسان ہے کہ مزدور سے ترقی کر کے مزرعہ کا مالک بن جائے۔ اجرت چونکہ زیادہ ہے۔ اس لئے مزدور کیلئے پس انداز کرنا آسان ہے۔ پھر زمین چونکہ سستی ہے۔ اس لئے اس کیلئے زمین سہل الحصول ہے اس لئے جو مزدور ذرا جُرسی اور دور اندیشی سے کام لے۔ اس کو زمیندار بننے کی بجا طور پر امید ہو سکتی ہے۔ بیماری ہو یا کوئی ناگہانی حادثہ ہو اس کی خلاف چارہ نہیں۔ ورنہ اگر وہ کچھ پس انداز نہ کرے تو کوئی معقول عذر پیش نہیں کر سکتا۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ جو ساری عمر اجرتی مزدور ہی رہیں۔ آج سے چالیس برس پہلے ریاست آیوڈار (ممبئی) میں یہ عالم تھا۔ کہ ایک مزدور ایک ہینے کی اجرت سے جہاں چاہتا۔ ایک ایجر زمین خرید سکتا تھا۔ اور بعض بعض جگہ تو اتنے داموں سے دو تین بلکہ چار ایجر تک زمین مل سکتی تھی۔ آجکل اگرچہ اجرت کی شرح پہلے سے بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن زمین کی قیمت بھی اُس کے ساتھ چڑھ گئی ہے۔ چنانچہ اُسی ریاست میں ایک ایجر زمین خریدنے کیلئے کم از کم دو ہینے کی اجرت درکار ہے اور بعض بعض جگہ تو عموماً تین چار یا پانچ بلکہ چھ ہینے کی اجرت سے کام چلتا ہے۔ ان حالات کے ماتحت یہ بات سمجھنی آسان ہے۔ کہ آجکل ان لوگوں کی تعداد جو مزدور سے ترقی کر کے زمیندار بنتے ہیں۔ کیوں اتنی کم ہے؟

یہ روجو چلی ہے۔ اگر اسی طرح کچھ مدت اور جاری رہی۔ یعنی اگر زمین ہینگی اور محنت کی اجرت کم ہوتی چلی گئی۔ تو نتیجہ بالکل مختلف ہوگا۔ محنت کی اجرت چونکہ کم ہوگی۔ اس لئے مزدور کیلئے زمین کا خریدنا مشکل ہو جائیگا۔ آجکل جتنے لوگ مزدور کی حیثیت سے ترقی کر کے زمیندار بنتے ہیں کامیاب رہتے ہیں۔ اُن سے کہیں زیادہ ناکامیاب رہنے لگیں گے۔ اس لئے آجکل کی نسبت زیادہ کثیر التعداد لوگ ساری عمر مزدور ہی رہیں گے۔ مختلف طبقوں کے درمیان

جو تفریق اس سے پیدا ہوگی۔ اُس سے ملک کی دیہاتی زندگی اُنہی معاشرتی پیچیدگیوں میں مبتلا ہو جائیگی۔ جو ہمارے اکثر شہروں کیلئے باعثِ بدنامی ہیں۔ اس امر کی پیش بندی کرنا کہ طریقہ صرف ایک ہے یعنی اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہماری زراعتی آبادی میں ذہانت و قابلیت آزادہ روی اور اجتہاد ذاتی کا ایک اعلیٰ معیار قائم ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے۔ کہ جس قدر زیادہ ممکن ہو۔ اُسے اشخاص اتنی تنظیمی قابلیت رکھتے ہوں کہ بطور خود کاشتکار بن سکیں۔ اور ہمارے دیہاتی اضلاع میں دوسرے قسم کے لوگوں کی بھرمار نہ کی جو کوششیں کی جائیں اُن کو پر دان نہ چڑھتے دیا جاوے۔

چھوٹے پیمانے کی کاشت کے نقصانات۔ چھوٹے پیمانے کی کاشت کی خوبیوں اور برائیوں پر بحث کرنے سے پیشتر مناسب ہو گا کہ ہم متوسط اور بڑے پیمانے کی کاشت کے درمیان ذرا زیادہ واضح طور پر تفریق کریں۔ اگر ایک ایکڑ زمین یا اس سے بھی کم میں کوئی خاص جنس پیدا کی جائے۔ مثلاً بنفشہ یا موسم سرما کی ترکاریاں تو وہ چھوٹے پیمانے کی کاشت نہیں ہوگی بلکہ متوسط پیمانے کی کاشت ہوگی۔ اس قطعہ زمین پر جس میں یہ خاص خاص چیزیں بونی جائیں۔ ایک پورے خاندان کا تمام وقت صرف ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ تمام محنت بچانیکلی تدا میرے کیوں نہ مدد لیں۔ لیکن کاشتکاری کی فقط ایک محدود تعداد اس قسم کی انتہائی اختصاصیت (extreme specialization) کر سکتی ہے۔ زیادہ تر کاشتکار لازمی طور پر بڑی بڑی منڈی کی اجناس اُگائیں گے۔ جن کی مانگ ہمیشہ رہتی ہے۔ اور بہت زیادہ رہتی ہے۔ اگر ان منڈی کی اجناس میں سے کوئی جنس یا کوئی عام جنس ایک ایکڑ یا تین یا پانچ بلکہ دس ایکڑ تک میں لگائی جائیں تو اسے ہم چھوٹے پیمانے کی کاشت کہیں گے۔ اگر ایک خاندان محنت بچانے کے تمام ساز و سامان فراہم کرے تو ممکن نہیں کہ اتنے چھوٹے سے قطعہ زمین میں اناج۔ سوکھی گھاس۔ گائے کا گوشت۔ اون۔ کپاس جیسی بڑی بڑی چیزوں کی پیداوار کرنے میں اس کا تمام وقت صرف ہو جائے۔ چھوٹے پیمانے کی کاشت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ایسے ایسے جاذبِ نظر عنوانوں کے ماتحت جیسے تین ایکڑ اور ایک گائے تین ایکڑ اور آزادی دوسرا عنوان اُن لوگوں کے دل میں شوق کرنے کیلئے

رکھا گیا تھا۔ جو آزادی کو گائے سے زیادہ پسند کرتے ہیں، اگر تین ایکڑ زمین میں کوئی پیش
 قیمت جس خاص پیدا کی جائے تو اس سے معقول آمدنی ہوگی۔ تاہم جیسا کہ اوپر اشارہ
 کیا جا چکا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہمارے تمام یا اکثر کاشتکاران خاص خاص اشیاء
 کی پیداوار کرنے لگیں۔ تین ایکڑ زمین میں اگر اُن بڑی اجناس میں سے جو نسل انسانی
 کے کھانے اور پہننے کیلئے ضروری ہیں کوئی جس پیدا کی جائے۔ تو اس سے نہایت معمولی
 آمدنی ہوگی۔ اور جب تک مزدور معقول اجرتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اُس وقت تک وہ
 تین ایکڑ کے ٹکڑے حاصل کرنے کے ہرگز خواہشمند نہ ہونگے۔ اس طرح اگرچہ ایک اعلیٰ
 جیبے کی کاروباری قابلیت کا آدمی تین ایکڑوں سے روزی کما سکتا ہے۔ لیکن اگر
 اُس میں قابلیت ہو تو بالعموم وہ تین ایکڑوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ چاہے تو ایک
 تینک کھول سکتا ہے۔ ایک مال گوام نیا سکتا ہے۔ یا ایک بڑے مزرعہ میں کاشت
 کر سکتا ہے اور بقا بلکہ اُس روزی کے جو وہ تین ایکڑوں سے کما سکتا تھا۔ بہت عمدہ
 طریقے سے روزی کما سکتا ہے چاہے اُسے آزادی ہی کیوں نہ حاصل ہوتی اور چاہے
 ایک عمدہ دودھ پال گائے بھی اُس کے پاس ہوتی۔ تاہم بعض غیر معمولی صورتیں ایسی ہیں
 کہ تین ایکڑ زمین شخصی آزادی اور دودھ پال گائے مل کر غنیمت شمار کئے جاسکتے ہیں
 لیکن یہ صورتیں مستثنیات میں سے ہیں۔ اور اُن کا حل کرنا کسی اہم معاشیاتی مسئلہ کے
 حل کا محتاج نہیں۔ گویہ صورتیں ہماری خاص توجہ کی مستحق ہیں۔ اول۔ ہر شہر میں
 بیکار لوگوں کی ایک فوج کی فوج ہوتی ہے۔ اس بات پر عموماً زور دیا جاتا ہے۔ کہ ان
 لوگوں کو ایک چھوٹے چھوٹے قطعے دے دینے چاہئیں۔ تاکہ یہ خود اپنی روزی کما سکیں
 یہ طریقہ اگر کامیاب ہو جائے تو یہ ایک دیہاتی مسئلہ کا نہیں۔ بلکہ ایک شہری مسئلہ کا حل ہے
 کیونکہ اس کے ذریعے شہر اپنے بوجھ سے سبکدوش ہو کر اُس بوجھ کو دیہات
 کے کندھوں پر ڈال دینا چاہتے ہیں۔ تاہم یہودی نوع انسانی کے نقطہ نگاہ سے
 دیہاتی معاشیات کے طالب علم کو بھی اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے۔ ہر حال تجربہ نے
 یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو لوگ امریکہ کے ایک شہر میں جہاں

صنعت و حرفت اس قدر ترقی پر ہے۔ اور روزگار ملنے کے اتنے مواقع ہیں۔ روزی نہیں کما سکتے۔ وہ دیہات میں شاد و نادہی روزی کما سکیں تو کما سکیں۔ گوان کو ایک چھوٹا سا قطعہ زمین بغیر کسی معاوضہ کے کیوں نہ دیدیا جائے۔ بعض شخص ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کی صحت یا ان کی طبیعت انہیں ایک بھرے ہوئے شہر میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی نہ وہ ایک گروہ میں مل کر کسی داندغہ کے زیر ہدایت کام کر سکتے ہیں۔

..... یہ وہ لوگ ہیں۔ جو دیہات میں اچھا کام کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں ایک تو کھلی ہوا میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اور دوسرے کسی کی نگرانی یا حکومت نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ ایک نہایت عمدہ بات ہوتی ہے۔ کہ انہیں زمین کی کاشت کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ اگر ان کی تھوڑی سی تعداد فی صدی کسی ملک کی آبادی میں ہو تو ان کیلئے تین تین ایکڑ کے مزرے ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کیلئے بہتر بھی ہوتا۔ کہ اُس سے بڑے مزرعوں میں مزدور کی حیثیت سے کام کریں۔ جو لوگ ان چھوٹے چھوٹے قطعات زمین سے روزی کمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بمشکل اتنا کماتے ہیں کہ اپنا پیٹ پال سکیں۔ تاہم ایک ایسے ملک میں جہاں معاشرت کے حالات بہت خراب و خستہ ہوں۔ یعنی جہاں آدمی زیادہ ہوں۔ اور اُجرتیں بہت تھوڑی۔ وہاں یہ بھی بسا غنیمت ہے۔ فی الجملہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ معاشرتی حالات جتنے خراب ہوتے۔ اتنی ہی اُن آدمیوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ جنکے لئے تین ایکڑ کے مزرے کچھ نہ ہونے سے بہتر ہیں۔ لیکن جب تک اُجرتیں اور خالص کمیتوں میں کام کرنے کی اُجرتیں ایسی ہی اچھی رہیں۔ جیسی آجکل ہمارے ملک میں ہیں۔ اس وقت تک ایسے لوگ جو تین ایکڑ کے مزرے کو غنیمت سمجھیں۔ محدود و چند ہونگے و

ایک اور طبقہ ہے۔ جو ایسے لوگوں کے طبقہ سے زیادہ کثیر التعداد ہے۔ وہ اُن مزدوروں اور دستکاروں کا طبقہ ہے۔ جو کسی یا قاعدہ کارندہ بار میں مصروف ہیں انکو کبھی کبھی صبح و شام یا رات کے وقت غراغت ہوتی ہے۔ اگر ان کے پاس اپنے

باغیچے ہوں۔ تو یہ فراغت کے اوقات اُن میں کام کرنے میں گزارا کریں۔ اور اُس سے
 اُنہیں یہ نسبت موجودہ حالت بیکاری کے زیادہ نفع ہو۔ علاوہ بریں ان کے بچوں کو
 بھی یقیناً بہت فائدہ ہو۔ کیونکہ مدرسہ کے وقت کے علاوہ انہیں ایک خاصہ بخش کام ملے
 کول جاتے۔ اس قسم کے چھوٹے پیمانے کی کاشت کی توسیع میں جو سب سے بڑی
 وقت پیش آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیر دست نقل و حمل میں کافی سہولتیں حاصل نہیں
 اگر یہ سہولتیں ہینا ہو بھی جائیں۔ تو پھر بھی بہت کم لوگ فی صدی اس ذریعہ آمدنی سے
 حقیقی محنتوں میں کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں میں وہ دماغی اور فکری
 اخلاقی خوبیاں نہیں ہوتیں۔ جو ایک کامیاب کاشتکار کے لوازم میں سے ہیں۔ تاہم یہ
 جو کروڑوں آدمی ہمارے شہروں میں محنت و مشقت کر رہے ہیں۔ ان میں بلا شک و شبہ
 ہزاروں ایسے ہونگے کہ اگر چھوٹے پیمانوں کی کاشت کا کام ان کے سپرد کر دیا جائے
 تو انہیں اپنے خاندانوں کیلئے روزی کمانے میں بڑی مدد ملیگی۔ بشرطیکہ زمین چھوٹے
 چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دی جائے۔ اور نقل و حمل کی سہولتیں اتنی کافی
 ہوں کہ وہ باسانی اپنے کام پر جاسکیں اور واپس آسکیں۔ مزدوروں کے
 جتنے خاندان اس وقت بُرے حالوں میں رہ رہے ہیں۔ ان میں سے سو میں سے ہر تار
 میں سے ایک کو بھی اس طرح فائدہ پہنچایا جاسکے۔ تو یہ ایک کارنامہ ہو گا۔ لیکن حقیقت
 یہ ہے کہ اس قسم کی کاشت اُن ملکوں میں اعلیٰ درجہ ترقی حاصل کرتی ہے۔ جہاں
 کاروبار میں آدمی ضرورت سے زیادہ ہوں۔ اور اُجرتیں بہت تھوڑی ہوں۔ نہ کہ ایسے
 ملکوں میں جہاں مزدوروں کی اچھی خاصی مانگ ہو۔ اور اُجرتیں محفوظ ہوں۔ اگر مزدوروں
 کی حالت خراب ہو۔ تو ضرورت اُن میں سے اکثر کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی روزانہ آمدنی میں
 اور کوئی کام کر کے اضافہ کریں۔ مثلاً اپنے باغوں میں کام کریں۔ اور بولوں اپنے خالی
 اوقات سے اور اپنے خاندان کی فاضل قوت محنت سے فائدہ اٹھائیں۔ جس ملک
 میں اُجرتیں اچھی ہوں۔ وہاں بھی قین باغبانی کی اشاعت کا نتیجہ یقیناً یہ ہوتا ہے۔ کہ
 اُجرت پر کام کرنے والے اور ان کے خاندان باغبانی کا کام کرنے میں۔

اس قسم کے باغیچے جنہیں انگریزی میں کبھی کبھی (home crofters gardens) کہا جاتا ہے۔ یورپ کے بعض شہروں مثلاً پیرس۔ لندن اور برلن کے امتیازی خصوصیات میں سے ہیں۔ انہوں نے سب سے زیادہ ترقی پیرس کے مضافات میں کی ہے۔ جہاں چھوٹے چھوٹے قطعوں میں نہایت عمدہ باغبانی کا کام کیا گیا ہے۔ یہ باغیچے جتنے عجیب و غریب ہیں وہ تو ہیں ہی۔ لیکن ان کے متعلق لکھنے والوں نے ان سے بھی زیادہ عجیب باتیں کہی ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ باغیچے بذات خود بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ تاہم فرانس کے دیہات کے عظیم الشان زراعتی کاموں کے مقابلے میں یہ سچ ہیں اب تک ہم نے چھوٹے پیمانے کی کاشت پر بحیثیت شہری مسائل کے ایک حل کے بحث کی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بحیثیت ایک خالص دیہاتی مسئلہ کے اس کی کیا اہمیت ہے۔ یعنی اب ہم انہیں لوگوں کو لینے جو کاشتکار ہیں اور اس کے سوا کچھ کام نہیں کرتے۔ اور جو نہایت چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں منڈی کی اجناس اگاکر روزی کھاتے ہیں۔ اس طریق کاشت کے مباحثوں نے اس کی صفت میں بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن ان لوگوں کے دلائل بہ نسبت چھوٹے پیمانے کی کاشت کے متوسط پیمانے کی کاشت پر بہتر منطبق ہوتے ہیں۔ چھوٹے پیمانے کی کاشت کی ہم نے جو تعریف کی ہے اس کے مطابق اس سے کاشتکار کو بہت تھوڑی آمدنی ہوتی ہے۔ گو بالعموم کاشت بڑی محنت سے کی جاتی ہے۔ اور فی ایکڑ پیداوار بھی کافی ہوتی ہے۔ بہر حال یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ چھوٹے مزرعوں میں یہ نسبت متوسط درجے کے مزرعوں کے فی ایکڑ زیادہ زیادہ پیداوار ہوگی۔ اور فی الحقیقت ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اگر کوئی مزرعہ اتنا بڑا ہو کہ کاشتکار کافی گھوڑوں سے کام لے سکے اور کارگر آلات اور مشینیں استعمال کر سکے تو اس کی کاشت عموماً اتنی ہی اچھی ہوتی ہے۔ جتنی کہ ایک چھوٹے مزرعہ کی جس میں بھاری گھوڑے اور کارآمد آلات اور مشینیں استعمال کرنے سے کچھ نفع نہ ہو۔ جیسا کہ کسی گذشتہ باب میں ضمناً بیان کیا جا چکا ہے۔ فرانس اور بلجیم کے کاشتکار کو عموماً اسی میں فائدہ نظر آتا ہے کہ گھوڑوں اور بیلوں سے قطعاً کوئی علاقہ نہ رکھے۔

اور اُن کی بجائے دودھ دینے والی گائیں یا ایک گائے رکھے اور اُس سے دہہ کام لے۔ جو دہہ اپنی قوت بازو سے نہیں کر سکتا۔ اس میں اُس کی لاعلمی اور جہالت کو کچھ دخل نہیں۔ اسکی وجہ نقطہ یہ ہے کہ اُس کا مزدور اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ زیادہ کار آمد جانور جس پر زیادہ مصارف ہوں۔ اُسکے لئے نفع بخش نہیں ہوتے۔ ایک گھوڑے کو سارا سال چارہ دینے کیلئے یہ مجبور اور دانوں کے تین سے لیکر پانچ ایکڑوں تک کی پیداوار رکھ رہتی ہے۔ جس کاشتکار کی ساری کائنات ہی دس یا پندرہ ایکڑ زمین ہو وہ اگر دو گھوڑے کام کیلئے رکھے۔ تو اپنے لئے اُس کے پاس بہت کم بچے گا۔ البتہ ایک صورت ہے۔ کہ وہ کوئی خاص جنس پیدا کرے اس طرح فصل کاٹنے کی مشین اُس کیلئے نفع کا باعث بنیں۔ بنابرین اس قسم کی چھوٹے پیمانے کی کاشت میں جس سے معمولی منڈی کی پیداوار کی جائے۔ یہ عموماً لازمی ہوتا ہے۔ کہ وقت طلب اور طریقے اختیار کئے جائیں۔

اب اگر ہمارے ملک کی دیہاتی آبادی میں بہت زیادتی ہو جائے جس کو بعض لوگ سید پسندیدہ سمجھتے ہیں (تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو چھوٹے چھوٹے مزرعوں کی تعداد المضاعف ہو جائیگی یا زراعتی مزدوروں کی تعداد ترقی کر جائیگی۔ اگر یہاں کی دیہاتی آبادی میں ترقی ہونی ضرور ہے۔ تو پہلی صورت بہتر اور زیادہ امید افزا ہے۔ تاہم لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی صورت نہ ہو۔ اس لئے لوگ دیہات چھوڑ چھوڑ کر شہروں کو جا رہے ہیں۔ سب کا مقصد یہی تو نہیں ہوتا کہ دیہات کی آبادی کو بڑھنے سے روکا جائے۔ اس سے کم قابل تعریف مقاصد ضرور لوگوں کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ تاہم زیادہ تر یہی مقصد اس امر کا محرک ہے کہ بیشمار لوگ ہمارے دیہاتی اضلاع سے شمال مغربی کینڈا میں جا رہے ہیں۔ جہاں انہیں اب بھی زمین بکثرت مل سکتی ہے۔

دیہات کو چھوڑ کر شہر میں جانے کی تحریک ایک طرف تو بجائے چھوٹے پیمانے کی کاشت کے متوسط پیمانے کی کاشت کے حق میں زیادہ مفید ہوتی ہے اور دوسری طرف ایک زراعتی جماعت کی پیدائش کا باعث ہوتی ہے۔ اس امر کے لحاظ سے وہ ایک قابل تعریف تحریک ہے۔ اور جن کوششوں کا مقصد اس تحریک کا انسداد ہو یا یہ ہو کہ

دیہاتی آبادی کو اس حد سے بڑھا دیا جائے جہاں تک کہ متوسط پیمانے کی کاشت ممکن ہے۔ ایسی تمام کوششیں بیحد موم ہیں۔ اس بنا پر ہیں اس بات کو امید افزا سمجھنا چاہیے کہ زائد از ضرورت آبادی دیہات کو چھوڑ کر شہروں کا رخ کرے۔ صرف یہ ایک طریقہ ہے جسکی مدد سے دیہاتی زندگی کا ایک اعلیٰ معیار قائم رکھا جاسکتا ہے۔ کارنل یونیورسٹی کے پروفیسر جی۔ ایف وارن (J. F. Warren) نے فیصلہ کن طور پر یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ متوسط پیمانے کے مزرعے چھوٹے مزرعوں سے زیادہ نفع آدہ ہیں۔ پروفیسر مذکور نے ہنریٹا ذیل ترتیب دی ہیں یہ قہرستیں ٹانکنز کوٹھی (نیویارک) (Hemlock County) کے (New York) کے ایک زراعتی پیمائش کے ضمن میں تیار کی گئی ہیں :

مزرعہ کے رقبہ اور مقدار پیداوار کا باہمی تعلق

مواضع اتھا کا۔ ڈرائیڈن۔ ڈینی اور لینسنگ

پیداوار فی ایکڑ			
مزرعوں کا رقبہ (ایکڑوں کے حساب سے)	دھنوں کے حساب سے	آلو دھنوں کے حساب سے	بھوسہ دھنوں کے حساب سے
۳۰ یا کم	۳۵	۱۱۷	۳۸ ر ۱
۴۰ - ۳۰	۳۲	۱۱۱	۳۶ ر ۱۱
۱۰۰ - ۹۱	۳۲	۱۱۹	۳۳ ر ۱۱
۱۵۰ - ۱۰۱	۳۴	۱۱۴	۳۵ ر ۱۱
۲۰۰ - ۱۵۱	۳۲	۱۲۷	۲۴ ر ۱۱
۲۰۰ سے زیادہ	۳۵	۱۱۳	۲۴ ر ۱۱

جیسا کہ عام لوگوں کی رائے ہے۔ اُس کے برخلاف متوسط حدیث کے مزرعے اتنی ہی اچھی فصل پیدا کرتے ہیں۔ جتنی کہ چھوٹے پیمانے کے مزرعے۔ البتہ بھوسے کے معاملے میں یہ قاعدہ راست نہیں آتا۔ بڑے مزرعوں میں بھوسے کی پیداوار نسبتہً ذرا کم ہے۔

مزرعے کے رقبہ کا تعلق منافع سے			
(۵۸۶ مزرعے جن کی کاشت خواتین نے کی۔ درمیان میں اچھا کا۔ ڈرائیڈن۔ ڈبئی۔ ولینسنگ)			
مزرعوں کا رقبہ (ایکڑوں میں)	مزرعوں کی تعداد	اوسط رقبہ (ایکڑوں میں)	محنت کی آمدنی
۳۰ یا کم	۳۰	۲۱	۱۶۸ ڈالر
۳۱-۴۰	۱۰۸	۶۹	۲۵۴
۴۱-۱۰۰	۲۱۴	۸۳	۳۷۳
۱۰۱-۱۵۰	۱۴۳	۱۲۴	۱۳۶
۱۵۱-۲۰۰	۵۷	۱۷۷	۶۳۵
۲۰۰ سے زیادہ	۳۴	۲۶۱	۹۴۶
اوسط		۱۰۳	۲۱۵

ان اعداد و شمار سے اس امر کی توضیح میں بہت مدد ملتی ہے۔ کہ ۱۹۱۵ء کی مردم شماری کے مطابق چھوٹے مزرعوں کی تعداد کم کیوں ہوتی جا رہی ہے۔ یہ امر بھی درست ہے کہ بڑے بڑے مزرعے جن کا رقبہ ۵۰۰- ایکڑ یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ بھی غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ ان دنوں رجحان عام بلا شک و شبہ متوسط پیمانے کے مزرعوں کی طرف ہے۔ اور اس کو عموماً زراعت کے حق میں بہترین چیز تصور کیا جاتا ہے۔

مزرعہ کا ساز و سامان۔ جیسا کہ ایک نڈ شتہ باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ مزرعہ کے ساز و سامان چھانکرنے کا مسئلہ اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ دوسری چیزیں کس تناسب باہمی سے ہینا کی جائیں گی۔ اس مسئلہ کا یہ پہلو یا تفضیل زیر بحث آچکا ہے۔ اس لئے اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ساز و سامان کی نوعیت کیا ہونی چاہیے۔ بجائے اس کے کہ مختلف قسم کے ساز و سامان کی کتنی مقدار دوسری چیزوں کی مقدار کے مطابق ہونی چاہیے۔

قوت۔ جس طرح کسی کارخانے یا ریلوے کے ضروری سامان کے متعلق پہلا سوال طاقت کا ہوتا ہے۔ اس طرح مزرعہ کے سامان کے متعلق بھی پہلا سوال یہ ہے۔ ہر شخص

بخوبی جانتا ہے کہ قوت کے نئے سرچشموں اور خاص طور پر بھاپ کے انکشاف نے
 صنعت و حرفت کے دوسرے شعبوں میں کیا کیا انقلاب کئے ہیں۔ مزرعہ کے بہت سے
 کاموں میں "قوت" کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ ضرورت زمین کے
 معاملے میں ہے۔ یعنی اُس کی گڑائی کرنا۔ اس کو یاریک کرنا۔ مناسب بیج انتخاب کرنا۔ پھر
 اُس کے بعد بیج کیلئے تیاریاں کرنا۔ اس کے بعد جو سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ
 جنس کو کھیتوں سے کھیلان میں اور کھیلان سے بازار لیجانے میں۔ اور بیج کھاد کے متعلق
 چیزیں۔ باڈ لگانے کا سامان وغیرہ مزرعے کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک لیجانے
 میں طاقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ انہیں سب سے کسی مقصد کیلئے بھی ایک غیر متحرک انجن کسی کام
 کا نہیں۔ ان کیلئے کھینچنے کی طاقت کی ضرورت ہے۔ جہاں کہیں ساکن قوت کی ضرورت
 ہو تو مشین کی کسی قسم کی طاقت صریح طور پر اور بلا شک و شبہ قوت حیوانی پر کوئی
 فوقیت حاصل نہیں۔ سوائے ایک صورت کے کہ انجن کے واسطے خاص طور پر ایک سرلک
 کوٹ کر طیارہ کی جگہ۔ اکثر مزرعوں میں ایسی سرلک تیار کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ مزرعہ کے
 بیماری بھاری کام۔ مثلاً اہل چلاتا اور بازاری میں بوجھ اٹھا کر لے جانا۔ انجن کی مدد سے بکفایت
 کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان کے معاملے میں بھی انجن کی تیزی تسلیم کرنے میں ہیں کلام ہے۔ اور
 ہر مزرعہ میں بعض کام ایسے ہوتے ہیں۔ جو قوت حیوانی کے بغیر بکفایت اور کامیابی کے ساتھ
 انجام نہیں دیئے جا سکتے۔ مثلاً سرائوں چلاتا۔ غلہ بونے والی کلوں اور دیرنوں کو کھینچ کر
 لے جانا۔ اُگتے ہوئے غلے اور آلوؤں کی کھیتی کیاری کا کام کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اس قسم کے
 تمام کاموں میں اتنی ضرورت مشین کی قوت کی نہیں ہوتی۔ جتنی قوت حیوانی کی ہوتی ہے۔
 اور جہاں تک ہم مستقبل کے متعلق پیش بینی کر سکتے ہیں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوگا۔ چونکہ ایک ایسے
 مزرعے میں جو ہر طرح کے ضروری سامان سے آراستہ ہو۔ قوت حیوانی کی ایک خاص
 مقدار کا مقاصد متذکرہ بالا کے لئے ہونا ضروری ہے۔ اس لئے بعض ایسے کاموں میں
 بھی جن میں قوت میکانیکی (mechanical power) کا استعمال کفایت
 اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ قوت حیوانی کا استعمال کرنا کفایت سے خالی نہیں ہو۔

قوتِ حیوانی۔ دنیا کی تاریخِ زراعت پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ان مقاصد کیلئے مختلف جانور استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً اٹھی۔ اونٹ۔ بھینس۔ اینڈر۔ کتا۔ بیل۔ گھوڑا۔ گدھا۔ اور خچر۔ امریکہ والے اور مغربی یورپ کی بعض قومیں صرف آخری چار جانوروں سے کام لیتی ہیں۔ گمان غالب یہی ہے کہ ہم آئندہ بھی انہیں چار سے کام لیا کریں گے۔ گو یہ خیال کرنے کے بعض وجوہ ہیں کہ جنوب مغرب کے خشک علاقے میں جوٹیکس (TEXAS) سے لیکر کیلیفورنیا (CALIFORNIA) تک پھیلا ہوا ہے۔ بعض بعض مزرعوں میں اونٹ کا اضافہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ ہم اس سے مانوس ہو جائیں۔ اس پر قابو پانے کا طریقہ خوب سیکھ لیں۔ بہر حال اونٹ کا فائدہ یقینی نہیں۔ اور اس سے مانوس ہونے میں بڑی دقت پیش آئیگی۔ اسلئے یہ قرین قیاس نہیں کہ امریکہ میں یہ جانور کبھی عام ہو۔ بہر حال جنوب مشرقی یورپ میں یہ نظارہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ اونٹ ہلوں اور سرائوں پھرنے کی کھلونوں اور کبھی کبھی تو امریکہ سے آئے ہوئے گھٹے باز دھننے کی کھلونوں کو کھینچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ گدھا گو جنوبی یورپ کے بعض حصوں میں بحیثیت ایک بار بار داری کے جانور کے عام ہے۔ خاص کر چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں تاہم ہمارے ملک میں اس سے ایسا کام لینا کوئی نہیں جانتا۔ آج سے کچھ مدت پہلے بیل سے تقریباً ہر مزرعہ میں کام لیا جاتا تھا۔ لیکن اس کا استعمال بھی بیکہ کم ہو گیا ہے۔ خاص کر خانہ جنگی کے زمانہ سے جب سے کہ کلیں عام استعمال ہونے لگی ہیں۔ گزشتہ چند سال میں بیل کچھ نئے سرے سے مقبول ہونے لگا ہے۔ جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس کے گوشت کی قیمت بہت چڑھ گئی ہے اور دوسرے یہ گھوڑے بہت پیش قیمت ہوتے ہیں۔ لیکن نئے سرے سے مقبولیت پیدا ہونے کے باوجود بیل ہماری قوم کے زراعتی کاروبار میں ایک نہایت ادنیٰ عنصر ہے۔ باعتبار قوتِ حیوانی کے گھوڑا ہمارے ملک کے باقی تمام پیش گوئی ہمیشہ خطرہ سے چڑھتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ غیر ضروری ہوتی ہے۔ اسلئے ہم صرف یہ غیر مشتبہ امر جان کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حالِ مشین کی قوت نے قوتِ حیوانی کی جگہ نہیں لی۔ آئندہ کا حال معلوم نہیں ہو

جانوروں میں ممتاز ہے۔ اس کے بعد دھواں درجہ خیر کا ہے۔ لیکن وہ گھوڑے کے پاس گ بھی نہیں۔ ۱۹۲ء کی مردم شماری کے مطابق ریاستہائے متحدہ کے مزارعوں میں ۶۱ ۶۷ ۹۷ گھوڑے تھے اور خیروں کی تعداد کل ۹۱ ۳۲ ۵۴ تھی۔ اس مردم شماری میں ان بیلوں کی تعداد علیحدہ نہیں گنائی گئی تھی۔ جن سے کام لیا جاتا تھا۔ لیکن ۱۸۹۰ء کی مردم شماری کے مطابق تقریباً ۵۰۰۰۰۰ بیل ہمارے ملک میں تھے۔ بہر حال یورپ کے بعض حصوں میں بالخصوص جنوبی اور وسطی فرانس میں سپانیہ اور اٹلی میں اور جرمنی کے بعض حصوں میں بیل اب بھی زراعت کا اہم عنصر ہے۔ خاص کر فرانس اور اٹلی کے بعض بعض حصوں میں مویشی کھیتی باڑی کے کام کیلئے پائے گئے ہیں۔ نہ کہ گوشت اور دودھ کیلئے۔ اس لئے ان ملکوں کے بیل بہ حیثیت کام کرنے والے جانوروں کے ہمارے ملک کی تمام نسلوں سے بہتر ہیں۔ استثنائے ڈیون (DEVON) مویشیوں کے جو کام کرنے والے مویشیوں کے طور پر اپنے وقت میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ٹسکنی (TUSCANY) کے قوی ہیکل سفید رنگ بیلوں کو دیکھئے۔ جو چلنے میں چست اور طاقت میں دیوہوتے ہیں۔ تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ بیل مزارع کے بھاری بھاری کاموں کیلئے گھوڑوں کے برابر مفید اور کارآمد ہو سکتے ہیں۔ مصنف کو ایک بڑے اطالوی زمیندار نے جو ایک سائنٹفک کاشتکار بھی تھا۔ ایک مرتبہ یہ بتایا کہ اُس نے گھوڑے اور بیل دونوں کو اچھی طرح آزما دیکھا تھا۔ اور بیلوں کو بہتر اور زیادہ کارآمد پایا تھا۔ بہر حال بعض وجوہ ایسے ہیں جنکی بنا پر یہ بات اٹلی میں تو درست ہو سکتی ہے۔ لیکن امریکہ میں نہیں ہو سکتی۔ قطع نظر اس کے کہ مویشیوں کی نسل میں کیا فرق ہیں؟

گھوڑوں اور بیلوں کے اخصاتی فوائد۔ بیلوں سے کام لینے کے فوائدنی الجملہ حسب ذیل ہیں۔ گھوڑوں کے مقابلے میں انکی قیمت کم ہوتی ہے۔ دس وہ کم بیمار پڑتے ہیں۔ اور موسم کی سختیوں کو برداشت کرنیکی زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ دس گھوڑوں کے سارے مقابلے میں بیلوں کے جوڑے اور ذخیروں

وام کم ہوتے ہیں۔ اور وہ چلتے بھی زیادہ دیر تک ہیں۔ دم، جب بڑھے ہو جانے کی وجہ سے یا کسی چوٹ کی وجہ سے کام کے لائق نہیں رہتے تو ان کو موٹا کر کے ان سے اچھا خاصہ گوشت حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کو ہم زیادہ وضاحت سے بیان کریں تو کہہ سکتے ہیں۔ کریل سے تین سال کی عمر سے بیکر سات یا آٹھ سال کی عمر تک کام لیا جاسکتا ہے۔ اس عرصے میں وہ وزن میں ترقی کرتا ہے اور آخر جب کام کے لائق نہیں رہتا۔ تو ذبح کرنے کیلئے بیچ دیا جاتا ہے۔ اور اس نے وزن اور قیمت میں جو ترقی کی ہو۔ اس سے اس کے مصارف کے کچھ حصے کا معاوضہ مل جاتا ہے۔ بعض اور بھی فائدے ہیں۔ مثلاً بیلوں کے جوڑنے اور کھونٹے میں مبتلا بل گھوڑوں کے کم وقت خرچ ہونا ہے۔ بیل بہت کم گھبراتے ہیں۔ اور بہت کم بدکتے ہیں۔ اور جب ان سے سخت کام لیا جائے۔ مثلاً پتھر مٹی یا ٹھنڈوں سے پیٹی ہوئی اور زامہوار زمین میں ہل چلایا جائے تو یہ ان کیلئے کوئی ناقابل برداشت بات نہیں ہوتی۔ جب ان سے کام نہ لیا جاتا ہو تو انہیں چراگاہ میں چھوڑا جاسکتا ہے۔ اور گھوڑوں کی یہ نسبت ان کی رکھوالی کم توجہ سے کرنی پڑتی ہے۔ بیل گھوڑوں کے مقابلے میں روکھی سڑک پر بھی گزارہ کر سکتے ہیں۔ جہاں یہ فائدے ہیں۔ وہاں چند نقصانات بھی ہیں :-

۱۔ بیل کی نقل و حرکت کی سستی۔ اس سے سوائے ان بھاری بھاری کاموں کے جو آہستہ رفتار سے کرنے ہوتے ہیں۔ باقی تمام کاموں کے ناقابل بنادیتی ہے گھوڑوں سے مختلف کام باسانی لئے جاسکتے ہیں۔ جب ضرورت ہو وہ ڈنکی چال چلے گا۔ جب کام ایسا آپرے تو تیز دوڑیگا۔ اور جب چاہو اسے آہستہ چلاؤ۔

۲۔ ہمارے حزرعوں کی اکثر کلیں بیل کی سست رفتار کی بجائے گھوڑوں کی تیز رفتار کی منتقاضی ہوتی ہیں۔ اگر بیلوں سے عام طور پر کام لیا جاتا۔ تو یہ نقص مشینوں کے بنانے والے اس سیدھی سادھی ترکیب سے دور کر سکتے تھے۔ کہ مشینوں کے پیچے ذرا اونچے کر دیتے۔ لیکن چونکہ مشینیں ایسی نہیں بنائی جاتیں۔ اس لئے بیلوں کا رواج عام نہیں ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ گھوڑوں سے بڑی حد تک مطمئن ہیں۔ اور اگر یہ

ثابت بھی کر دیا جاوے۔ کریل زیادہ کفایت کا باعث ہوتے ہیں۔ تو پھر بھی وہ گھوڑے کو چھوڑ کر میل سے کام نہ لیں تو

۳۔ یہ ممکن ہے۔ گو یہ ثابت شدہ امر نہیں۔ کہ گھوڑا بہ نسبت میل کے غذا کو میکانیکی قوت میں تبدیل کرنے کے اعتبار سے بہتر کل ہے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ میل غذا کو گوشت کی ضرورت میں تبدیل کرنے کے اعتبار سے بہتر ہو۔ اگر متوسط دیے کے میل کو آہستہ آہستہ چلنے دیا جائے اور اسی حساب سے زیادہ بھاری بوجھ اُس پر لاداجا تو وہ ایک دن میں اتنے ہی پونڈ بھاری چیز کو کھینچ سکیگا۔ جتنا کہ ایک متوسط دیے کا گھوڑا بمطابق اپنی خوراک کے۔ اس امر کو سائنٹفک طریقے سے تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا نہیں گیا۔

چاہے کچھ بھی ہو۔ اس بات میں ذرا برابر شک نہیں۔ کہ ایک آدمی اچھے گھوڑوں کے ساتھ متفرق قسم کا کام جو سال کے دوران میں کاشتکار کو کرنا پڑتا ہے۔ بہتر طور پر کر سکیگا۔ بہ نسبت اس صورت کے کہ اس کے پاس سیلوں کی ایک جوڑی ہو۔ گو یہ بات ضرور ہے۔ کہ وہ خاص خاص قسم کے کام مثلاً ڈھیلے توڑنا۔ یا سخت زمین میں قلعہ رانی کرنا گھوڑوں کے ساتھ ایسے عمدہ طریقے سے نہ کر سکیگا۔ ایسی جیسے ملک میں جہاں محنت کی اُجرت بہت کم ہے۔ اور اسلئے یہ کوئی اشد ضروری بات نہیں۔ کہ ہر شخص سے جتنا کام ممکن ہو۔ اُتالیجا جائے۔ سیلوں کے کم مصارف ان کے کام کی کمی مقدار کی تلافی کر سکتے ہیں۔ لیکن ریاستہائے متحدہ جیسے ملک میں جہاں محنت کی اُجرت بہت زیادہ ہے۔ یہ نہایت ضروری امر ہے۔ کہ محنت کی کفایت کی جائے۔ اور ہر شخص سے حتی الوسع بہترین کام لیا جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ کاشتکار بجائے سیلوں کے گھوڑوں سے مدد لے۔ خواہ گھوڑوں کے اخراجات زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ بہر حال یہ اس شرط پر کہ وہ کام زیادہ انجام دے۔ یہ ایک ایسا اصول کفایت ہے۔ جس کا اطلاق نہایت وسیع ہے۔ اگر آپ ایک آدمی کو ہنگی اُجرت پر مقرر کرتے ہیں۔ تو آپ کو یہ نہ چاہیئے کہ اُسے کام کیلئے ضروری سامان گھنٹا دیکے کا دیں۔ درآنحالیکہ اچھا سامان دینے سے

وہ کام بہتر اور زیادہ مقدار میں کر سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ ایک آدمی اجرت پر رکھیں تو اس کو ہنگاماً مان دینا فائدہ بخش نہ ہوگا۔ امریکہ میں محنت کی اجرت کا گراں ہونا اس بات کی قطعی وجہ ہے۔ کہ امریکہ کے مزرعوں میں گھوڑوں کی جگہ بیلوں سے کام لیا جانے لگا ہے۔ اور جنوبی یورپ میں محنت کی اجرت کا ارزاں ہونا اس بات کا قطعی ثبوت ہے۔ کہ بیلوں کو گھوڑوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

فرانس کے بعض حصوں میں بالخصوص شمال مشرقی حصے کے چقندر کے مزرعوں میں دیہاتی معاشیات کا جو نظام رائج ہے۔ بیل اس کیلئے خاص طور پر موزوں ہیں۔ بہت سے بیل عموماً سفید فونیائیس (Fonissais) نسل کے بیل ہر فصل بربیع کے دنوں میں خریدے جاتے ہیں۔ اور مزرعہ کے بھاری بھاری کاموں کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ جن میں چقندر کو کاٹنے پر لاؤ کر کا رخانہ میں بیچنا اور چقندر کے گودے کو واپس کا رخانے میں لانا بھی شامل ہے۔ جب یہ کام ختم ہو جائے تو بیلوں کو چقندر کا گودا اور گیہوں کا بھس ملا کر خوراک دیتے ہیں۔ اور موٹا کرتے ہیں۔ اور آئندہ سال کے کاموں کیلئے اور بیل خرید لئے جاتے ہیں۔

بیلوں سے کام لینے کی حمایت میں ایسی بات پر عموماً زور دیا گیا ہے کہ ایک ایسے جانور سے کام لینے میں جو کام کی میعاد ختم کر چکے کے بعد ذبح کیا جاسکتا ہے۔ بہت کفایت ہے۔ اس طریق عمل کے حق میں بیشک بہت کچھ کہا جاسکتا ہے خاص کر جب یہ اُس طریقے کی صورت اختیار کرے۔ جس پر فرانس کے چقندر اُگلنے والے کاشتکار کاربند ہیں۔ یہ طریق عمل بھی بہت سی خوبیاں رکھتا ہے۔ کہ تین سال کی عمر میں بیلوں سے کام لینا شروع کر دیا جائے۔ اور سات آٹھ سال کی عمر کے بعد انہیں ذبح کرتے کیلئے موٹا کیا جائے۔ لیکن جہاں بڑی بڑی منڈیاں ہیں اور گھوڑے کو چہ و بازار میں گاڑیوں کے آگے جوتنے کے کام آسکیں۔ وہاں بھی کاشتکار ایسی ہی کفایت کر سکتا ہے۔ وہ یوں کہ تین سال کی عمر میں گھوڑوں سے کام لینا شروع کرے۔ اور سات آٹھ سال کی عمر میں بلکہ دس سال کی عمر میں بھی اگر وہ تندرست و توانا

اور کام کرنے کے لائق ہیں۔ تو معقول داموں پر شہر کے گاڑیوں کے ہاتھ بیچ دے
 انی عمروں میں گھوڑے بچتے ہو جاتے ہیں۔ اور کوچہ و بازار کے مشکل کام کیلئے تیار ہو جا
 یں۔ شہر کے بازاروں میں کام کرنے سے گھوڑے اتنی جلدی نحیف و نزار ہو جاتے
 ہیں۔ کہ متوسط درجہ کا گھوڑا اگر آٹھ یا دس سال کی عمر میں شہر میں آئے تو اتنی ہی مدت
 زندہ رہتا ہے۔ جتنی مدت وہ اس صورت میں زندہ رہتا کہ چار پانچ سال کی عمر میں
 شہر آتا۔ دوسرے الفاظ میں عمر کے تقاضے سے اُس پر کھولت طاری نہیں ہوتی
 بلکہ شہروں کی کٹی ہوئی سڑکوں سے اور بوجھ کی کثرت سے۔ اور آئے دن کے زخموں سے
 بیچارہ دونوں میں بوڑھا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پکی عمر کا گھوڑا اگر صبح و تندرست ہو تو
 یہ نسبت ایک چھوٹی عمر کے گھوڑے کے شہر کے بازاروں میں گاڑیاں چلانے کیلئے
 بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اور زیادہ قیمت پاتا ہے۔ اس لئے کاشتکار اگر چاہے تو اپنے
 گھوڑوں سے اُس وقت تک کام لے سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ پکی عمر نہ حاصل کریں
 اس کے بعد وہ اُن کو اچھی قیمت پر بیچ سکتا ہے۔ اس طرح وہ گھوڑوں سے کام لے
 وہی کفایت کر سکتا ہے۔ جو وہ بیلوں سے کام لیکر کر سکتا تھا۔ تاہم ایک بڑا نقصان ہے
 جس سے کوئی مفر نہیں۔ وہ یہ کہ اگر گھوڑا بیمار اور بیمار ہو جائے۔ خاص کر اگر اُس کے پاؤں میں
 کوئی نقص واقع ہو جائے۔ تو اس کی قیمت سرے سے کچھ نہیں رہتی۔ برخلاف اس کے
 اگر بیل اس کی جگہ ہوتا تو پھر بھی اُس کا گوشت کچھ قیمت رکھتا۔ جب تک گھوڑے کا
 گوشت کھانے کا رواج عام نہیں ہوتا۔ اس وقت تک گھوڑوں سے کام لینے والے
 کو نقصان ضرور ہوا کریگا۔

چٹھیں۔ گھوڑے اور چٹھ کے درمیان یا اختیار طاقت کے جو فرق معاشیاتی نقطہ نگاہ سے
 ہیں۔ وہ اتنے زیادہ نہیں جو گھوڑے اور بیل کے درمیان ہیں۔ گھوڑا چٹھ سے بڑا جانور
 ہے۔ اور بالعموم قوت و قامت اور وزن کی بدولت ذرا سے جھٹکے سے بہت طاقت کا
 کام کر سکتا ہے۔ اگر فی پونڈ کا حساب کیا جائے۔ تو چٹھ گھوڑے سے کم زور و ثبات
 نہیں ہوتی۔ مگر یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ وہ اُس سے زیادہ زور آور ہے۔ چٹھ کی زبردست

وقت کے متعلق بعض اوقات مبالغہ آمیز رائیں پیش کی جاتی ہیں۔ تاہم یہ رائیں عملی فائدے کی کسوٹی پر رکھنے سے ناقص ثابت ہوگی ہیں۔ بہر حال ایک بات ہے کہ پختہ میں قوت برداشت زیادہ ہے۔ اگر کوئی ایسا کام ہو جس میں ثابت قدمی کی ضرورت ہو مثلاً ہل چلانا۔ جس میں جھٹکوں سے کام نہیں چلنا۔ بلکہ گھٹنوں تک متواتر مشقت کرنی پڑتی ہے۔ تو ایسے کام میں پختہ اپنے قد و قامت کے بموجب زیادہ کام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ وہ گھوڑے کی یہ نسبت سادہ خوراک پر بھی گزر کر سکتی ہے۔ گو اس بارہ میں ان دونوں میں جو فرق ہے۔ وہ انشائیہ نہیں۔ جتنا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ فی پونڈ کے حساب سے وہ اتنی ہی غذا چاہتی ہے جتنی کہ گھوڑا سوکھی گھاس کھائی جائے۔ تو وہ زیادہ غذا چاہتی ہے۔ اور اگر وہ کھلایا جائے تو نسبتاً کم۔ لیکن یہ بات ہر صورت میں باعث کفایت نہیں ہوتی۔ یہ فرض کر لینا یقیناً ایک غلطی ہے کہ جس طرح گھوڑا اچھی خوراک کھا کر زیادہ کام کر لے۔ اس طرح پختہ نہیں کرتی۔ اگر اس کو اچھی غذا دی جائے۔ تو یقیناً زیادہ کام کر لے گی۔ مزید برآں پختہ اتنی جلدی گھبرا نہیں جاتی۔ اور نہ اتنی جلدی بھڑکتی ہے۔ اگر اس سے گھٹن کام لیا جائے اور ناہریان کا سلوک کیا جائے۔ تو گھوڑے کی طرح کڑھ کڑھ کر اپنے تن بدن کو نہیں جلاتی۔ آخری بات یہ ہے کہ شدید گرمی کو پختہ گھوڑے کی یہ نسبت زیادہ برداشت کر سکتی ہے۔ اخیر میں جو دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان کی بنا پر جنوب کے کپاس اور نیشکر کے مزارعوں میں پختہ کو قطعی طور پر برتری حاصل ہے۔ کیونکہ وہی کام زیادہ تر جوشی غلام کرتے ہیں۔ اور گرمی شدت کی پڑتی ہے۔

دوسری طرف یہ بات ہے کہ گھوڑے کی جنائی پر قدرے کم خرچ آتا ہے۔ اگر نرگدھے اور گھوڑی کو جفت کیا جائے۔ تو اس سے بہ نسبت گھوڑی اور نرگھوڑے کے جفت کرنے کے فیصدی کم تولید ہوتی ہے۔ مزید بریں بچپن کے ابتدائی زمانے میں جب تک پختہ کے بچھڑے کے ہاتھ پاؤں نہیں کھلتے۔ وہ بہت جلد بیمار پڑ جاتا ہے گو بعد وہ گھوڑے کے بچھڑے سے زیادہ چاق چوبند ہوتا ہے۔ گھوڑے کو

ایک اور برتری حاصل ہے۔ خاص کر شمالی شہروں میں وہ یہ کہ اس کا قد و قامت خچر سے بڑا ہوتا ہے۔ اور وہ گٹھی ہوئی سرکوں پر اُس سے زیادہ بھاری بھاری بوجھ کھینچ کرے جاسکتا ہے۔ مزید بریں جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ اُس کے ٹم خچر کے سموں کی یہ نسبت پکلی مڑوں پر کم گھٹتے ہیں۔ گھوڑے کے برتر ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے۔ کہ شمالی شہر کے لوگ یہ نسبت خچر کے گھوڑے سے زیادہ مانوس ہیں۔ اور اس لئے گھوڑا خریدنے کو خچر پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بات اُس کاشتکار کیلئے جو اپنے پکلی عمر کے جانوروں کو شہر کے لوگوں کے ہاتھ بیچنا چاہتا ہو بڑی اہم بات ہے۔ بہر حال جنوب میں خچروں کی جو منڈی ہے۔ وہ کسی حد تک یہ کر لوری کر دیتی ہے۔ لیکن اگر یہ ضرورت ہوتی کہ جتنے گھوڑے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اتنی ہی خچرں پیدا کی جاتیں۔ تو اس منڈی میں طلب سے زیادہ رسد ہو جاتی اور خچر میں وہاں اتنی قیمت نہ پاتیں۔ اگر گھوڑوں کی بکری اتنی زیادہ نہ ہوتی تو ظاہر بات ہے کہ خچروں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوتا۔ خاص کر ریاستہائے متحدہ کے مرکزی علاقوں کے اُن مزرعوں میں جہاں بھوسہ اور دانہ کی پیداوار کی جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ خچر اپنی بڑ و باری اور قوت برداشت کی بدولت کھیتی باڑی کے کام کیلئے بھی موزوں جانور ہے۔

قوت میکانی (Mechanical Power) جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے جہاں کہیں قوت ساکن کی ضرورت ہو۔ وہاں میکانی قوت بلا شک و شبہ قوت حیوانی سے زیادہ کفایت کا باعث اور کارآمد ہے۔ نقل و حمل کیلئے بھی میکانی قوت کا استعمال روز بروز زیادہ ہونا جارہا ہے۔ اور فیثنا زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن یہ بات مشکوک ہے کہ وہ کسی دن مکمل طور پر قوت حیوانی کی جگہ لے لے گی۔ جہاں جہاں عمدہ سرکاری بنی ہوئی ہیں۔ وہاں وہاں قوت میکانی قوت حیوانی کے متغایے ہیں اور تو اور نقل و حمل کیلئے بھی زیادہ مفید ثابت ہو رہی ہے اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ ایک دن ایسا ہوگا کہ ہمارے شہروں کی سرکوں اور بازاروں میں جانوروں کی بجائے مشینیں گاڑیاں کھینچ کر لیجانے کیلئے استعمال کی جائیں گی۔ بڑے بڑے کھیتوں میں ہل چلانے کے کام میں مشینیں اپنی فوقیت ثابت کر چکی ہیں اور اس کا بہت امکان ہے کہ جوں جوں انجن ترقی کریں گے۔ ان کو زیادہ قبولیت حاصل ہوگی۔ لیکن وہ دن ابھی غالباً

دور رہے کہ یہ مکمل طور پر قوت حیوانی کی جگہ لے لیں گی۔ مغرب بعیدہ میں فصل کاٹنے کیلئے جو بڑی بڑی مشینیں استعمال کی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر کو میکانیکی قوت سے چلا کر دیکھا گیا ہے۔ لیکن یہ تجربہ تمام صورتوں میں کامیاب نہیں ثابت ہوا۔ اس لئے میکانیکی قوت کے استعمال کو قبولیت عامہ حاصل نہیں ہوگی۔ ان دونوں ایک نئی ترکیب کی آزمائش کی جا رہی ہے۔ وہ یہ کہ فصل کاٹنے والی کل کے وزن کو تو گھوڑے کھینچتے ہیں اور مشینری کو بھاپ کے یا گیسولین (عینہ مہمہ) کے انجن چلاتے ہیں۔ اس کی تشریح یوں کیجئے کہ ایک ساکن انجن ہے جو مشینری کو چلاتا ہے اور کھینچنے کی طاقت گھوڑوں کی ہوتی ہے۔ اگر مشین کو اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ پیوں کے اوپر ایک بوجھ لدا ہوا ہے۔ تو اٹھ گھوڑے پوری مشین کو کھینچ کر لے جاسکتے ہیں۔ لیکن اگر کھینچنے کے ساتھ مشینری کو چلانا بھی ہوتو تین گھوڑے درکار ہوں گے۔

ایک مزرعہ میں ساکن مشینری چلانے کیلئے پانی کی قوت اگر میسر آجائے تو اس سے زیادہ باکفایت کوئی چیز نہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ایسے مزرعے بہت کم جگہ میسر آتے ہیں۔ پون چٹکی کی قوت استعمال کی جائے۔ تو وہ بھی اتنی ہی باکفایت ثابت ہوتی ہے اور اس کا استعمال تقریباً ہر جگہ اور ہر مزرعہ میں لیا جاسکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ فقط محدود چند کاموں کیلئے کمزور و مناسب ہے۔ مثلاً پانی کھینچنا۔ آنا پسنا اور وہ بہ کام ہیں کہ ان کا کوئی وقت معین نہیں۔ جہاں مزدور ہنسکی اجرت پر ملتے ہیں۔ وہاں ایسے کاموں میں جو محنت اور قوت دونوں چاہتے ہیں۔ ہوا جیسے وسیلہ قوت کا استعمال جس کا کوئی اعتبار نہیں اور جس پر کوئی قابو نہیں چلتا۔ بالکل کفایت کے منافی ہے۔ خواہ مخواہ کے جھپیلے ہونگے۔ کام میں بات بات پر خلل پڑیگا۔ اور کئی کئی دن تک کام رکا رکھ کرے گا۔ اور ایک طرف بھاپ کے انجن (عینہ مہمہ) کے انجن ہوں اور دوسری طرف قوت ساکن کے لئے اشتعال پذیر انجن ہوں۔ اور ان میں انتخاب کرنا ہو۔ تو انتخاب کا اختصار متعدد حالات و اوقات پر ہوگا۔ ایک شیرخانہ میں گرم پانی کی کافی مقدار کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے جس بائیلر سے پانی گرم کیا جاتا ہے اسی سے انجن کو چلایا جاسکتا ہے۔ اس لئے شیرخانہ میں بھاپ کی

قوت یقینی طور پر زیادہ بالقافیت ہے۔ اسی طرح جہاں کوئلے کو دو تک نہ لیجنا پڑتا ہو اور اس کا
 خرچ بھی زیادہ نہ آتا ہو۔ اور جہاں قوت کی کافی مقدار کافی مدت کیلئے درکار ہو۔ وہاں بھی
 بھاپ کو دوسری چیزوں پر ترجیح دینی چاہیئے۔ لیکن اگر کسی جگہ قوت کی تقویری سہی مقدار
 درکار ہو۔ یا انجن کا ہر وقت دھیمان رکھنا خواہ مخواہ کی تکلیف کا باعث ہو۔ تو صریح طور
 پر ایسی جگہ استعمال پذیر انجن کا استعمال فوقیت رکھتا ہے۔ استعمال پذیر انجن میں
 خوبی یہ ہوتی ہے۔ کہ اُسے بہت جلد استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ اور جب وہ چل رہا ہو۔ تو اتنی زیادہ
 توجہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

مستقبل کے واقعات کے متعلق پیشین گوئی یقین سے نہیں کی جاسکتی۔ کس کو
 معلوم ہوتا ہے کہ کون کونسی نئی ایجادات یا اصلاحات اس اثنائے ہونگی۔ جن سے حالات
 کا تمام نقشہ بدل جائیگا۔ لیکن جہاں تک موجودہ آثار ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا
 ہے کہ آئندہ مزرعوں میں میکائی قوت کا استعمال زیادہ ہو جائیگا۔ اور حیوانی قوت کا قدرے
 کم۔ مزید براں یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ایک دن پیداوار کو بازار پر باندھ رکھا ہوں میں
 لے جانے کا کام تمام کا تمام میکائی قوت کے ذریعے کیا جائیگا کہ یہ بات کسی حد تک ہمارے
 کی درستی پر منحصر ہے۔ جب خود چلنے والے ٹھیلے عام استعمال ہونے لگے تو جس کا شکار
 کے بہاں اپنے مزرعہ ہی میں گھوڑوں کیلئے کافی کام ہو۔ وہ ہرگز یہ نہیں کرے گا کہ
 سڑک پر بھی گھوڑوں ہی سے کام لے یا اس غرض کیلئے اور گھوڑے خریدے۔ اگر کاشتکار
 کے پاس اپنا ذاتی ٹھیلہ نہ ہوگا۔ تو وہ اسی میں کفایت دیکھے گا کہ کسی شخص سے جس کے پاس
 ٹھیلہ ہو کر ایہ پرے لے۔ اور بوجھ لاوے گا کام اس شخص کے ذمے کر دے۔ جیسے کہ آجکل
 بجائے اس کے کہ وہ خود اپنی اجناس بازار اٹھا کر لے جایا کرے۔ وہ ریلوں کے ذریعے نہیں
 جہاز پر بھیجتا ہے۔ لیکن اگر کاشتکار دیکھے کہ اُسے جتنے گھوڑے مزرعہ میں فصل کٹنے کے
 بعد درکار ہیں۔ اُس سے زیادہ گھوڑے رکھنے پر وہ مجبور رہے تو پھر اُس صورت میں اُس
 کیلئے یہ باعث کفایت ہوگا کہ خود اپنے گھوڑوں سے اپنا سامان اٹھا کر منڈی میں لے جائے
 یہ تو سامان اٹھا کر منڈی لے جانے کا حال تھا۔ ہل چلانے کے جو بھاری بھاری کام ہونگے

بہت کم خرچ ہوتا ہے۔ یعنی جو خوراک جانور اور مویشی خاص کر بھیڑیں اور بکریاں کھاتی ہیں۔ اُس کا بہت سا حصہ جو زمین کی زرخیزی کیلئے قدر و قیمت رکھتا ہے۔ کھاد کی صورت میں زمین کا زمین ہی پر رہ جاتا ہے۔ دوسرے جانور خاص کر بھیڑ بکریاں بعض گھاس پات کی بعض ضرر رساں اقسام اور مضر پودوں کو جن سے کاشتکار کو متواتر جنگ کرنی پڑتی ہے۔ پسند کرتے ہیں۔ اس طور پر وہ ان چیزوں کے قلع و قمع میں اس کی زیر دست معاون ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی وہ کھیت کو عصارہ رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ اس کام میں مرغیاں بھی بہت مقوی مدد دیتی ہیں۔ وہ نہ صرف گھاس پات سے جنگ کرتی ہیں۔ بلکہ کیرڈوں مکوڑوں سے بھی۔ جو لوگ مغرب وسطیٰ کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن کو اس قسم کی باتیں دیکھنے کا موقع مل ہوگا۔ مثلاً جس سال ٹڈی دل امنڈ کر آجائے اور چراگا ہوں کا نقصان ہو رہا ہو۔ تو ایک قسم کا کاشتکار اس بلا سے محفوظ رہتا ہے۔ یعنی وہ کاشتکار جس کی چراگا ہوں میں نیل مرغوں کا ایک چھوٹا موجود ہو۔ جو ہر طرف ٹڈیوں کا صفایا کرتے پھریں۔ ہمارے یہاں جو لوگ بھل دار درختوں کے باغ لگاتے ہیں۔ اُنہوں نے اب تک شاید اس بات کو نہیں سمجھا۔ کہ مرغیاں انہیں کیرڈوں مکوڑوں کے دل بادل سے محفوظ رکھنے میں کتنی مدد دیتی ہیں۔ اور اُنہیں کس حد تک تباہی سے بچاتی ہیں۔

اگر مال مویشی کاشتکار اور مزرعہ دونوں کیلئے مفید ہیں۔ تو اس کی سب سے پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ اگر جانور موجود ہوں تو ہر وقت ان کی خبر گیری کرنی پڑتی ہے۔ اور اس طور پر کاشتکار میں "جزرسی"۔ کفایت شعاری۔ اور دور اندیشی کی عادتیں راسخ ہو جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے مویشی کاشتکار کو ان خوبیوں کی تعلیم دینے کا ایک ذریعہ ہے جو ایک اچھے کاشتکار کے لوازم میں سے ہیں۔ جو کاشتکار اپنا سارا بھوسہ دلتے اور گھاس فروخت کر دے اور جس کو کوئی ایسا متواتر کام نہ ہو۔ کہ ایک جنس کی فروخت اور دوسرے جنس کے بونے کے درمیانی وقفہ میں جب وہ بالکل فارغ ہوتا ہے۔ خود کو مصروف رکھ سکے۔ ایسا کاشتکار عموماً زیاں کاری اور تھوڑا تھوڑا

دھڑک رہے کی عادتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر جانوروں کے محلے اُس کے پاس ہوں تو وہ ہر وقت ہوشیار اور خبردار رہتا ہے۔ ایک اور بات بھی ہے۔ جانوروں سے انسان کو یہ نسبت پودوں کے زیادہ اُس ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مدارج حیات میں جانوروں کا درجہ نسبتاً اعلیٰ ہے۔ اور وہ انسان سے ایک ذریعہ قریب نہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر جانوروں سے کاشتکار کو زیادہ محبت ہو جاتی ہے۔ اگر یہ بات ہو جائے کہ اُسے جانوروں سے صرف اسلئے محبت نہ ہو کہ وہ اس کی آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ جانور ہیں۔ تو پھر انکی خبر گیری اور حفاظت کرنے کے وہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس امر کی بدولت وہ ہر اعتبار سے ہوشیار اور محنتی آدمی بن جاتا ہے۔ بہر حال بعض استثنائی حالات میں یہ افسوسناک نتیجہ ہوتا ہے کہ کاشتکار اپنے جانوروں پر زیادہ محبت اور توجہ صرف کرنے لگتا ہے اور اپنے خاندان کو بھول جاتا ہے۔

یہ امر کہ اچھی مال زراعت مال مویشی کی پرورش کی صنعت کیلئے لازمی ہے۔ تاریخی طور پر اس امر سے ظاہر ہے۔ کہ جب تک تبتیا گھاس اور زمینی پیداوار کی کاشت انگلستان میں شروع نہیں ہوئی۔ اور وہ اعلیٰ قسم کی کاشتکاری جو اس کا نتیجہ تھی جب تک اُس کا آغاز نہیں ہوا۔ اُس وقت تک انگلستان میں مال مویشی کی جدید نسلوں کی تربیت کا کام برٹس پیمانے پر شروع نہیں ہوا۔ جب مذکورہ بالا چیزیں پیدا ہونے لگیں تو جانوروں کی نسل افزائی بھی ہونے لگی۔ وجہ یہ تھی کہ ان چیزوں نے اتنی مقدار میں جانوروں کی خوراک جیتا کی۔ کہ بھیروں کے گلے اور مویشیوں کے ریوڑ اس کو کھا کر سارا سال اچھی طرح پل سکتے تھے۔ تاہم امریکہ میں اب تک یہ اصول عام طور پر سمجھا نہیں گیا۔ کیونکہ یہاں ہر وقت ایک ایسا سرحدی علاقہ موجود رہا ہے۔ جہاں جانوروں کی وسیع میدانی علاقوں میں تھوڑے خرچ پر پل سکتے تھے۔ جب ان میدانی علاقوں کا چارہ ختم ہو جائے گا اور ہمیں اپنے مزارعوں میں مویشیوں کی پرورش کرنا پڑے گی۔ تو یہ بات ضروری ہو جائیگی کہ ہم اپنے جانوروں کی تربیت کے مخصوص طریقے میں اصلاح کریں۔ اور بالخصوص چراگا میں جن میں سب سے زیادہ اصلاح کی گنجائش ہے اُن کا انتظام ہمیں کیسے کرنا پڑے گا۔

نئے اور بہتر جانوروں کے کھانے کے پودے مثلاً الفا فاجب اگنے لگے تو امید ہے کہ
ہمارے مال مریشیوں کی پرورش کی صنعت پر نہایت گہرا اثر ہوگا۔ بھیرٹوں کی پرورش
کرنے کا کام ایک ایسی جماعت کیلئے ایک غیر ممکن الوقوع امر ہے۔ جس کی اخلاقی اور دینی
حالت یہ ہو کہ معمولی لینڈی کتے ہزاروں کی تعداد میں پالے جائیں۔ اور وہ کاشتکاروں
کے گھلوں کا ستیاناس کیا کریں۔

آلات۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس سوال کا حل کہ کس قسم کے آلات اوزار
وغیرہ اور کس مقدار میں استعمال کرنے چاہئیں۔ ایک حد تک مزرعہ کے قبضہ پر منحصر ہے
کسی حد تک یہ جماعت کی اجتماعی اور معاشیاتی حالت پر بھی منحصر ہے۔ مثلاً اس امر پر کہ
کس قسم کے مزدور دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اور خاص کر اس بات پر کہ مزدوروں کی اجرت
کیا ہے۔ ایک مشین فی واقعہ محنت بچانے کی ترکیب ہے۔ اب آپ کو اس سے فائدہ
ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ منحصر ہے۔ اس بات پر کہ جو محنت اس مشین کے ذریعے سے بچتی ہے آیا
اس کے مصارف کم ہیں یا مشین کے مصارف کم۔ اگر محنت کی اجرت مشین کے مصارف کم ہو
تو صریح طور پر مشین کا استعمال کرنا نفع بخش ہے۔ زراعتی گھلوں کا بافراط استعمال بہترین
ذریعہ کفایت نہیں۔ اسلئے کلیں زیادہ تعداد میں وہیں استعمال کی جاتی ہیں۔ جہاں مزدور دھچی
اجرت زیادہ ہو۔ اور وہ کیاب ہوں۔ پھر ایک بات اور مشینوں کے وسیع استعمال کیلئے
ان مزدوروں سے جو صرف توت جمانی کے کام کر سکتے ہیں۔ بہت بہتر مزدور درکار ہوتے
ہیں۔ وہ بہتر کس حیثیت سے ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ذہنی اعتبار سے بھی اور
اخلاقی اعتبار سے بھی؛ لیکن اخلاقی اعتبار سے خاص طور پر زیادہ۔ یعنی ان کو زیادہ مستقل مزاج
اور ثابت قدم قابل اعتبار اور حاضر دماغ ہونا چاہیے۔

عملا ریش۔ عام مزدوروں میں توت کے پے فائدہ ضائع ہو جانے کے برعکس وجود میں ایک
درجہ بھی ہے۔ کہ اچھی عمارتیں بہت کم ملتی ہیں۔ اور جو موجود ہیں۔ ان کی ترتیب اچھی نہیں۔
ایک نئے ملک کے کاشتکاروں کو یہ الزام دینا بہت آسان ہے۔ کہ ان کے طور طریقے
بے سلیقہ اور بے ڈھنگے ہیں۔ یا یہ کہ جب وہ اپنی مشینوں اور آلات سے کام نہیں لیتے

توان کو باہر کھلا پڑا رہنے دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان کو یہ سمجھانے کی کوشش کریں کہ اپنے آلات اور مشینوں کی حفاظت کیلئے عمارتیں بنا کر وہ کس طرح اور کس قدر روپیہ بچا سکتے ہیں۔ تو یہ بہت مشکل ہے۔ کہ وہ آپ کی بات سمجھیں۔ اور اس پر عمل کریں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ ایک نئے ملک میں عمارت کا مصالحہ اور جو محنت اس پر صرف ہوتی ہے دو نو چیزیں ہنگامی پڑتی ہیں۔ اصل کا اشتکاروں کے پاس ہونا نہیں۔ اور شرح سود ہوتی ہے۔ بہت زیادہ۔ پھر آلات چاہے محفوظ جگہ ہی کیوں نہ رکھے جائیں۔ تاہم بڑی جلدی خراب ہو جاتی ہے۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے اگر اشتکار عمارتیں نہ بنائیں تو وہ غنی بن جائیں۔ اور یہ اچھی عمارتوں کے نہ ہونے کی ایک معقول وجہ ہے۔ تاہم ایک پرانے ملک میں یہ مشکلات پیش نہیں آئیں۔ ان کا حل ملکوں پہلے ہو چکتا ہے۔ اور ایسے ملکوں میں اشتکاروں پر لا پرواہی اور غفلت کا الزام نہیں دھرا جاتا۔

ایک نئے ملک میں اچھی عمارتوں کا فقدان ایک ایسا امر ہے جس کی توجہ آسان ہے۔ لیکن اس امر کی تشریح مشکل ہے کہ عمارتیں تو موجود ہوں۔ لیکن ان کی ترتیب ایسی خراب ہو کہ گھر کا کام دھنڈا جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اس کی بدولت پہلے سے بھی زیادہ بکھیرا بن جائے۔ یہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ کہ ہم سر دست اس پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتے۔ مصنف کو اول تو اس کے متعلق پورا پورا علم نہیں، اور ہوتا بھی تو کیا تھا۔ یہاں اس پر بحث کرنے کی گنجائش ہی نہیں تاہم مختلف ملکوں میں جو مکالموں کی تقسیم تربیت کے طریقے نظر آتے ہیں۔ ان کا اجمالی تذکرہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ ان ترتیب کے طریقوں میں ایک نہایت دلچسپ طریقہ وہ ہے۔ جو شمالی فرانس میں بالخصوص نارمنڈی (Normandy) اور پیکارڈی (Picardy) میں پایا جاتا ہے۔ وہ یوں ہے کہ مزرعہ کی تمام عمارتیں اشتکار کے سکونتی مکان سمیت ایک صحن یا چوک کے گردا گرد بنائی جاتی ہیں۔ اور سب کا ٹہر اندر کی طرف ہوتا ہے۔ یہ اندر کا چوک مکان کے آئینہ۔ کھلیان کے سامنے صحن۔ اور مرغیوں کے پھرنے کی جگہ ان سب چیزوں کا کام دیتا ہے۔ اسی زمانے بھر کی چیز بہت بھری جاتی ہے۔ اور اصل بل۔ گاڑی خانہ۔ اوزار خانہ۔ اناج

گودام سب کا دروازہ اس چوک ہی کی طرف کھلتا ہے۔ پھر اسی چوک میں کھاد کا ڈھیر یعنی کوڑی بھی ہوتی ہے۔ جس کے بغیر ان لوگوں کا گزارہ نہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ انتظام کافی آرام دہ ہے۔ لیکن سکونت مکان کا ہرہ مارا جاتا ہے۔ بالینڈ میں یہ دستور ہے۔ کہ ایک ہی عمارت میں دنیا جہان کی چیزیں ہوتی ہیں۔ سامنے سکونت مکان۔ پچھوارے میں اصطبل اور وسط میں سوکھی گھاس کی کوٹھڑی اور غلہ کا کھتہ۔ بالینڈ کے لوگ صاف ستھرے رہنے میں مشہور ہیں۔ لیکن یہ خوب انتظام انہوں نے کر رکھا ہے۔ اٹلی کے بعض حصوں میں کہیں کہیں ایسی عمارتیں نظر آتی ہیں۔ کہ کافی بڑی کشادہ ہوتی ہیں۔ پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ اور چھت کچھیل کی ہوتی ہے۔ نیچے کی منزل کی فرش سے اصطبل۔ اناج گودام وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ اور اوپر کی منزلیں رہنے کے کام آتی ہیں۔ نیوا انگلینڈ میں ایک خاص دستور ہے جس سے بہت لوگ واقف نہیں۔ وہ یہ کہ کھلیاں اور سکونت مکان دونوں ملحق ہوتے ہیں۔ اور ان کی درمیانی کڑی یہ چیزیں ہوتی ہیں۔ کاٹھ کباڑ کی کوٹھڑی۔ اوزار خانہ یا گاڑی خانہ۔ یہ انتظام آرام دہ بھی ہے اور پاکفایت بھی۔ اگر بہت سی غیر متعلق عمارتیں ہوتیں تو اتنے مختصرے مصارف کے بدلے اتنی زیادہ جگہ نہ ملتی۔ پھر یہ فائدہ بھی ہے۔ کہ آدمی سکونت مکان سے کھلیاں تک چھت کے نیچے نیچے جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں اس سے صفائی کی عادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ گھر کے اس قدر قریب کھلیاں ہیں اگر چیزیں گل سر رہی ہوں۔ تو بدبو سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور آدمی اس کے دور کرنے کا انتظام کرتا ہے۔

نگرانی اور بندوبست کے مسائل۔ نگرانی اور بندوبست کے مسائل سے ایک ایسے مختصر رسالہ میں مفصل بحث نہیں ہو سکتی۔ بغیر ذاتی تجربہ اور تعلیم کے کوئی شخص مزرعہ کے روزمرہ کے کام کا اہتمام نہیں کر سکتا۔ اور جتنے کاروبار اس ہیلنے پر ہوتے ہیں۔ ان میں غالباً کوئی ایسا نہیں جس کے منہج کو اس قدر غور و تدبر۔ قوت فیصلہ۔ مستعدی اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہو۔ زراعت کا کام چونکہ موسم موسم کے مطابق بدق رہتا ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ ساتھ ہر وقت نئی نئی تجربیں سوچنی پڑتی ہیں۔

اور نئی نئی مشکلات حل کرنی پڑتی ہیں۔ ایک بات بتا کید کہہ دینی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ عہدہ طریقے سے حساب کتاب رکھنا بندوبست کے کام میں کلید کا میابی ہے۔ چاہے وہ بندوبست مزرعہ کا ہو یا مال گودام کا یا کارخانے کا یا کسی باربرداری کی کمپنی کا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے تسلیم کرنے میں کاشتکاروں نےوروں سے زیادہ سستی سے کام لیا ہے۔ باقاعدہ حساب کتاب رکھنے کے معنی نقطہ یہی نہیں کہ نقد رقوم یا خرچ اور آمدنی کا بھی کھاتا رکھا جائے۔ اس سے مراد ہے ایسا حساب کتاب جس کی مدد سے کاشتکار سال کے اختتام پر یہ معلوم کر سکے کہ مختلف قسم کے کاموں پر اس کے مصارف کیا ہوئے ہیں۔ اور ان سے آمدنی کیا ہوئی ہے۔ صرف یہ ایک ذریعہ ہے جس سے وہ اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ نقصان کس کس بات میں ہوا ہے۔ اور فائدہ کس کس بات میں۔ اگر اس کو یہ بات معلوم نہ ہو تو وہ تباہ کن غلطیوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ ایک جنس سے اُسے جتنی آمدنی ہوئی ہے۔ وہ سب کسی دوسری جنس کے اُگلانے میں ڈبو دے،

سائنٹیفک انتظام۔ مٹی کے علاقہ میں ہر کاشتکار یہ جانتا ہے کہ مٹی کے اوپر کا پردہ الگ کر کے سیدھے سادے عمل کو کن کن طریقوں سے ایک یا ضابطہ عمل بنایا جاسکتا ہے۔ اس فن کے جتنے ماہر ہیں۔ ان کا طریقہ جدا جدا ہے لیکن ان سب کی خوبی یہ ہے کہ ایک پھٹے کا چھٹکا الگ کرنے اور چھٹکڑوں پر لادنے کیلئے ہاتھ پاؤں ہلانے کی جتنی کم ممکن ہو ضرورت پڑے۔ اگلے ریلے میں جب مٹی کی پولیاں ہاتھوں سے باندھی جاتی ہیں۔ تو ہر ماہر فن پولیاں باندھنے والے کا مرغوب طریقہ علیحدہ علیحدہ تھا۔ لیکن اُنکی مشترکہ خوبی یہ تھی کہ پونی کے بارے میں جو جسمانی حرکات درکار ہوتی ہیں۔ ان کی کمترین تعداد سے کام چلتا تھا۔ اس قسم کی مثالوں سے ہمیں مزرعے کے انتظام کی باقاعدہ و باضابطہ تعلیم کی ایک بنیاد ملے گی۔ آتی ہے۔ گھوڑے کو ساز سجتا۔ گاڑی میں جوتھا اور کھولتا۔ اور ساز و سامان اتارنا غلہ اور سوکھی گھاس کا اٹھا ڈالنا۔ مزرعے کی عمارتوں کی ضرورتوں کے مطابق تقسیم

و تفریت اور ایک کام کو چھوڑ کر دوسرا شروع کرنا۔ یہ جتنے امور ہیں۔ ان سب کا حل اس صورت سے ہو سکتا ہے۔ کہ مزرعہ کے انتظام کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی جائے میجر کے سامنے ہمیشہ یہ سوال ہونا چاہیے۔ کہ جسمانی حرکات کی تعداد کو کمترین مقدار تک گھٹایا جائے۔ اور ہر کام میں ایک ایک لمحہ کی بچت کی جائے۔ طالب علم کیلئے یہ ایک نہایت بسیط موضوع اور ایک مزرعہ کے میجر کیلئے اپنی فراست اور ذلت کمال نمائی اور وقت بینی دکھانے کا وسیع میدان ہے۔ ہر وہ طریقہ کفایت جس سے محنت اور قوت جسمانی کی بچت ہو اُس کو ہمارے ملک کو دوسرے تمام ملکوں سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں اُجرتیں اور سب جگہ سے زیادہ ہیں۔

خرید و فروخت کے مسائل۔ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کہ جب کاشتکاری ایک قایم بالذات صنعت کے درجے سے گزر کر ایک تجارتی کاروبار کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ تو اس کے پہلو بہ پہلو خرید و فروخت کا مسئلہ اہمیت میں ترقی کرتا ہے۔ اور اسی طرح جب کاشت بازار کے رائج الوقت اجناس کے درجے سے گذر کر خاص خاص اجناس کے درجے تک پہنچتی ہے۔ تو یہ مسئلہ اور بھی زیادہ اہمیت حاصل کرتا ہے۔ علاوہ اس بنیادی مسئلے کے جو خریدار کو درپیش ہوتا ہے۔ یعنی کیا چیز خریدنی چاہیے؟ تین مسائل ایسے ہیں جو عمومی اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں۔ کس سے خریدنا چاہیے۔ کس طور پر خریدنا چاہیے۔ اور کس چیز سے خریدنا چاہیے؟

بچو لیا۔ ان میں سے جو پہلا مسئلہ ہے۔ اس کے مطالعہ کے لئے ملک کی تجارت سے واقفیت رکھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مسئلہ فی الاصل یہ ہے۔ کہ کیا بچو لیوں یعنی درمیانی اشخاص سے خریدنا چاہیے یا سیدھا پیدا کنندوں سے۔ بچو لئے کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ دونوں کو تکلیف سے بچائے اگرچہ پیدا کنندہ اپنی چیز کیلئے صرف کنندہ کی تلاش میں پھرے تو اس کا کچھ وقت خرچ ہوگا

لے جو کئی کی مدد کے بغیر اپنے آپ قائم نہیں کی تدر ہو۔ Middle man یعنی وہ ذوال بوجھ و کٹارے جس نے خرید کر بازار میں بیچے اور اس طرح پیدا کنندہ کو کٹا کر اور صرف کنندہ دھریاں کے درمیان وسیلہ بنے ہو

یہ وقت اس کو اپنے پیدا آوری کے کام میں سے نکالنا پڑیگا۔ اور اس طرح وہ اتنی مقدار پیدا نہ کر سکے گا جتنی وہ اس تفتیح اوقات کے نہ ہونے کی صورت میں کرتا۔ بچو لیا اس کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہے۔ اور اس کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنا سارا وقت پیدائش کے کام میں لگا سکے۔ اس لئے وہ ایک نہایت گرانقدر خدمت انجام دیتا ہے۔ اس لئے اس کا رویا میں کسی قدر منافع کا حقدار ہے۔ ایسی ہی خدمت وہ صرف کنندہ کرتا ہے۔ جب تک کہ بچو لئے کا نفع صرف اس قدر ہو کہ اس کی خدمات کا پورا صلہ ہو۔ اور اس سے زیادہ نہ ہو۔ اس وقت تک نہ کاٹتے کار اور نہ اجناس زرعی کا صرف کرنے والا شکایت کرنے کا حق رکھتا ہے۔ تاہم بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بازار کا انتظام ایسا ہوتا ہے۔ کہ بچو لئے کے لائق میں سب اختیار ہوتا ہے۔ اور صرف کنندہ اس کے قابو میں ہوتا ہے۔ سامان پیدا کنندہ کے قبضہ سے نکل کر صرف کنندہ کے قبضہ میں آتے آتے بازار کی تنظیم (organization) کی وجہ سے خاص خاص واسطوں یا وسیلوں سے گزر کر آتا ہے۔ ان کے علاوہ باقی تمام وسیلے بند ہوتے ہیں۔ وہ بچو لئے جو ان واسطوں کے محافظ ہوتے ہیں۔ چاہیں تو تمام سامان پر جو وہاں سے گزرے کافی چٹنگی محصول وصول کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی خرابیاں دور کرنے کیلئے یہ ضروری بات ہے کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان لین دین کے چٹنے واسطے ممکن ہوں کھلے رکھے جائیں دوسرے الفاظ میں بہتر بات یہ ہے کہ اُن کو براہ راست معاملہ کرنے کا موقع دیا جائے چاہے اُن کو اس سے فائدہ ہو یا نہ ہو لیکن چاہے کوئی ترکیب ایسی کیوں نہ کی جائے۔ جس سے پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان براہ راست خرید و فروخت کا سلسلہ قائم ہو جائے یہ بات قرین قیاس نہیں کہ بچو لیا قطعاً خارج از بحث ہو جائیگا۔ بچو لئے کی حیثیت ہمیشہ یہ رہیگی۔ کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کو تکلیف سے بچائے۔ تاہم اگر پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کو ہمیشہ آپس میں براہ راست معاملہ کرنے کا موقع مل جائے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ بچو لیا صرف اتنا نفع لے سکیگا۔ جتنا اُس کا حق خدمت ہو۔ اگر وہ یہ کوشش کرے کہ اپنے حق سے زیادہ مطالبہ کرے۔ یعنی اگر اس کے مطالبات اتنے زیادہ ہوں کہ پیدا کنندہ اور

صرف کنندہ اس کی وساطت کے بغیر آپس میں سودا کرنے سے فائدے میں رہتے تو پھر کیا ہے۔ دونوں فریق اس کو جواب دیدیں گے۔ لیکن اگر دونوں کو آپس میں راہ و رسم کا موقع نہ ملے اور وہ بچولے کی وساطت سے سودا کرنے پر مجبور ہو جائیں تو بچولے کو منہ مانگی مراد ملیگی۔ اور اپنی خدمات کی حقیقی قدر و قیمت سے زیادہ دلالی وصول کر لینگا۔

پارسلوں کی ڈاک۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ نہایت اہم بات ہے کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان براہ راست لین دین کے جو موقع ہمارے بڑے شہروں کی منڈیوں میں ملتے ہیں۔ وہ برقرار رکھے جائیں۔ اور اگر پارسلوں کی ڈاک کھول دی جائے تو یہ نہایت نفع بخش ہوگی۔ اگر اس دستور پر ٹھیک ٹھیک عملدرآمد کیا گیا۔ تو صرف کنندہ کے واسطے یہ بات ممکن ہو جائیگی۔ کہ ٹریفیاں۔ انڈسے اور دوسری ہلکی ہلکی چیزیں پیدا کنندہ سے بذریعہ ڈاک منگائے۔ اس کے معنی یہ نہ ہونگے کہ بیوپار کا معقول حصہ ڈاکخانہ کے ذریعے اٹھا پامیگا۔ تاہم اتنا ضرور ہوگا کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان روادار اور عوض و معاوضہ کا راستہ کھلا رہیگا۔ اور اس طرح بچولے صرف اتنا نفع لے سکیں گے۔ جتنا ان کا فی الاصل حق ہے۔

خریدنا کیونکر چاہیے؟ دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ خریدنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اس امر کو اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے۔ کہ انفرادی طور پر خرید کرنے کے مقابلے میں امداد باہمی کے طریقے پر خرید کرنے میں کیا کیا فائدے ہیں۔ جن لوگوں نے ہمارے شہروں کے مسئلہ محنت کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ متحدہ طور پر سودا کرنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ متحدہ سودے سے مراد وہ عمل ہے۔ جس کے ذریعے مزدوروں کا ایک گروہ متحدہ طور پر اپنے نمائندوں کے ذریعے اجرت کا معاملہ طے کرتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس ترکیب کے مزدوروں کو اپنی مالی شرائط طے کرانے کی زیادہ قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر ان کو اجرت پسند آئے تو کام کریں۔ نہ آئے نہ کریں صرف کنندوں کا امداد باہمی سے دستور مزوج کر سکیں۔ کیونکہ ان کے معاشرتی حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ یہ کہنا مبالغ نہ ہوگا کہ امریکہ کی کاشتکاری کے بدترین معائب میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ ہمارے اکثر

کاشتکار انتہائی درجے کے خود پرست اور اکل کھڑے ہیں۔ اور ان کی یہ صفت مذمومہ اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے مشترکہ فائدے کیلئے اپنے ہمسایوں کے ساتھ شریک کرنا گوارا نہیں کرتے۔ چند امداد باہمی کے ذخیرہ خانے کا مبنائی کے ساتھ چلائے گئے ہیں لیکن جتنی کوششیں اس سلسلے میں رو نما ہوئیں ان میں سے بیشتر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس کی قضیت میں صرف یہی نہیں کہ امداد باہمی کا شوق ہمارے کاشتکاروں میں تپید ہے اکثر ایسا ہوا ہے کہ امداد باہمی کے ذخیرے ایسی جگہوں میں کھولے گئے ہیں۔ جہاں ان کی مطلق ضرورت نہیں۔ اور جہاں کوئی آرٹھتی نہایت معقول کاروبار چلا رہا ہے۔ اور اپنے حق سے زیادہ مطالبہ نہیں کرتا۔ ایسے آرٹھتی کے مقابلے میں امداد باہمی کے ذخیرے کا چلانا فعل عبث ہے۔ اور اگر ایسا ذخیرہ ناکام ثابت ہو تو یہی اس کا حق ہے بہر حال ایسی پیداوار جو گھٹیا برٹھیا میل کے مطابق تقسیم ہو کر بازار کے مقررہ نرخوں پر بیچی جاسکتی ہے مثلاً زمین کو کمانے کی کھادیں۔ مروجہ زراعتی مشینری۔ لکڑی اور ایسی ایسی جتنی اور چیزیں ہیں۔ ان کے معاملے میں امداد باہمی کسی حد تک مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ کاشتکار امداد باہمی کیلئے تیار ہو جائیں اور ایک دوسرے کے متعلق بدگمانی نہ کریں۔ امداد باہمی کے ذخیروں کا فائدہ اصل میں اس بات سے نہیں ہوتا کہ جو نفع مقامی آرٹھتی کو دینا ہوتا ہے۔ وہ اپنے پاس بچ رہتا ہے۔ بلکہ اس بات سے کہ چیزیں محفوظ رہتی ہیں کہ نہیں خریدی جاتیں۔ بلکہ بہت سی چیزوں کیلئے یکبارگی فراکش کر دی جاتی ہے۔ تاہم بعض اوقات یہ فائدہ بجائے خالص امداد باہمی کی انجمنوں کے مقامی آرٹھتی کے ذریعے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(اعتبار Credit)۔ یہ سوال کہ خرید کس چیز سے کرنی چاہیے۔ اس سوال کے جواب پر متوقف ہے۔ کہ آیا ہر وقت نقد قیمت ادا کر کے چیز خریدنی چاہیے یا اعتبار سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ بہت غور طلب مسئلہ ہے۔ کہ اس بارے میں کاشتکاروں کو کیا مشورہ دینا چاہیے۔ جو کاشتکار چیزوں کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں زود رس واقع نہیں ہوتا یا صحیح صحیح حساب کتاب رکھنے کا عادی نہیں اور مطالبات فرسودگی کی اہمیت نہیں

جانچ سکتا۔ اس کے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ اعتبار سے کام لینے سے ایسے ہی بچے جیسے یہ
 اُس کیلئے کوئی آفت آسانی ہو۔ اگر وہ کبھی اعتبار سے کام نہ لے تو غالباً وہ پیدائشی کاشتکار
 کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر لے گا۔ لیکن اگر ایک ایسا کاروبار کے معاملے میں انٹری
 کاشتکار فرض لینا شروع کرے تو ایک نہ ایک دن ضرور اس کا دیوالہ نکل جائیگا۔ مگر جو
 کاشتکار چیزوں کی قدر و قیمت جانچنے میں تیز فہم واقع ہوا ہے۔ جو یو پار کے ڈھنگ سے
 واقف ہے۔ جو حساب کتاب کے معاملے میں بڑا محتاط ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ فرسودگی کے
 کہاں تک مطالبات کرنے چاہئیں۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایک اچھا بیخبر بھی ہے۔ ان دونوں
 میں کراچی پیداوار کے اس کو نفع پر بیچ سکتا ہے۔ ایسے کاشتکار کو اعتبار سے کام لینے
 میں تاثر نہ کرنا چاہیئے۔ اس کے ذریعے سے اس کا وقت بچے گا۔ وہ زمین پر ور چیزیں۔
 وہ مزرعہ کی کلیں۔ مال مویشی اور ایسی اور چیزیں دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اعتبار
 کے ذریعے سے جلدی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ خریدنے کے معاملے میں نہایت دور
 اندیش اور انتظام کے معاملے میں نہایت ہوشیار رہے۔ تو جو فرض وہ لے گا۔ اس سے
 وہ اتنا فائدہ اٹھا لے گا کہ سود بھی ادا کر سکے اور اسی کے علاوہ کافی نفع بھی بچا سکے یہ
 نفع جو اس کو حاصل ہو گا۔ یعنی وہ رقم جو اصل زر اور سود ادا کر کے اپنے پاس بچا لے گا
 اس رقم سے ظاہر ہو گا کہ اعتبار سے کام لینے کا کیا فائدہ ہے؟

بعض اوقات کسی ملک کے سیاسی اور معاشرتی حالات ایسے ہوتے ہیں
 کہ اصل اہل تولد تو قرض پر مل نہیں سکتا۔ اور ملے بھی تو حد سے زیادہ شرح سود پر یا نہایت
 بُری شرائط پر ملتا ہے۔ ایسی صورت میں بچا را دیا نندار اور قابل کاشتکار اپنے اجتماعی
 ماحول کی بدولت نقصان اٹھاتا ہے۔ اس بنا پر ایک دیاندار اور قابل کاشتکار کیلئے
 سب سے زیادہ گرانقدر چیزوں میں ایک چیز کوئی ایسا انتظام اعتبار ہے۔ جس کی بدولت
 وہ اپنی قابلیت تنظیم سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔

جس جماعت کی یہ معاشرتی حالت ہو کہ مالی ذمہ داری کا احساس نہایت کمزور
 ہو۔ قرضدار واجب الادا رقم بھاق کرنے سے گریز کریں۔ اور جماعت کے چند ہات عامہ

اس بددیانتی کے حامی اور معاون ہوں۔ سود خوار۔ ساہوکار اور ہمارے عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے جاتے ہوں۔ اور ان کے ساتھ انصاف نہ کیا جاتا ہو۔ ایسی جماعت ہمیشہ ترقی میں پیچھے ہوتی ہے۔ ایسی جماعت میں رہنا ایک دیباستدار اور قابل کاشتکار کیلئے ناموافق ہے کیونکہ نہ اور اعتبار کم۔ شرح سود زیادہ اور قیمتیں تھوڑی ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس اصل ہوتا ہے جسے وہ کسی کام میں لگا سکتے ہیں۔ جو لوگ دور اندیش اور باہمت ہوتے ہیں۔ یعنی جو لوگ جماعت کی خوشحالی کا باعث ہوتے ہیں وہ لوگ ایسے ماحول سے گریز کرتے ہیں۔ جس جماعت میں اس قسم کے لوگ ناپید ہوں اور ایسے لوگوں کی کثرت ہو جو مالی ذمہ داری کے احساس سے خالی ہوں اور اپنے سے زیادہ خوشحالی اور ترقی یافتہ اشخاص سے نفرت کرتے ہوں ایسی جماعت کی قسمت میں بھی لکھا ہے کہ ہمیشہ نہیں تو کم از کم کچھ مدت تک وختہ حال اور منہلس اور زیادہ روشن خیال قوموں میں بدنام اور ضرب المثل ہے۔ کاشتکار عموماً چار قسم کے اعتبار سے کام لیتے ہیں۔ انفرادی اعتبار۔ سٹور کا اعتبار۔ بنک کا اعتبار۔ اعتبار ادا دیا بھی۔ انفرادی اعتبار وہ ہوتا ہے کہ ایک کاشتکار ذاتی طور پر ایک ہمارے سے ان شرائط پر جو ان دونوں کے درمیان مقرر ہوں قرض لے۔ یہ قرض کی سادہ ترین قسم ہے۔ اور اگر فریقین دونوں دیانت دار اور دانشمند ہوں تو یہ سب سے زیادہ تسلی بخش ہے۔ تاہم اس کا اطلاق بہت وسیع نہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک صرف کنندہ اور ایک پیدا کنندہ سے براہ راست خریدنا ہے۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ دستور ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے کا امکان نہیں۔

سٹور کا اعتبار۔ سٹور کے اعتبار سے کم و بیش ہر دیہاتی جماعت میں کام لیا جاتا ہے اکثر حالات میں سٹور کے اعتبار کی صورتوں ہوتی ہے کہ کاشتکار مقامی سٹور کیپر یا ذخیرہ دار سے وہ سامان خریدتا ہے جو گھر کے کاروبار چلانے کیلئے ضروری ہو۔ اور ان کی قیمت اس وقت ادا کرتا ہے۔ جب فصل کاٹی جا چکے۔ بعض بعض جگہ اس دستور نے اتنی ترقی کی ہے کہ تمام دیہاتی زندگی پر چھا گیا ہے۔ ایک مقامی سٹور کے کاروبار کا بہت سا حصہ بجائے خرید و فروخت کے اس قرض سے متعلق ہوتا ہے۔ جو وہ مختلف اشخاص کو دیتا ہے۔ جہاں کہیں یہ

دستور مروج ہے۔ تقریباً ہر کاشتکار موسم کے شروع میں یہ انتظام کرتا ہے کہ مقامی سٹور سے چیزوں کی کچھ مقدار قرض پر لے۔ اور اپنی فصل کو یا تو سٹور کیپر کے پاس گردی رکھ دے یا اُسے اس فصل کا حق قانونی ملے۔ اس طور پر سٹور کیپر کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ کاشتکار سے جس قسم کی فصل چاہے کاشت کرائے۔ اور بعض اوقات تو یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ کاشتکار طریقہ بھی خود ہی بتاتا ہے اور اس پر کاشتکار کو کار بند ہونا پڑتا ہے۔ وہ طریق کاشت خود اس لئے بتاتا ہے۔ کہ اس کو اپنی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ یعنی وہ یہ چاہتا ہے۔ کہ اُس کو بہن یا استحقاق قانونی سے کچھ فائدہ بھی ہو۔ قرض پر وہ ایسی چیزیں دیتا ہے۔ جیسے گھر کے استعمال کی معمولی چیزیں۔ گھوڑوں کا دانہ۔ بیج۔ زمین پر چیزیں۔ آلات۔ اوزار وغیرہ۔ یہ دستور گونا گونا گویا نہیں۔ تاہم بہت سی صورتوں میں نہایت تباہ کن ثابت ہوا ہے بالخصوص جنوب کی کپاس کی ریاستوں میں۔ بعض اوقات تو اس وجہ سے کہ اسٹور کیپر کو جن کاشتکاروں سے واسطہ پڑا ہے۔ وہ نہایت نقصان خرچ اور ناقابل تھے۔ اور بعض اوقات اس وجہ سے کہ خود اسٹور کیپر بددیانت تھا۔ اور بعض اوقات دونوں وجوہ کی بنا پر۔

بنک کا اعتبار۔ بالجلد بینک کا اعتبار اگر کسی اور دستور سے مثلاً سٹور کے کام سے مخلو مانہ کر دیا جائے۔ بلکہ ایک خالص اعتبار کا دستور ہو تو اس صورت میں اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں بینک کا اعتبار بہ نسبت سٹور کے اعتبار سے بہتر ہے اول یہ بات ہے کہ جب کوئی شخص ایک سٹور سے قرض لیتا ہے۔ تو وہ زر قرض پر نہیں لیتا اس کو اور چیزیں وصول ہوں تو ہوں۔ لیکن زر وصول نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں اُس کو یہ آزادی نہیں ہوتی۔ کہ جہاں سے چاہے اشیائے ضروریہ خریدے۔ وہ صرف اعتبار سے لیتا ہے اور وہ مجبور ہوتا ہے کہ جس سٹور سے وہ قرضہ پر چیزیں لے۔ تو یا تو اُسے زر وصول ہوتا ہے یا اُسے حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جب چاہے وہ اس سے زر وصول کر لے۔ اس طور پر اُسے یہ اُسے اختیار ہوتا ہے کہ اُس زر کے ساتھ جس سٹور سے چاہے یا جس طریقے سے چاہے اشیائے ضروریہ خرید لے۔ اس صورت میں اُسے بہ نسبت اس کے کہ وہ اسٹور سے قرض لے

زیادہ آزادی اور خود مختاری حاصل ہوتی ہے۔ جن جن ملکوں میں بینک کافی ترقی کر چکے ہیں۔ اور مختلف بینکوں کے درمیان مقابلہ جاری ہے۔ وہاں یہ ممکن نہیں۔ کہ شرح سود حد سے زیادہ ہو گو یہ ضرور ہے کہ وہ غلوڑی کبھی نہیں ہوتی۔ بینک کو یوں سمجھئے کہ وہ ایک بچہ لیا ہے۔ وہ وہی کام انجام دیتا ہے۔ جو ایک بچہ لیا انجام دیتا ہے۔ اور اس لئے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جو ایک بچہ لے کا ہوتا ہے۔ جب تک کہ کوئی قرض لینے والا قرض دینے والے سے براہ راست قرض لے سکے۔ اس وقت تک وہ منافع جو بینک کو دینا پڑتا ہے۔ اپنے پاس ہی بچایا جاسکتا ہے۔ لیکن جب یہ حالت ہو کہ قرض لینے والے کو کوئی قرض دینے والا مشکل سے ملے۔ یا انسانوں کے ذاتی تعلقات ایسے ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے ذاتی طور پر داد و ستد نہ کر سکیں تو بینک فی الحقیقت ایک بڑی خدمت انجام دیتا ہے۔ جن کے پاس کچھ پس ماندہ رقم ہے۔ وہ اُسے بینک میں بطور امانت جمع کرا سکتے ہیں۔ اور جن کو زر کی ضرورت ہے۔ وہ بینک سے زر لے سکتے ہیں۔ دو نو فریق اس طرح زحمت سے بچ جاتے ہیں۔ علاوہ بریں بینک عموماً ذاتی تعلقات سے بے نیاز ہو کر مقررہ قواعد و ضوابط کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔ اور ان مقررہ قواعد و ضوابط سے ذاتی رعایتوں کو ملحوظ رکھ کر سرسرا ہوا خراف نہیں کرتے۔ داد و ستد جیسے نازک معاملات میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جس کا اندازہ کرنے سے کاشتکار عام طور پر قاصر رہتے ہیں کاشتکار کی جماعت میں قرض کے معاملے میں ذاتی رعایت کو ملحوظ رکھنے سے جس قدر تباہی پھیلی ہے یا جس قدر کشتیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اتنی کسی اور چیز سے نہیں ہوئیں۔ اور جتنے نقصانات مالی ہوئے ہیں۔ اتنے غالباً کسی اور چیز سے نہیں ہوئے۔

مغرب وسطی کی ہر بستی میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو اُس دن کو روتے ہیں۔ جب انہوں نے ذاتی لحاظ ملاحظہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ڈبو دیا۔ مروت کی وجہ سے لوگوں کو روپیہ قرض پر دیدیا۔ یا دوستوں کے ذاتی رتھوں کی بنا پر دیا ساٹھ سال کی عمر سے بوڑھا کوئی کاشتکار سے بیچے۔ جو کسی زمانے میں کامو باری قابلیت اور دیانتداری کی وجہ سے مشہور تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس شہرت کی وجہ سے اس کو ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بیسیوں مرتبہ روپے کے معاملے میں ضرور زیار ہوتا پڑا ہے۔ ایسے لوگوں پر یہ عموماً گزرتی ہے کہ اگر ان کے کوئی ہمسائے ایسے ہوں جو بددیت

ہوں۔ اور ان پر اعتبار کم ہو تو ان کے رفعوں کی ان لوگوں سے تصدیق کرا لی جاتی ہے۔ گذشتہ زمانے میں اس قسم کی عنایتوں کی ان سے درخواست کی جاتی تھی۔ اور کوئی خوش قسمت ایسا ہوگا۔ کہ ایسی درخواستیں مان کر اس نے مالی نقصان نہ اٹھایا ہو۔ ایسے بنکوں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ عزت دار اور ایماندار آدمیوں کو اس قسم کے جملہ لوگوں کے پھندے سے بچایا جاسکتا ہے۔ **قرضہ ادا دباہمی**۔ قرضہ ادا دباہمی نے ہمارے ملک میں کوئی شاندار ترقی نہیں کی۔ یورپ کے ملک میں اور خاص کر چھوٹی حیثیت کے کسانوں میں اس کا دستور گذشتہ چند سال سے عام ہے۔ ادا دباہمی کے بنکوں کی تین ممتاز اقسام ہیں۔ جنہوں نے ان دنوں ترقی کی ہے۔ اول وہ جسے ریفا ئینز (Refinancing system) کہا جاتا ہے دوسرا وہ جسے سکلرے (Schuldschlichtungssystem) دستور کہا جاتا ہے۔ تیسرے کا کوئی خاص نام نہیں۔ لیکن وہ اس طور پر ہے۔ کہ بہت سے لوگ ملکر ایک جماعت بناتے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ مشترکہ کفالت پر کوئی معقول رقم قرض لیں۔ ہر شخص اپنا اپنا حصہ اس قرضے میں سے لے لیتا ہے۔ اور کل رقم کی ادائیگی کا دوسروں کے برابر ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس دستور کے لئے اعتبار کے کسی خاص نظام کی ضرورت نہیں نہ اس کے لئے کسی ادارہ کی ضرورت ہے۔ جیسے بنک فرض کیجئے کہ دس کاشتکار ہیں۔ وہ پانچ کس کی مدت کیلئے فی کس ... ۱۰ ڈالر چاہتے ہیں۔ اب ان کو صرف یہ کرنا ہوتا ہے کہ ... ۱۰ ڈالر کیلئے ایک مشترکہ رقم پر دستخط کر دیں۔ اس دریغ سے وہ مل کر اتنی کم شرح سود پر زر لیتے ہیں کہ ایک شخص نہ لے سکتا تھا۔ لیکن اس دستور میں چونکہ مشترکہ طور پر ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر وہی لوگ عمل کر سکتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے بخوبی واقف ہوں اور ایک دوسرے کی سادہ اور مالی حیثیت پر اعتماد رکھتے ہوں۔

ریفا ئینز دستور۔ ریفا ئینز طریقہ جو اپنے بانی ہر ایف ڈبلیو ریفا ئینز کے نام سے منسوب ہے۔ جرمنی میں ۱۸۸۷ء کے قحط کے بعد ایجاد ہوا۔ ہر ریفا ئینز نے دیکھا۔ کہ ساہوکاروں کے ہاتھوں کاشتکاروں پر کیا کیا مصیبتیں پڑتی تھیں اور انہیں

کیسی کیسی سخت شرائط پر روپیہ ہا جنوں سے لینا پڑتا تھا۔ اُس نے اس صورت حالات کی اصلاح کرنے کی بہت کوشش کی بالآخر ۱۸۴۹ء میں اُس نے فلیمرس فیلڈ (Flammers field) میں ایک امداد باہمی کا بنک کھولا۔ اس بنک کا مقصد یہ تھا کہ روپیہ تھوڑی شرح سود پر قرض دیا جائے۔ اور وہ بھی زراعتی پیداوار مقاصد کیلئے اور ایسے کاشتکاروں کو جو مقررہ قوانین کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہوں۔ یہ تجویز کیا ثابت ہوئی۔ چنانچہ بہت سے بنک ملک کے مختلف حصوں میں یکے بعد دیگرے کھولے گئے۔ ان بنکوں کی تنظیم جن اصولوں کے مطابق ہوئی وہ یہ ہیں۔ اول ہر شخص جو اس تجویز میں حصہ لے تمام اس اصل کا جو قرض لیا جائے ذمہ دار ہوگا۔ یعنی اُس پر ذمہ داری غیر محدود عائد ہوگی۔ دوسرے روپیہ ایک کاشتکار کو صرف زراعتی مقاصد کیلئے قرض دیا جائے گا۔ کسی شخص کو قرض نہیں دیا جائے گا۔ جب تک کہ یہ دریافت نہ کر لیا جائے کہ وہ روپیہ کو کس مصرف کیلئے چاہتا ہے۔ پھر اگر اس بات کی تسلی ہو جائے کہ اُس کو قرض لینے میں نفع ہے۔ تو زر اُسے دیا جائیگا۔ یعنی نمائندے اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ آیا وہ مقصد جس کیلئے شخص مذکور زر چاہتا ہے۔ ایسا ہے یا نہیں کہ اُس شخص کیلئے نفع بخش ثابت ہو۔ اور اُسے اس قابل بنائے کہ وہ اپنا قرض بھی اُتار دے اور کچھ اپنے پاس بھی بچا رکھے۔

ان حالات کے ماتحت بنک کے تمام ارکان کے دلوں میں استواری اور باہمی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تجربہ بتاتا ہے کہ اس قسم کے قرضوں سے اب تک کسی کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس تنظیم کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ پہلی تنظیم کے بعد نئے اراکین اُن لوگوں کے ووٹ سے جو پہلے اراکین ہیں۔ انتخاب کئے جاتے ہیں۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بنک چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور محدود درجوں سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ صرف قریب قریب کے ہمسائے ایک بنک کے ممبر ہوں۔ اس کی ضرورت اس لئے لاحق ہوتی ہے کہ ہر رکن اُس قرضے کا ذمہ دار ہوتا ہے جو دوسرے ارکان کو دیا جائے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ بنک کا انتظام سراسر جمہوری

قاعدے کے مطابق ہوتا ہے۔ تمام مقامی مسائل کے متعلق قطعی اور فیصلہ کن رائے مجلس عامہ کی ہوتی ہے۔ جس میں ہر رکن کو رائے جیسے کا حق ہوتا ہے۔ بینک کی کتابوں اور رجسٹروں کا ہر رکن جس وقت چاہے جائزہ لے سکتا ہے۔

شکلے دستور۔ شکلے کے قاعدے کے مطابق جو بینک جاری کئے گئے۔ وہ ریفائٹرن بنکوں کے ساتھ وجود میں آئے۔ لیکن دونوں میں ماہ الامتیازیہ ہے کہ شکلے بنکوں کا تعلق ریفائٹرن بنکوں کی یہ نسبت زیادہ متمول طبقے سے ہے وہ ذمہ داری غیر محدود (limited liability) پر منحصر نہیں ہوتے۔ جب ان کو ضرورت ہو وہ اپنا راس المال حصے بیچ کر جمع کرتے ہیں۔ وہ اپنے عہدہ داروں کو تنخواہ دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات مادی ضمانت (collateral security) طلب کرتے ہیں۔ قرضہ امداد یا بھی کے ایک اور دستور نے جو ریفائٹرن طریقے سے بعض باتوں میں ملتا جلتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں ڈنمارک اور آئرلینڈ میں ترقی کی ہے۔ اور ان ملکوں کی زراعت کی زندگی کا ایک زبردست سبب ثابت ہوا ہے ڈنمارک میں اس نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے۔ وہاں اس کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس کی بنیاد مقامی آبادی کے باہمی دوستانہ تعلقات اور ایک دوسرے کی خیر خواہی پر ہے۔ چند ہمسائے ملکر ایک بینک قائم کر لیتے ہیں۔ اور اس کا ایک صدر اور مجلس منتظمین انتخاب کر لیتے ہیں۔ صرف ایک شخص کو تنخواہ ملتی ہے۔ یعنی اس کو جو حساب کتاب ٹھیک ٹھاک رکھنے کا ذمہ لے۔ عموماً اس کو تنخواہ ۵۰ ڈالر سالانہ ملتی ہے۔ یہ تنخواہ اور دفتر کے باقی ضروری اخراجات بینک کے منافع سے ادا کئے جاتے ہیں۔ بینک کا منافع کیا ہوتا ہے۔ بینک جو شرح سود قرضداروں سے لیتا ہے۔ اس میں سے وہ شرح سود جو وہ ان لوگوں کو ادا کرتا ہے۔ جن کا روپیہ بینک میں جمع ہوتا ہے۔ منہا کی جائے

سلف روپیہ اور زر کے الفاظ بغیر کسی فرق کے استعمال کئے گئے ہیں۔ اصطلاحی نقطہ تو فقط زر ہونا چاہیئے لیکن کہیں کہیں روپیہ کا لفظ زیادہ مانوس اور کثیر استعمال ہو چکی وجہ سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ روپیہ سے ہمارے لفظ اس کتاب میں کہیں بھی اس سکہ سے نہیں جو ہندوستان میں رائج ہے (مترجم)

تو جو حاصل تفریق ہو وہ بنک کا منافع ہے۔ اخراجات چونکہ بہت کم ہوتے ہیں۔ اس لئے روپیہ دینے اور لینے کی شرح سود میں ۱۰ فیصدی کا فرق بہت زیادہ ہوتا ہے معمولی اخراجات کے بعد اگر کچھ رقم جمع ہے۔ تو وہ اپنے کسی مشترک یا کسی رفاہ عام کے مقصد کیلئے خرچ کی جاتی ہے۔ بنک مقررہ تاریخوں پر جو چینی میں عموماً دو مرتبہ آتی ہیں رابیتیں جمع کرتا ہے اور قرضہ دیتا ہے۔ ان تاریخوں پر مجلس منتظمہ کا کوئی رکن موجود ہوتا ہے۔ لیکن اس کو اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا۔

جن ماہرین نے ریٹائرمنٹ اور شریک نظام لئے امداد یا بھی کا بنک گاہ غور مطالعہ کیا ہے ان کی رائے ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ بغیر قابل قدر ترسیم کے ریاستہائے متحدہ کے مناسب حال ہو۔ ممکن ہے کہ جہاں نہایت مجلس اور نادار کا شکار رہتے ہوں وہاں بعض حالات میں ریٹائرمنٹ طریقہ مفید ثابت ہو۔ لیکن ذمہ داری غیر محدود کا اصول جس پر اس کی بنیاد ہے۔ ایسا اصول ہے کہ جو کاشتکار اپنے کھاتے پیچھے متمول اور صاحب ملکیت ہیں وہ اس کا نام سننے کیلئے بھی تیار نہ ہونگے۔ جس کاشتکار کے پاس مقبول ملکیت ہوگی۔ وہ ایک ایسے بنک کی تجویز میں حصہ نہ لے گا جس میں اس کو یہ خطرہ ہو کہ کل کو اگر بنک کا دیوالہ نکل جائے۔ تو اس کی ساری ملکیت بنک کا قرضہ ادا کرنے کیلئے چھن جائیگی۔ اگر نہایت غریب کاشتکاروں کی کوئی جماعت ہو جن میں سے کسی کے پاس ایک سو ڈالر سے زیادہ کی ملکیت نہ ہو۔ اور سب کے سب ایک جیسے مالدار ہوں۔ یا یوں کہئے۔ کہ ایک جیسے غریب ہوں۔ تو اس جماعت میں ذمہ داری غیر محدود کا اصول لازمی ہے۔ اس بغیر قرضہ موافق شرائط پر نہ مل سکیگا۔ اور یہ کاشتکار کے انفرادی نقطہ نگاہ سے کوئی بڑا نقص نہیں۔ بلکہ اس بات کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ قرضہ امداد یا بھی کی انہیں جن کی بنا ذمہ داری غیر محدود پر ہو ہمارے ملک میں ترقی کیوں نہیں کرتی؟

فروخت کے مسائل۔ مزرعہ کی پیداوار فروخت کرنے کا مسئلہ چند ان مسائل کو لئے ہوئے ہے۔ جو مسئلہ خرید میں بھی شامل ہیں۔ مثلاً یہ کہ آجائس براہ راست صرف کنندوں کے ہاتھ پہنچ چاہیے۔ یا بچولیوں کے ذریعے آیا انفرادی طور پہنچ چاہیے۔ یا امداد یا بھی کے

طریقے کے مطابق اور اس طرح کے اور جتنے مسائل ہیں۔ اُن کے ضمن میں انہی امور کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ جن کا تذکرہ مسئلہ خرید کی بحث میں آچکا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے فروخت کا مسئلہ مقابلتہً ایک سیدھا سادہ مسئلہ ہے۔ بشرطیکہ کاشتکار صرف بازاری اجناس کی پیداوار کرے۔ ان اجناس کا بازار میں کسی نہ کسی قیمت پر ضرور مانگ ہوتی ہے اور بھاؤ ہمیشہ مقرر ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص خاص خاص اجناس پیدا کرتا ہے۔ اُس کو اپنے لئے کوئی خاص بازار تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایسا بازار موجود ہو تو اس کو خاص اور گنجائشی دام وصول ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا بازار اُس شخص کو نہ ملے تو ممکن ہے کہ اعلیٰ قیمت کا تو تذکرہ ہی کیا وہ ٹھوڑی سی قیمت پر اپنی چیزوں کو فروخت نہ کر سکے۔ اس لئے سب کچھ ایک خاص بازار کے موجود ہونے پر اور اس امر پر کہ کاشتکار بیچنے میں کتنی ہمارت رکھتا ہے۔ منحصر ہے۔

مزرعہ کی اجناس خواہ وہ بازار کی رائج الوقت اجناس ہوں۔ خواہ خاص خاص اجناس اُن کے بیچنے میں بعض امور ایسے ہیں۔ کہ معاشیات کے طالب علم کو اور کسی حد تک کاشتکار کو بھی ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً بیچنے کے چار مسلم طریقے ہیں۔ اول واحد مقداروں میں بیچنا۔ یعنی خود وہ فروشی دوسرا تھوک فروشی۔ تیسرا نمونہ سے بیچنا۔ چوتھا گھٹیا بڑھیا میل کے مطابق بیچنا۔ ان چار طریقوں کی مثال حسب ذیل ہے :-

ایک گھوڑے کی فروخت میں خاص کر جب وہ گھوڑا اصیل ہو۔ صرف پہلا طریقہ ممکن العمل ہے۔ ہر گھوڑا علیحدہ علیحدہ اپنی انفرادی صفات کا مالک ہوتا ہے۔ اور ایک جداگانہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہر گھوڑا اپنا خود ایک مقدار واحد یا اکائی ہے۔ اور بطور ایک مقدار واحد یا اکائی کے بیچا جاتا ہے۔ جو جانور ذبح کرنے کے لائق ہیں۔ مثلاً گائے یا سور۔ اُن کا ایک گلہ کا گلہ ایک بھیرائی ہوئی قیمت پر بحساب فی پونڈ یا فی ہنڈرڈ ویٹ بیچا جائے گا۔ لیکن خریدنے سے پہلے سارے گلے کی دیکھ بھال کی جائیگی اور قیمت بھیرائی جائیگی۔ اس کے معنی ہیں سارا ڈھیر بیکار بیچنا۔ یعنی تھوک فروشی۔ تیسرا طریقہ یعنی نمونہ سے بیچنا۔ عموماً خاص خاص زراعتی اجناس یا پھلوں اور ترکاریوں کے بیچنے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ ساری مقدار کا ملاحظہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بمصدقائے نمونہ از خروار سے کچھ نمونہ دکھا دیا جاتا ہے۔ اور اس نمونہ کی بنا پر قیمت کا فیصلہ

ہوتا ہے۔ چونکہ طریقے کی مثال یہ ہے۔ مبادلہ پیداوار کے بعض بازاروں میں مثلاً شکاگو کے بورڈ آف ٹریڈ (Board of Trade) میں یہ ہوتا ہے۔ کہ گہیوں۔ سور کا گوشت وغیرہ جیسی بازاری پیداوار حکام کے حسب الحکم گھٹیا بڑھیا میلوں میں تقسیم کی جاتی ہے اور پھر خریدار بشکل یا پونڈ کے حساب سے کسی خاص میل کی پیداوار خرید لیتا ہے۔ اُس کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی۔ کہ اس کو کونسا ڈھیر ملتا ہے۔ اس کو صرف اس بات کی پرواہ ہوتی ہے۔ کہ مطلوبہ میل کی ضروری پیداوار ڈالتھ آجائے۔ اور تو اور وہ نمونہ تک نہیں دیکھتا۔ اسے کہتے ہیں میل یا درجہ کے مطابق بیچنا۔

ان میں سے پہلا طریقہ سب سے زیادہ پیش خرچ ہے اور آخری سب سے کم خرچ۔ لیکن آخر الذکر پر عمل کرنے کا امکان صرف چند صورتوں میں ہوتا ہے۔ جس جس صورت میں یہ ممکن العمل ہو۔ اس کے اختیار کرنے سے بہت سی قوت معاشرتی کی بچت کی جاسکتی ہے علاوہ بریں جو رقم پیدا کنندہ کو ملتی ہے۔ اور جو رقم صرف کنندہ دیتا ہے۔ اس کے درمیان فرق دوسری صورتوں کی بہ نسبت بہت کم ہوتا ہے۔ چونکہ لے کے ڈالتھ میں پیداوار کی بہت سی اقسام بڑی مقدار میں ہوتی ہیں۔ اس لئے پیداوار کی ہر مقدار واحد پر بہت ٹھوڑا نفع اس بات کیلئے کافی ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے بیوپار کے اخراجات چلائے۔ اور کچھ نفع بھی پس انداز کرے جہاں یہ طریقہ ممکن العمل نہیں ہوتا۔ وہاں بیچ کرنے والے کو بہت دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ اسلئے اس کو بہت سا وقت لین دین کی بات چیت میں ضائع کرنا پڑتا ہے۔ اس کا جو وقت اور جو طاقت صرف ہوتی ہے۔ اُس کا معاوضہ پیدا کنندہ یا صرف کنندہ کو یا دونوں کو دینا پڑتا ہے۔ یہ جو معاوضہ زیادہ ہوتا ہے یہ یوں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جو رقم پیدا کنندہ کو ملتی ہے۔ اور جو رقم صرف کنندہ دیتا ہے۔ اُن کے درمیان بہت بڑا فرق ہوتا ہے اور یہ فرق بہ نسبت اس صورت کے کہ چوتھا طریقہ اختیار کیا جائے۔ غیر ضروری طور پر زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ نمونہ سے بیچنے اور میل یا درجہ کے مطابق بیچنے میں جو فرق ہوتا ہے وہ اون اور کمپاس کا مقابلہ کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔ کمپاس کے میل بڑی آسانی سے بنائے جاسکتے ہیں۔ لیکن اون کے میلوں کو تقسیم کرنا اس قدر آسان نہیں جتنا پتھر

کپاس کو درجہ یا میل کے مطابق بیچا جاتا ہے۔ اور لون کو ٹونہ سے؛

فصل کے بیچنے میں اندازہ۔ ایک سوال یہ بھی ہے کہ کب بیچنا چاہیے۔ آیا یہ بہتر ہے۔ کہ دوسرے فصل کٹے اور ادھر بیج دی جائے۔ یا یہ کہ اپنے پاس محفوظ رکھی جائے تا اُن کے قیمتیں چڑھ جائیں۔ یا یہ کہ فصل کاٹنے سے پہلے بیج دی جائے۔ اگر فصل کٹنے سے پہلے بیج دی جائے یا قیمتوں کے چڑھنے تک اپنے پاس رکھی جائے۔ تو دونوں دونوں میں ہم بازار کے متعلق اندازہ کرتے ہیں۔ ایک قاعدہ کلیتہ کے طور پر یہ کہنا چاہیے۔ کہ کاشتکار کیلئے مصلحت اسی میں ہے کہ اپنے کاشت کے کام سے کام لے سکے اور اندازہ کا کام دوسرے کو کرنے دے جو اُسے اپنے لئے مخصوص کر لیں۔ یہ ایک ایسا زین اصول ہے کہ کاروبار کے دوسرے شعبوں میں کامیاب آدمی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مثلاً سمجھ دار چکی والے تھمیں سے جہاں تک ہو سکے گریز کرتا ہے۔ اگر کام لینے کی غرض سے اُسے قبل از وقت ٹھیکہ لیتا پڑے تو وہ خود کو جو کھوں میں ڈالتا ہے۔ لیکن اس کی پیش بندی وہ یوں کرتا ہے۔ کہ پیشگی گیہوں خرید لیتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی چکی والے نے یہ ٹھیکہ لیا ہے۔ کہ ایک ہزار بیرل (۱۰۰۰ بیرل) فی ہفتہ کے حساب سے وہ چھ مہینے تک ایک مقررہ قیمت پر آٹا دیگا وہ جانتا ہے کہ آجکل گیہوں کا نرخ کیا ہے۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہیں کہ تین مہینے گزرنے پر اُس کا نرخ کیا ہو جائیگا۔ اگر قیمت چڑھی اور وہ اپنے اجارہ سے سبکدوش ہونے کیلئے مہفتہ وار گیہوں خریدے اور ٹھیکہ کی قیمت پر آٹا دے۔ تو اس کا نفع خاک میں مل جائیگا۔ گو یہ بات ضروری ہے۔ کہ گیہوں کی قیمت اگر گر گئی۔ تو اُس کے پوراہہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کا کام ہے۔ چکی چلانا اور جتنی قوت اور توجہ اس کیلئے ممکن ہے وہ سب اس کو اسی کام پر خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت اور اتنی قوت کہاں کہ وہ بازار کے حالات کا خیال رکھے اور یہ سوچے کہ تخمین سے کام لینا چاہیے یا نہیں۔ اسلئے اپنے آپ کو کئی طور پر مامون و مصعون رکھنے کیلئے وہ کیا کرتا ہے۔ کہ وہ آج ہی ایک مقررہ قیمت پر آٹا گیہوں خرید لیتا ہے کہ چھ مہینے تک کافی ہو سکے اور وہ اپنے ٹھیکے کے فرائض سے سبکدوش ہو جائے۔ اس عمل کے

مطابق اُسے معلوم ہونا رہتا ہے۔ کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ بظاہر تو یہ بھی تخمین ہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دراصل یہ تخمین کے خطرات سے بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اب ایک اور چکی والے کو لیجئے۔ اس نے کسی طے شدہ قیمت پر مائٹا ہم پہنچانے کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ لیکن اُسے امید ہے کہ جب آٹا تیار ہو گیا تو فوراً ایک خاص قیمت پر ایک جائیگا۔ یہ شخص ایسا کر سکتا ہے کہ گیہوں کی دائمی رسد کا اطمینان بخش انتظام کرنے کی غرض سے وہ گیہوں کی اتنی مقدار خریدے کہ موسم بھر کو کافی ہو سکے اور گیہوں کی قیمت اس اتنا میں چڑھ گئی تو آٹے کی قیمت بھی چڑھ گئی اور اس کو نفع ہوگا۔ اگر قیمت گھٹی تو پیشگی خریدنے سے اس کو خسارہ ہوگا۔ اب اس تخمینہ خطرے (Speculative Risk) کو دفع کرنے کیلئے وہ ایک اور ترکیب کرتا ہے۔ جتنی مقدار گیہوں کی اُس نے خریدی ہے۔ اس کو پیشگی بیچ دیتا ہے۔ یا اس کے متعلق معاہدہ کر لیتا ہے۔ اس ترکیب سے وہ خطرے سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر گیہوں کی قیمت بڑھے تو جتنا اس کو خریدے ہوئے گیہوں پر نقصان تھا۔ اتنا ہی اس کو گیہوں پر نفع ہو جائیگا۔ جو وہ بیچے گا۔ اس ترکیب سے بھی اس کو پتہ چلتا رہتا ہے۔ کہ وہ کتنے پانی میں ہے وہ چاہے تو آٹا تیار کرنے کے کام میں مصروف ہے۔ ساری توجہ اپنے کاروبار کو دے اور بازار کے حالات کا خیال رکھنے اور قیمتوں کے متعلق پیشگی اندازہ لگانے کا (پیشہ و تخمین) اندازہ لگانے والے (پچھرو) اس میں شک نہیں کہ بہت سے کاشتکار ایسے ہیں جنہوں نے اس سے نقصان اٹھایا ہے بطور موازنہ دو کاشتکاروں کو لیجئے جن میں سے ایک کاشتکار ایک سال تک جنس کو اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے تاکہ قیمتیں چڑھ جائیں۔ دوسرا اس فصل کو کاٹتے ہی بیچ دیتا ہے۔ امکان اس بات کا ہے کہ جو کاشتکار جنس کو محفوظ رکھتا ہے۔ اس کو اتنا نفع نہ ہوگا۔ کہ گودام بھرنے کا خرچہ۔ بیمہ کے اخراجات اور جو ردیہ بیکار پڑا ہے۔ اُس کا سوداں سب کی کسر اُن سے لیجئے۔ اسلئے جو کاشتکار فصل کاٹتے ہی جنس بیچ کر الگ ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی مجموعی طور پر اتنا ہی فائدہ ہوگا جتنا اس شخص کو جو جنس کو محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن یہ نتیجہ جو ہم نے استنباط کیا ہے یہ اس مقدمہ پر مبنی ہے کہ جنس ایسی ہو جس کیلئے کوئی باقاعدہ بازار ہو۔ اور جس کی خرید و فروخت

کیلئے دالوں کے پاس مناسب گودام جنس اٹھا کر لے جانے وغیرہ کی مشینیں ہیں۔ اس صورت میں گمان غالب یہ ہے کہ بچو لیا کاشتکار کی یہ نسبت کم اخراجات سے گودام بھرنے اور غلہ کے رکھنے والے کا کام کر سکیگا۔ لیکن اگر بازار کی تنظیم بہت زیادہ نہ ہو اور بچو لیا کے پاس جنس کے سنبھالنے کیلئے ضروری سامان موجود نہ ہو تو حالت اس کے برعکس ہو جاتی ہے۔ ایسی صورتوں میں کاشتکار اگر دانا ہوں تو انہیں چاہیے کہ امداد یا بھی کا طریقہ اختیار کریں۔ امداد یا بھی کے ذریعے وغیرہ اور آرٹھینوں کو دالائی پر مقرر کرنے میں تعاون نفع کثیر کا باعث ہوگا۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں قاعدہ و مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ اردسٹوک (Urdushtok) *Urdushtok Country, Madras* واقعہ ریاست میں اس کے آلو کے کاشتکاروں نے اُس وقت آلو اٹھانے شروع کئے۔ جب ان کے پاس علیحدہ علیحدہ آلو کے اگاتے کیلئے ساز و سامان نہ تھا اور نہ کوئی عمدہ طریقہ انہیں معلوم تھا۔ پھر انہوں نے امداد یا بھی کے دستور کے مطابق ذریعہ خانے بنائے اور اپنی جنس بیچنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو نہایت اعلیٰ عمدہ اور باقاعدہ بازار مل گیا۔ اور اس بات کی ضرورت نہ رہی کہ علیحدہ علیحدہ جنس کے فروخت کرنے کا کوئی طریقہ وجود میں آئے۔ جو لوگ خاصے کی اجناس اگاتے ہیں۔ ان کے یہاں جنس فروخت کرنے کے دو مسلم طریقے ہیں یا اول عقلندی سے اشتہار دینا۔ دوسرے خریداروں کے سامنے اپنی پیداوار کی نمائش کرنا۔ یہ سوال کہ اشتہار کہاں تک ذریعہ کفایت ہے مدتوں سے موضوع بحث چلا آتا ہے۔ اور معاشیاتی نقطہ نگاہ سے اس پر بہت سے اعتراض وارد کئے جاسکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اشتہار باری جلب توجہ کیلئے ایک مفید آلہ ہوتا لیکن اس سے کوئی معاشرتی غرض پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے اگر ایک بیوپاری کو فائدہ ہوتا ہے تو اتنا ہی دوسرے کو نقصان ہوتا ہے۔ جب دو ہنساری یا دست کاری کا کام کرنے والے ایک دوسرے کے متقابل بن کر اپنے آپ صابن یا مچھلی کی خوبیوں کا اشتہار دیں تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس سے کسی معاشرتی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے اور جمہور کو اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں کہ اگر اشتہار دینے کا طریقہ نہ رائج ہوتا تو جتنی صابن یا مچھلی کی بکری اب ہوتی ہے اتنی

نہ ہوتی۔ اسلئے اس قسم کی اشتہار بازی خواہ مخواہ جماعت کی قوتوں کو ضائع کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اور بنا بریں بلا شک و شبہ مذموم و معیوب ہے۔ تاہم یہ جتنے اعتراضات ہیں اُن میں سے کوئی اعتراض کسی خاص جنس کے متعلق محقول طریقے سے اشتہار دینے پر غاید نہیں ہوتا۔ اشتہار کا مقصد ہوتا ہے اطلاع دینا اس لئے یہ خریدار اور فروختندہ دونوں کی حقیقی محنتوں میں خدمت ہے۔ کسی خاص زراعتی جنس کیلئے چونکہ باقاعدہ بازار نہیں ہوتا۔ اور اس کو کوئی دائمی طلب نہیں ہوتی۔ اور کوئی مقررہ بھاؤ نہیں ہوتا۔ اسلئے نہ بیچنے والے کو پتہ چل سکتا ہے کہ چیز کہاں بیگی اور نہ خریدنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے کہ چیز کہاں مل سکتی ہے۔ اشتہاروں سے دونوں فریق کو ایک دوسرے کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے سے لین دین کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ آکے پاس کوئی ایسا سواری کا گھوڑا بکاؤ ہے۔ جسکو اس نے خاص طور پر سدھایا ہے۔ اور اُسی کا دل کہتا ہے کہ مجھے اس کی خاص قیمت ملنی چاہیے۔ ب۔ اس قسم کے گھوڑے کی تلاش میں ہے۔ لیکن اُسے معلوم نہیں کہ ایسا گھوڑا مل کہاں سکتا ہے۔ اسٹو میں کسی مشہور اخبار کے کالموں میں ایک اشتہار اُسکی نظر سے گذر گیا ہے اور وہ جس اطلاع کا جوہا ہے۔ وہ اُسے بچھڑ جاتی ہے۔ چنانچہ خریدار اور فروختندہ دونوں کیلئے فائدے کی صورت ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ دلیل جو ہم نے پیش کی ہے اس سے وہ مبالغہ آمیز اشتہار جانور ثابت ہوتے ہیں۔ جو بعض اوقات ہمارے مقتدر اخباروں کے صفحات کیلئے باعث بدنامی ہوتی ہیں۔ ایسے اشتہاروں میں عموماً کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ کوہ پیکر اور دیو زاد گھوڑے جن کا وجود سہمہرغ کی طرح فرضی ہوتا ہے۔ اُن کی تعریف میں زمین آسمان کے فطایہ ملائے جلتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کی قیمتیں اتنی تھوڑی ہیں کہ برائے نام۔ اور اس طرح دینا کو اُن کو بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

منسلے اور منہ ہال۔ خاص خاص زراعتی اجناس بیچنے کا طریقہ بہترین اُن کی نمائش ہے۔ وقتاً فوقتاً ایسی منڈیوں کا لگنا جہاں اس قسم کی چیزیں پیش کی جاتی ہیں اور خریدار ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ خریداروں اور فروخت کرنے والوں کو یکجا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور تمام پرانے اور ترقی یافتہ ملکوں میں سید مفید ثابت ہوا ہے۔ اس کے ہیں اس طریقے نے کوئی

بہت ترقی نہیں کی۔ زیادہ تر اس وجہ سے کہ امریکہ کے کاشتکاروں کو زیادہ تر دلچسپی نسبت
 خاصے کی اجناس کے منڈی کی اجناس سے رہی ہے۔ اور اسی وجہ سے بھی کہ ہماری قومی
 معاشیات کا نظام کچھ ایسا واقع ہوا ہے۔ کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان
 ایک وسیع مفاتی تفریق پیدا ہو گئی ہے۔ مغرب کے کم آباد علاقے مشرق کے زیادہ
 آباد علاقوں کیلئے پیداوار کرتے رہے ہیں۔ اس وسیع جغرافیائی تفریق کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیدا
 کنندہ اور صرف کنندہ دونوں کمیشن ایجنٹوں اور دوسرے دلالوں کے محتاج رہے
 ہیں۔ جب ہماری آبادی ملک بھر میں یکساں طور پر تقسیم ہو جائے گی اور اس کا ہر
 مرکزی شہر یا علاقہ زراعتی پیداوار کے معاملے میں ارد گرد کے علاقوں کا محتاج ہو
 جائے گا۔ تو امید واثق ہے۔ کہ موسمی منڈیوں کا ازسیر تو دور دورہ ہوگا۔ ان منڈیوں
 کی بدولت خریدنے اور بیچنے والے پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کو ایک دوسرے سے
 ملنے کا موقع مل جایا کرے گا۔ بہر حال بہت زیادہ توقعات بھی نہ رکھنی چاہئیں۔ جس شخص
 نے پرانی دنیا کے میلوں اور منڈیوں کا بغور مشاہدہ کیا ہے۔ اُس نے فوراً اس بات پر
 غور کیا ہوگا کہ یہ طریقہ کسی قدر تصنیع اوقات کا باعث ہے۔ جب اتنے آدمی ایک مقررہ
 مقدار پیداوار فروخت کرنے کیلئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ تو وقت کیونکر ضائع نہ ہو
 تاہم جن لوگوں کا سیار زندگی بہت ہے اور جن کو وقت کی کچھ قدر نہیں۔ اُن کے نزدیک یہ
 تصنیع اوقات کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن امریکہ میں جب تک کاشتکار خوشحال ہیں۔ اور زراعتی
 مزدوروں کی اُجرتیں زیادہ ہیں۔ اس وقت تک یہ قوت اور وقت کا کفایت شعارانہ استعمال
 شمار نہ ہوگا۔ کہ پیدا کنندہ منڈی کے دن بازار جا کر اپنی پیداوار بیچا کرے۔ البتہ جب
 آبادی بہت گنجان ہو جائیگی اور مزدوروں کی اُجرتیں سستی ہو جائیگی تو محنت کا ضائع کرنا
 ایسا مضرت رساں نہ خیال کیا جائے گا؛

دیہات کے میلوں بھیلوں نے اور حکومت کی طرف سے جو منڈیاں اور زراعتی
 نمائشیں وغیرہ ہوتی ہیں۔ انہوں نے تعلیمی مقاصد سے قطع نظر کر کے ایک غرض کی تجویز
 کی ہے۔ کہ خاص خاص زراعتی اجناس کے بیچنے اور خریدنے میں سہولتیں پیدا کر دیں

خاص طور پر مال مویشی کی خرید و فروخت کو انہوں نے بہت فروغ دیا ہے۔ اور بیچ پوچھو
 تو یہی سہولتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے عام کاشتکار اپنی چیزوں کو نمائش میں رکھتے ہیں
 ورنہ انعام و اکرام کا خیال تو کم لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔

پانچواں باب

زراعتی آمدنی کی تقسیم

زراعتی جماعتوں کی آمدنی زراعتی آمدنی سے مراد مزرعہ کی مجموعی آمدنی کے اُس حصے سے ہے جو ان لوگوں کو کہ جن کا تعلق براہ راست مزارعوں سے ہوتا ہے۔ وصول ہوتا ہے۔ خواہ بطور صلہ خواہ بطور بطور آمدنی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ جیب ایسے تمام عاملین مثلاً زمین پرورشیاں۔ آلات۔ مشینری وغیرہ کے مصارف پیداوار کی کل قیمت سے منہا کر دیئے جائیں۔ تو باقی جو کچھ بچتا ہے۔ اُسے ہم زراعتی آمدنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ زیادہ تفصیل سے یوں کہیے کہ یہ زراعتی آمدنی مشتمل ہوتی ہے۔ مزدوروں کی اجرت پر۔ زمین کے لگان پر۔ اُس اہل کے سو پر جو جانوروں آلات اور مشینری کے خریدنے پر لگایا جائے۔ اور کاشت کے منافع پر۔ ظاہر ہے کہ زراعتی آمدنی حالاتِ زمانہ کے تقاضے سے کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً ایک وقت تھا کہ فصل کے لگانے میں جتنے مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ وہ سب مزرعے میں کام کرتے تھے۔ اب یہ صورت ہے کہ ان کی ایک معقول تعداد ان دکانوں اور کارخانوں میں کام کرتی ہے۔ جہاں مشینیں وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔ اگرچہ ریاستہائے متحدہ میں دستور ہے کہ ایک ہی شخص مزدور۔ زمیندار اصل دار اور میٹر کی حیثیات کا جامع ہوتا ہے۔ تاہم بعض بعض صورتوں میں یہ چار اشخاص مختلف ہوتے ہیں۔ اور کاشتکار کی آمدنی ان میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جتنا دستی محنت کا کام ہوتا ہے۔ وہ سب کام یا اس کا کچھ حصہ کاشتکار اُجرتی مزدوروں سے کراتا ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسرے سے ساری زمین یا زمین کا کچھ حصہ لگان پر لیتا ہے۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا تمام اصل یا اکثر اُس کا کچھ حصہ کسی دوسرے سے

مستعار لیتا ہے۔ چونکہ ان امور میں ہمارے یہاں مختلف رواج ہیں۔ اس لئے پیچیدگیوں سے بچنے کیلئے بہتر یہی ہے کہ ہم مزرعہ کی تمام آمدنی کو چار حصوں میں تقسیم کریں۔
 اُجرت۔ کرایہ۔ سود۔ اور منافع۔ یہ حصے علیحدہ علیحدہ اشخاص کو ملیں یا سب ایک شخص کو۔ اس سے ہم سب درست بحث نہیں رکھتے۔

۱۔ اُجرت

جو کاشتکار اپنا سارا کام یا اس کا کچھ حصہ خود اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے اسکی اُجرت ہم اس رقم کو کہہ سکتے ہیں۔ جو وہ اپنے مزدوروں کی اُجرت میں سے خود کام کرنے کی بدولت بچاتا ہے۔ جو کاشتکار اپنی ساری زمین یا اُس کے کچھ حصے کا خود مالک ہو۔ اس کا لگان ہم اس رقم کو کہہ سکتے ہیں جو وہ اپنے لگان کی رقم میں سے زمیندار ہونے کی بدولت بچاتا ہے۔ اور جو کاشتکار اپنے تمام اصل یا اس کے کچھ حصے کا بغیر کسی مقروض ہوئے مالک ہو۔ اس کا سود ہم اس رقم کو کہہ سکتے ہیں۔ جو وہ سود کی رقم میں سے اصل دار ہونے کی بدولت بچاتا ہے۔ اسی مطلب کو ادا کرنے کا ایک یہ طریقہ ہے۔ کہ ایک اس قسم کے کاشتکار کی اُجرت وہ رقم ہے۔ جو وہ کسی دوسرے کیلئے کام کر کے حاصل کر سکتا ہے اُس کا لگان وہ رقم ہے۔ جو وہ اپنی زمین کسی دوسرے کو لگان پر دے کر حاصل کر سکتا تھا۔ اور اس کا سود وہ رقم ہے۔ جو وہ اپنا اصل کسی دوسرے کو مستعار و بھر حاصل کر سکتا تھا۔ ان رقم کو جمع کرنے پر اگر یہ معلوم ہو کہ ان کا مجموعہ اُسکی اوسط آمدنی سے زیادہ ہے۔ تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ کوئی نفع حاصل نہیں کر رہا۔ بلکہ اُلٹا نقصان اٹھا رہا ہے۔ اس صورت میں اُس کیلئے مصلحت اس میں ہے کہ وہ اپنی زمین لگان پر دیدے۔ اپنا اصل سود پر چڑھا دے۔ اور کسی دوسرے کیلئے اُجرت پر کام کرے لیکن اگر وہ یہ دیکھے کہ اسکی کل اوسط آمدنی ان تین مدات آمدنی کے مجموعہ سے زیادہ ہے تو اس کو یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ بحیثیت ایک مزرعہ کے ناظم کے یعنی ایک خود مختار کاشتکار کے نفع اٹھا رہا ہے۔

قدر و قیمت۔ تجارت۔ لگان اور سود کے مسائل قدر مبادلہ (exchange) عدل (equity) اور قیمت (price) کے مسئلہ کے تین پہلو ہیں۔ ایک ادبی شے (مثلاً انڈیا۔ روٹی۔ گھوڑا وغیرہ) کی قدر اسلئے ہوتی ہے۔ کہ اُس کی ضرورت ہے۔ اور جتنی بمقابلہ دوسری چیزوں کے اُس کی ضرورت زیادہ ہوگی۔ یعنی یہ دوسری چیزیں اتنی ہی زیادہ اسکے بدلے میں دی جائیں گی۔ اگر زیر بحث انڈے کے علاوہ اور متعدد انڈے بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ تو اس ایک انڈے کی ضرورت اُن کی کثرت کی نسبت سے کم ہوگی۔ اگر انڈوں کی قلت ہوتی۔ تو اسکی ضرورت بہت زیادہ ہوتی۔ یہی تقبیہ روٹی۔ گھوڑے اور دوسری شے تبادلوں پر صادق آتا ہے۔ طلب و رسد کے مشہور و معروف قانون کی تہ میں یہی سیدھی سادی بات ہے۔

اس کی وجہ کا حقیقہ سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم کسی گزشتہ باب میں صرف کنندہ اور پیدا کنندہ کے مفید مطلب اشیا میں جو تفریق کر چکے ہیں۔ اُس کی یاد تازہ کریں۔ صرف کنندہ کی مفید مطلب اشیا مراد ہے۔ اُن اشیا سے جو بذاتِ خود مطلوب ہیں نہ کہ کسی اور چیز کے وسیلہ کے طور پر۔ برخلاف اس کے پیدا کنندہ کی مفید مطلب اشیا مفقود بذاتِ ذات نہیں ہوتیں۔ بلکہ اور چیزوں کی بدولت جن کے حصول کا وہ وسیلہ ہیں مفقود ہوتی ہیں۔ اور وہ ایسی چیزوں جیسے ہلوں۔ سرادلوں۔ فصل کاٹنے کی کلوں اور زمین کمانے کی کھادوں وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

پہلے صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیا کو لیجئے۔ کسی خاص جنس کی رسد اگر کثیر ہو۔ تو اسکی مقدار واحد کی مانگ بہ نسبت اُس صورت کے کم ہوتی ہے۔ جبکہ اسکی رسد قلیل ہو۔ اسکی وجہ ایک سیدھی سادی نفسیاتی حقیقت ہے۔ جسے خواہش کی تسکین پذیری کہتے ہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے۔ کہ ہر حاجت تسکین پذیر ہے۔ اور جس قدر زیادہ وہ تسکین کے قریب ہوگی۔ اتنی ہی اسکی شدت میں تخفیف ہوگی۔ اس سے بھی زیادہ سیدھی سادی روزمرہ کی زبان میں کہنا چاہیں۔ تو یوں کہہ دیجئے کہ اگر آپ کسی شخص کو کوئی چیز بقدر حاجت دیدیں۔ تو وہ زیادہ کی خواہش نہ کرے گا

اور جیسے جیسے اس کی حاجت پوری ہوتی جائیگی۔ ایسے ایسے اس کی خواہش کم ہوتی ہو جائیگی یہ صرف ایک شخص کا حال نہیں بلکہ ہر فرد بشر کا اور ہر رکن جماعت کا یہی حال ہے۔ جب کسی مصرف کی چیز کی رسد بکثرت ہو۔ تو اُس کے برتنے والوں کی خواہش بہت کم ہوتی ہے۔ اور جب اس کی رسد کی قلت ہو تو خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ رسد کے بڑھنے کے ساتھ ہر مقدار واحد کیلئے خواہش شدید ہوتی جاتی ہے۔ یعنی عام صرف کنندہ کے پاس جتنی وہ چیز موجود ہے۔ اُس سے زیادہ کیلئے اُس کے دل میں اتنی زبردست خواہش نہیں ہوتی۔ جتنی اُس چیز کے نہ ہونے کی صورت میں ہوتی۔ کہنے کو تو یہ بات معمولی سی ہے۔ تاہم دراصل یہ نظریہ قدر کا خلاصہ ہے۔ جہاں تک اُس نظریہ کا تعلق صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء سے ہے۔ علاوہ بریں یہ بہائے تمام اخلاقی اور جمالیاتی اصولوں کی بنیاد ہے۔

رہیں پیدا کنندوں کے مفید مطلب اشیاء یا عالمین پیدائش۔ ان کا معاملہ ایسا سیدھا سادہ نہیں۔ ایک عامل پیدائش کی جو مانگ یا خواہش ہو سکتی ہے وہ اس بات پر مبنی ہے۔ کہ جس چیز کی پیدائش میں اُن سے مدد ملے گی۔ اس کی خواہش کہاں تک ہے۔ اس کی بنا پر اگر پیدا کردہ چیز کی بہتات ہو جائے اور اسکے لئے خواہش کم ہو جائے تو اس کے پہلو پہلو اُس چیز کیلئے بھی جو اس کے پیدا کرنے کا وسیلہ ہے خواہش کم ہوتی جائیگی۔ ایک عامل پیدائش کی رسد میں اضافہ ہونے کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جیسے جیسے پیدا کردہ شے کی رسد بڑھتی ہے۔ اس عامل پیدائش کیلئے خواہش کم ہوتی جاتی ہے۔ لیکن ایک اور وجہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ یعنی ”قانون تقلیل حاصل“۔ اس قانون کے ماتحت اگر ایک عامل پیدائش کی رسد دوسرے عالمین پیدائش سے اضافی طور پر بڑھ جائے۔ تو اس عامل کے ہر حصہ واحد کی پیدا آوری میں تخفیف ہوتی جاتی ہے۔

مثلاً ہم ایک عامل پیدائش۔ یعنی مزدور کی مزدوری کو لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا اصول کا اطلاق ایک عامل کی قیمت پر کہاں تک ہوتا ہے۔ اگر مزدور کو

تعداد میں ترقی ہو۔ اور زمین اور آلات کی مقدار اتنی ہی اتنی رہے۔ یا اگر یہ ہو کہ مزدوروں کی تعداد بہ نسبت زمین اور آلات کی مقدار اتنی ہی اتنی رہے یا اگر یہ ہو کہ مزدوروں کی تعداد بہ نسبت زمین اور آلات کی مقدار کے زیادہ سرعت سے ترقی کرے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر مزدور کے کیلئے زمین بھی کم ہوگی اور آلات بھی کم۔ اگر اس اثنا میں مزدوروں نے کاشت کے متعلق کوئی نئی بات سیکھ لی ہے تو خیر ورنہ یہ ہوگا کہ وہ زمین سے کم ہونے کی وجہ سے فی کس اتنی پیداوار نہ کر سکیں گے جتنی وہ زیادہ زمین ہونے کے دنوں میں کر سکتے تھے چونکہ مزدوروں کی تعداد میں ترقی ہونے کی وجہ سے ہر فرد مزدور کی پیداوار میں تخفیف ہوتی ہے اور چونکہ آجر مزدوروں کا اس لئے خواہشمند ہے کہ وہ پیداوار میں مدد دیں گے۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جیسے جیسے مزدوروں کی تعداد دوسرے عاملین پیداوار کی بہ نسبت بڑھتی جائے گی۔ ویسے ویسے آجر ہر فرد مزدور کا کم خواہشمند ہوتا چلا جائیگا۔ جب یہ ہوگا کہ آجر ہر فرد مزدور کا کم خواہشمند ہو جائیگا۔ تو جو قیمت یعنی اجرت وہ اس کو ادا کرنے کو تیار ہے وہ بھی کم ہو جائیگی۔ یہ ایک تین سبب ہے۔ اس بات کا مزدوروں کی تعداد کی کثرت اجرت میں کمی کا باعث ہوتی ہے۔ اگر مزدوروں کی تعداد زمین اور اصل کی نسبت سے کم ہو جائے تو نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہر مزدور کیلئے زمین بھی زیادہ ہوگی۔ اور آلات بھی زیادہ۔ اگر اس اثنا میں مزدور کاشت کے متعلق کوئی سبق بھول گئے ہوں یا کسی اور وجہ سے ناکارہ ہو گئے ہوں تو یہ جذبات ہے۔ ورنہ فی کس وہ زیادہ پیداوار کرینگے۔ اس طریق استدلال کے مطابق ہم اس بات کی بہترین توجیہ کر سکتے ہیں۔ کہ مزدوروں کی قلت کیوں اجرت کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔

ابھی ہم اس اصول کا اطلاق اور وسیع کر سکتے ہیں۔ یہی بنا دنیا کافی نہیں۔ کہ جب مزدوروں کی قلت ہو تو اجرت کیوں زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب انہی کی کثرت ہو۔ تو اجرت کم کیوں ہوتی ہے۔ اگر ممکن ہو تو یہ معلوم کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ کہ زراعتی آمدنی کا کوئی ناسا حصہ مختلف حالات میں مزدوروں پر صرف ہوتا ہے۔ یا اجرت کی صورت میں اٹھتا ہے۔ علم انسانی کی موجودہ حالت کو مد نظر رکھ کر اسکے مطابق اس قدر صحیح صحیح اطلاع حاصل کرنا غالباً محال ہے۔ تاہم وہ اصول جس کے ماتحت اجرت بڑھتی یا گھٹتی ہے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس اصول کو

”پیدا آوری مختتم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں محنت کا آخری نتیجہ یعنی جتنے مزدور کسی قطعہ زمین میں کام کرتے ہیں۔ ان میں سے آخری مزدور کی پیدا آوری۔
پیدا آوری مختتم۔ (Marginal production) ہم بغرض تبیل یہ فرض کئے لیتے ہیں۔ کہ اگر ایک آدمی ایکلا مزدور عین کام کرے۔ تو وہ اوسطاً ہزار ڈالر کی قیمت کی پیداوار کر سکتا ہے۔ اور اگر دو آدمی مل کر کام کریں۔ تو وہ ۱۶۰۰ ڈالر کی پیداوار کر سکتے ہیں۔ اس کے معنی میں حاصل کی تقیل۔ کیونکہ ایک آدمی ایکلا کام کرے تو اوسطاً پیداوار ۸۰۰ ڈالر ہوتی ہے۔ اور اگر دو مل کر کام کریں تو اوسطاً پیداوار ہوتی ہے ۸۰۰ ڈالر لیکن ”پیداوار مختتم“ اوسط پیداوار سے باطل مختلف چیز ہے جو صورت ہم نے فرض کی ہے اُس میں اگر اوسط پیداوار ۸۰۰ ڈالر ہے تو پیداوار مختتم ۶۰۰ ڈالر ہے۔ یعنی دوسرے آدمی کے اضافہ سے پہلے آدمی کی پیداوار میں صرف ۶۰۰ ڈالر کی رقم کا اضافہ ہوتا ہے۔ اب اگر مزدور کا مالک دانا اور کار آگاہ ہو۔ تو جو رقم وہ دوسرے آدمی کے خدمات کے صلے میں ادا کر لگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ۶۰۰ ڈالر ہونی چاہیے۔ چونکہ دو آدمی مل کر ایک ایکلے آدمی کی بہ نسبت صرف ۶۰۰ ڈالر زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ دو آدمیوں کو ایک آدمی کی بہ نسبت صرف ۶۰۰ ڈالر زیادہ ملنے چاہئیں۔ لیکن اگر کسی ملک میں شرح اجرت فی کس ۴۰۰ ڈالر سالانہ ہو تو کاشتکار کیلئے نفع بخش ہی امر ہے۔ کہ وہ کوئی دوسرا آدمی نوکر رکھ لے۔ کیونکہ اس طرح اُسے ۲۰۰ ڈالر کی بچت ہوگی۔

انتان زیادہ نفع جو اس کو ہوگا۔ اس کو دیکھ کر ممکن ہے۔ کہ وہ یہ سوچنے لگے۔ کہ کسی تیسرے آدمی کو نوکر رکھنا اس سے بھی زیادہ نفع بخش ہوگا۔ اب فرض کیجئے۔ کہ تین آدمی مل کر اگر اسی مزدور میں کام کریں۔ تو ۲۰۰ ڈالر پیدا کرتے ہیں۔ اس کے مطابق پیداوار مختتم ہوئی پوری کی پوری ۴۰۰ ڈالر۔ یعنی تیسرا آدمی دو آدمیوں کی پیداوار میں ۴۰۰ ڈالر کا اضافہ کرتا ہے۔ اگر تیسرے آدمی کی اجرت بھی آجرو کو ۴۰۰ ڈالر ادا کرنی پڑے۔ تو اس کیلئے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کہ دو آدمی کام کرتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ تیسرے کو نوکر رکھنے سے نہ اُسے کچھ فائدہ ہے نہ نقصان تاہم اگر پیداوار مختتم تیسرے آدمی کی اجرت سے ایک ڈالر بھی زیادہ ہوتی تو کاشتکار کیلئے

یہ بات نفع بخش ہوگی۔ کہ وہ تیسرے آدمی کو بھی رکھ کے۔ ایک ڈالر نفع بھی فقوڑا نہیں۔
اب یہ فرض کیجئے۔ کہ ملک میں مزدور اتنے کم ہیں۔ کہ اگر ان کی مساوی تقسیم کی جائے۔
تو جیسے مزرعہ کا ہم نے تصور کیا ہے۔ اُس جیسے مزرعوں کے حصے میں صرف دو دو آدمی آتے
ہیں۔ تو اس صورت میں قرین قیاس یہ ہے۔ کہ اگر ۲۰۰ ڈالر قرار پائیں۔ یعنی محنت کی پیداوار
مختتم کے برابر۔ اگر اجرت ۴۰۰ ڈالر سے زیادہ ہو۔ تو دانا کاشتکار کرینگے۔ کہ تیسرے آدمی کو جواب
دیدینگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے آدمی بے روزگار ہو جائینگے۔ اور کم اجرت پر کام کرنے
کیلئے آمادہ ہو جائینگے۔ اگر اجرت ۴۰۰ ڈالر سے کم ہو۔ تو ہر دانا کاشتکار یہ کریگا۔ کہ ایک تیسرا
آدمی رکھ لیگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہر شخص برسر روزگار ہو جائیگا۔ اگر اجرت ۴۰۰ ڈالر سے
بہت ہی کم ہو۔ تو بہت سے کاشتکار ایسے ہونگے۔ کہ وہ تین آدمیوں کا کیا ذکر اور بھی زیادہ
آدمی رکھنے کے خواہشمند ہونگے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی کم ہو جائیں گے۔ اور ان کی نانگ زیادہ
ہو جائیگی۔ اس وجہ سے اجرت محنت کی اوسط پیداوری مختتم کے مطابق از سر نو بڑھ چکی۔
یہ سچ ہے کہ کسی کاشتکار کو قبل از وقت یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ محنت کی پیداوری
مختتم آئندہ کیا ہوگی۔ کیونکہ وہ موسم کے متعلق کچھ پیشین گوئی نہیں کر سکتا۔ تاہم جو لوگ اس بارے
میں صاحب الرائے ہیں۔ وہ سب سے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ اس بارے
میں غلطے صاحب نہیں رکھتے۔ وہ عموماً ناکام رہتے ہیں۔ بلکہ اکثر دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ قطعی
بات یہ ہے کہ مزرعے بالآخر انہی لوگوں کے ہاتھ آئینگے۔ جو سب سے زیادہ کامیاب ہونگے۔ اور
اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جو کاشتکار کاروبار میں لگے رہیں گے۔ ان کے پاس اتنے اجرتی مزدور
ہونگے۔ جتنے کہ اوسطاً فصل بھر کام کر کے اپنی اجرت کے برابر پیداوار مختتم پیدا کر لیں گے۔
اس تعداد سے زیادہ یا کم مزدوروں کا رکھنا نفع سے محروم رہنے کا باعث ہوگا۔
ہم اس کو ایک مثال سے واضح کئے دیتے ہیں۔ ایک بندوق کی گولی جس سمت
میں جاتی ہے۔ وہ چند متعین ریاضیاتی قوانین کی تابع ہے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہی شخص
اچھا نشانہ باز ہو۔ جو ان قوانین سے واقف ہو۔ اچھا نشانہ باز صرف شست باندھنا ہے
اور اپنے تجربہ کی بنا پر نگاہ سے اندازہ کر لیتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ چاہے

اصول نشانہ بازی (Theorem of the mark) سے شناسا ہو یا نہ ہو۔ تاہم اس کا عمل خواہ بالا ارادہ اور خواہ بلا ارادہ اس اصول کے مطابق ہوگا۔ یعنی وہ اس قانون ریاضی پر کاربند ہوگا۔ فرض کیجئے کہ نشانہ بازی کا ایک متقابلہ قرار پایا ہے۔ بندوقیں ہیں تھوڑی اور آدمی ہیں بہت زیادہ۔ فیصلہ یہ ہوا ہے۔ کہ بندوقیں اُن لوگوں کو انعام میں دی جائیں۔ جو اچھے نشانہ باز ثابت ہوں۔ اب ضروری بات ہے۔ کہ بندوقیں انہی لوگوں کے ہاتھ آئیں گی۔ جو اصول نشانہ بازی پر کاربند ہوں گے۔ خواہ ارادی طور پر اور خواہ غیر ارادی طور پر۔ ان حالات میں بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے۔ کہ دراصل بندوقوں کا استعمال اصول نشانہ بازی کے مطابق کیا گیا۔ ایک بالکل اسی طرح کا متقابلہ مزرعوں کی ملکیت کے متعلق جاری ہے۔ اور جو لوگ معاشیات کے قوانین پر سب سے زیادہ پابندی کے ساتھ کاربند ہوتے ہیں۔ وہی اس مقابلے میں سب سے اچھے رہیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مزرعوں کا انتظام بحیثیت مجموعی معاشیاتی قوانین کے مطابق ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں۔ کہ اُجرتیں پیدا آوری محنت کے اصول کے مطابق بڑھتی یا گھٹتی ہیں۔ جو کاشتکار اس اصول کو نظر انداز کریں گے۔ اور اس پر عمل کرنے سے انحراف کریں گے۔ وہ ناکامیاب ہوں گے۔ اور جو اس پر نہایت پابندی سے عمل پیرا ہوں گے۔ وہ کامیاب ہوں گے۔ اور ذرا غنی کاروبار کے مالک و مختار رہیں گے و

۲۔ لگان

طلب اور رسد کے قانون کے باسے میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ جہاں تک اسکا اطلاق عالمین پیدائش پر ہوتا ہے وہ پیدا آوری منتظم کے قانون پر مبنی ہے۔ اس قانون کا اطلاق جس طرح محنت کی اجرت پر ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین کے لگان پر بھی ہوتا ہے تاہم زمین کی رسد کے متعلق بعض خصوصیات ہیں جن کا تذکرہ یہاں بر محل ہوگا۔ اول کسی خاص قسم کی زمین کی رسد کی مقدار ہمیشہ کیلئے مقررہ ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے محنت کی رسد مختلف اوقات میں مختلف المقدار ہوتی ہے۔ دوسرے زمین ناقابل انتقال ہے برخلاف اس کے مزدور انتقال پذیر ہیں۔ اور انہیں ایسی جگہوں سے جہاں اُن کی ضرورت کم ہو۔ ایسی جگہ لایا جاسکتا ہے۔ جہاں اُن کی ضرورت زیادہ ہے۔ زمین کی مقدار ہونا اور اس کا ناقابل انتقال ہونا یہ دو باتیں رسد کو طلب کے مطابق بنانے میں بڑی وقتوں کا باعث ہوتی ہیں۔ جس عامل پیدائش کی رسد بڑھتی یا گھٹتی ہے اور جسے طلب کے تغیرات کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا یا سکے اُس کے معاملے میں اتنی قیمت پیش نہیں آتی؛

ان میں سے پہلی خصوصیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض قطعات زمین جن میں کچھ ایسی غوییاں ہوتی ہیں۔ جو دوسرے قطعات زمین میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ محض قلت کی وجہ سے زیادہ قیمت پاتے ہیں۔ علاوہ بریں چونکہ زمین کی رسد ہمیشہ ایک مقدار مقررہ ہوتی ہے۔ اسلئے جوں جوں آبادی ... ترقی کرے۔ اسکی قدر و قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لیکن ان خصوصیات میں سے دوسری زیادہ اہم ہے۔ زمین کے غیر انتقال پذیر ہونے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جو قطعہ زمین اچھی جگہ واقع ہو۔ اس کی اپنی طبعیاتی زرخیزی سے قطع نظر کر کے خاص اپنے موتمہ و مقام کے اعتبار سے قدر بہت حاصل ہو جاتی ہے۔ دو مزدور اگر مساوی قوت و ذلت اور ہمارت رکھتے ہوں۔ تو نزدیک کے مقامات میں کسی جگہ بھی پہلے جائیں۔ ایک جیسی اجرت پائیں گے۔

وجہ یہ کہ اگر ایک جگہ محنت کی طلب زیادہ ہے۔ تو مزدور دوسری جگہ چھوڑ کر وہاں چلے جائینگے۔ اگر کوئی سودا ایسے ہوں۔ جن کی وجہ سے انہیں نئی جگہ کام نہ مل سکے یا فاصلہ اتنا زیادہ ہو کہ سفر کا خرچ بہت برداشت کرنا پڑے۔ تو یہ اوہ بات ہے۔ ورنہ مختلف مقامات میں ایک قسم کی محنت کی اجرت ایک ہی ہوگی۔ اور محنت کو محض موقع و مقام کے اعتبار سے کوئی قدر و قیمت حاصل نہ ہوگی۔ لیکن زمین کا معاملہ جدا ہے۔ زمین کے دو ایک ایک ایکڑ کے قطعوں کے درمیان چاہے صرف ایک ہی میل کا فیصلہ ہو۔ اور وہ چاہے نہ خیر میں مساوی حیثیت رکھتے ہوں۔ تاہم بہت ممکن ہے۔ کہ ان میں سے ایک قطع محض اپنے موقع کی بدولت دوسرے کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ قیمت پائے۔ اور اصل موقع کی قیمت زمین کے ہر ایکڑ قطعہ کی قدر و قیمت میں ایک اہم عنصر ہے۔ اور شہروں میں تو یہ واحد عنصر ہے۔

بہر حال جب کاشتکار کسی قطعہ زمین کو کرایہ پر لینے یا خریدنے کے سوال پر غور کر رہا ہو تو جو اصل میں اسکو درپیش ہوتا ہے۔ وہ یہ ہوتا ہے کہ جو مصارف اس قطعہ زمین کی کاشت پر آئینگے۔ ان سے کس قدر زیادہ پیداوار اس سے ہو سکیگی۔ پھر یہ سوال بھی ہوتا ہے اگر کاشتکار کو چھوٹے ٹکڑے کی بجائے بڑے ٹکڑے کی کاشت منظور ہے تو دو باتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہ زیادہ اصل اور زیادہ محنت سے کام لے۔ یا یہ کہ وہ کام تو لے اتنی ہی محنت اور اصل سے جتنی وہ چھوٹے ٹکڑے پر صرف کرتا لیکن اس کو ساری زمین پر پھوٹی مقدار میں مقدار میں پھیلا دے۔ یعنی بڑے ٹکڑے کی کاشت عمیق کرے۔ ہم فرض کئے لیتے ہیں۔ کہ اس کے پاس غیر محدود اصل موجود ہے یا وہ فراہم کر سکتا ہے۔ مزدور کی بھی ایک محدود تعداد سے وہ کام لے سکتا ہے۔ اور زمین کا بھی وہ ایک غیر محدود رقبہ خرید سکتا ہے یا لگان پر لے سکتا ہے۔ تاہم اس صورت میں بھی وہ رقبہ زمین جسے وہ یکفایت استعمال کر سکتا ہے محدود ہوگا۔ کیونکہ زمین کے ساتھ ساتھ نگرانی اور انتظام کی مشغلات بھی تو بڑھ جائیں گی۔ جیسے جیسے اسکی قابلیت انتظام کی حد آخری قریب ہوتی جائیگی۔ ویسے ویسے زمین کی پیداواری کم ہوتی جائیگی۔ اور یہ زمین میں کوئی طبعی تخیر

پیدا ہو جانے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ محض اس سبب سے کہ وہ اس کا انتظام خاطر خواہ طور پر نہیں کر سکیگا۔ جب صورتِ حالات یہ ہو کہ کاشتکار کے پاس اتنی زمین پہلے ہی موجود ہو کہ وہ اُس سے زیادہ زمین کا انتظام بوجہ احسن نہیں کر سکتا۔ تو اسکی توجہ بٹ جائیگی۔ اور ساری زمین کے انتظام میں نقص واقع ہو جائیگا۔ تو اس وقت کاشتکار کو اس سوال پر غور کرنا چاہیے۔ کہ آیا مزید رقبہ زمین میری تمام آمدنی میں اتنا ہی اضافہ کریگا۔ جتنے اُس پر مصارف آئیں گے۔ یہ سوال اس دوسرے سوال سے بالکل مختلف ہے۔ کہ آیا مزید رقبہ زمین سے علیحدہ طور پر اتنی ہی پیداوار ہوگی۔ جتنا اسکی کاشت کا خرچ ہوگا۔ اُن میں سے صرف پہلا سوال زمین کی پیداوار کی ختم سے علاقہ رکھتا ہے۔ دوسرے سوال کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

اس سے زیادہ وضاحت مطلوب ہو تو یہ فرض کیجئے کہ کسی کاشتکار کے پاس محنت اور اصل کی ایک متفرق مقدار موجود ہے۔ اور وہ اس سوال پر غور کر رہا ہے۔ کہ زمین اتنی یا اس سے ذرا زیادہ یا اس سے ذرا کم خریدنی چاہیے۔ یا لگان پر لینے چاہیے۔ اب اگر وہ زیادہ زمین استعمال کرے۔ تو اسکو اپنی محنت اور اصل کو بہت سی زمین پر پھیلانا پڑیگا۔ یعنی وہ زمین میں قدر سے کم عمیق کاشت کریگا۔ اس کا نتیجہ عام حالت میں یہ ہوگا۔ کہ فی ایکڑ پیداوار کم ہوگی۔ اسکی کسر زیادہ رقبہ زمین سے نکل سکتی ہے۔ لیکن جو زیادتی ان مزید قطعات سے ہوگی۔ وہ ان کی مجموعی پیداوار نہ ہوگی۔ بلکہ کل مزرعہ کی پیداوار جمع مزید ایکڑ میں سے اگر کل مزرعے کی پیداوار بغیر ان ایکڑوں کے منہا کر دی جائے۔ تو جو حاصل تقریبی ہوگا۔ وہ اس پیداوار کے مساوی ہوگا۔ مثلاً اگر ایک کاشتکار جس کے پاس مزدور اور اصل دونوں موجود ہیں۔ ۴۰۔ ایکڑ زمین کی کاشت کر کے ۵۰ ہیشل کمی فی ایکڑ کے حساب سے پیدا کرتا ہے۔ اور اُسی محنت اور اصل کے ساتھ ۵۰ ایکڑ زمین کی کاشت کر کے فقط ۴۰ ہیشل فی ایکڑ پیدا کرتا ہے۔ تو مزید دس ایکڑ شروع شروع میں اُس کیلئے صرف ۱۰۰ ہیشل سالانہ کی قیمت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ مقدار ہے۔ جو کل اضافہ مزید اس ایکڑ کی بدولت اسکی کل پیداوار میں ہوتا ہے۔ اب اگر وہ اپنی محنت اور اصل کو

۶۰۔ ایکڑوں پر صرف کرے اور صرف ۳۶ شل فی ایکڑ فصل حاصل کرے۔ اور یہ دوسرا اضافہ جو دس ایکڑ کا کیا گیا۔ یہ صرف ۶۰ شل کی قیمت رکھے گا۔ کیونکہ یہ وہ مقدار ہے جس کا اضافہ ان مزید دس ایکڑوں کی بدولت اسکی کل پیداوار میں ہوا۔ اس طرح اگر وہ اپنی محنت اور اصل کو ۷۰۔ ایکڑوں پر صرف کر کے فقط ۳۰ شل فی ایکڑ پیداوار حاصل کرے۔ تو مزید دس ایکڑ بجائے کسی فائدے کے اُسکے لئے ۶۰ شل کے نقصان کا باعث ہوتے ہوتے۔ کیونکہ اس مزید رقم کے اضافے سے اسکی کل پیداوار اُلٹی کم ہو جاتی ہے۔ اب اگر کسی جماعت میں زمین کاشتکاروں کی تعداد اور محنت اور اصل کی مقدار کی نسبت سے اتنی سستی ہو۔ کہ ایسا ہر کاشتکار جیسا ہم نے اوپر فرض کیا ہے۔ ۷۰۔ ایکڑ زمین بآسانی حاصل کر سکے۔ یا اسی حساب سے اور کاشتکار جو کسی قدر مختلف ساز و سامان رکھتے ہوں زمین لے سکیں۔ تو ظاہر ہے کہ زمین کا لگان کچھ بھی نہ ملے گا۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ زمین ساری کی ساری ایک سی قابل زراعت ہے) اگر ایسے ہی کوئی کاشتکار زمین بلا لگان کے بھی لے سکے تو بھی ۷۰۔ ایکڑ کی کاشت اُس کیلئے نفع بخش نہ ہوگی۔ اسلئے اگر زمین مفت مل سکتی۔ تو ناگزیر تھا۔ کہ اس کا کچھ حصہ بیکار رہنے دیا جاتا۔ اور اب جب تک یہ حالات باقی ہوں اُس وقت تک کوئی زمیندار اپنی زمین لگان پر نہیں دے سکیگا۔

لگان کا قانون تفرقی۔ لیکن اگر زمین ساری کی ساری ایک سی اچھی نہ ہو۔ (اور عموماً ہونا بھی ایسا ہی ہے کہ زمین کہیں ساری ایک سی نہیں ہوتی) تو جو قطعات اچھے ہیں ان کی کچھ قیمت یا لگان مل سکے گا۔ جب تک کسی جماعت کے یہاں بلا قیمت کے اور بلا لگان کے زمین ملنا ممکن ہو۔ اس وقت تک اگر کسی قطعہ زمین کا لگان ادا کیا جائے۔ تو اس سے ظاہر ہوگا کہ اجارہ دار اس زمین کو مفت کی زمین پر کس حد تک ترجیح دیتا ہے۔ جس قدر زیادہ خراب یا مشکل الحصول یہ مفت کی زمین ہوگی۔ اُسی قدر زیادہ اس لگان کی زمین کو ترجیح دیجائیگی اور انشا ہی اس کا لگان زیادہ ہوگا۔ یہ اس لگان کے قانون تفرقی کا ایک پہلو ہے۔ جس کو گذشتہ صدی کے معاشیاتی مباحتوں میں اسقدر نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ اصول یہ بلا شک و شبہ صداقت پر مبنی ہے؟ صرف ایک

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اُتنا پر حشی ہے بھی یا نہیں جتنا اکثر حاشیہ میں اسے خیال کرتے

ہیں۔ لگان کا انحصار پیدا اور مٹی مختتم کر کے ایک ہے؟ بعض ارباب رائے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جو اصول زیادہ وسیع اور بنیادی ہے۔ وہ پیدا اور مٹی مختتم کا اصول ہے۔ ہر کاشتکار کیلئے سب سے پہلا حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایک قطعہ زمین میں اگر وہ کاشت کرنے لگے تو بغیر اُس کے جتنی پیداوار کر سکتا تھا۔ اُس پر کتنی مزید پیداوار کر سکیگا۔ پس اس سے اُس قطعہ زمین کی قیمت بالنگانہ کا اندازہ کرنا چاہیے۔ زمین کا مفت مل سکتا اور بغیر کچھ خرچ کئے اپنی زمین میں اضافہ کر سکتا ہی ایک بات نہیں۔ جس کا خیال کاشتکار کو کرنا چاہیے رہے تو اس وسیع مسئلہ کا کہ زمین کی پیداوار کی قیمت کیا ہوگا۔ (یعنی زمین میں کاشت کرنے سے اُسکی پیداوار میں اضافہ کتنا ہوگا) فقط ایک جزوی پہلو ہے۔

لگان کا قانون تفرقی۔ جن الفاظ میں بالعموم بیان کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک وقت طلب امر ہے۔ وہ یہ کہ ایک ہی قطعہ زمین مختلف آدمیوں کیلئے مختلف قدر قیمت رکھتا ہے۔ ایک مثال لیجئے۔ ایک امریکہ کا وحشی جو تمدن سے بے بہرہ ہے۔ اور زمین کو صرف ایک شکار گاہ کے طور پر استعمال کرنا جانتا ہے۔ اُس کے لئے ایک ایکڑ زمین کچھ قدر قیمت نہیں رکھتی۔ شکار کے ذریعے ایک وحشی خاندان کیلئے گزارے موافق روزی دیا کرنا ہو تو کم از کم سو ایکڑ درکار ہیں۔ اس وحشی کی جگہ اگر کوئی گوراکشکار ہو تو اس کیلئے یہ ایک ایکڑ زمین بڑی چیز ہے۔ اس بنا پر اگر وہ وحشی کو اس سے زیادہ قیمت ادا کر دے۔ جتنی کہ ایک ایکڑ کسی قدر قیمت اس وحشی کے لئے ہے۔ تو یہ خسار کا سودا نہ ہوگا۔

اس طور پر ایک ایکڑ زمین جتنی ایک غیر منتظم اور کاروباری لیاقت سے محروم کاشتکار کیلئے قدر قیمت رکھتی ہے۔ اُس سے بدرجہا زیادہ ایک مہر مند اور سائنفلک کاشتکار کیلئے اُس کی قدر قیمت ہے۔ چونکہ مہر مند کاشتکار بے مہر کے مقابلے میں بہت زیادہ پیداوار کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی کم لاگت سے۔ اس لئے

وہ اگر زیادہ قیمت بھی ادا کرے تو مضائقہ نہیں۔ اگر بے ہنر کاشتکار پہلے ہی زمین پر قبضہ رکھتا ہے۔ تو اس کو صرف اتنی قیمت ادا کر دینی کافی ہے۔ جتنی اُس کے نزدیک زمین کی حیثیت ہے یا اس سے زیادہ۔ یہ بات اچھے ہنرمند کاشتکار کے بس میں ہے کہ چاہے بطور خریدار چاہے بطور لگان واردہ زمین پر قبضہ حاصل کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ زمین عموماً ادنیٰ کاشتکاروں کے ہاتھوں سے نکل کر اچھے کاشتکاروں کے قبضہ میں آ جاتی ہے۔

اب مختلف قسم کی زمینوں پر سائنٹفک طریقے کی کاشت کا بوجھ اثر ہوتا ہے اس میں زمینیں مختلف و متباہین حیثیتیں رکھتی ہیں۔ جس زمین پر سائنٹفک کاشت کا کچھ اثر ہی نہ ہوتا۔ وہ جتنی ایک غیر سائنٹفک اور متوسط درجے کے کاشتکار کیلئے قدر قیمت رکھتی ہے۔ اس سے ہرگز زیادہ کسی سائنٹفک اور متوسط درجے کے کاشتکار کے لئے قدر قیمت نہیں رکھتی۔ اس بنا پر بہت ممکن ہے۔ کہ ایسی زمین دلوں تک ادائیگے درجے کے کاشتکاروں کے قبضے میں رہے۔ لیکن جو زمین باہارت کاشت کا اثر قبول کرتی ہے۔ اُس پر ماہر کاشتکار کی نظر ضرور پڑتی ہے۔ اُس کیلئے یہ زمین بمقابلہ معمولی کاشتکار کے زیادہ قدر قیمت رکھتی ہے۔ اور اسلئے معمولی کاشتکار جتنی قیمت یا جتنا لگان اس کا ادا کر سکتا ہے۔ اُس سے زیادہ ادا کرنے کا اچھے کاشتکار کو مفدور ہوتا ہے۔ اس طور پر مختلف علاقوں میں ماہرین زراعت تقسیم ہو جاتے ہیں۔ جو کاشتکار زیادہ قابل اور کاروان ہوتے ہیں۔ وہ اچھی زمینوں پر قبضہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور جو کم قابل ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس معمولی زمینیں رہتی ہیں۔ لگان کے قانون تقرقی کا ایک اور پہلو جو اوپر کے پہلو سے کم اہم نہیں۔ لیکن زیادہ مشکل اور پیچیدہ ہے یہ ہے کہ زراعتی اجناس کی قیمت سے زمین کے لگان کا کیا تعلق ہے۔ اس قانون نے مانتا ہے کہ محنت اور اصل کی پیداوار مختتم اُس وقت کم ہو جاتی ہے۔ جب کسی قطعہ زمین کی کاشت میں ان کی بڑھتی ہوئی مقدار صرف کی جائے تو چاہے یہ زمین کتنی ہی زرخیز ہیوں نہ ہو۔ اسکی پیداوار مختتم بدترین

زمین کی پیداوار کے برابر ہوگی۔ یعنی اگر کسی زرخیز قطعہ زمین میں کاشت عمیق بڑی حد تک کی جائے تو بالآخر ایک ایسا درجہ آئے گا۔ کہ ایک بمقدار محنت اور اصل کا اضافہ کل پیداوار میں اس قدر کم اضافہ کریگا کہ یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ آیا یہ مقدار اس صورت میں زیادہ پیداوار کرتی ہے۔ اگر اس کو کسی اور زمین میں صرف کیا جاتا۔ تو زیادہ پیداوار کرتی ہو۔

لگان کا تعلق پیداوار کی قیمت سے۔ معاشیات کے شکل ترین مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ زمین کے لگان کا زراعتی پیداوار کی قیمتوں سے کیا تعلق ہے عام رائے یہ ہے کہ زیادہ لگان کا ہونا زیادہ قیمتوں کا باعث ہے۔ پیچ پوچھے تو یہ یوں ہے جیسے گھوڑے کی دم میں لگام۔ یعنی علت و معلول کے تعلق کو معکوس کر دینا۔ زیادہ لگان زیادہ قیمتوں کا سبب نہیں بلکہ نتیجہ یہ ہے۔ جب قیمتیں چڑھی ہوئی ہوں۔ تو کاشتکار دولت کما رہے ہیں۔ اور اس وجہ سے انہیں اور بھی زمین کی خواہش پیدا ہوتی۔ اس خواہش کی بدولت زمین کا لگان اور زمین کی قیمت چڑھ جاتی ہے۔ واقعات کی منطقی ترتیب حسب ذیل ہے۔

اچھی زمین کی قلت سے زراعتی پیداوار کی اضافی قلت بلحاظ اسکی طلب کے لازم آتی ہے۔ زراعتی پیداوار کی قلت بلحاظ اسکی طلب کے قیمتوں کے چڑھنے کا باعث ہوتی ہے۔ زراعتی پیداوار کی قیمتیں چڑھنے سے کاشتکار خوشحال ہوتے ہیں۔ اور ان کو قابل زراعت زمین کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ زمین کی یہ بڑھتی ہوئی خواہش یا طلب اور اسکی رسد کی قلت لگان کے چڑھنے کا باعث ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے۔ کہ کسی قطعہ زمین کے استعمال کیلئے جو قیمت ادا کی جاتی ہے۔ وہ دوسری تمام چیزوں کی قیمت کی طرح اس بات کی نشانی ہے۔ کہ اس قطعہ زمین کی مانگ کہاں تک ہے۔ اور کسی قطعہ زمین کیلئے جو مانگ ہو سکتی ہے۔ اس کی انحصار ایک حد تک اس بات پر ہے۔ کہ اس کے استعمال سے کتنی آمدنی ہو سکیگی۔ اور یہ بات آگے اس پر منحصر ہے۔ کہ اسکی پیداوار کی قیمت کیا ہوگی؟

محصول مفروضہ۔ بعض مصلحین معاشرت جنہیں محصول مفرد کا حامی کہا جاتا ہے

ان کا یہ خیال ہے۔ کہ زمین کا لگان زمیندار محنت سے نہیں کماتے۔ اس دعویٰ کی تصدیق
کے لئے وہ زمین کی ملکیت اور زمین کی اصلاح کے درمیان بڑی تفریق کرتے ہیں۔ وہ
کہتے ہیں کہ زمین جس سے مراد سطح زمین کے بعض اصلی یعنی طبعی اور غیر فانی خواص ہیں (کسی
فرد بشر کی محنت۔ سواہ گزراں یا دور اندیشی کا نتیجہ نہیں بلکہ فطرت کا عطیہ بلا معاوضہ ہے
زمین اگر کسی شخص کی ملکیت بنتی ہے۔ تو اس لئے نہیں کہ وہ اس کا صانع ہے۔ بلکہ محض
اسلئے کہ وہ اس پر قبضہ جمالیتا ہے۔ جب وہ ایک بار اُس پر قبضہ جما چکا ہے۔ تو دوسرے
یعنی سو سائی کے ارکان اس کی ملکیت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس طرح زمین قانوناً اس
شخص کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اور ازاں بعد وہ اگر چاہے تو دوسروں کو اس کے
استعمال سے محروم رکھ سکتا ہے۔ یا اُن سے کوئی معاوضہ طلب کر سکتا ہے۔ یہ معاوضہ
جو وہ اُن سے حاصل کرتا ہے۔ ایک قسم کی آمدنی بن جاتی ہے۔ اور یہ آمدنی اس کی
کسی خدمت کا جو اُس نے معاشرت یا بنی نوع انسان کے حق میں انجام دی ہو معاوضہ
نہیں ہوتی۔ یہ تو ہوا زمین کی ملکیت کا معاملہ۔ اب زمین کی اصلاح کو لیجئے۔ اس کا معاملہ اس
سے بالکل جدا ہے۔ جب زمین میں آبپاشی کی جائے۔ اسے قابل اور بنایا جائے۔ تو جو شخص یہ
کام کرے وہ ایک خدمت انجام دیتا ہے۔ اُسکے کام کی بدولت دنیا کو ایک ایسی چیز
ملتی ہے۔ جو اس کے بغیر ملتی محال تھی۔ لیکن خالی زمین تو ازل سے موجود تھی۔ اور
اگر کسی شخص نے فقط زمین پر قبضہ کر لیا۔ تو دنیا کو اس سے کیا حاصل ہوا۔ کسی شخص کی
آمدنی کا وہ حصہ جو زمین کی اصلاح کی بدولت اُسے ملے۔ اُس کی ذاتی کوششوں کا ثمرہ
ہے۔ لیکن جو حصہ اُسے زمین کے خواص طبعی کی بدولت ملے۔ وہ اس کی کوششوں کا ثمرہ
نہیں۔ بلکہ اُس کے ایک وسیلہ طبعی مخالفانہ قہمہ حاصلینے کا نتیجہ ہے۔ اور اس کی جینا اور
کارگزاری کا نتیجہ نہیں۔

مثال کے طور پر ہم فرض کرتے ہیں۔ کہ کسی کا شتکار کو علاوہ تمام اخراجات زرمیمہ
اور مطالبات فرسودگی کے ۲۰۰ ڈالر اوسط آمدنی ہوتی ہے۔ وہ اور اُس کا خاندان
ایک ایسا کام کر رہے ہیں۔ جو بازار کی شرح اجرت کے حساب سے صرف ۱۰۰ ڈالر معاوضہ

مستحق تھا۔ پھر یہ بھی فرض کیجئے کہ اس شخص نے عمارتوں پر اپنی زمین کی اصلاح پر اور مشینری امدادات اور ٹھوڑوں کی جوڑیوں وغیرہ کے فراہم کرنے پر۔۔۔ ۱۰۰ ڈالر خرچ کئے ہیں۔ اگر شرح سود فیصدی ہو۔ تو اس کی آمدنی سے ۵۰ ڈالر سود میں شمار کئے جانے چاہئیں۔ ان مفروضات کے مطابق کاشتکار کی اصل آمدنی ۵۰ ڈالر رہے۔ باقی اندہ جو ۵۰ ڈالر ہیں۔ وہ اس کی کارگزاری کا صلہ نہیں۔ کیونکہ جیسا ہم کہ چکے ہیں۔ اس کے کام کی اجرت صرف ۱۰۰ ڈالر ہے۔ یہ بھی ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس نے پیشتر ازیں جو کام زمین کی اصلاح تعمیر عمارت وغیرہ کے سلسلے میں کیا ہے۔ یہ رقم اُس کا معاوضہ ہے۔ اس کا معاوضہ ۵۰ ڈالر تو ہم علیحدہ گن چکے ہیں۔ تو پھر یہ جو ۵۰ ڈالر کی باقی ماندہ رقم ہے۔ یہ کس حساب میں ہے۔ یہ زمین کا کرایہ ہے۔ یعنی ایک شخص کی آمدنی محض اس امر کی بدولت کہ وہ زمین کے ایک حصے کا مالک بن بیٹھا ہے۔ اسکے ہاتھ آتی ہے۔ بنا بریں محصول مفرد کے حامی یہ کہتے ہیں۔ کہ اس شخص نے ۵۰ ڈالر تو کم کر حاصل کئے ہیں۔ لیکن باقی ماندہ ۵۰ ڈالر اس کو بغیر کارگزاری ہاتھ آ گئے ہیں۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کاشتکار نے زمین کسی اور شخص سے خریدی ہے۔ اور اس کو ۱۰۰۰ ڈالر ادا کئے ہیں۔ علاوہ بریں عمارتوں۔ اصلاحات اور ساز و سامان پر۔۔۔ ۱۰۰ ڈالر کی مزید رقم خرچ کی ہے۔ اس صورت میں ۵۰ ڈالر کی رقم جو زمین پر روپیہ لگانے کا سود ہے۔ کیا یہ اس کا انہی معنوں میں حق نہیں۔ جن معنوں میں دوسری جگہ ۵۰ ڈالر کی رقم جو اصلاحات پر روپیہ لگانے کا سود ہے۔ اُس کا حق ہے۔ یا وہی انتظار میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ صورت محصول مفرد کے حامی کبھی اکثرین کی جماعت کو اس کے قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے کہ ہمارا دعویٰ باطل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس کاشتکار نے ایک دوسرے آدمی کو۔۔۔ ۱۰۰ ڈالر قیمت دینے میں غلطی کی ہے۔ کیونکہ زمین اُس دوسرے شخص کی کوششوں کا نتیجہ نہیں۔ اس کو تو بغیر ہاتھ پاؤں ہائے یہ رقم خطیر مل گئی۔ اب چونکہ خریدنے والا اس غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ کہ اُس نے ایک غیر مستحق شخص کو ۱۰۰ ڈالر دے دیئے۔ اس لئے بعض انتہا پسند حامیان محصول مفرد کی

رائے میں وہ ہرگز کسی رعایت کا مستحق نہیں۔ ۵۰۰ ڈالر یعنی زمین کا لگان اس سے محصول کی قیمتیں لے لینے چاہئیں۔ چاہے اس سے یہی کیوں نہ لازم آئے۔ کہ اس شخص نے جو ۱۰۰۰ ڈالر ادا کئے ہیں۔ وہ ایک طرح قرق ہو گئے۔ بعض اعتدال پسند مامیان محصول مفرد جو ذرا زیادہ انصاف کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ موجودہ مالک سے اگر مالگداری وصول کی جائے۔ تو یا تو کسی صورت میں اس کی تلافی کر دی جائے۔ یا آئندہ لگان میں جو اضافہ ہو وہ بطور مالگداری وصول کر لیا جائے۔ اور زمین کی قدر و قیمت میں جو اضافہ مالک کی ذاتی محنت سے یعنی اصلاحات سے ہوا ہے یا آئندہ ہوگا۔ اس پر مالگداری معاف کر دی جائے۔ یہ تجویز زیادہ اعتدال اور میانہ روی پر مبنی ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اس پر عملدرآمد کرنا مشکل ہے۔ تاہم اتنا مشکل نہیں جتنا مالگداری کے دوسرے قاعدوں پر عمل کرنا مشکل ہے۔

یہ دعویٰ کہ اگر حکومت ہی صرف زمین کے لگان پر مالگداری لیتی تو مالگداری نہیں بار نہ معلوم ہوتی۔ ایک ایسا تعجب انگیز دعویٰ ہے۔ کہ اس پر یقین کرنا مشکل ہے۔ تاہم اس دعویٰ کی صداقت و ناکل و شواہد سے ثابت کی جاسکتی ہے۔ اگر یہ دستور ہوتا تو اوپر جو مثال ہم نے لی ہے۔ اس میں کاشتکار کو سفید زمین کی قیمت ۱۰۰۰ ڈالر نہ ادا کرنی پڑتی۔ کیونکہ سفید زمین کی قیمت فروخت اتنی نہ چڑھتی۔ جو قیمت اس کی ہوتی وہ مالگداری کی صورت میں حکومت کے خزانے میں چلی جاتی۔ لیکن دوسری طرف جو اصلاحات مالک زمین کرتا۔ ان پر کوئی محصول نہ لگایا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ اس کاشتکار کے جو ۲۰۰۰ ڈالر اس مزرعے کیلئے ادا کئے ہیں۔ یعنی ۱۰۰۰ ڈالر زمین کی قیمت اور ۱۰۰۰ ڈالر اس کی اصلاح پر صرف کئے۔ تو بجائے اس کے اسے صرف ۱۰۰۰ ڈالر یعنی اخراجات اصلاح ادا کرنے پڑتے۔ اس کو ۱۰۰۰ ڈالر جو زمین کی قیمت خرید میں سے نیچے پہننے۔ اس کے بل پر وہ ٹکس ادا کرنے کے قابل ہو جاتا۔ یعنی اگر اس کے پاس یہ ۲۰۰۰ ڈالر نقد ہوتے۔ تو وہ ۱۰۰۰ ڈالر زمین کی قیمت ادا کر سکتا۔ اور باقی ماندہ ۱۰۰۰ کے سود پر قرض دے دیتا۔ اس سود کے بل بوتے پر وہ اپنے محصول

ادا کرتا۔ برخلاف اس کے اگر اس کو زمین کی قیمت ادا کرنے کیلئے روپیہ قرض پر لینا پڑتا۔ ۱۰۰۰۰ ڈالر مستعار لیتا۔ یعنی جنس و رقم اس کیلئے محصول یا مالگذازی نہ ہونے کی صورت میں یعنی ضروری تھی۔ اس سے ۱۰۰۰۰ ڈالر کم۔ ۱۰۰۰۰ ڈالر پر جو سود چالیتا اور یہ جو سود کی بچت اسے ہوتی۔ یہ اس کیلئے محصول کے بعینہ برابر ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ چاہے لگان پر ہمیشہ سے محصول لگایا جاتا۔ چاہے بالکل نہ لگایا جاتا۔ دونوں صورتوں میں اس کا شکر کیلئے کوئی فرق نہ تھا۔ بجائے اس کے کہ شکر کار سابق مالک کو جس نے اپنی محنت سے زمین پیدا نہ کی تھی۔ ایک رقم خیر ادا کرتا وہ اس رقم پر حکومت کو سود ادا کرتا۔ اس سود سے حکومت کو یہ مدد ملتی وہ اپنے مصارف چلا سکتی اور اس طرح اسے محنت سے پیدا کی ہوئی چیزوں پر محصول لگانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

۳۔ سود

سود کیا چیز ہے اور کیوں ادا کیا جاتا ہے؟ معاشیات کے مشکل ترین اور مبہم ترین مسائل میں ایک مسئلہ سود کا ہے۔ سود اُس آمدنی کا نام ہے جو اصل ملکیت اور اُس کے استعمال سے ہوتی ہے۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ یہ آمدنی کیونکر ہوتی ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں۔ اگر ہم ایک سیدھا سادہ معاملہ لیں۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص کوئی آلہ اپنے لئے بناتا ہے۔ اور پھر اس سے پیدائش میں کام لیتا ہے۔ تو اس سوال کا حل آسان معلوم ہوتا ہے۔ اس آلہ کے استعمال سے پیدائش میں جو اضافہ ہوگا۔ اُس کو ہم سود کہہ سکتے ہیں۔ گو عرف عام میں اس سے کبھی کبھی بلا امتیاز معنی اُجرت بھی کہہ دیتے ہیں۔ تاہم یہ اضافہ پیدائش جو آلہ کے استعمال سے وجود میں آتا ہے۔ اس کا صاف صاف سمجھ لینا ضروری ہے جو وقت اور محنت اس آلہ کے تیار کرنے میں صرف کی گئی ہے۔ اُس کو اور فائدہ بخش چیزوں کے پیدا کرنے کیلئے صرف کیا جاسکتا تھا۔ جب آلہ تیار ہو چکے اور اس کا استعمال کیا جائے۔ تو دوسری مفید چیزوں کی پیدائش کی مقدار میں اس سے ترقی ہوتی ہے۔ اس ترقی کی مقدار اگر اُس مقدار سے زیادہ نہیں۔ جو اُس وقت اور محنت سے جس کو اس آلہ کے تیار کرنے میں صرف کیا گیا ہے پیدا ہو سکتی تھی۔ تو ظاہر ہے کہ اس آلہ کے تیار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں جو ظاہری آمدنی اس سے ہوتی ہے۔ وہ حقیقی آمدنی نہیں۔ کیونکہ اس سے صرف اصل وصول ہوتا ہے۔ لیکن اگر کل آمدنی جو آلہ کے استعمال سے ہوتی ہے۔ وہ اس مقدار سے زیادہ ہے جو اس وقت اور محنت سے جو اس آلہ کے تیار کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ پیدا ہو سکتی تھی۔ تو ظاہر ہے کہ آلہ کے تیار کرنے میں حقیقی اور فالص نفع ہے۔ یہ پیشی دوسرے الفاظ میں وہ اضافہ ہے جو آلہ کے استعمال سے پیدائش میں ہوتا ہے۔ اور اس پیشی کا نام سود ہے۔

اگر مالک آلہ کو خود استعمال کرنے کے بجائے کسی اور کو کرایہ پر دیدے تو اُجرت

اور سود کا باہمی فرق قدرے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن اثنا واضح پھر نہیں ہوتا جتنا ہوتا چاہیئے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے۔ کہ جو آمدنی مالک کو ہوتی ہے۔ وہ اس کے اس وقت کا عوض دیتی ہے۔ جو اس نے آئندہ تیار کرنے میں صرف کیا ہے۔ وہاں تک ہم اس آمدنی کو مختانہ کہہ سکتے ہیں۔ یا فوراً زیادہ صحیح الفاظ میں ایسا مختانہ جو دیر سے ادا کیا گیا ہے۔ اگر کل اس سے زیادہ ہے۔ جتنی کہ اُس کے وقت کا معاوضہ دینے کیلئے یا اس کو فائدہ بخش چیزوں کی وہ مقدار بہم پہنچانے کیلئے کافی تھی جو وہ اپنے وقت اور وقت خرچ کر کے پیدا کر سکتا تھا تو اُس بیشی کا نام سود ہے۔ اگر خود آلات بنانے کی بجائے مالک دوسرے آدمیوں سے اجرت پر بنوائے۔ اور پھر آگے آلات کو کرایہ پر دیدے۔ تو ظاہر ہے کہ جب تک اس کی آمدنی اس سے زیادہ نہ ہو کہ جو اجرت اُس نے مزدوروں کو ادا کی ہے۔ وہ اُسے واپس مل جائے۔ تو اس وقت اس کو کچھ سود حاصل نہیں ہوتا۔ یا اگر آلات کے تیار کرنے میں علاوہ مزدوروں کی اجرت کے اس کو اور بھی اخراجات برداشت کرنے پڑے ہیں۔ تو اُس کی آمدنی ان اخراجات کے معاوضہ سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ صرف اس صورت میں ہم اُسی سود کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ حاصل کلام اس بیشی کا نام سود ہے۔

اب ایک اور صورت ملاحظہ کیجئے۔ فرض کیجئے کہ بجائے اس کے کہ مالک دوسرے آدمیوں سے اجرت پر آلات بنوائے اور انہیں کرایہ پر دیدے۔ وہ اس شخص سے جو آلات بنانا ہے براہ راست خریدے۔ اور خود استعمال میں لائے۔ آلات بنانے والے سے براہ راست خریدنے کے معنی ہیں۔ یک مشت اتنی رقم ادا کر دینا کہ تمام مصارف پیدائش کو (جن میں مزدوروں کی اجرت بھی شامل ہے) متکفل ہو سکے۔ اب اگر ہر آلہ اسکی پیداوار میں اتنا اضافہ کرے کہ اُس میں سے آلہ کی قیمت بھی نکل آئے۔ اور اوپر کچھ بچ ہے۔ تو پھر اُس شخص کو آلہ خریدنے کا مطلق کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یعنی اس سے اُسے کوئی سود نہ ملا۔ لیکن اگر اُس آلہ کی بدولت وہ شخص قیمت خرید سے کچھ زیادہ کمائے تو اس کا نام سود ہوگا۔ اب ذرا یہ فرض کیجئے کہ بجائے آلات کو خود استعمال کرنے کے وہ ان کو کرایہ پر دے دیتا ہے۔ جو کچھ اُسے اُس قیمت سے جو اُس نے آلہ کیلئے ادا کی ہے۔ فاضل ملے گا۔ اسکو ہم سود کہیں گے

انہیں یہ فرض کیجئے کہ جو آلہ اُس شخص نے خریدا ہے اُس سے کام لینے کیلئے وہ چند آدمی نوکر رکھتا ہے۔ زنانہ حاضرہ کے اصل دار عموماً یہی کرتے ہیں۔ اچھا اب اجرت تو مزدوروں کو دی ہی جائیگی۔ اسلئے ضروری ہے کہ مزدوروں اور آلات دونوں کی متحدہ پیداوار اتنی ہو کہ نہ صرف مزدوروں کی اجرت اور دوسرے منفرد اخراجات مثلاً خطرہ اور فرسودگی کے مصارف وغیرہ اُس میں سے نکل سکیں۔ بلکہ آلات کی اصل قیمت بھی نکل آئے۔ اس کے اوپر جو کچھ آمدنی ہوگی۔ اُسے ہم سود کے نام سے منسوب کریں گے۔ اگر مالک کاروبار کی پختہ غور و اور توجہ سے کرے۔ باقاعدہ حساب کتاب رکھے تو وہ ہر سال کچھ رقم آلات کے اپنے پاس رکھنے اور اُن کی فرسودگی کے اخراجات کیلئے علیحدہ کر سکیگا۔ اس رقم کو ہم اس سال کے اصل مصارف میں شمار کریں گے۔ اگر ہر سال کچھ رقم بچ رہے۔ تو اس کو ہم اس سال کا سود کہہ سکتے ہیں۔ اس طور پر مالک اگر چاہے تو اپنے کاروبار کے آغاز ہی سے سالانہ سود حاصل کر سکتا ہے۔

یعنی صورتیں ہم نے اب تک ملاحظہ کی ہیں۔ وہ سب فی لاصل ایک ہی ہیں۔ اُن میں جو فرق ہیں۔ وہ صنعتی ترقی کے مختلف مدارج کی وجہ سے ہیں۔ ان سب صورتوں میں قدرتی شکل یہ ہے کہ سود اس امر کی بدولت حاصل ہوتا ہے کہ آلات کے استعمال سے جو پیداوار ہوتی ہے۔ وہ اُس پیداوار سے جو آلات کے اوپر خرچ ہو جاتی ہے۔ یا اُن کے حصول میں صرف ہوتی ہے زیادہ ہوتی ہے۔

لیکن جب ہم زر کے سوال کو داخل بحث کریں تو معاملہ ذرا پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ تاہم کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔ زر چونکہ بالکل "خریدنے کی استطاعت" کا نام ہے۔ یا یوں کہئے۔ کہ جماعت سے اس بات کا مطالبہ ہے کہ جو چیزیں بچی جاتی ہیں۔ اُن کا ایک حصہ صاحب زر کو دیا جائے۔ اسلئے زر کا مستعار مینا آلات یا اور مفید اشیاء کے مستعار دینے کے مرادف ہے۔ جب صاحب زر اپنا زر کسی دوسرے شخص کو مستعار دے۔ تو وہ اپنی خریدنے کی قوت اس کو دے دیتا ہے۔ اور اُس کے معنی ہیں قرض لینے والے کو آلات دے دینا۔ قرض لینے والا قرض دینے والے کو جب سود ادا کرتا ہے۔ تو وہ فی لاصل اس کو آلات کے

استعمال کرنے کا معادہ دینا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے دیکھتے تو یہ صورت بعینہ سابق صورتوں سے مماثل ہو جاتی ہے۔ جن میں زر کی وساطت کا کوئی جھگڑا نہ تھا۔

لیکن ہم یہ پوچھ سکتے ہیں۔ کہ یہ کیونکر ہوتا ہے۔ کہ ایک آلہ یا کوئی اور عامل پیدائش اس سے بہت کم قیمت پاتا ہے۔ جتنی کہ اس سے مستقبل میں مجموعی آمدنی ہوگی۔ اگر ایک آلہ کی بدولت میری پیداوار میں ۱۰۰ ڈالر کا اضافہ ہوگا۔ اور اگر وہ آلہ دس سال تک مجھے کام دیگا۔ تو کیا وجہ ہے کہ میں اس کی قیمت ۱۰۰ ڈالر دینے کو تیار نہ ہو جاؤں۔ اگر میں ۱۰۰ ڈالر دیتا ہوں۔ تو آلہ کا بنانے والا آلہ کی تمام آئندہ قیمت وصول کر لیتا ہے۔ اور مجھے مطلق کوئی سود نہیں ملتا۔ دس سال کی مدت میں مجھے صرف اپنا اصل زر یعنی آلہ کی اصل قیمت خرید وصول ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آلہ کا بنانے والا ۱۰۰ ڈالر سے کم قیمت لینے پر کیوں رضا مند ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ ۷۰ ڈالر لینے پر راضی ہے۔ میں یہ رقم دینے پر راضی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بات کیلئے تیار ہے۔ کہ میں ۱۰۰ ڈالر نفع حاصل کروں۔ یعنی انتظار کا صلہ ۱۰ سالانہ کے حساب سے۔ یہ صلہ گونہایت ہیچ مقدار ہے۔ پھر بھی سود ہے۔ اگر میں ایک ایسے آلہ کیلئے ۱۰۰ ڈالر دینے پر راضی نہیں۔ بلکہ اس سے کم دینے پر مصر ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ میں سود لینے کیلئے اصرار کرتا ہوں۔ ان دونوں بعینہ اس طریقے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ گو ان میں بعض ایسے بھی ہیں۔ کہ سود کی مامیت کے متعلق مغالطہ میں مبتلا ہو کر نظری حیثیت کے سود کے اصول کو غیر مستحسن قرار دیتے ہیں لیکن جو طریقہ سود کا ہم نے بیان کیا ہے۔ یعنی مطلوبہ قیمت سے کم دیگر سود لینا اس پر سب کار بند ہوتے ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ ایک ایسا آلہ یک مشت ۱۰۰ ڈالر قیمت نہیں پاتا۔ یا کسی قسم کا اصل اپنی تمام آئندہ قیمت پر فروخت نہیں ہوتا۔ وجہ صرف یہ ہے۔ کہ لوگ انتظار نہیں چاہتے۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہ جو کچھ ملتا ہے اب ملے۔ آئندہ جو کچھ ملے گا وہ کم ہو یا زیادہ اس کا وہ انتظار نہیں کر سکتے۔ یعنی وہ تفصیلی پر مرسول جانا چاہتے

ہیں۔ تاہم چونکہ انتظار کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ کام کرنا۔ اور چونکہ انتظار کرنے میں طبیعت پر اتنا ہی جبر کرنا پڑتا ہے جتنا کام کرنے میں۔ اسلئے یہ لازمی امر ہے۔ کہ انسان کو انتظار کا سا وضہ دیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص ایک آلہ خریدے یا آلہ بنائے تو وہ آمدنی کا انتظار کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے۔ اگر آپ ایک آلہ خریدتے ہیں۔ تو اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اپنی قوت خرید جس کے بل پر آپ کوئی مصرف کی چیز یعنی کوئی کھانے پینے یا پہنے اور صنف کی چیز خرید کر سکتے تھے۔ آپ ایک دوسرے شخص کو دیدیتے ہیں۔ آلہ آپ کیلئے مقصود بالذات نہیں۔ آپ کو اس کی ضرورت محض ان چیزوں کی بنا پر ہے۔ جو آپ اسکی وساطت سے آئندہ خرید سکیں گے۔ لیکن اب ان چیزوں کیلئے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر آپ ایک آلہ بنانے میں وقت اور محنت خرچ کریں۔ تو آپ اپنی وہ قوت جسے آپ سامان تفریح یا کسی مصرف کی چیز کیلئے کام میں لا سکتے تھے خرچ کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں بھی آپکے اپنی مطلوبہ چیزیں خریدنے کیلئے انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن جب آپ آلہ بنا چکیں اور کوئی دوسرا شخص آپ سے آلہ خریدے۔ تو وہ آپ کو انتظار کی زحمت سے بچا لیتا ہے۔ خود اُسے آلہ کا ثمرہ حاصل کرنے کیلئے انتظار کرنا پڑے گا۔ انتظار کی زحمت سے بچنے کیلئے آپ قدرتی طور پر آمادہ ہوں ہی گے۔ اسلئے آپ ایسی قیمت پر اُسے بخوشی فروخت کر دینگے کہ خریدنے والا آئندہ اُس سے کچھ فاضل رقم حاصل کر سکے۔ اس فاضل رقم کا نام ہوگا سود۔ ایک اور صورت بھی ہے۔ اگر آپ نے آلہ مذکور کے تیار کرنے میں دوسرے آلات کا استعمال کیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انتظار کی زحمت پہلے ہی اٹھا چکے ہیں۔ اور اب آلہ کی جو قیمت آپ کو ملے گی اُس کا ایک حصہ آپ کی محنت کا صلہ ہوگا۔ اور ایک حصہ اُن آلات کا معاوضہ جو آپ نے استعمال کئے ہیں۔ اُس سے آپ کو اپنے آلات اصل قیمت خرید کا بھی کچھ حصہ واپس مل جائے گا۔ اور انتظار کا بھی کچھ معاوضہ وصول ہو جائے گا۔ اس مزید رقم کا نام سود ہوگا۔

انتظار۔ انتظار اور بچت ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے دو طریقے ہیں۔ عبارت بالا میں ہم نے جو تجزیہ کیا ہے۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ جس عمل کے ماتحت اصل پیدا ہوتا ہے۔ اور سود حاصل ہوتا ہے۔ اسکی ماہیت کو بحیثیت بیان کر دیا جائے۔ اگرچہ بعض اصلاح کے دلدادہ جو

غلط نہیں میں مبتلا ہیں ان دنوں ہماری تعلیم سے بالکل مختلف تعلیم دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تاہم ہمارے تجربہ سے اس عام خیال کی صداقت واضح ہو چائیگی۔ کہ جُز رسی۔ پس اندازی اور دوراندیشی معاشرتی نقطہ نگاہ سے ایسے محاسن کر دار ہیں۔ جن کا درجہ بھلا کشتی اور محنت پسندی کے سوا اور کسی سے کم نہیں۔ امریکہ کے لوگوں کو اگر کوئی سبق از بر کر نیکی ضرورت ہے تو وہ یہ ہے کہ جو شخص پس انداز کرے وہ جمہور کا محسن و مخیر ہے اور جو شخص اسراف کرے وہ ایک مفسد خلّاق کام کرتا ہے۔ کیا امیر کیا غریب سب کو یہ امر بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ یوں تو دونوں طبقے اس سے تغافل و تجاہل برتتے ہیں۔ لیکن اس کا خمیازہ زیادہ تر غریبوں کو کھینچنا پڑتا ہے۔ اسلئے سب سے زیادہ غریبوں کو اسکی ضرورت ہے کہ وہ اس حقیقت سے آشنا ہوں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے۔ جو ان کیلئے ذریعہ نجات اور کلید کامیابی ثابت ہوگی۔ یہ قضیہ کہ شاہ خرچی سے حاجتمندوں کے روزگار کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس طور پر غنیوں اور مزدوروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ایک بالکل باطل دعویٰ ہے اسکی تردید و تقلیط جس قدر شد و مد سے کی گئی ہے۔ اور کسی مغالطے کی نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود یہ دعویٰ کبھی کبھی لوگوں کی زبانوں پر پایا جاتا ہے۔ آپ اُس دلیل پر جو ہم اس دعویٰ کی رو میں پیش کرتے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ کس قدر پادرمیوا اور غلط دعویٰ ہے۔

اگر میرے پاس خرچ کرنے کیلئے ایک ڈالر ہے اور میں اپنے جی میں فیصلہ کرتا ہوں۔ کہ اسے کسی تعیش کے سامان پر خرچ کروں۔ تو یہ بیشک درست ہے کہ میں مزدوروں کو اس سامان کے پیدا کرنے کا کام تفویض کرنا ہوں۔ یا زیادہ صحیح الفاظ میں یوں کہیئے کہ جو صنعت اس سامان کو پیدا کرتی ہے میں اسکو مدد دیتا ہوں۔ لیکن اگر میں اپنا ڈالر سامان تعیش کے بجائے کئی آٹے کے خریدنے میں خرچ کروں تو میں بقدر ایک ڈالر کے مزدوروں کیلئے کام جیتا کرتا ہوں۔ یا یوں کہیئے کہ میں آلہ سازی کی صنعت کو مدد دیتا ہوں۔ اب تک دونوں صورتیں یکساں ہیں لیکن اگر آگے تجزیہ کیا جائے۔ تو ایک فرق ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب میں نے سامان تعیش ایک بار خرید لیا اور برت لیا تو وہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکا۔ یہ بیچ ہے

کہ مجھے اُس سے کوئی عارضی مسرت حاصل ہوگی۔ لیکن جہاں تک باقی دنیا کا تعلق ہے۔ وہ چیز بالکل اس طرح نیست و نابود ہو جائے گی کہ گویا جل کر راکھ ہو گئی ہے۔ یاد رہے بارگاہِ کردی لکھی ہے۔ برخلاف اس کے اگر میں اپنے پیدا آوری کے کام میں مدد لینے کیلئے کوئی آلہ خریدوں تو اُسکی بدولت میں زیادہ پیداوار کر سکتا ہوں اور باقی دنیا کی دولت و مسرت میں اضافہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہوں۔ اس طور پر میری سارہ گزراں سے باقی دنیا کو نفع پہنچتا ہے۔ اور وہ میری مرہونِ منت ہوتی ہے۔

اگر میں خود آلہ کا استعمال نہ کروں اور میری بجائے کوئی اور شخص استعمال کرے تو اس صورت میں بھی دنیا کی پیداوار دولت میں اور خوشی میں ترقی ہوتی ہے۔ اور جو آمدنی مجھے آلہ کے صلے میں ہوتی ہے وہ اس ترقی کا جو دنیا کی پیداوار میں میری بدولت ہوئی صرف ایک جزئی معاوضہ ہے۔ اب یہ جو ترقی میری بدولت ہوتی ہے۔ اگر میں اپنی نئی آمدنی کو فقیول خرچی میں اڑا دوں تو اس ترقی کا فائدہ ایک حد تک نائل ہو جاتا ہے برخلاف اس کے اگر میں اس نئی آمدنی کو منے اور بہتر آلات میں لگا دوں تو میری سادہ گزراں سے دنیا کو ہزار فائدہ ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر میری معاشی زندگی تنہا ہے تو اس کی خاطر اسرافِ بجا کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ تو میری وجہ سے دنیا کی فوٹ پیدا آوری کا ایک حصہ ایسی چیزوں کی بہر سائی میں صرف ہوتا ہے جو فقط میری ذات کے لئے کار آمد ہیں۔ برخلاف اس کے اگر میری معاشی زندگی مختلف قسم کے آلات میں روپیہ لگانے کا ایک سلسلہ ہے تو میری وجہ سے دنیا کی فوٹ پیدا آوری کا حصہ ایسے آلات کی بہر سائی میں فروغ ہوتا ہے جو میرے لئے بھی اور دنیا کیلئے بھی کار آمد ہیں۔ بلکہ پہلے دنیا کو اور بعدہ مجھے کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

یہ قیاس کرنا آسان ہے کہ میں ایک ڈالر خود صرف کروں یا اُسے بینک بینک میں جمع کراؤں۔ تو دونوں حالتوں میں نتائج ایک ہی ہوتے ہیں۔ اگر میں بینک میں لگاؤں کسی ایسے شخص کو قرض دیدے۔ جو اُس سے کوئی ناکارہ سا لین قعیش خریدے تو اُس سے دنیا کی حالت پر جو اثر مرتب ہوتا ہے۔ وہ بالکل ایسا ہوتا ہے جیسا اُس صورت

میں ہوتا جب کہ میں اس سامانِ تعیش کا خریدنے والا ہوتا یہ معاملہ میرے اور اس شخص کے درمیان ہے۔ یوں کہیے کہ میں نے معنوی طور پر یہ سامانِ تعیش اس شخص کو مستعار دیا۔ برخلاف اس کے کہ اگر سیونگ بینک میرا ڈالر ایک ایسے شخص کو مستعار دے۔ جو اُسے آلات خریدنے میں خرچ کرے۔ تو جہاں تک باقی دنیا کا تعلق ہے۔ یہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے میں نے خود آلات خریدے ہوں۔ دنیا پر دونوں صورتوں میں ایک ہی اثر مترتب ہوتا ہے۔ یہ شخص اُن آلات کی بدولت دوسروں کیلئے زیادہ پیداوار کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ اور دوسرے اُس کی مزید خدمات کا معاوضہ اُسے دیتے ہیں۔ آگے یہ اپنی جگہ مجھے آلہ کے استعمال کا معاوضہ دیتا ہے۔ جو لوگ اُس شخص سے خدمت حاصل کرتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اس خدمت کو اُس قیمت کا جو وہ ادا کرتے ہیں۔ نعم البدل تصور کرتے ہیں۔ ورنہ وہ ہرگز یہ خدمت قبول نہ کرتے۔ اب اس شخص کو بھی جتنا وہ مجھ کو آلہ کے استعمال کا معاوضہ دیتا ہے۔ اُس سے زیادہ معاوضہ خدمت کا ملنا چاہیے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ آلہ مجھ سے مستعار نہ لے گا۔ چنانچہ اس طرح ہر فریق کو فائدہ ہو گا۔

امور بالاکو جو اہمیت فی زمانہ حاصل ہے وہ دنیا کی تاریخ میں کبھی حاصل نہیں ہوئی اور وہ روز بروز زیادہ اہم ہوتے جا رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اصل صنعت و حرفت میں اب بیش از پیش حصہ لینے لگا ہے۔ یہ بات ہماری اُس جدت طرازی کا نتیجہ ہے۔ جس کی بدولت مشینری کے دو۔ کا افتتاح ہوا۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ ایک کاشتکار نہایت معمولی اصل کے ساتھ کامیابی حاصل کر سکتا تھا۔ وجہ یہ کہ اُس زمانے میں کثیر اصل کا استعمال ہی سہی سے نہ تھا۔ اسلئے غلوڑے اصل والے کاشتکار کے پاس اپنے تمام حریفوں کے برابر ساز و سامان ہوتا تھا۔ اور وہ اُنہی کے برابر مصارف برداشت کر کے پیداوار کر سکتا تھا۔ لیکن ہمارے زمانہ میں جبکہ "محنت بچانے والی تدابیر" کا زمانہ ہے۔ یہ امر ضروری ہے کہ ہر کاشتکار کے پاس مشینوں اور آلات کا انتہائی ذخیرہ ہو جتنا اُس کے حریفوں کے پاس ہو۔ ورنہ نتیجہ ہو گا کہ وہ اتنے سستے خرچ پر پیداوار نہ کر سکیگا۔ کہ منافع پر فروخت کر سکے۔ لیکن جدید مشینری اور آلات کا ذخیرہ نہ پیا کرنے کے معنی ہیں۔ ان کا کثیر اصل موجود

ہونا جتنا آج سے ایک صدی پہلے بلکہ ایک نسل پہلے کے کاشتکاروں کے پاس نہ ہوتا تھا۔ اب آپ جانتے ہیں کہ اصل چھپر بھار کر نہیں ملتا۔ نہ کسی اور پُر اسرار طریقے سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ اُس کے وجود میں آنے کا عمل یہی روپیہ بچانے اور مناسب کاروبار میں لگانے کا عمل ہے۔ جب تک میں اپنی تمام آمدنی صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء خریدنے میں خرچ کرتا رہوں گا۔ اُس وقت تک ناممکن ہے کہ میں اصل دارین سکوں۔ لیکن جب بھی میں ایک ڈالر ایک آلہ پیدا آور پر خرچ کروں۔ تو میں بقدر ایک ڈالر کے اصل دارین جاتا ہوں۔ اگر میں اس طور پر بہت سے ڈالر خرچ کروں۔ تو میں ایک بہت بڑا اصل دارین بن سکتا ہوں۔ بس یہ ہے سارا قصہ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ آیا میں اپنے ڈالروں کو براہ راست ذاتی طور پر خرچ کروں گا یا سیونگ بنکوں اور دوسرے ادائیگ قرض کی وساطت سے۔

چونکہ اصل صنعت و حرفت کا ایک ناگزیر عنصر بنتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص اصل کی بہر سائی کرتا ہے۔ یعنی اپنی آمدنی اپنے مصرف کی اشیاء کی بجائے آلات کے خریدنے پر خرچ کرتا ہے۔ وہ دوسروں سے زیادہ دنیا کا مخیر اور محسن ہے۔ وہ ایک ایسی چیز تیار کرتا ہے جس کی ضرورت اب پہلے سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور ہر سال زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ قاعدہ ہے کہ سو سائی ان اشیاء کیلئے جن کی اُسے سب سے زیادہ احتیاج ہو یہ بے زیادہ قیمت ادا کرتی ہے۔

یہ ہے اس امر کی سیدھی سادی اور منطقی تشریح کہ اصل دار ہر ترقی پذیر نظام (موسائی) میں پہلے سے بہت زیادہ نمایاں حیثیت حاصل کرتا چلا جا رہا ہے یہ ایک ایسی ہی سیدھی سادی بات ہے جیسی کسی زمانے میں یہ تھی کہ جن دنوں موسائی کو باقی سب لوگوں سے زیادہ سپاہیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان دنوں ان کی حیثیت سب سے افضل و اشرف ہوتی ہے۔ جو لوگ ضرورتاً زمانہ کے رمز شناس ہیں۔ وہ اصل داروں کے خلاف زہر اُگلنے سے احتراز کریں گے۔ بلکہ جتنی جلدی ہو سکے خود بھی اصل دار بننے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح ان کو دوطرف سے اطمینان حاصل

ہو گا۔ اول تو اس بات کا اطمینان ہو گا کہ اپنی ذات کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ دوسرے اس طرف سے بھی ان کی خاطر جمع ہو گی۔ کہ وہ دنیا کو بھی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ وہ شخص ایک ایسی چیز بنیاد کرینگے جس کی سوسائٹی کو روز افزوں احتیاج ہے اور چونکہ وہ سوسائٹی کے باجتماع کی بہرہ رسانی کرینگے۔ اس لئے سوسائٹی ان کا معاوضہ دے گی۔

تاہم ضرورت ہے کہ اس اصل میں جو صحیح معنوں میں پیدا ہو رہے۔ اور جعلی یا جعلی اصل میں نہایت احتیاط سے تمیز کی جائے۔ حقیقی اصل مشتمل ہے آلات پر۔ اوزاروں پر اور ان قسم کی اصلاحات پر جو دنیا کی قوت پیدا آوریں اضافہ کا باعث ہوتی ہیں۔ لیکن ایک قسم کی ملکیت ایسی ہے جو اصل کا روپ بھر کر دنیا کو مفلس بنانے میں مصروف ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کو دو لقمہ بنا دے۔ تمام وہ چالیں جو بے خبر لوگوں کو کانٹتی کی جعلی کمپنیوں کا حصہ خریدنے اور اس قسم کے دوسرے دھوکوں میں مبتلا کرنے کیلئے چلی جاتی ہیں۔ لائسنس کی کمپنیاں جو ایسے مکڑی کو جن کی قیمت "نظریہ اتفاقات" کے مطابق بیس سینٹ (۵۰) سے بھی کم ہوتی ہے۔ ایک ڈالر کو بیچتے ہیں۔ قمار بازی کے تمام کاروبار۔ اوقاف اور امانتیں اور دوسرے تمام کاروبار جن کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ جہاں پہلے لوگوں کی جیبوں سے ایک ڈالر وصول ہوتا تھا۔ وہاں اب دو ڈالر جھاڑے جائیں۔ سینٹ دو ڈالر کے کارخانے۔ چیزوں میں کھوٹ لانے کی ترکیبیں۔ جعلی سکینا بیوں کی کارستانیوں۔ ہر طرح کی "سونے کی اینٹیں" اور اس طرح کے اور بیوپار نام نہاد اصل کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب اس عنوان کے تحت میں آتے ہیں۔ دیہات کے جاہل اور بے خبر لوگ عموماً اس قسم کی ٹھکی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس کا مرکز اکثر شہروں میں ہوتا ہے۔ اگر اس قسم کی دغا بازیوں کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جو لوگ ان کا تختہ مشق بنتے ہیں۔ ان کا قبضہ ناقہ کشی اور ناداری کے لٹھوں فوراً پاک ہو جاتا۔ تو اس سے کم از کم اتنا ہوتا۔ کہ اگر ایک طرف شہروں کی آبادی میں عیاروں کا اضافہ ہوتا تو دوسری طرف احمقوں کی تعداد میں تو کمی ہوتی اور اس طرح کچھ کسر نکل جاتی۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ یہ بغلول یک قلم تباہ نہیں ہو جاتے۔ بلکہ اپنی قسم کے بخلوں کی تسلسل برہماتے ہیں۔ تاکہ عیاروں کی آئندہ

اندازہ کرنے کیلئے انتہا درجے کی معاملہ فہمی اور ایک باریک بینی درکار ہوتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ شہر میں اشتراکین کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

۴۔ نفع

نفع کیا چیز ہے؟ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کاشتکاری کا نفع وہ رقم ہے۔ جو کاشتکار کی سالانہ آمدنی میں سے اپنی محنت کی اجرت۔ زمین کا لگان اور اپنے اصل کا سود نکل کر بچ رہے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ اگر کاشتکار اچھا منتظم نہ ہوگا۔ تو کاشت کا نفع ہوتا یقین نہیں۔ سچ پوچھو تو ہمیں شک ہے کہ ہمارے ملک یا کسی دوسرے ملک کے آدمی کاشتکار کچھ منافع حاصل کرتے بھی ہیں یا نہیں۔ اور یہ تو طے شدہ امر ہے کہ ان میں جو بہت غریب ہیں ان کے دوسرے سے کچھ پلے نہیں پڑتا۔ اجناس بازاری کی پیدائش میں چونکہ خاصے کی چیزوں کی بہ نسبت عمدہ قیمتیں پانے کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ اسلئے نفع زیادہ تر انہی لوگوں کی جیبوں میں جاتا ہے۔ جو اپنے کم قابل حریفوں کی بہ نسبت پیدائش کے مصارف میں تخفیف کرنے کی محنت رکھتے ہوں۔ خاص خاص زراعتی اجناس کے اگلنے میں نفع مصارف پیدائش کی تخفیف سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن زیادہ تر وہ کسی نفیس جنس کے پیدا کرنے سے جو عمدہ قیمت پاسکے۔ اور فروخت کرنے کی جسارت سے جس کے ذریعے بیشترین قیمت حاصل کی جاسکے حاصل ہوتا ہے۔

یہ ایک حل طلب مسئلہ ہے۔ کہ آیا نفع کی جو تعریف ہم نے اوپر کی ہے۔ اسکے مطابق اسے کاشتکار کی ذاتی محنت کی اجرت میں شامل کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اگر کسی جنس بازاری کا اگلنے والا محض اپنی اعلیٰ قابلیت انتظام کی بدولت جسکی مدد سے وہ حریفوں کے مقابلے میں اپنی پیداوار بڑھاتا ہے۔ یا اپنی پیداوار کے مصارف گھٹاتا ہے۔ منافع حاصل کرتا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسکی کارکردگی اعلیٰ درجہ کی ہے

اور اعلیٰ قسم کے معاوضہ کی مستحق ہے۔ اب اگر ایک ایسا کاشتکار اپنے لئے اپنی اعلیٰ
تنظیمی قابلیت کے مطابق اعلیٰ قسم کا معاوضہ علیحدہ کرے تو کیا اس کی آمدنی میں سے کچھ
نفع سالانہ اوسط کے حساب سے بیچ رہیگا سہی طرح کسی خاص زراعتی پیداوار
میں جس میں کہ منافع کا دار و مدار قابلیت فروخت پر ہے۔ اگر کاشتکار اپنے لئے ایک اعلیٰ
فروشندہ کی تنخواہ علیحدہ کر لے۔ تو کیا اس کے بعد اس کے پاس کچھ نفع بیچ رہیگا۔ یا صرف
یہی اس کا نفع ہوگا۔

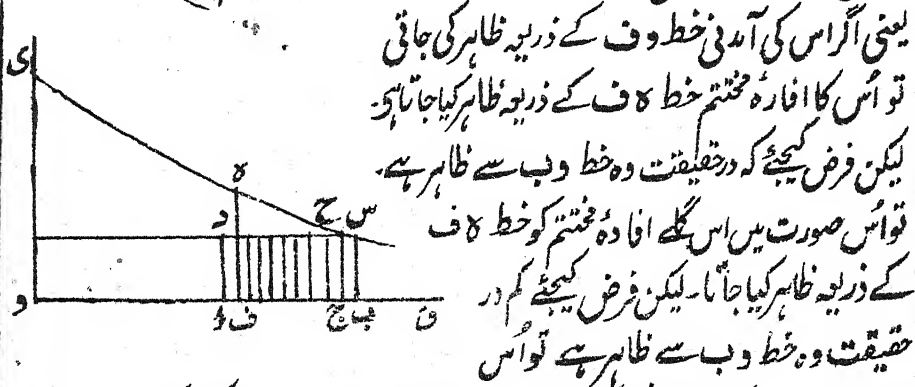
آزاد کاشتکار اگر کوئی بازاری جنس یا خاصے کی جنس ایسی اگائے۔ جس کا سود بازار
میں کرنا مشکل ہے۔ اور جس کو ہم اجرت یا لگان یا سود کی ذیل میں شمار نہیں کر سکتے تو وہ ایک
بات ضرور کرتا ہے۔ جس زمیندار سے وہ لگان پر لے۔ جس اصل دار سے وہ اصل متعار
لے اور جن مزدوروں کو وہ نوکر رکھے اُن کے بیمہ والے یعنی کفیل خسارت کے طور پر کام کرتا
ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ زمین لگان پر لے اور نقد لگان دے تو یہ زمیندار کی آمدنی
کامیہ ہو گیا۔ یعنی اس کو آمدنی ضرور ہو جائیگی۔ چاہے فصل کا کچھ حصہ خراب ہی کیوں نہ ہو جائے
اگر بالکل ہی قحط سالی ہو جائے تو ممکن ہے کہ لگان کی ادائیگی نہ ہو سکے اور ایسی صورت
میں زمیندار کی آمدنی ماری جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کاشتکار کے پاس لگان ادا کرنے کیلئے
کچھ موجود ہو تو چاہے اس کو ذاتی آمدنی ہو یا نہ ہو۔ لگان ہر صورت میں اُسے ادا کرنا پڑتا ہے
اس سے ظاہر ہے کہ کاشتکار کے مقابلے میں زمیندار فصلوں کے خراب ہو جانے وغیرہ
کے معاملے میں زیادہ محفوظ و مصون رہتا ہے۔ یہی حال اُس اصل دار کا ہے۔ جس سے
کاشتکار اپنا اصل قرض پر لے۔ فصل خراب ہو یا نہ ہو۔ جب تک کاشتکار کے پاس
سود ادا کرنے کیلئے کچھ ہے اُسے سود ادا کرنا پڑیگا۔ اس قاعدے کے مطابق اصل دار
کاشتکار کے مقابلے میں جو اس سے اصل کو مستعار لیکر استعمال کرتا ہے زیادہ محفوظ
رہتا ہے۔ کیونکہ پہلے کاشتکار اپنی ساری آمدنی کھو بیٹھے تو تب کہیں جا کر اصل دار کے
برابر نقصان پہنچتا ہے۔ اس طرح مزدور کی اجرت ہر صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے چاہے
کاشتکار کے پاس اپنے لئے کچھ بیچ رہے یا نہ بیچے۔ مزدور کو فصلوں کے خراب ہو جانے۔

جانوروں کو مری۔ اور اس قسم کے دوسرے معمولی حادثات سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اُسکے پیسے ہر صورت میں کھرے ہیں۔ ہاں اگر کاشتکار کا بالکل دیوالہ نکل جائے تو پھر ممکن ہے کہ مزدور کی اجرت ماری جائے۔ اس بنا پر جہاں تک کاشت کے معمولی خطرات کا تعلق ہے مزدور بہ نسبت کاشتکار کے زیادہ محفوظ رہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آزاد کاشتکار کو ان بیشمار اور غیر متوقع خطرات و حادثات کا بار ذمہ داری اٹھانا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے ان خطرات کا اثر کاشتکار پر ہوتا ہے۔ اور پھر باقی کے تین فریق یعنی زمیندار۔ اصل دار اور مزدور پر۔ جب تک کاشتکار اپنے پاؤں پر کھڑا ہے۔ اور نامساعد حالات کا مقابلہ کرے۔ اُس وقت تک اُن لوگوں کو آنکھ نہیں آئی۔ صرف اُس صورت میں کہ کاشتکار کی تاب مقاومت بالکل جواب دے جائے۔ یہ لوگ ان خطرات کی زد میں آ سکتے ہیں۔ خطرہ۔ چونکہ کاشتکار سب سے زیادہ اپنے آپ کو معرض خطر میں ڈالتا ہے۔ اور زمیندار جو اپنی زمین لگان پر دیتا ہے۔ اصل دار جو اپنا اصل مستعار دیتا ہے۔ اور مزدور جو اجرت پر کام کرتا ہے۔ سب کے سب نسبتاً محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لئے کاشتکار کا حق ہے کہ وہ منافع مزید حاصل کرے۔ جیسے کہ کوئی بیمہ کمپنی حاصل کرتی ہے۔ وہ جو خدمت انجام دیتا ہے۔ وہ بجیہ ایک کمپنی کی سی خدمت ہوتی ہے۔

بیمہ والا عام اس سے کہ کوئی کاشتکار ہو سندیانتہ بیمہ کمپنی۔ اُس کی خدمت کا حقیقی معاوضہ یہ ہے۔ کہ اُس کو نقصانات سے زیادہ منافع ہو۔ اگر بیمہ کمپنی ہو تو اُسے خطرات کی ذمہ داری لینے سے جو نقصان ہوتا ہے۔ وہ اگر اُن کل محاصل میں سے جو اس ذمہ داری کی بدولت ہوتے ہیں ہٹایا کر دیا جائے۔ تو باقی جو کچھ رہ جائے وہ اس کا معاوضہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ان دو رقوم میں۔ یعنی نفع اور نقصان کی رقوم میں فرق کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ ایک بیمہ کمپنی کے مربی یعنی جو لوگ اُس سے معاملہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے کل نقصانات سے زیادہ رقوم کمپنی کو کیوں ادا کرتے ہیں۔ اور اس طرح اُسکو رسوخ کیوں حاصل ہونے دیتے ہیں۔ اس کا جواب صاف ظاہر ہے۔ یعنی یہ کہ بیمہ شدہ معاملے کی یہ نسبت یقیناً زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آتشزدگی کے بیمہ کو

لیجئے۔ آگ لگ جانے کی صورت میں بیمہ والے کو جو نقصان ہوگا۔ وہ عمارات اور مال سوختہ کی قیمت تک محدود ہوگا۔ لیکن بیمہ شدہ کو صرف یہیں تک نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی ساکھ جاتی رہے گی۔ اور اس کا کاروبار گھٹ جائے گا۔ جب تک اُس کے پاس ذاتی اصل موجود ہے۔ تو وہ اپنے اعتبار کی بنا پر اصل کی کچھ مزید مقدار جب چاہے لے سکتا ہے لیکن اس اعتبار کا کچھ حصہ اصل کے تلف ہو جانے کے ساتھ ہی برباد ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ اہم یہ امر ہے کہ یکا یک ایک نقصان عظیم ہو جانے سے یہ نسبت سالانہ اقساط و ادائیگی کرنے کے اسکے صرف پر زیادہ مضر اثر ہوتا ہے۔ یہ سالانہ رقوم جو ادا کی جاتی ہیں۔ یہ گویا اس کی آمدنی کے سب سے کم ضروری حصے میں سے ادا کی جاتی ہیں۔ ان کے ادا کرنے کیلئے اسے صرف اتنا کرنا پڑتا ہے۔ کہ چند چیزیں جفا کے بغیر بھی وہ گزارہ کر سکتا ہے۔ اُن کے خریدنے سے وہ درگزر کرتا ہے۔ لیکن یکا یک ایک عظیم نقصان ہو جانے سے بہت ممکن ہے کہ کچھ مدت تک وہ ضروریات زندگی سے بھی محروم ہو جائے۔ اس کی توضیح آئندہ صفحہ کے نقشہ سے ہو سکتا ہے۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک کاشتکار کی آمدنی خط و ق کے اوپر پائی جاسکتی ہے۔ اور اس آمدنی کے مختلف حصوں کا اُسکے لئے جو افادہ ہے وہ خط دی کے اوپر ماہاجملہ کتا ہے۔



صورت میں اس کے افادہ ختم کو خطر س ب بتاتا ہے۔ اب یہ فرض کیجئے کہ ہر ۵۵ سال کی اوسط مدت کے بعد اُسے آتشزدگی کی وجہ سے ... اڈالر کا نقصان ہوتا ہے۔ وہ باسانی بیمہ کے (premium) طور پر وہ اڈالر ہر پانچ سال کے بعد ادا کر سکتا ہے۔ اگر ایک سال

میں وہ ۱۰۰ ڈالر ادا کرے تو اس کو گویا یہ ایثار کرنا پڑے گا کہ اتنے اخادہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جتنا مستطیل ح ج ب س سے ظاہر ہے۔ گویا گیارہ اقساط ادائیگی میں۔ جو پانچ پانچ سال کی مدت کے بعد ہوں گی۔ وہ کل ۱۱۰۰ ڈالر ادا کرے گا۔ اس صورت میں اس کی مجموعی قربانی مستطیل د س ب سے ظاہر کی جائے گی۔ لیکن اگر ایک سال میں اسے ۱۰۰ ڈالر کا نقصان ہو جائے۔ تو اس کو جتنی قربانی کرنی پڑے گی وہ شکل ہ س ب ف سے ظاہر ہے۔ یہ شکل چونکہ مستطیل د س ب سے رقبہ میں زیادہ ہے اس لئے اگر وہ پچیس سال میں ۱۱۰۰ ڈالر ادا کرے تو بہ نسبت اس صورت کے کہ وہ ایک سال میں ۱۰۰ ڈالر کا نقصان اٹھائے اس کو کم خسارہ ہوگا۔

معمولی بیمہ کی صورت میں خطرے کے بیمہ شدہ کے کندہوں سے بیمہ والے کے کندہوں پر منتقل ہو جانے سے نقصانات کی تعداد کم نہیں ہو جاتی۔ تاہم نقصان کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جن لوگوں پر نقصان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ اس کو باسانی برداشت کر سکتے ہیں۔ بیمہ والے کو اتنا بوجھ محسوس نہیں ہوتا جتنا بیمہ شدہ کو ہوتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ بیمہ شدہ بڑھوتری (Insurance) کی صورت میں اتنی رقم ادا کر سکتا ہے۔ کہ بیمہ والا اس سے نقصانات ادا کر سکے اور پھر بھی اس کے پاس کچھ بچ رہے۔ بیمہ کے اس مشہور معروف اصول سے ظاہر ہے۔ کہ بیمہ کے کاروبار میں نفع کی وجہ سے ہوتا ہو۔ یہ امر صاف ظاہر ہے کہ کاشتکار کی مجموعی آمدنی کا وہ حصہ جو اس کے خطرے کا کفیل ہو سکے۔ اور جو اس کے نقصانات کی تلافی کرنے کے لئے ضروری ہے۔ وہ اس کے منافع کی ذیل میں شمار نہ ہونا چاہئے۔ یہی صورت بیمہ کمپنی کی ہے۔ بازار کے ناموافق تغیرات کی وجہ سے اسے جو کچھ نقصان ہو اس کو نفعی کر کے موافق تغیرات کی وجہ سے اسے جو کچھ زیادہ ہاتھ لگے صرف ہم اس کو منافع کہہ سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ زیادہ آمدنی کہاں سے آگئی؟ یہ اس وجہ سے ہے کہ اس کو جو خطرہ ہے وہ اس خطرے سے کم ہے۔ جو دوسروں کو ہوتا۔ بمقابلہ مزدوروں کے کسی نقصان سے اس پر کم اثر ہوگا۔ اگر مزدور خود اپنے نقصان کے کفیل ہوتے یا اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو بازار میں بیچنے کے خود ذمہ دار بنتے چاہے

گھاٹے میں رہتے یا نفع میں تو اس صورت میں ضروری تھا کہ ان کو اپنی اجرت کے معتد بہ حصہ سے محروم رہنا پڑتا۔ اور اس محرومی سے انکو شدید صدمہ پہنچتا۔ لیکن یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کہ کوئی نقصان بالعموم کاشتکار کو بہ نسبت زمیندار اور اصل دار کے جن سے وہ زمین اور اصل مستعار لیتا ہے کم صدمہ پہنچائے گا۔ عموماً یہ لوگ نقصان برداشت کرنے کی اتنی ہی استطاعت رکھتے ہیں جتنی وہ رکھتا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنے کے مقول وجوہ ہیں کہ اپنے حق کا ماہر کاشتکار بہ نسبت مزدوروں۔ زمینداروں اور اصل داروں کے جن کو وہ نقصان کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہے۔ کم نقصان اٹھائیگا۔ یہ امر کسی اصول پر مبنی نہیں جس میں کہ ہمہ گیر کے معاملے میں یہ ایک اصول پر مبنی تھے۔ اس کی وجہ فقط کاشتکار کی اعلیٰ درجہ کی دوران دیش اور نقصانات سے بچنے کی صلاحیت ہے۔ اس لئے اس کی آمدنی کا یہ حصہ صرف اس امر کے طفیل ہوتا ہے۔ کہ بمقابلہ ان لوگوں کے جن کو نقصان کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہے۔ وہ خود نقصانات سے بچ سکتا ہے۔ اگر وہ ان لوگوں کو وہ رقم ادا بھی کرے جن کے کمانے کی انہیں عام حالات میں (بازار کے اتار چڑھاؤ یا دوسرے اتفاقی حادثات کی بدولت جو نفع یا نقصان ہوتا ہے۔ اس کو شمار کرتے ہوئے) توقع ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بھی کاروبار کا ایسے طور پر انتظام کر کے نقصانات کی تخفیف ہو جائے اور منافع کا ازو یا د ہو جائے۔ کاشتکار ایسا نفع زائد حاصل کر سکتا ہے۔ بغیر اسکے کہ وہ کسی کو دہو کا دے یا زیادہ بولی دے کر کسی کا بنا بنایا سودا بگاڑے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے منافع زائد کا یہ حصہ اس امر کامیون منت ہے۔ کہ وہ جس خطرے کی ذمہ داری لینا ہے۔ اس میں بہ نسبت دوسروں کے تخفیف کر دیتا ہے۔

لیکن اگر کاشتکار خطرات سے بچنے میں بمقابلہ دوسروں کے جن کو وہ خطرات کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہے۔ کامیاب نہ بھی ہو تو جب بھی وہ خطرہ خریدنے والے (Risk taker) کی حیثیت میں آمدنی پیدا کر سکتا ہے۔ کسی عامل پیدا ایش کے مالک کو اگر خطرے کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا جائے تو وہ اس کی اوسط پیداوار ختم سے کچھ کم بھی قبول کرنے کو تیار ہو جائیگا۔ کسی شخص کو جو عام آمدنی ہوتی ہے۔ اس میں سے ایک رقم کام ہو جانا بہ نسبت اسی بات کے

کہ اس عمومی آمدنی کے اوپر کچھ رقم حاصل ہو جائے ایک نہایت اہم بات ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہر شخص ایک یقینی اور خاطر جمع کی آمدنی کو کچھ غیر متیقن اور مشتبہ آمدنی پر ترجیح دے گا۔ یا چاہے غیر متیقن آمدنی کے متیقن آمدنی کے مقابلے میں زیادہ ہونے کی توقع کیوں نہ ہو۔ مثلاً ۱۰۰ ڈالر سالانہ کی یقینی اجرت سود یا لگان کو ایک عام آدمی کا رو بار کی غیر متیقن کمائی پر ترجیح دے گا۔ چاہے اس غیر متیقن کمائی کی ۱۱۰۰ ڈالر کے برابر ہونے کی توقع کیوں نہ ہو۔ محنت زمین اور اصل کا سودا کرنے میں یہ جو عام لوگوں کا میلان ہوتا ہے۔ اگر اس سے کاشتکار فائدہ اٹھائے۔ تو اس کو منافع زیادہ ملے گا۔ بشرطیکہ ناگہانی نقصانات کی وجہ سے وہ اوسط مجموعی آمدنی سے استفادہ کرنے سے محروم

نہ رہے۔ فرض کیجئے کہ محنت زمین اور اصل کے ایک مجموعہ سے اوسط یا مجموعی طور پر ۱۰۰ ڈالر سالانہ آمدنی ہو سکتی ہے۔ یہ وہ رقم ہے جو ہر عاملین پیدائش اس صورت میں پیدا کریں گے۔ کہ امداد باہمی کے دستور کے مطابق متحدہ طور پر ان سے کام لیا جائے۔ بجائے اس کے کہ کوئی کاشتکار انہیں کرایہ پر لے لے۔ لیکن فصل کے خرابہ بازار کے اتار چڑھاؤ اور دوسرے اتفاقی حادثات کے ماتحت ان عاملین کی پیداوار ہر سال گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ کسی سال تو ۱۵۰ ڈالر تک پہنچ جاتی ہے۔ اور کسی سال ۵۰ ڈالر پر آتی ہے۔ مزدور زمیندار اور اصل دار اس بات کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ کہ وہ اسی شیب و فراز میں اپنی قسمت آزمایہ کیجیں۔ بجائے اس کے وہ اس بات کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ کہ ۱۰۰ ڈالر سے کم کی آمدنی یکمشت کر لیں مثلاً ۹۵ ڈالر بشرطیکہ کوئی شخص ان سے یہ سودا کرے کہ ان کو یکمشت ۹۵ ڈالر دیدیگا۔ اور انہیں یقین دلائے کہ اپنا عہد پورا کرے گا۔

اس صورت میں کاشتکار کو بحیثیت مجموعی اپنی تنظیم اپنی زمین اور اپنے اصل کی آمدنی پر مستزاد ۵ ڈالر سالانہ کی کمائی ہوگی۔

اگر وہ مزید برہی بازار کے حالات کی پیش بین میں مہارت خصوصی پیدا کر لے اور اس طرح اپنے نقصانات میں تخفیف کرے اور سالانہ آمدنی کو ۱۰۰ ڈالر تک پہنچا دے۔ تو اس کو ۶۰ ڈالر کی اوسط آمدنی ہوگی۔ پھر اگر وہ اس بات میں بھی کامیاب ہو جائے۔ کہ جن اشخاص سے وہ

اپنے عاقلین پیدائش مستعار لیتا ہے۔ اُن کے ساتھ ایسا سودا کر سکے کہ خود فائدے میں رہے تو اس کی آمدنی اور بھی بڑھ جائے گی۔ علاوہ ان طریقوں کے وہ یہ بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ وہ عالمین پیدائش کی تنظیم و ترتیب ایسے طور پر کرے کہ ان سے عام صورتوں سے زیادہ پیداوار کرے۔ اس حالت میں اس کی آمدنی پہلے سے بھی زیادہ ہوگی۔ لیکن جو رقم وہ اس صورت میں کمائے وہ دراصل اس کی نگرانی کی اجرت ہے۔ اور اس کے منافع میں شمار نہیں ہو سکتی۔ یہ کاشتکار کی محنت پیداواری کی بدولت اور ایک ایسی محنت کی بدولت جو عام طور پر ایک تنخواہ دار آدمی سے لی جاتی ہے۔ پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک ایسا تنخواہ دار آدمی رکھا جائے۔ تو اس کی بدولت جو کمائی ہو وہ صرفاً اجرت میں شمار ہوتی ہے۔ نہ کہ منافع میں اور اس لئے اگر کاشتکار خود یہ رقم کمائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے اس کے مختار شمار نہ کریں بلکہ اس کے منافع کا حصہ سمجھیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ خطرے کی کفالت کا کام ایک ایسے شخص کو جو تنخواہ دار ملازم ہو سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ لازمی طور پر کاشتکار کا وظیفہ منصبی ہے۔ اور وہ کسی صورت میں اسے کسی دوسرے پر نہیں ڈال سکتا۔ کاشتکار لازمی طور پر ایک ایسا شخص ہے جو خود بڑے کاموں کا بڑا اٹھاتا ہے۔ خود مختار اور آزاد کاشتکار کو جو خاص طور پر زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ وہ وہ اسی کا طفیل ہے۔ یا اپنی پیداوار کو بازار میں اچھے داموں بیچ سکے کی قوت پر منحصر ہے۔ یہ آمدنی زراعت میں سوائے اس شخص کے جو خطرے میں بڑے کسی کو نہیں ہوتی۔ ایک کاشتکار کی آمدنی کا وہ حصہ جو اس کی اس اس قابلیت کے طفیل پیدا ہوتا ہے جس سے وہ موسم کے تغیرات اور بازار کے حالات کا اندازہ کر کے اپنے خطرات کو کم کرتا ہے یا وہ حصہ نگرانی کی اجرت سے قریب کا تعلق رکھتا ہے۔ اور ہم اسے جسے منافع کی ذیل میں شمار کر سکتے ہیں۔ ویسے ہی نگرانی کی تنخواہ کے ذیل میں بھی شمار کر سکتے ہیں چونکہ یہ خطرات کی ذمہ داری لینے کے کام سے اس قدر قریب کا واسطہ رکھتا ہے۔ اس لئے اس کو منافع کے تحت میں شمار کرنا بہتر ہے۔ یہ مخم کا مخصوص (مستحق) انعام ہے۔ جس کی مہارت خاص اس بات پر مبنی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت خریدنے اور بیچنے کے اصول سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ یہ کاشتکار ایک مخم ہے ان معنوں میں کہ کوئی اس کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ کیسی فصل پیدا ہوگی

اور بازار کا کیا حال ہو گا تاہم اسے پیشگی اخراجات کرنے پڑتے ہیں۔ اور اس قسم کے بیو پارے وہ نفع نقصان اٹھاتا ہے۔ یہ چونکہ تمام بیو پار کا جن میں زراعت بھی شامل ہے۔ ایک جزو ہے اس لئے جو آمدنی اس طریقہ سے ہو اس محنت کی کمائی سمجھنا چاہیے۔

تجربہ (speculation) خالص تجارتی معنوں میں مراد ہے اس امر سے کہ جب چیزیں سستی ہوں تو انہیں خرید لیا جائے۔ اور انہیں قیمتیں بڑھتے تک محفوظ رکھا جائے۔ اور اس میں کوئی صنعتی مقصد (speculative purpose) مضمر نہ ہو۔ یا اس قسم کی تجنیں بھی لا حاصل اور غیر منفعت بخش نہیں۔ گو اگر جماعتوں میں اس کا رواج ضرورت سے زیادہ ہے۔ جہاں کہیں اس بات کی ضرورت ہو کہ مال صرف سے پیشتر پیدا کیا جائے وہاں اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ کوئی شخص اسے اس وقت تک محفوظ رکھے محفوظ رکھنے کے فقط یہی معنی نہیں کہ اُسے کسی گودام میں رکھ دیا جائے بلکہ یہ بھی کہ ان کی قیمت حاصل کرنے کے لئے۔ یا جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے۔ اپنے خرچ ہوئے دام وصول کرنے کے لئے انتظار کیا جائے اور یہ ہم سود کی بحث میں دیکھ ہی چکے ہیں کہ انتظار اگر بہت کرنا پڑے تو زحمت بن جاتا ہے۔ یا تو پیدا کنندہ کو اپنے معاوضہ کے لئے بہت مدت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یا صرف کنندہ کو اپنی ضرورتوں کے وقت سے بہت پیشتر مال خریدنا پڑتا ہے۔ اس سے بچاؤ کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ کوئی اور شخص لئے پیدا کنندہ کی پیداوار کو پیدا ہوتے ہی خرید لے اور صرف کنندہ کے لئے تا وقت ضرورت محفوظ رکھے۔ اور اس طرح دونوں کو انتظار کی تکلیف سے بچائے۔ انتظار کا صلہ سود۔ لیکن یہاں تو صرف انتظار کی زحمت ہی نہیں کرنی پڑتی بلکہ خطرے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ صرف یہی غور ہی نہیں کہ کوئی شخص انتظار کرے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے اصل کو معرض خطر میں ڈالے۔ لیکن جب تک کسی شخص کو منافع کا لالچ نہ ہو ممکن ہے۔ کہ وہ اس بات کے لئے آمادہ نہ ہو۔ اب جو شخص منافع کے لالچ میں اپنے اصل کو خطرے میں ڈالے وہ ایک محسن ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ وہ محض محسن ہے۔ اسکے علاوہ بھی اس کی دیگر خصلتیں ہو سکیں مثلاً وہ مال کا ذخیرہ رکھنے والا ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ مال گودام کے مالک ہوتے ہیں۔ یا مال کا تقسیم کرنے والا

جیسے کہ سوداگر ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے۔ کہ وہ سستے سے چیزیں خریدتا ہے۔ اور چھٹنگ کے دنوں میں بیچتا ہے۔ وہ ایک مخمن ہے۔

فرض کیجئے۔ کہ کوئی شخص اس بات کیلئے آمادہ نہیں کہ ایک گیارہوں کی فصل کو کلٹنے کے وقت سے لیکر سب سے زیادہ مانگ کے دنوں تک محفوظ رکھے۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اُسے ساری فصل فوراً صرف کرنی پڑیگی۔ اس کیلئے یہ ناگزیر ہوگا۔ کہ نہایت ادنیٰ کاموں کیلئے با نہایت حقیر ضروریات کی تکمیل کیلئے اُسے صرف کیا جائے۔ بنا بریں اس کا افادہ (Benefit) اس کی رفع حاجت کی قوت بہت ادنیٰ ہوگی۔ سال کے باقی ماندہ حصے میں گیارہوں کی قلت ہوگی۔ اور کئی اہم ضروریات پوری ہوئے بغیر رہ جائیں گی۔ اگر فصل کا کچھ حصہ اُس وقت تک جب تک اُس کی ضرورت بڑھ نہ جائے۔ محفوظ رکھا جائے۔ تو اس کے افادہ میں محتد بہ اضافہ ہوگا۔ اور یہ جماعت کی خوشحالی میں ترقی کا باعث ہوگی۔ جو شخص یہ خدمت انجام دے۔ عام اس سے کہ وہ خود کاشتکار ہو۔ یا چکی دالایا کوئی خاص قسم کا مخمن۔ وہ اپنی جماعت کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ کیونکہ جو مال اُس کے قبضے میں ہے۔ اس کی تسکین حاجت کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ اس عمل سے جو منافع ہو اُس کو ہم اس خدمت کا معاوضہ کہہ سکتے ہیں۔

لیکن بہت سے کام ایسے ہیں جنہیں عرف عام میں مخمنین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن دراصل وہ اس نام کے مستحق نہیں۔ وہ تمام بیوپار جو بظاہر تو خرید و فروخت کا بھیس بدلتے ہیں۔ لیکن دراصل اُن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ بازار کے حالات پر شرطیں لگائی جاتی ہیں۔ وہ سب کے سب جوئے کے نام کے مستحق ہیں۔ وہ اشخاص کیلئے چاہے وہ سٹاک کی مارکیٹ (Stock Market) یا بورڈ آف ٹریڈ (Board of Trade) میں ہوں یا اُن کے باہر ہوں۔ بازار کی آئندہ حالت پر شرط لگانا اور ان دونوں قسم کی شرط بازیوں سے کسی شیا کی مقصد کی تکمیل نہیں ہوتی۔ گوان میں سے ایک یعنی بازار کے حالات پر شرط بازی خرید و فروخت کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی حقیقی انتقال مل نہیں ہوتا۔ جیت تک قانون یہ نہیں کرتا۔ کہ جائز مخمنین اور خرید و فروخت کی آڑ میں قمار بازی ان دونوں کے درمیان کوئی حد فاصل قائم کر کے

اس وقت تک عام خیال کے مطابق ان دونوں کاموں کو ایک دوسرے کے دوش بدوش ہونے دینا چاہیے۔ کیونکہ اگر جائز تخمین سے ایک اہم معاشیاتی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے تو قمار بازی سے صرف اُن لوگوں پر جو اس میں حصہ لیں، بُضر اثر پڑتا ہے۔ اور کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگڑتا۔

تخمین کا جو اثر بازار کے نرخ پر ہوتا ہے۔ اُس کے متعلق بعض مغالطے نہ صرف عام میں رواج پائے گئے ہیں۔ بلکہ کانگریس کے جلسوں تک میں بھی نہایت کر گئے ہیں۔ مثلاً یہ رائے ظاہر کی جاتی ہے کہ شارٹ سیلنگ (Short Selling) کا جو دستور ہے۔ یعنی جب گہیوں پاس نہ ہو تو لو روڈ آف ٹریڈ (Market of Trade) میں گہیوں فروخت کرنا۔ اس سے گہیوں کے نرخ میں کمی ہوتی ہے۔ کیونکہ جتنا گہیوں دراصل موجود ہے۔ اُس سے زیادہ مقدار میں بیچنے کیلئے رکھا جاتا ہے۔ اسلئے اس قرضی گہیوں کی اتنی کثیر مقدار کا اثر وہی ہونا چاہیے جو فی الحقیقت گہیوں کی زیادہ طلب رسد کا اثر ہوتا ہے۔ اس دلیل میں نقص یہ ہے کہ یہ اس امر کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ کہ اگر فروخت "قرضی" ہے تو اس کے ساتھ خرید بھی "قرضی" ہے۔ وٹن اُس کے جواب میں یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ کہ جتنا گہیوں موجود ہے۔ اس سے زیادہ مقدار خریدنے کا وہی اثر ہونا چاہیے۔ جو اصلی گہیوں کی اصلی طلب کا ہوتا ہے۔ اور اس سے قیمتیں چڑھ جاتی چاہئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں عمل ایک دوسرے کے مخالف اثر کرتے ہیں۔ شاید یہ کہنا بہتر ہوگا۔ کہ ان کا اثر بازار کے نرخ پر اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جتنا اس صورت میں ہوگا کہ جو ایسے گہیوں کی آئندہ قیاس قیمت پر شرطیں بدلتے یہ شرط بازی کو بطور خود قابل ممانعت ہوتی۔ لیکن بازار کے نرخ پر اس کا مطلق اثر نہ ہوتا۔

جوازیوں کی اصطلاح میں جسے (Covered) کہا جاتا ہے وہ ایک یا کُل مختلف چیز ہے۔ اوپر ہم نے جو مثال دی ہے اُن میں کا ایک جو لو یا شرط جیتنے کیلئے اگر کوئی چال چلے۔ تو شاید یہ چال کارگر ہوتی۔ لیکن چال کے بغیر صرف شرط بدلتے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جس جوازیے نے یہ شرط بدلی تھی کہ گہیوں کی قیمت چڑھ چکی۔ اگر وہ چمکے چمکے جتنا گہیوں بازار میں ہو خرید لے اور کسی کے ہاتھ بیچنے سے انکار کر دے تو ممکن ہے کہ اگر اُس کے پاس

کافی روپیہ ہو تو وہ قیمتیں اتنی زیادہ کر دے۔ کہ شرط جیت جائے۔ لیکن یہ بڑی دشوار بات ہے۔ کیونکہ اگر حریف اُس کی چال بھانپ جائے تو اس کا سید باب کر سکتا ہے۔ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ اس ترکیب پر کامیابی کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے۔ جو شخص بار بار اس قسم کی چال بازی کرنا چاہیے۔ وہ ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ اور اپنی حماقت کے ماتحتوں کی لالچ لکال کر پیٹھ جاتا ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بجا نہ ہو گا۔ کہ جو ایسے بحیثیت ایک جماعت کے کوئی منافع حاصل نہیں کرتے۔ کیونکہ جو ایک کی جیب میں سے نکلتا ہے۔ وہی دوسرے کی جیب میں جاتا ہے۔ بائزر کوڑی پھین آتی۔ لیکن اصلی خرید و فروخت کے معاملے میں جو لوگ وقت مناسب پر خرید کریں مثلاً گٹھوں کی فصل فوراً اکٹھے کے بعد خرید لیں۔ اور جنس اس وقت کریں۔ جب اس کی ضرورت پہلے سے بہت زیادہ ہو۔ ان کیلئے نفع کی گنجائش ہوتی ہے۔ یہ گنجائش اس وجہ سے ہوتی ہے کہ محض تمام دوسری جماعتوں کو انتظار کی زحمت اور تذبذب سے بچا جا رہا ہے۔ اور فوراً کچھ نہ کچھ نقد قیمت اُن کے پلے باندھتا ہے۔ وہ لوگ اس نقد قیمت کو مستقبل کی غیر متعین قیمت پر ترجیح دیتے ہیں۔ چاہے اُنہیں یہ توقع ہی کیوں نہ ہو۔ کہ مستقبل کی قیمت موجودہ قیمت سے قدرے زیادہ ہوگی۔ محض دوسروں کے خطرے میں حصہ لیکر ایک طرح کا بیمہ لیتے ہیں۔

بہر حال اس سے یہ نتیجہ استنباط نہ کرنا چاہیے۔ کہ ہر قسم کا خطرہ زیر باری کا باعث ہوتا ہے۔ بعض بعض لوگوں میں جو بازی کی عادت ایسی راسخ ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی ساری کی ساری دولت جھکے پر لگا دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ چاہے اُنہیں یہ معلوم ہی کیوں نہ ہو۔ کہ اُن کیلئے جیتنے کا کوئی موقعہ نہیں۔ اس کش مکش میں اُنہیں ایسا لطف آتا ہے۔ کہ وہ اسی کو کافی صلہ سمجھتے ہیں۔ اس واسطے میں افراد کی طبیعتوں میں بہت اختلاف ہوتا ہے۔ لیکن فی الجملہ یہ بات دیکھنے میں آتی ہے۔ کہ بڑی رقموں کی خاطر چھوٹی رقمیں جس مستعدی و آادگی سے خطرے میں ڈالی جاتی ہیں۔ اُس مستعدی سے بڑی رقمیں چھوٹی رقموں کی خاطر نہیں لگائی جاتیں۔ چاہے مؤخر الذکر صورت میں کامیابی کے مواقع زیادہ

ہی کیوں نہ ہوں۔ اول الذکر خطرے کو عام طور پر اتنی ترجیح دیجاتی ہے۔ کہ بہت سے آدمی بلکہ اکثر قسم کے آدمی... اڈا لے جیتنے کی خاطر اڈا لے کر خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ چاہے انہیں یہی معلوم کیوں نہ ہو۔ کہ ان کے جیتنے کی امید اگر ایک ہے۔ تو مارنے کی صورتیں دو ہزار۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں قانون مخالفت نہیں کرتا۔ وہاں لائبریاں بکثرت ڈالی جاتی ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ جو ایک ڈال جیتنے کی خاطر... اڈا لے کر خطرے میں ڈالیں۔ گو ان کو مارنے کی صورت ایک ہو۔ اور جیتنے کی دو ہزار۔ اگر کوئی کمپنی ۲۰۰۰ ٹکٹ ایک ایک ہزار ڈالر کی قیمت پر فروخت کرنا چاہے۔ اور ان میں سے صرف ایک خالی ہو۔ یعنی صرف ایک انعام نہ ملتا ہو۔ اور باقی سب پر ۱۰ ڈالر کا انعام ملتا ہو۔ تو یہ ان شرائط سے جو آج تک کسی لائبریا نے پیش کی ہیں بہتر شرائط ہونگی۔ تاہم ایسے ٹکٹوں کے بہت کم خریدار مل سکیں گے۔ جو کمپنی ایسا کرے وہ قسمت آزمائی کرنے والے اشخاص کیلئے اچھا موقعہ ہیسا کرے گی۔ اور جو شخص ایسے ٹکٹ خریدتا جائے وہ بحیثیت مجموعی فائدہ فائدے میں رہے گا۔ خواہ پہلی آزمائش میں اس کا سارا روپیہ ضائع ہو جائے۔

کانگنی اور بعض دوسرے کاروبار جن میں مخاطرہ (Risk) غیر معمولی طور پر زیادہ ہوتا ہے۔ ان کی اور بات ہے۔ ان کے علاوہ جتنے صنعتی اور تجارتی مخاطرے ہیں۔ وہ سب اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ بڑی رقمیں چھوٹی رقمیں حاصل کرنے کی خاطر خطرے میں ڈالتی پڑتی ہیں۔ یہ قول خصوصاً خود مختار کاشتکار پر صادق آتا ہے۔ اس قسم کے مخاطرے ان لوگوں کو جسکی طبیعت میں جوئے بازی کا مادہ ہو۔ جاذبِ نظر نہیں معلوم ہوتے۔ اور اسلئے بہت کم لوگوں کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے۔ الا ان صورتوں میں کہ بحیثیت مجموعی فائدہ ہونے کی زیادہ امید ہو۔ یعنی منافع بحیثیت مجموعی نقصان سے زیادہ ہو۔ جو لوگ دانائی سے ایسے کاروبار میں قدم رکھتے ہیں۔ وہ مجموعی طور پر منافع حاصل کرتے ہیں۔ لیکن وہ غیر معمولی طور پر خطر کاروبار جن میں ٹھوڑے سے زر کے شغل (Small business) سے زیادہ منافع کی امید ہوتی ہے۔ جوئے بازی کیلئے جاذبِ نظر ہو قہر ہیں۔ ان میں روپیہ لگانے کے لوگ اس قدر زیادہ خواہشمند ہوتے ہیں۔ کہ بحیثیت مجموعی نقصان

منافع سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو من الجحیت الجماعت کوئی نفع نہیں ہوتا۔ گوان
میں سے بعض بڑے بڑے انعام جیتتے ہیں۔ اول الذکر قسم کے کاموں میں خطرہ ایسا معمولی ہوتا
ہے۔ کہ جوئے بازوں کو لطف نہیں آتا۔ اسلئے وہ ان میں شامل ہونے سے باز رہتے ہیں اسلئے
ان میں مقابلہ کم ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اتنی دوراندیشی یا اتنا حوصلہ رکھتے ہیں۔ کہ ان میں حصہ
لیں وہ خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

محض بزنس تمثیل ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ دو آدمی لاٹری کے ٹکٹ بیچنے کی کوشش
کر رہے ہیں۔ ایک شخص تو معمولی قسم کے ٹکٹ بیچتا ہے اور دوسرا ایسی قسم کے ٹکٹ
کہ آج تک کسی نے نہیں بیچے۔ پہلے شخص کے پاس ایک بکس ہے جس میں ۱۰۰ ٹکٹ
ہیں۔ ان میں سوائے ایک کے باقی سب خالی ہیں۔ یعنی ان پر کچھ انعام نہیں ملیگا۔ اور اس
ایک ٹکٹ پر ۱۰۰ ڈالر کا انعام ملیگا۔ دوسرے شخص کے پاس ایک بکس ہے جس میں
۲۰۰ ٹکٹ ہیں۔ ان میں صرف ایک خالی ہے۔ اور باقی سب پر ۱۰۰ ڈالر انعام ملیگا۔ مزید
بریں یہ فرض کیجئے کہ یہ دونوں آدمی فروخت کرنے میں یکساں مہارت اور قابلیت رکھتے
ہیں۔ دونوں کو سب ٹکٹ ایک مقررہ قیمت پر بیچنے ہیں۔ لیکن یہ قیمت لگانے کا
اختیار خریدنے والے کو ہے۔ یعنی جتنی قیمت وہ دینے پر تیار ہو اتنی قیمت مقرر ہوگی
تو اس صورت میں دونوں علیحدہ علیحدہ جس قیمت پر سب ٹکٹ بیچیں گے۔ وہ زیادہ سے
زیادہ کیا ہوگی۔ حساب کے مطابق پہلے آدمی کے ٹکٹوں کی قیمت ۵۰ سنٹ (۵۰ cents) حاصل
ہوتے ہیں۔ لیکن لاٹریوں کے متعلق ہیں جو تجربہ سے بتاتا ہے کہ پہلا آدمی بلا ٹکٹ
شہد اپنے ٹکٹ ۵۰ سنٹ فی ٹکٹ سے زیادہ قیمت پر فروخت کر سکتا ہے۔ اب اس
صورت میں خریدنے والے من حیث الجماعت اس سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے
جتنا وہ فائدہ حاصل کرینگے۔ دوسرے آدمی کے ٹکٹوں کی قیمت حساب کے مطابق فی
ٹکٹ ۵۰۔۹۹ ڈالر ہے۔ یعنی کل انعامات ۹۹۹۰۰ ڈالر اگر ٹکٹوں کی کل تعداد ۲۰۰۰
پر تقسیم کر دیا جائے تو یہ رقم حاصل آتی ہے۔

اب یہ امر قریب قیاس نہیں بلکہ یقینی ہے کہ ہر شخص اپنے ٹکٹ اس قیمت پر

فروخت نہ کر سکیگا۔ بلکہ اس سے بہت کم قیمت اُسے قبول کرنی پڑے گی۔ اس صورت میں خریدنے والے من حیث المجموع نفع میں رہینگے۔ یعنی ان کا کل منافع اُن کے نقصانات سے زیادہ ہوگا۔ لوگ ان دو قسموں کے مخاطروں کی جو اخلاقی قیمت لگاتے ہیں۔ اُس میں ایک نفسیاتی راز مضمحل ہے۔ جس سے ہم اس جگہ بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ صنعت و حرفت اور کاروبار میں خطرات سے کوئی مضر نہیں۔ اور اگر پیدائش کا کام جاری رکھنا مقصود ہو تو ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص ان خطرات میں اپنے آپ کو ڈالے۔ لیکن ان مخاطروں کا ایک مختلف قسم کے کاروبار میں روپیہ لگانے سے تعلق ہے۔

اگر کام ایسا ہو کہ چھوٹی رقمیں خطرے میں ڈالی جاسکیں اور نفع چاہے غیر یقین ہی کیوں نہ ہوتا ہم ہو بہت بڑا۔ توجہ بازار اس میں بڑے ذوق و شوق سے حصہ لینگے۔ ایسے کام کے حصے اتنی بڑی قیمتوں پر بیچے جاسکتے ہیں۔ کہ روپیہ لگانے والوں کا بحیثیت ایک جماعت کے نقصان ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اور پہلی قسم کے ٹکٹ اتنی کم قیمتوں پر فروخت کیے جاسکتے ہیں۔ کہ اُن کے خریدنے والے یقیناً نقصان میں رہتے ہیں۔

نفع کے معاملے میں خطرے کا جو نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو یہ اور دوسری طرف سود کے متعلق یہ نظریہ کہ سود کے فوراً لینے سے احتراز کرنا سود کے ازدیاد کا باعث ہے۔ ان دونوں نظریوں کے درمیان بڑی مشابہت و مماثلت ہے۔ سود کی بحث میں ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ اگر اصل کی کسی قسم مثلاً کسی آگے کی پیداوار کیلئے انتظار کرنا پڑے۔ تو اس سے اُس آگے کی موجودہ قیمت بمقابلہ اس کے مستقبل کے محاصل کے قدرے کم ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس کو موجودہ قیمت پر خریدے اور اس کی آئندہ آمدنی کا انتظار کرے وہ اس بنا پر سود کی صورت میں زائد آمدنی حاصل کرے گا۔ اسی طرح اگر کسی کاروبار کو غیر محفوظ حالات میں چلایا جائے تو اس میں جو خطرہ مضمحل ہوتا ہے اس سے ممکن ہے کہ ساز و سامان (جس میں مزدور بھی شامل ہیں) کی موجودہ قیمت بمقابلہ اُن کی پیداوار کی ظنی و قیاسی قیمت کے قدرے کم ہو جائے۔

جو لوگ ایسے کاموں کا بیڑا اٹھاتے ہیں۔ اُن کے متعلق اسید کی جاسکتی

ہے کہ نفع کی صورت میں بہت سی زائد آمدنی حاصل کریں گے۔

لیکن ہم نے سود کے مسئلہ پر بحث کرتے وقت دیکھا تھا کہ ہر طرح کا انتظار ایک جیسا باعثِ زحمت و گرا باری نہیں۔ اور بعض قسم کا انتظار ایسا ہے کہ بغیر کسی انعام یا صلہ کی توقع کے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر طرح کا خطرہ ایک جیسا باعثِ زحمت و گرا باری نہیں۔ اور بعض قسم کے خطرے ایسے ہیں کہ اُن میں لوگ محض کشمکش کے لطف کیلئے پڑتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا کاروبار ہو جو جواہریوں کی طبیعت کے موافق ہو۔ تو لوگوں کے دل میں اس خطرے کے مول لینے کا اتنا شوق ہوگا کہ وہ اپنی اصلی قدر و قیمت سے کچھ زیادہ قیمت پا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو لوگ ہمیشہ بالاتزام اس قسم کے خطرے مول لیتے ہیں وہ جتنا جیتتے ہیں۔ اُس سے بہت زیادہ مار دیتے ہیں۔ گویہ ممکن ہے۔ کہ شروع شروع میں اُن کی جیت ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسا کاروبار ہو کہ وہ جوئے بازوں کے حسبِ طبیعت نہ ہو تو لوگ اس کا خطرہ مول لینے میں اس قدر ہچکچاہٹ اور تامل سے کام لیتے ہیں کہ اسکی بازاری قیمت عموماً اُس کی حقیقی قدر و قیمت سے کم پڑتی ہے اسلئے جو لوگ اس قسم کے خطرے مول لیتے ہیں۔ وہ من حیث المجموع جیتتے ہیں اور شروع شروع ہی میں ہار مار کر تباہ نہیں ہو جاتے۔

پہلی قسم کے قمار بازی کے کاموں میں جہاں تک اُن کے بیڑا اٹھانے والوں کا بحیثیت ایک جماعت کے تعلق ہے۔ منافع کوئی نہیں۔ بلکہ الباقصان ہے۔ گویہ ممکن ہے کہ شاذ و نادر کوئی فرد واحد زیرِ کثیر جیت لے۔ مگر اذکر قسم کے کاموں میں۔ جہاں تک اُن کے بیڑا اٹھانے والوں کا بحیثیت ایک جماعت کے تعلق ہے۔ منافع کی صورت ہے گویہ ممکن ہے کہ کبھی کبھی کوئی فرد واحد دیوالیہ ہو جائے۔

صرف کنندہ جو قیمت ادا کرتا ہے وہ کہاں جاتی ہے؟ تقسیم آمدنی کی بحث میں ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ مزرعہ کی پیداوار کیلئے صرف کنندہ جو قیمت ادا کرتا ہے

اسلئے یہ جملہ ٹھری کے ٹمکٹوں پر بلا استثناء عاید ہوتا ہے۔ اکثر صاحبِ الرائے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ کاشتکار کاروبار کے خطرہ پر بھی یہ صادق آتا ہے۔

اس کا کتنا حصہ کا شکار کے ماتھے آتا ہے۔ جو کا شکار کی پیداوار کو صرف کفزدہ تک پہنچانے کا وسیلہ بنتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اس مسئلہ کو ہم کسی تا مدہ کلیہ کے طور پر حاصل نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہر مخصوص مقام کیلئے اور ہر مخصوص جنس کے معاملے میں اس کا مختلف حل ہوگا۔ بنا بریں اس سوال کا مکمل جواب دینے کیلئے ضروری ہے کہ مختلف مقامات پر بڑی احتیاط اور غور و خوض سے تحقیق و تدقیق کی جائے۔ اور اس تحقیق و تدقیق کے نتائج کو بڑی بڑی ضخیم جلدوں کی صورت میں مرتب کیا جائے۔ ذیل میں ہم نے جو فہرست درج کی ہے۔ اس سے اس قسم کی تحقیق و تدقیق اور اس کے نتائج کے متعلق کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس فہرست میں جو اعداد و شمار درج کئے گئے ہیں۔ وہ ان طلباء نے جو ۱۹۱۱ء میں مارڈیونیٹی میں راقم الحروف سے زراعتی معاشیات کی جماعت میں پڑھتے تھے۔ طیار کئے ہیں۔

جنس	مقام پیدائش	مقام صفت	پیدا کنندہ کی قیمت وصول کی	صرف کفزدہ کی قیمت ادائی	فرق
سیب (ریل بالڈون)	مارڈیونیٹی (سیب)	یوسٹن	۲۵۰ ڈالر (سیب)	۲۵۰ ڈالر (سیب)	۵۰۲۵ ڈالر
سیب (کٹر فنی وناٹن)	وناچریلی وناٹن	شکارگو	۱۶۳۵ (فنی بکس)	۸۰۰ (فنی بکس)	۶۵۵۵
سیب (بیٹن بالڈون)	مین	لورپول	۲۵۰۰ (سیب)	۲۵۰۰ (سیب)	۲۰۴۲
سیب (جوناقن)	ایکیم (وٹنگٹن)	یوسٹن	۱۶۹۹ (فنی بکس)	۳۴۰ (فنی بکس)	۱۰۱۹
سیب -	مین	پورٹ لینڈ	۲۵۰۰	۶۵۰۰	۶۵۰۰
سورکا گوشت (کٹر فنی وناٹن)	وٹنگٹن (سیب)	یوسٹن	۵۰۸	۱۹۱۴	۱۱۱۴
گائے کا گوشت	وٹنگٹن رینجز	یوسٹن	۲۵۰۰ (فنی ہندو)	۲۵۰۰ (فنی ہندو)	۳۰۴۹
کھن (ورڈر کینی لیسٹ)	ورسٹر	یوسٹن	۲۰۰۰ (فنی پونڈ)	۲۵۰ (فنی پونڈ)	۱۰۴۲۵
کھن -	ایٹیلڈ ویلس	یوسٹن	۲۵۰ (فنی پونڈ)	۳۴۰ (فنی پونڈ)	۱۰۱۱
کئی	مڈل ویٹ	یوسٹن	۲۰۰۰ (سیب)	۲۰۰۰ (سیب)	۲۰۰۰
الکھل	پیکن رالیناس	پیکن رالیناس	۲۰۰۰	۵۸۱	۲۰۰۰
سیبھی مٹی	ہائرسٹن (مین جیٹلڈ ویلیفیا)	۲۵۰ (فنی ٹوکر)	۱۵ (فنی ٹوکر)	۱۵ (فنی ٹوکر)	۲۵۰۰
ڈواریں بروم مٹی	کینس	ایٹ	۸۵۰ (فنی ٹن)	۲۵۰ (فنی ٹن)	۲۵۰۰

جنس	مقاہد ایش	مقاہد صرف	پیدا کنندہ نے کیا قیمت وصول کی	صرف کنندہ نے کیا قیمت ادا کی	فرق
اندکے	ٹائٹن دیسل (پوسٹن اور مضائقہ)	۱۸ و ۱۷ (دقی درجن)	۲۵ و ۲۴ (دقی درجن)	۶۰۷	
اندکے	احمد این ایچ بوسٹن	۲۰ و ۲۱ (دقی درجن)	۲۸ و ۲۷ (دقی درجن)	۶۰۸	
اندکے	انڈیانا بوسٹن	۱۳ و ۱۲ (دقی درجن)	۲۵ و ۲۴ (دقی درجن)	۱۳	
بھوسہ	مین بوسٹن	۲۰ و ۲۱ (دقی ٹن)	۳۰ و ۳۱ (دقی ٹن)	۳۰۰۰	
بھوسہ (ٹوٹتی)	کیمرج ۸ و ۷ (دقی ٹن)	۲۶ و ۲۵ (دقی ٹن)	۱۸ و ۵۰	
دودھ	منٹگری فلیڈلیقا	۵ و ۴ (کوآرٹ)	۸ و ۷ (کوآرٹ)	۳ و ۴	
دودھ	ڈن سیکل اور سٹریٹن اور مضائقہ	۴ و ۳ (کوآرٹ)	۱۰ و ۹ (کوآرٹ)	۱ و ۲	
دودھ	ورسٹر بوسٹن	۳ و ۲ (کوآرٹ)	۸ و ۷ (کوآرٹ)	۱ و ۲	
سنگرے (اسٹارٹائیو)	یونینیا بوسٹن	۱۲ و ۱۱ (دقی ٹن)	۵۰ و ۴۹ (دقی ٹن)	۱ و ۸۸۸	
سنگرے (روبی بلڈ)	۸ و ۷ (دقی ٹن)	۱۰ و ۹ (دقی ٹن)	۲ و ۶۸	
ناشپائیاں	پاؤینا ڈینور	۲۵ و ۲۴ (دقی ٹن)	۷۵ و ۷۴ (دقی ٹن)	۱ و ۵۰۵	
.....	ورجینیا بوسٹن	۱ و ۲ (دقی پونڈ)	۱۸ و ۱۷ (دقی پونڈ)	۱ و ۱۳۵	
آلو	اروسٹوک کیمرج	۵۰ و ۴۹	۹۰ و ۸۹	۱ و ۴۰	
آلو (ادریگن سٹاک)	کیلپورنیا سان فرانسکو	۷۰ و ۶۹ (ایک بوری)	۵۰ و ۴۹ (ایک بوری)	۱ و ۸۰	
مرغے مرغیاں (برائل)	ایڈرن میکوسٹ بوسٹن	۳۳ و ۳۲ (دپونڈ)	۵۵ و ۵۴ (دپونڈ)	۱ و ۲۲	
مرغے مرغیاں (روٹر)	ایڈرن میکوسٹ بوسٹن	۱۴ و ۱۳ (دقی پونڈ)	۳۳ و ۳۲ (دقی پونڈ)	۱ و ۱۳	
مرغے مرغیاں (کپین)	ایڈرن میکوسٹ بوسٹن	۲۲ و ۲۱ (دقی پونڈ)	۳۵ و ۳۴ (دقی پونڈ)	۱ و ۱۳	
مرغے مرغیاں (کول)	ایڈرن میکوسٹ بوسٹن	۱۴ و ۱۳ (دقی پونڈ)	۲۸ و ۲۷ (دقی پونڈ)	۱ و ۱۳	
چاول	ارکنس بوسٹن	۴۰ و ۳۹	۱۶ و ۱۵	۳ و ۶۲	
اسٹاربری نمبرا	جارجیا بوسٹن	۱۴ و ۱۳ (دقی ٹن)	۲۵ و ۲۴ (دقی ٹن)	۱ و ۷۷	
ٹماٹر	فلوریڈا بوسٹن	۳۵ و ۳۴	۳۵ و ۳۴	۱ و ۷۵	
ٹماٹر	مونٹ ڈی فلیڈلیقا	۷۵ و ۷۴	۸۰ و ۷۹	۱ و ۴۵۲۵	

جنس	مقام پیدائش	مقام صر	پیدا کنندہ نے کیا قیمت وصول کی	صرف کنندہ نے کیا قیمت ادا کی	فرق
.....	شمال نیویارک	یوسٹن	۲۵ روپی پونڈ	۳۸ روپی پونڈ	۱۳
دودھ (فصلِ ربیع میں)	کوپرسٹون	نیویارک	۲۵ روپی (کواریٹ)	۸ روپی (کواریٹ)	۱۷
آلو۔	سیکسٹس	کیمبرج	۵۵	۹۰	۳۵
درخت سے توڑنا۔ ۲۵ روپی ڈالر۔ ۲۵ روپی ڈالر۔ باربرواری۔ ۲۵ روپی ڈالر۔ دلالی ۲۵ روپی ڈالر۔					
تقسیم ۱۵ روپی ڈالر۔ لیبل لگانا۔ گاڑی پر لادنا وغیرہ ۱۰ روپی ڈالر۔ گودام میں رکھنا ۵۰ روپی ڈالر۔ آرٹھتی ۲۰ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۵۰ روپی ڈالر۔					
گرد و زالیوسی ایشن۔ ۱۰ روپی ڈالر۔ ریلوے کا خرچہ شنگاگو تک ۱۰ روپی ڈالر۔ آرٹھتی ۲۰ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۵۰ روپی ڈالر۔					
بیرل ۳۵ روپی ڈالر۔ باربرواری۔ اکپورٹر اور فروشنده کو کمیشن وغیرہ وغیرہ ۱۰ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۱۰ روپی ڈالر۔					
۵۰ روپی ڈالر۔ کمیشن مین (دلال) ۱۵ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۲۰ روپی ڈالر۔					
باربرواری ۲۰ روپی ڈالر۔ صاف کرنا ۱۳ روپی ڈالر۔ بند کرنا ۸ روپی ڈالر۔ جہاز پر لادنا ۱۰ روپی ڈالر۔ آرٹھتی ۲۰ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۳۰ روپی ڈالر۔					
چرائی ۲۵ روپی ڈالر۔ باربرواری ۵ روپی ڈالر۔ ذبح کرنا ۲۵ روپی ڈالر۔ ڈبوں میں بند کرنے والے کو ۲۵ روپی ڈالر۔ آرٹھتی ۲۵ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۲۵ روپی ڈالر۔ یہ سب کے سب اخراجات فی ہنڈر ڈورٹ کے حساب سے ہیں)					
باربرواری ۲۵ روپی ڈالر۔ آرٹھتی ۱۰ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۳۰ روپی ڈالر۔					
دلالی کا کارخانہ ۳۰ روپی ڈالر۔ آرٹھتی ۸ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۲۰ روپی ڈالر۔					
مقامی سوداگر ۲۰ روپی ڈالر۔ کمیشن ۲۰ روپی ڈالر۔ مقامی سوداگر سے کو ۵۰ روپی ڈالر۔					
باربرواری ۵ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۱۰ روپی ڈالر۔ ۱۵ روپی ڈالر۔					
مقامی باربرواری ۲۰ روپی ڈالر۔ ۲۰ روپی ڈالر۔ مکمل کے پانچ گیلن ایک بشل کی سے تیار کرنا					
۳۱ روپی ڈالر۔ خردہ فروش ۴۰ روپی ڈالر۔					

ریلوے کا خرچ ۵۔۵۔ ڈالر کمیشن ۲۵۔۲۵۔ ڈالر بنانے والا خرچ ۲۵۔۲۵۔ ڈالر اس کا نفع ۵۰۔۵۰۔ ڈالر
 ۱۔۱۔ ڈالر کمیشن ۱۰۔۱۰۔ ڈالر اشتہار وغیرہ ۳۰۔۳۰۔ ڈالر خردہ فروش ۲۰۔۲۰۔ ڈالر
 اور آرٹھتی تک پہنچانے کا خرچ ۱۵۔۱۵۔ ڈالر آرٹھتی ۴۰۔۴۰۔ ڈالر خردہ فروش کو پہنچانا
 ۵۰۔۵۰۔ ڈالر خردہ فروش ۲۰۔۲۰۔ ڈالر۔

اسٹور کیپر ۳۰۔۳۰۔ ڈالر انڈیانا میں حمل و نقل ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر انڈیانا کے کمیشن والے کو ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر
 انڈیانا سے ریلوے کا خرچ ۲۵۔۲۵۔ ڈالر گاڑی میں لاونا ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر کمیشن والا بوسٹن میں ۵۰۔۵۰۔ ڈالر
 خردہ فروش ۶۸۵۔۵۰۔ ڈالر۔

پریس کرنا ۲۵۰۔۲۵۰۔ ڈالر گاڑی کے اوپر لاونا ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر گاڑی کا کرایہ ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر بار برداری ۸۰۔۸۰۔
 ۲۰۔۲۰۔ ڈالر آرٹھتی ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر خردہ فروش ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر بار برداری ۳۰۰۔۳۰۰۔ ڈالر خردہ فروش ۴۰۰۔۴۰۰۔ ڈالر
 بار برداری ۳۰۰۔۳۰۰۔ ڈالر خردہ فروش ۴۰۰۔۴۰۰۔ ڈالر۔

بار برداری برف بنانا بونلوں میں ڈالنا وغیرہ ۵۰۰۔۵۰۰۔ ڈالر آرٹھتی ۲۰۰۔۲۰۰۔ ڈالر خردہ فروش
 ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر خریداروں تک پہنچانا ۲۰۰۔۲۰۰۔ ڈالر نقل و حمل ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر ٹھیکہ دار ۲۰۰۔۲۰۰۔ ڈالر گلی کوچوں
 میں بیچنے والے ۲۰۰۔۲۰۰۔ ڈالر۔

درختوں پر سے توڑنا اور ڈبوں میں بند کرنا وغیرہ ۵۰۰۔۵۰۰۔ ڈالر بار برداری ۸۲۸۔۸۲۸۔ ڈالر نیلام کی کمیشن
 ۴۰۰۔۴۰۰۔ ڈالر خردہ فروش ۵۰۰۔۵۰۰۔ ڈالر۔

درختوں پر سے توڑنا اور ڈبوں میں بند کرنا وغیرہ ۵۰۰۔۵۰۰۔ ڈالر بار برداری ۸۲۸۔۸۲۸۔ ڈالر ٹھنڈا
 کرنا ۲۰۰۔۲۰۰۔ ڈالر نیلام کی کمیشن ۳۰۰۔۳۰۰۔ ڈالر خردہ فروش ۵۰۰۔۵۰۰۔ ڈالر۔

ڈبوں میں بند کرنا اور پہنچانا ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر بار برداری ۸۳۰۔۸۳۰۔ ڈالر برف سے ٹھنڈا کرنا ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر
 مقامی دکاندار ۴۰۰۔۴۰۰۔ ڈالر۔

کمیشن ۴۰۰۔۴۰۰۔ ڈالر ڈبوں کا غدوں اور بند کرنے کا خرچ ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر آرٹھتی ۲۰۰۔۲۰۰۔ ڈالر خردہ
 فروش ۱۵۰۔۱۵۰۔ ڈالر۔

بوریلوں میں ڈالنا ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر بار برداری ۱۳۰۰۔۱۳۰۰۔ ڈالر آرٹھتی ۶۴۰۔۶۴۰۔ ڈالر کیپر ج لیجانا ۳۰۰۔۳۰۰۔ ڈالر
 بار برداری ۱۰۰۔۱۰۰۔ ڈالر کمیشن ۲۴۰۔۲۴۰۔ ڈالر آرٹھتی اور خردہ فروش ۴۰۰۔۴۰۰۔ ڈالر۔

جہاز پر لانے کا خرچ اور بیچ کی کمیشن ۵۰۰۔ ڈالر۔ آرٹھتی (مہ کوشت کو بھوننے اور صاف کرنے کے
 خرچ کے) ۴۰۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش ۱۰۰۔ ڈالر۔
 جہاز پر لانے کا خرچ اور بیچ کی کمیشن ۴۰۰۔ ڈالر۔ آرٹھتی (مہ بھوننے اور صاف کرنے وچ کے)
 ۴۰۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش ۵۰۰۔ ڈالر۔
 جہاز پر لانے کا خرچ اور بیچ کی کمیشن ۳۰۰۔ ڈالر۔ آرٹھتی (مہ بھوننے اور صاف کرنے کے خرچ
 کے) ۴۰۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش ۵۰۰۔ ڈالر۔
 آرٹھتی (مہ بھوننے اور صاف کرنے کے خرچ کے) ۴۰۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش ۵۰۰۔ ڈالر۔
 چکی میں دلنا ۶۳۔ ڈالر۔ چکی والے کا نفع ۱۲۰۔ ڈالر۔ آرٹھتی کے اخراجات ۱۵۰۔ ڈالر۔
 آرٹھتی کا نفع ۱۰۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش کے اخراجات ۱۶۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش کا نفع
 ۲۰۰۔ ڈالر۔
 جہاز پر پوسٹ لانے کا خرچ ۵۰۰۔ ڈالر۔
 ریلوے کا خرچ ۶۲۔ ڈالر۔ گاڑی کا خرچ ۳۰۰۔ ڈالر۔ جہاز والا ۱۰۰۔ ڈالر۔ کمیشن مینٹ
 ۵۰۰۔ ڈالر۔ بند کرنا۔ ڈبوں میں ڈالنا وغیرہ ۳۵۰۔ ڈالر۔ ۱۵۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش ۴۵۰۔ ڈالر۔
 بار برداری ۵۰۰۔ ڈالر۔ کمیشن ایکٹ ۲۲۵۔ ڈالر۔ آرٹھتی ۱۵۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش ۲۰۰۔ ڈالر۔
 مقامی ایکٹ ۱۰۰۔ ڈالر۔ ڈبوں میں بند کرنا ۱۰۰۔ ڈالر۔ ریلوے کا خرچ ۱۰۰۔ ڈالر۔ سوداگر
 ۱۰۰۔ ڈالر۔ خردہ فروش ۸۰۰۔ ڈالر۔
 مقامی خرچ بار برداری ۱۰۰۔ ڈالر۔ جہاز کا خرچ ۴۰۰۔ ڈالر۔ بار برداری ۵۰۰۔ ڈالر۔ آرٹھتی
 (جو اسے خود ہی پھلے) ۴۰۰۔ ڈالر۔
 ڈبوں میں بند کرنا ۲۰۰۔ ڈالر۔ کمیشن ۳۰۰۔ ڈالر۔ ریلوے کا خرچ نقل و حمل ۵۰۰۔ ڈالر۔ خردہ
 فروش ۲۵۰۔ ڈالر۔

پھٹا باب

دیہات کی اجتماعی زندگی کے متعلق چند مسائل

دیہاتی آبادی کوئی اور مسئلہ اس مسئلہ کی اہمیت کو نہیں پہنچتا۔ کہ دیہاتی آبادی کے رجحانات فطری اور خصائص طبعی کو کیونکر قائم رکھا جاسکتا ہے۔ دیہاتی اضلاع وہ جگہ ہیں۔ جہاں سے آ کر لوگ شہروں میں آباد ہوتے ہیں۔ یہاں گویا شہری آبادی کا ذخیرہ جمع رہتا ہے۔ اس ذخیرہ کے اچھا یا بُرے ہونے پر کسی قوم کی عظمت اور اسکی تہذیب کی ترقی کا جس قدر دار و مدار ہے۔ اس قدر کسی اور چیز پر نہیں۔ اگر کسی ملک کے باشندوں کی اُس ذہنی و جسمانی طاقت کو جو فطرتاً سے دویت ہوتی ہے زوال آجائے تو دنیا کی کوئی چیز اسکی تہذیب کو انحطاط سے بچا نہیں سکتی۔ اور نو اور تعلیم بھی اس انحطاط کا سد باب نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جب تعلیم حاصل کرنیکی استعداد ہی مفقود ہو جائے۔ تو تعلیم کا کیا اثر ہو سکتا ہے؟ ہر شہسوار اس بات کا قائل ہے۔ کہ گھوڑے کے پیچے ریاضت کی ہوتی ہے۔ جب کہیں وہ دوڑنے کے قابل ہوتا ہے۔ لیکن کوئی شہسوار چاہے اس کے سدھانے کا طریقہ کیسا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو اپنے گھوڑوں کی تیز رفتاری قائم رکھنے یا اُس میں ترقی کرنیکی توقع نہیں رکھ سکتا۔ اگر اسے گھوڑے مرے سے ادنیٰ نسل کے ہوں۔ اسی طرح کسی ملک کا نظام تعلیم اتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو تاہم اگر اُس کے باشندوں میں ذی استعداد اور قابل لوگوں کی تعداد زیادہ سرعت سے ترقی کرتی ہے۔ تو یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کہ اُن کی پیداواری کی یافت اور کارپردازی کی قوت قائم رہ سکیگی۔

لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کسی قوم کی پیداواری کی یافت اور کارپردازی کی قوت سے مراد کیا ہے؟ ایک کہن سال وحشی کی کہانی بیان کی جاتی ہے کہ اُس نے عمر کا بیشتر حصہ ہڈب

لوگوں میں بسر کیا۔ اور اواخر عمر میں اپنے لوگوں کے پاس یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں نے چالیس سال تک ہندو زندگی کو آزاد دیکھا۔ مجھے تو پسند نہیں آئی۔ مفت کی زحمت ہے۔ یہ مختصر کہانی تہذیب کے فلسفے کا لب لباب ہے۔ دشمنی لوگوں کیلئے ہندو زندگی "مفت کی زحمت" ہے بات یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی زحمت گوارا نہیں کر سکتے۔ صرف وہ نیلیں جو تکلیف برداشت کر سکتی ہیں۔ یا جن کو تکلیف ناگوار نہیں ہندو بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ تہذیب بڑی حد تک تکلیف گوارا کرنے کا ہی دوسرا نام ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو اس کے جنجال سے تنگ آ جاتے ہیں۔ وہ چاہے ہندو ماحول میں کیوں نہ رہتے ہوں۔ تاہم بربریت کو تہذیب پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف بعض لوگوں میں اس قدر ذہنی قوت ہوتی ہے۔ کہ وہ تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ اُس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو تہذیب کے مرکزی ستون ہوتے ہیں۔ کسی شخص نے خدا داد فطانت (دماغی قابلیت) کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ بے انتہا تکلیف برداشت کرنے کی قوت کا نام ہے۔ اگر کسی نسل یا قوم میں جو ہر قابل اور تہذیب کی صلاحیت ہو تو اُس کی تعریف بھی ہم انہیں الفاظ میں کر سکتے ہیں۔

دور اندیشی سے کام لینا آئندہ سال اور اس کے بعد کے سال کیلئے تدبیریں سوچنا کئی کئی سال تک آمدنی کی کچھ صورت ہونے کے باوجود محنت اور جفا کشی سے کام کرنا۔ روزانہ ہفتہ وار۔ ماہوار۔ اور سالانہ حسابات کی طول لمبیل تفصیلات کو دیکھنا۔ اور یہ سب کچھ ایسے حاصل کی اُمید میں جو اتنی مدت کے بعد اٹھ آئیگا کہ جس کا کچھ حساب نہیں ہے اور جس کا اندازہ تنگ نظر لوگوں کے اسکاں سے باہر ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو کامیاب زراعت کے لوازم میں سے ہیں۔ صرف وہ افراد یا اقوام جو اس قدر بہت اور قابلیت رکھتی ہیں۔ زراعت یا کسی قسم کی صنعت و حرفت میں کامیابی حاصل کرنے کی اہل ہیں۔ دخیوں میں چاہے اور کتنے ہی قابل تعریف اوصاف ہوں اور انہیں تہذیب انسانوں پر اور کتنے ہی امور کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہو۔ لیکن چونکہ مذکورہ بالا صفات اُن میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلئے وہ ہمیشہ میدانِ ترقی میں پیچھے رہینگے۔ اور آگے بڑھتے دانوں کے قدموں تلے روندے جائینگے۔ اسی طرح ہماری نسل کے کسی فرد میں چاہے کتنی ہی قابل قدر خوبیاں کیوں نہ موجود ہوں۔ لیکن مذکورہ بالا

صفات کے بغیر وہ ہمیشہ پست حالت میں رہیگا اس قسم کا کوئی فرد یا قوم اگر اپنی قسمت کا نگہ کرے اور کہے کہ کوئی دوسری دنیا ہوتی تو اس کی حالت ایسی ذلیل نہ ہوتی یا تو اس کا نگہ نفوذ ہے۔ یہ دنیا جیسی ہے ویسی ہی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی چارہ کار نہیں۔ اور اس دنیا کا اٹل قانون یہ ہے کہ کامیابی کا سہرا انہی قوموں کے سر بندھنا ہے۔ جن میں محنت پسندی۔ اعتدال۔ جُزری۔ دُور اندیشی۔ اعتماد کے قابل ہونا۔ قوانین فطرت سے واقفیت۔ ایک دوسرے کو مدد دینے کیلئے آمادہ ہونا اور اس قسم کے دوسرے محاسن اخلاق موجود ہیں۔ یہ وہ اوصاف ہیں جو کسی قوم یا نسل کیلئے فربہ کامیابی ہوتے ہیں۔ اور اس لئے اُن اوصاف کے موجود ہونے کا نام قابلیت اور صلاحیت ہے۔ ہم ان سے مختلف صفات کو اور ان لوگوں کو جن میں وہ موجود ہوں پسند کرتے ہیں تو کیا کریں۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ فطرت ایسے معاملات میں ہمارے پسند یا ناپسند کرنے کو نہیں پوچھتی۔ اُس کے قانون جُدا ہیں اور وہ ان سے سرِ مو اُخلاف نہیں کرتی ہم دوسری صفات کو چاہے کتنا ہی اچھا سمجھیں لیکن مذکورہ بالا صفات جس قوم میں نہیں ہیں۔ کبھی پروان نہیں چڑھیں گی اور ہم کفایت شعاری جُزری وغیرہ کی صفات کو لاکھ حقارت کی نگاہ سے دیکھا کریں اور کہا کریں کہ یہ ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کو زیرِ دیتی ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفات موجود ہوں گی وہ پھلیں پھولیں گے اور دنیا میں اُن کا بول بالا ہوگا۔

یہ جو مسئلہ ہے کہ دیہاتی آبادی میں تہذیب کی صلاحیت قائم رکھنے کا طریقہ کیا ہے۔ اس کا حل دو اور امور پر منحصر ہے۔

۱) وہ لوگ جو سب سے پہلے شادی کرتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ بال بچوں والے ہوتے ہیں۔ کیا یہ لوگ سب سے زیادہ یا سب سے کم قابل ہوتے ہیں۔
 ۲) وہ لوگ جو اپنے کھیت چھوڑ کر شہروں میں چلے جاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ سب سے زیادہ یا سب سے کم قابل ہوتے ہیں۔

بہترین صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ قابل نوجوان سب سے پہلے خود مختاری کی حیثیت حاصل کریں۔ یعنی شادی کر کے گھر بار کے مالک بنیں اور اپنے مال و

عیال کی ترقی میں کوشش کریں۔ جس ملک کی معاشرت صحت و سلامتی کی حالت میں ہو۔ وہاں
 بیشک بہترین صورت یہی ہے۔ یعنی جس ملک کی معاشرت میں خلل آجائے۔ وہاں یہ صورت
 بہترین نہیں۔ جس ملک میں یہ خیال کیا جاتا ہو کہ ایک خاندان کا بانی ہوتا۔ ایک جائداد
 کا پیدا کرنا یا ایک خاندان کا جس کی عزت پہلے بن چکی ہو قائم رکھنا اور اس کے نام و ناموس کو
 تحفظ اور اس کی قدیم روایات کا زندہ رکھنا سعادتمندی کا کارنامہ ہے۔ وہاں جتنے ہو نہا
 نو جوان ہونگے وہ اس مقصد کو اپنے لئے دلیل ہدایت بنا لیں گے۔ اور علی قدر قابلیت اس کی
 تکمیل میں کامیاب ہونگے۔ لیکن جس ملک میں معاشرتی زندگی کا مقصد و مہم یہ ہو کہ اپنی
 خواہشات نفسانی کی تکمیل کی جائے۔ اپنا بول بالا کیا جائے۔ اور ادب۔ فنون لطیفہ۔ کمال
 علمی اور اس قسم کی دوسری مجلسی خوبیاں میں کسب کمال کر کے اپنے معاشرین میں امتیاز
 حاصل کیا جائے۔ وہاں خانہ داری کی زندگی کا مقصد اور اپنے خاندان کو قائم رکھنے کا خیال
 دلوں سے محو ہو جاتا ہے۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں صرف اپنی ذات کیلئے کرتے ہیں۔ ان کے دلوں
 میں یہ بات سما جاتی ہے کہ ان علوم و فنون میں پایہٴ فصیلت حاصل کرنا زندگی کا مقصد ہے۔ اور
 وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ذاتی کسب کمال اپنے خاندان کے تحفظ کا فقط ایک ذریعہ ہے۔ وہ یہ خیال
 کر لیتے ہیں کہ جب وہ اپنے ذاتی کمالات کو تکمیل کے درجے تک پہنچا دیں تو پس اپنی زندگی کا منشا
 پورا کر چکے۔ رہا خاندان۔ سو اسکی طرف سے وہ بالکل غافل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے اُلٹے
 اجتماعی نصب العین نوع انسانی کے حق میں بالکل مضر ہیں۔ کیونکہ ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ
 ہونا نو جوان اپنے خاندان کی سرپرستی کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تکمیل ذات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں
خاندان گر (The family builder) خاندان کی پرورش و ترتیب کے مقصد کا
 ترک کر دینا نوع انسانی کیلئے چند وجوہ کی بنا پر مضر ہے اول نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ قابل اور
 بلند خیال نو جوان جو بیویاں انتخاب کرتے ہیں۔ وہ اس خیال سے انتخاب نہیں کرتے کہ ان
 میں ماں بننے کی صلاحیت کہاں تک ہے۔ بلکہ کسی اور خیال سے۔ جس شخص کا منشا ہے
 زندگی اپنی ذاتی خواہشات کا پورا کرنا ہو۔ اگر اس کی حیثیت معاشی اعتبار سے ایسی اچھی ہو
 کہ اس کو اپنی بیوی اپنی مرضی سے انتخاب کرنے کا موقع مل جائے۔ تو وہ ایسی بیوی انتخاب

کر لیا۔ جس سے اُس کی خود پسندی یا ہوس پرستی کی تسکین ہو۔ مثلاً ایسی بیوی کہ جو بستر کی
 حلقوں میں اُس کا رسوخ اور وقار بڑھائے۔ یا جس کی شکل و صورت اس کے دل کو بھلے
 اچھی بیوی کی لازمی صفات یہ ہیں کہ وہ جسمانی اعتبار سے صحیح و تندرست ہو۔ اُس سے صحیح و
 تندرست اولاد ہو اور وہ اولاد کی اچھی طرح تربیت کر سکے۔ پھر اُس میں دماغی قابلیت بھی
 اعلیٰ درجے کی ہو۔ تاکہ اُس کے بچے ورثہ میں اعلیٰ دماغ پائیں اور سب سے زیادہ یہ کہ اپنے
 ذاتی اخلاق اور خدمتِ خلق کے متعلق اُس کے خیالات بلند ہوں تاکہ وہ اپنے بچوں کو سوائی
 کے مفید رکن اور اعلیٰ درجہ کے شہری بنائے جس میں مقصد بھر کو شش کرے۔ جب لوگوں کے
 دلوں میں یہ مقصد مسلط ہو جائے گا کہ اپنے خاندان کو بنانا چاہیے۔ تو اس قسم کی عورتیں
 ہونگی۔ جن کے لوگ سب سے زیادہ تلاشیں ہونگے۔ جو سب سے کم بن بیاہی اور بے اولاد پریں
 جو سب سے پہلے شادی کریں گی اور اس لئے اُن کی زائیدگی کی مدت سب سے زیادہ طویل
 ہوگی۔ جن کو سب سے زیادہ قابل اور تنومند شوہر میسر آئیں گے اور جن کی اولاد سب سے
 زیادہ قابل اور تنومند ہوگی۔ جہاں اور مقاصد پیش نظر ہونگے۔ وہاں اس سے مختلف
 قسم کی عورت کی تلاش کی جائیگی۔ جو عورتیں اُس قسم کی عورتوں سے جن کا ہم نے ابھی
 ذکر کیا ہے۔ جسمانی۔ ذہنی۔ اور اخلاقی طور پر کمزور ہونگی۔ دوسرے مقاصد کی تکمیل اُن کے
 ذریعے بہتر ہو سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بہتر قسم کی عورتیں بن بیاہی اور بے اولاد رہیں گی۔
 یا بہت دیر میں شادی کریں گی۔ اور اسی لئے اُن کی زائیدگی کی مدت ٹھوڑی ہوگی۔ یا یہ ہوگا
 کہ اُن کو شوہر کم قابل اور تنومند ملیں گے۔ اس لئے اُن کی اولاد بھی کم قابل اور تنومند
 ہوگی۔ مزید بریں جہاں خاندان بنانے کے مقصد کی بجائے اور مقاصد لوگوں کے تیر نظر
 ہونگے۔ وہاں ایسی شادیاں بکثرت ہونگی۔ جن کا مقصد اولاد پیدا کرنا نہیں ہوگا۔ بلکہ کچھ اور ہوگا۔
 جو ملک خاندان بنانے کے معاملے میں صحیح ترین مقاصد کو پیش نظر رکھے گا۔ اُس ملک
 میں سب سے قوی اور سب سے قابل شہری پیدا ہونگے اور وہ سب سے زبردست اور سب سے
 خوشحال ملک ہوگا۔ چونکہ ملک کے شہری زیادہ تر دیہاتی اضلاع سے آتے ہیں۔ اس لئے
 یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ دیہات میں صحیح نصب العین لوگوں کے پیش نظر ہوں۔

اگر یہ بات ناپید ہوگی تو ہر طرف ناکامی ہوگی۔ اسلئے یہ کہنے میں ذرہ برابر تامل نہ ہونا چاہیئے کہ جو بلند سے بلند خیال لوگوں کے دل میں آ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ذی عزت۔ قابل اور قوی خاندان کے برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے۔ کامیاب زراعت وہ ہے جس کی غرض و غایت یہ ہو کہ زراعت پیشہ لوگ اس قسم کے خاندان کے قیام و بقا کیلئے ایک جاگیر پیدا کر سکیں۔ اس خیال سے بڑھ کر مضر اور ہلک خیال اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ کامیاب زراعت یا ایک سیر حاصل مزرعہ بذات خود ایک بہت بڑا بلند مقصد ہے۔ یا یہ کسی اس قسم کے مقصد جیسے شہواتِ نفسانی کی تسکین۔ خود پسندی و خود نمائی یا عیش پرستی وغیرہ کی تکمیل کا وسیلہ ہے۔

دیہاتی ہجرت یا (دیہات سے ہجرت)۔ خاندان بنانے کے مقصد کے بعد دوسرے درجے پر جس بات کو بطور تعمیر نسل کے ایک عامل کے اہمیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ دیہاتی ہجرت کی کیفیت کیا ہے۔ اگر صورتِ حالات یہ ہو کہ سب سے تنومند۔ قابل اور صاحبِ ہمت نوجوان دیہات چھوڑ چھوڑ کر شہر کا رخ کریں اور وہاں جا کر جیسا کہ عموماً ہوتا ہے لذاتِ نفسانی۔ خود پسندی اور غلط ارادوں کا شکار ہو جائیں اور اپنی قوت کھو کر بیکار رہو بیٹھیں۔ تو اس کا صرف ایک ممکن نتیجہ ہے۔ دیہات میں چونکہ کم تنومند قابل اور صاحبِ ہمت نوجوان رہ جائیں گے۔ اور شادی بیاہ کر کے اولاد پیدا کریں گے۔ اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل جاری رہے گا۔ اسلئے دیہاتی آبادی میں لازمی طور پر انحطاط رونما ہوگا۔ یہ ایک ایسا لازمی نتیجہ ہے جیسا کہ اس صورت میں رونما ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے بہترین گھوڑے یا مویشی فروخت کر دے اور گھٹیا میل کے جانور نسل بڑھانے کیلئے اپنے پاس رکھے۔ اگر یہ شخص اس طریقے پر کچھ مدت عمل کرتا ہے تو بالآخر اس کے پاس کوئی اول درجے کا جانور نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر دیہاتی آبادی میں خرابی پیدا ہونے لگے۔ تو بالآخر کوئی اعلیٰ درجہ کے مرد و عورت ایسے باقی نہ رہیں گے کہ شہر کو جائیں اور پھر شہر خود زوال پذیر ہوتا شروع ہو گئے۔ لیکن اگر صورتِ حال یہ ہو کہ سب زیادہ قوی اور ذہین اور صاحبِ ہمت نوجوان دیہات میں رہیں اور ان کی درجہ کے نوجوان شہروں میں جائیں اور وہاں جا کر گراہمی کے لفظوں بیاہ ہوں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دیہاتی آبادی

باعتماد کیفیت (Qualitatively) ترقی کرے گی۔ جب تک دیہاتی آبادی برسرِ ترقی ہے۔ اس وقت تک مطمئن رہنا چاہیے کہ قوم کے زوال یا ضعف یا تہذیب کے انحطاط کا کوئی اندیشہ نہیں۔ بنا بریں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ دیہات میں کچھ نہ کچھ حصہ قابل اور فہم لوگوں کا باقی رہنا چاہیے۔

اب اس بات کیلئے کہ اہلیت اور قابلیت رکھنے والے نوجوان مرد اور عورتیں دیہات میں رہیں۔ یہ ضروری ہے کہ دیہاتی زندگی اُن کیلئے مرغوب اور پسندیدہ بنائی جائے۔ مزدور دیکھتی باڈی کی زندگی اس قسم کے مردوں اور عورتوں کیلئے ہرگز دلچسپ نہیں ہو سکتی جب تک کہ معقول آمدنی۔ خوشگوار صحبت اور ذہنی تفریح کے سامان جیسا نہ ہوں۔

کافی آمدنی۔ یہ مسئلہ کاشتکار کے خاندان کیلئے کافی آمدنی کیونکر پیدا کیا جائے۔ ایک حد تک اس پر منحصر ہے کہ زمین اور اصل کی کافی رسد کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟

جہاں چھوٹے چھوٹے مزدوروں کا طریقہ رائج ہو وہاں اس کا بہت کم موقع ہے کیونکہ اس طریقے کے مطابق کاشتکار کے پاس زمین کی مقدار اتنی قلیل ہوتی ہے کہ کامیابی سے زراعت کرنا اُس کیلئے محال ہوتا ہے۔ اور مشینری اور اچھے جانور بھی کم کام نہیں آتے۔ اس لئے بلند خیال اور عالی ہمت نوجوانوں کو اس کی طرف بالکل کشش نہیں ہوتی۔ لیکن اگر خدا نخواستہ آبادی اس قدر بڑھ جائے کہ مزدوروں کا چھوٹے چھوٹے مزدوروں میں تقسیم ہونا ضروری ہو جائے۔ تو پھر اس قسم کی کاشتکاری میں مجبوراً اختیار کرنا پڑے گی۔ اس بنا پر دیہاتی آبادی کی ترقی کیت (Productive) یقیناً اسکی کیفیت (Qualitative) کے متزل کا باعث ہوگی۔ کیونکہ یہ چھوٹے پیمانے کی زراعت اُن لوگوں کیلئے جو بڑے کاموں کی قابلیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس قدر کم جاذب توجہ ہوگی۔ کہ وہ دیہات سے بھاگے شہروں کا رخ کر لیا کریں گے۔ اور دیہات میں وہی لوگ رہ جائیں گے جو ادنیٰ درجے کے کاموں کے قابل ہیں۔

اس سے دیہاتی آبادی کی تحقیف کا ایک ایسا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جسے غوراً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر باشندوں کی تعداد میں تحقیف اس مقصد سے ہو کہ زراعتی

طریقوں میں باہم توازن و توافق پیدا کیا جائے تو اس کا نتیجہ بالآخر اچھا ہو سکتا ہے۔ اگر مزرے کا میاب زراعت کیلئے بہت چھوٹے ثابت ہوں۔ تو اس کیلئے چھوٹے مزرعوں کے مالک ان کو ایسا غیر نفع بخش پائیں۔ کہ ایسے ہسالیوں سے زمین خریدنے کی کوشش کریں یہ ان کے لئے اپنی زمین فروخت کر کے الگ ہو جائیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مزرے بڑے ہو جاتے ہیں۔ اور کاشتکاروں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اگر اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہو کہ صاحب قابلیت مرد اور عورت کاشتکاری کی طرف متوجہ ہو جائیں اور مزرعوں میں رہنا اختیار کریں۔ تو تعداد میں جو کمی ہوتی ہے اسکی تلافی کیفیت (Qualitative) کی ترقی ہو جاتی ہے جو لوگ کیفیت کو کمیت (Quantitative) کی بہ نسبت زیادہ اہم خیال کرتے ہیں وہ یقیناً اس تبدیلی کو پسند کریں گے۔ اسے ہمارے ملک کی خوش قسمتی کہیں کہ اب تک یہاں انتقال اراضی اس قدر آسان اور کم خرچ ہے۔ خاص کر نئی ریاستوں میں کہ اس عمل میں کوئی بڑے مواقع سدراہ نہیں ہیں۔ یہاں مزرے یا تو اتنے بڑے یا اتنے چھوٹے ہوں کہ ان سے جو بیشترین افادہ ہو سکتا ہے وہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو دلوں یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے مزرے ملا کر بڑے بنا لئے جاتے ہیں۔ اور بڑے مزرعوں کو چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے تاکہ ان کا حقہ اتنا ہو جائے کہ جس سے بیشترین افادہ کی توقع ہو۔ پرانے ملکوں میں یہ افادہ کیوں نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان ملکوں میں انتقال اراضی میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں کہیں ساتویں پشت کے آباد اجداد کے حقوق کا تحفظ عدالت کو منظور ہے۔ کہیں یہ جھجھکیا ہے کہیں وہ جھنجھٹ ہے۔ یہ سب چیزیں مل ملا کر ایک قطعہ زمین کے انتقال کو نہایت کٹھن کام بنا دیتی ہیں۔

لیکن اگر دیہاتی آبادی کی تحفیف کا نتیجہ یہ ہو کہ زمین خالی پر دی رہے اور کوئی اس کا والی وارث نہ ہو۔ تو اس صورت میں معاملہ بالکل جدا ہو جاتا ہے۔ چاہے زمین اتنی ہی خراب کیوں نہ ہو۔ کہ صرف ادنیٰ درجہ کے کاشتکاروں کی اس پر نظر پڑ سکے۔ تاہم خالی پڑے زمین سے بہتر یہی ہے کہ جیسے اچھے یا بڑے کاشتکار میسر آسکیں انہیں کے سپرد اس کو کر دیا جائے۔ لیکن یہ خیال کرنا ایک غلطی ہے کہ جو زمین بھی بے والی و وارث ہو وہ خراب ہو

جاتی ہے۔ نیوانگلینڈ میں یہ صورت حالات ہے کہ ایسی زمینوں میں بہت جلد جنگل اُگ آتے ہیں۔ اور بعض صورتوں میں تو یہ زمین کا بہترین مصرف ہے۔ بہر حال جو بات یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ گنجان آبادی اگر فی خاندان قلیل آمدنی کا باعث ہو۔ تو بحالات جدیدہ اس کا مطلب ہوتا ہے۔ ایک ادنیٰ درجہ کی آبادی۔ وجہ یہ کہ صاحب ہمت اور صاحب قابلیت نوجوان ایسی آبادی میں ہرگز نہیں رہتے۔ وہ دیہات چھوڑ چھاڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور دیہاتی علاقے اُن کے چلے جانے کے بعد ایسے لوگوں کے قبضے میں رہ جاتے ہیں۔ جو اور کسی جگہ جانیے قابل ہی نہیں ہوتے۔ اور اس لئے اپنے حال پر قانع رہتے ہیں۔ اور ایک پست معیار زندگی ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن اگر آبادی کم گنجان ہو اور فی خاندان آمدنی بہت ہو۔ تو اس کا مطلب ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کی آبادی کیونکہ ایسے حالات میں صاحب ہمت اور صاحب قابلیت لوگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس بات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم اس کو ایک مرتبہ سمجھ جائیں تو ہم دیہاتی آبادی کے تنزل سے خائف نہ ہوں۔ جب تک کہ ہم اُس کے اسباب نتائج پر غور نہ کریں۔

سمجھدار کاشتکار کیلئے کافی آمدنی حاصل کرنے کا ایک اس سے بھی اہم ذریعہ ہے وہ یہ کہ جو لوگ سائینٹفک واقعیت حاصل کرنے اور اس پر کاربند ہونے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اُن کیلئے مواقع تیار کئے جائیں۔ ہمارے یہاں کے زراعتی کالج۔ تجربہ گاہیں اور زراعت کے متعلق وہ تصنیفات جن کی وہ اشاعت کر رہے ہیں۔ ان سب چیزوں کی بدولت ذہین اور طباع کاشتکار ایک جاہل مطلق کے مقابلے میں بہت فائدے میں رہتا ہے۔ سائینٹفک تعلیم اور تجارت کے نتائج سمجھنے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی اہلیت صرف ذہین آدمیوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے ذہین آدمی سب سے زیادہ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور انجام کار اپنے جاہل ہمسایوں کی زمینوں میں لیکرا انہیں شہروں میں بھیج دیتے ہیں۔ کہ وہاں جا کر کسی کارخانہ دار کے ماتحت کام کریں۔ اور زراعت کا خیال دل سے نکال دیں۔ اگر ہماری دیہاتی آبادیوں میں ایسی اصلاح ہو تو یہ امریکہ کی آئینہ بہبودی کے حق میں ایک فال نیکی ہے۔

خوشگوار اجتماعی زندگی۔ اعلیٰ درجہ کے کاشتکاروں کو زراعت کے کام کی طرف توجہ دلانے کے معاملے میں جتنا اہم کافی آمدنی کا سوال ہے۔ اتنا ہی اہم ایک خوشگوار اجتماعی زندگی کا سوال ہے۔ لوگ عموماً اس بات کا اندازہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ کہ کاشتکار کی زندگی کا دار و مدار دوسرے لوگوں سے کسی قدر زیادہ اپنے معاشرتی ماحول پر ہوتا ہے۔ شہر میں کوئی کاروباری آدمی اپنے کاروبار کے مقام کو تبدیل کئے بغیر جیسے ہمسایوں میں چاہے رہ سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس کا سکونت مکان اور اس کا کارخانہ ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق ہوتے ہیں۔ اگر اس کو سکونت کیلئے اور اپنے خاندان کی تربیت کیلئے ایک جگہ پسند نہ آئے تو وہ دوسری جگہ جاسکتا ہے۔ اور اس سے اُسکے کاروبار میں مطلق خلل نہ آسکے گا۔ برخلاف اس کے کاشتکار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مزرعے میں رہے اور اپنے بال بچوں کی پرورش وہیں کرے۔ اُس کا اجتماعی ماحول چاہے کیسا ہی ہو۔ اُس کو رہنا پڑے گا۔ اور اگر اُسے رہنا منظور نہیں تو بس ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ اپنی زمین فروخت کر ڈالے۔ اور اپنے معاشرتی حلقوں کو بہتر بنانے کی خاطر بنے بنائے کام کو بگاڑ دے۔ اور اپنی خوشحالی کو معرض خطر میں ڈالے۔ علاوہ بریں شہری آدمیوں کو عموماً بہت سے مدرسے گر جائیگے۔ اور دوسرے ادارات معاشرتی میسر ہوتے ہیں۔ اگر اُن میں سے ایک اُس کو پسند نہ آئے۔ تو بغیر کسی تکلیف کے وہ دوسرے سے تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ دیہات میں مدرسے وغیرہ ایک دوسرے سے کوسوں کے فاصلے پر ہوتے ہیں۔ اس لئے کاشتکار کیلئے بڑی مشکل بات ہوتی ہے کہ وہ اپنے ضلع کا مدرسہ چھوڑ کر اپنے بچوں کو کسی دوسرے مدرسے میں بھیجے۔ یا اپنے ہمسائے کے گرجا کو چھوڑ کر کسی اور گرجا میں جائے۔ نیز شہر کا آدمی اگر اپنی سکونت کیلئے اچھی جگہ نہ بھی انتخاب کرے تو بھی اُس کی اجتماعی زندگی کا انحصار اُس کے ہمسایوں پر نہیں ہوتا۔ شہروں میں ہمہ گیری کا کوئی خیال ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی شخص چاہے تو اپنے ہمسایوں سے مطلق واسطہ نہ رکھے۔ اور اپنے طبقہ۔ اپنی تجارت۔ اپنے کاروبار یا طلب کے اراکین سے نشست و برخاست رکھے۔ یہ عادت کو بعض حالات میں منفرد اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ تاہم اس سے اتنا ہوتا ہے کہ شہری آدمی اپنے قرب و جوار کے معاشرتی

حالات سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کاشتکار اپنے پہنے کی جگہ یا اپنا حلقہ معاشرت اس طرح آزادی سے انتخاب نہیں کر سکتا۔ گویہ بات اُس کے حق میں اچھی ہے۔ تاہم اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنے ہمسایوں سے اُس کا تعلق ایسا ہوتا ہے جس کا رشتہ توڑنے سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو مجبوراً اپنے قرب و جوار کے حالات و واقعات سے دلچسپی لینی پڑتی ہے۔ اس کے خاندان کی حفاظت اور صلاح و فلاح اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ اس کو ہمسائے اچھے میسر آجائیں۔ اور اس کے ارد گرد کے اخلاقی اور اجتماعی فضا اچھی ہو یہ بات بلا شک و شبہ یا بیان کا مفید ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ کاشتکار اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اگر اُسے اپنے خاندان کی بہتری اور اپنے بچوں کی آئندہ زندگی کا خیال ہے۔ تو اپنے ہمسایوں کی اصلاح میں اپنی قوت و کوشش صرف کرے۔ البتہ عارضی طور پر یہ بات صفائی پسند اور اچھے اخلاق والے شخص کے لئے تکلیف کا باعث ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے ہمسایوں کی اصلاح کو مناسب وقت پر کر لے گا۔ اس وقت تو خود اُس کے خاندان کی زندگی اچھے ہم صحبت نہ ملنے کی وجہ سے امیر ہو رہی ہے۔

غیر اس محلے میں چاہے کچھ بھی کہا جائے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کاشتکار کو اور سب لوگوں سے زیادہ اپنے مقامی گرجا۔ مدرسہ۔ شاگرد پیشہ لوگوں کے مکانات۔ کتب خانہ مقامی کھیلوں اور ایسی تمام چیزوں سے جو اجتماعی زندگی کا جز و ضروری ہیں دلچسپی رکھنی پڑتی ہے اگر وہ ان چیزوں کی حالت بگڑتی دیکھے اور اس کے سدھارنے کی کوشش نہ کرے تو اس کیلئے لمبی چوڑی زمینوں کا مالک ہونا۔ بھرپور فصلیں پیدا کرنا اور بڑے بڑے کھلیان بنانا سب محض بیکار ہے۔

دیہاتی گرجا۔ وہ اسباب جن پر دیہات کی اجتماعی زندگی کی حالت کا درست رہنا منحصر ہے ان میں دیہات کا گرجا سب سے پہلے قابل ذکر ہے۔ اگر اور کسی بنا پر نہیں تو کم از کم اس بنا پر کہ وہ ان سب اسباب میں سے قدیم ترین ہے۔ بد قسمتی سے امریکہ میں دیہاتی گرجا کے رسوم و آئین کی تاریخ اور زراعتی طریقوں کی تاریخ دونوں کے حالات ایک دوسرے سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ جیسی گرجا کی حالت میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ ویسی ہی زراعت کی حالت میں تبدیلیاں

ہوئی ہیں۔ ابتدائی دور میں زراعت صرف اس بات پر مشتمل تھی کہ زمین سے پیداوار حاصل کی جائے۔ اُس کی روئیدگی کو بڑھانے اور بہتر بنانے کی مطلق کوشش نہ کی جاتی تھی۔ اسی طرح ابتدائی گرجے عموماً یہ کوشش کرتے تھے کہ (مزمہ)۔ طریقوں پر کاربند ہو کر لوگوں کو اپنی جماعت کے ارکان بنائیں۔ بجائے اس کے کہ اپنے ارکان کی باقاعدہ اور منظم جماعت بنائیں۔ ابتدائی دور کے ایک مشہور و معروف مبلغ کو متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے پادری لوگوں کی تعلیم کی اس بنا پر مخالفت کی کہ تعلیم یافتہ آدمی تو جتنے چاہوں مل سکتے ہیں۔ کمی نیک آدمیوں کی ہے۔ خدا تعلیم یافتہ پادریوں کی خدمت کا محتاج نہیں اور اگر اس کو اُن کی ضرورت ہو تو وہ اپنی قدرت کا ملہ سے یہ کر سکتا ہے کہ یہ جو پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے دل میں عذاب و دوزخ کا خوف پیدا کرے۔ اور ان کے دلوں میں صحیحہ آسمانی کی تعلیم دینے کی لگن لگا دے۔ خوش قسمتی سے اس دلیل کا کوئی قائل نہ ہوا۔ ورنہ خدا جانے اس کا کیا اثر ہوتا۔ پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر گرجا اپنے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ کرنے کیلئے اس قسم کے غلط طریقوں پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ان کا طرز عمل یہ تھا کہ جو لوگ عمر رسیدہ اور بچے گناہگار تھے۔ ان کو تائب اور پابند دین بنائیں۔ جو بہتر طریقہ تھا وہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ نوجوانوں کی نئی نسلوں کو یکے بعد دیگرے تعلیم دے کر انہیں نیک اور ایک دوسرے کے خیر خواہ بھائی بنائیں۔ کامیاب۔ ماہر اور خوشحال کا شکار بنائیں۔ المختصر اُن کو ایسے اعلیٰ درجہ کے شہری بنائیں جو اپنی جماعت کے رکن رکین اور زیب و زینت ہوتی ہیں۔ اپنے کھیتوں کی پیداوار کو بڑھاتے ہیں۔ اور اپنے ملک کو رہنے کے قابل بناتے ہیں۔

بہر کیف حالات کم از کم ایک اعتبار سے رو بہ اصلاح ہیں۔ تعلیم مذہبی کا ابتدائی دور ختم ہو چکا ہے اور اس کے بجائے ایک مستقل اور تعمیری کارروائی کا دور شروع ہو گیا ہے تاہم یہ تیسرا دور بڑا نازک وقت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دیہات کے بہت سے گریجے اس دور سے زندہ بچ کر نہ نکلیں گے۔

ایک زبردست خطرہ جس سے خبردار رہنے کے متعلق جتنی تاکید بھی کی جائے کم ہے۔

یہ ہے کہ بعض گروہوں میں ایسی روحانیت کی تعلیم دی جاتی ہے جو سراسر جذباتی ہوتی ہے۔ مذہب کی زندگی کا ایک پروگرام سمجھنے پر ایک قسم کے روحانی عیش کا وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ جو گرجے اس لذت کا شکار ہوں گے اور مذہبی جذبات کی پرستش کو مقصود بالذات قرار دیں گے۔ اُن کا انجام یقیناً ناکامیابی ہے۔ اور اُن کا حق بھی یہی کہ وہ ناکامیاب ہوں۔ کیونکہ وہ دنیا کے کسی کام کے نہیں۔ جو مذہبی تعلیم اس بات کا احساس کرے گی کہ اُس کی روحانیت ایسی ہونی چاہیے۔ جو پید آوری کی عملی کسوٹی پر پوری اترے۔ اُس کے پیرو ضروری ہے کہ اُس کے طفیل پہلے سے بہتر کاشتکار اور بہتر شہری بن جائیں اور جتنے زیادہ وہ پابند دین ہوں گے۔ اتنی زیادہ وہ فصل اُگائیں گے۔ اُننا ہی زیادہ اُن کے پاس سرائے ہوگا۔ اتنی ہی زیادہ وہ اپنی پودوں کی دیکھ بھال کریں گے۔ اور اتنے ہی وہ اچھے ہمسائے بنیں گے۔ بس یہ ہے وہ تعلیم جو کامیابی کی مستحق ہے اور بالآخر کامیاب ہوگی۔ ہم اس امر کو معاشیات دیہاتی کا ایک قاعدہ کلیہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ کسی زراعتی جماعت کے پاس جو پیداوار زمین ہوگی۔ وہ آہستہ آہستہ اُن لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائیگی۔ جو بہترین طریقے پر اس کی کاشت کر سکتے ہیں۔ یعنی قابل ترین کاشتکاروں کے ہاتھوں میں۔ اس کو روکنے کی صرف دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ امر کی جماعت جو برسرِ اقتدار ہو۔ جابرانہ قوت کا استعمال کر کے اس میں مزاحم ہو۔ دوسرے یہ کہ حق ملکیت اراضی کے انتقال کا کوئی ایسا دستور رائج ہو کہ زمین لینے والے کو بہت اخراجات کا متحمل ہونا پڑے اور بہت دقتوں کا سامنا کرنا پڑے۔

ویاستہائے متحدہ میں چونکہ جمہوری نظام حکومت قائم ہے۔ اور انتقال اراضی کی راہ میں کوئی روکاوٹیں حایل نہیں ہیں۔ اسلئے ہیں اس بات کی توقع رکھنی چاہیے کہ پیداوار زمینیں کچھ لوگوں کے قبضے سے نکل کر اچھے کاشتکاروں کے قبضے میں آجائیں گی۔ جو لوگ سب سے زیادہ پیداوار زمین سے حاصل کر سکتے ہیں۔ وہی سب سے زیادہ قیمتیں ادا کر سکیں گے اس لئے انجام کار زمینیں اُن کی ملکیت ہو جائیں گی۔ یہ بظاہر تو ایک سیدھی سادی بات معلوم ہوتی ہے۔ جو کوئی خاص پوشیدہ بھیہد اپنے اندر نہیں رکھتی۔ لیکن غور کیا جائے تو اس سے انتہا درجے کے اہم اور دور رس نتائج اخذ ہو سکتے ہیں۔ جن سے تجاہل یا تغافل

برتناپنی زراعتی اور اقتصادی زندگی کے حق میں خودکشی کا مرادف ہے۔
 اس کے صریح معنی یہ ہیں کہ جب تک عیسائی غیر عیسائی لوگوں کی بہ نسبت بہتر کا شکر
 نہیں گے۔ اُس وقت ایسی اصلاح میں عیسائیت کی اشاعت عام نہ ہوگی۔ اگر ایسا ہو جائے
 کہ عیسائی غیر عیسائی لوگوں سے فی الحقیقت بہتر کا شکر کاربن جائیں تو زمین عیسائیوں کے
 قبضے میں آتی جائیگی۔ اور جہاں تک دیہاتی علاقے کا تعلق ہے۔ ہمارا ملک عیسائیوں کا ملک
 ہو جائیگا۔ اس کا اولین نتیجہ غالباً یہ ہوگا کہ شہر عیسائیت سے منحرف ہو جائیں گے۔ وجہ
 یہ کہ جو غیر عیسائی مقابلے میں شکست کھا کر دیہاتی علاقے سے نکلیں گے۔ وہ شہروں میں
 جا کر پناہ لیں گے۔ لیکن چونکہ فطرت کا یہ قدیمی قانون ہے کہ شہروں کی آبادی دو تین
 پشتوں کے بعد محدود ہو جاتی ہے۔ اور شہروں میں دائمائے نئے لوگ دیہات چھوڑ کر
 آتے رہتے ہیں۔ اس لئے دیہاتی علاقہ کے لوگوں کو عیسائی بنانے کے معنی ہوں گے شہریوں
 کو عیسائی بنانا۔ لیکن اگر اس کے برعکس غیر عیسائی بہتر کا شکر کاربن جائیں۔ اس وجہ
 سے کہ عیسائی کے مذہبی رہنما کسی غلط فلسفے کا شکار ہیں۔ یا دولت مادی اور معاشیاتی کارکردگی
 کو جوہر حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امریکہ میں بالآخر غیر عیسائی لوگوں کا دور
 دورہ ہو جائیگا۔

لیکن ایک تیسری صورت بھی ممکن ہے۔ فرض کیجئے کہ لمحاظ علمیت و لیاقت کے اور
 اپنے آپ کو ماحول کے مطابق بنانے کی قابلیت کے اعتبار سے اور کرہ زمین پر حکومت
 کرنے کی صلاحیت کے نقطہ نگاہ سے جس کا معیار وہ.... ہے جو فطرت نے قائم کیا ہے
 نہ کہ کوئی ہمارا وضع کیا ہوا مصنوعی معیار۔ عیسائیوں اور غیر عیسائیوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں
 اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عیسائی اور غیر عیسائی آبادی میں یا ایک ایسی آبادی میں جو پورے طور
 پر عیسائی ہے اور نہ غیر عیسائی۔ محض ایک چھوٹی سی جماعت یا فرقہ بن کر رہ جائیں گے۔ اس
 صورت حالات سے بچنے کا صرف ایک ممکن طریقہ ہے کہ ساری آبادی کو بالآخر عیسائی بنایا
 جائے۔ چاہے یہ نام ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن فرض کیجئے کہ اس قسم کے جبر و تشدد سے
 کام نہیں لیا جاتا۔ اور معاشیاتی قوتوں کو بغیر کسی خلل اندازی کے بروئے کار رہنے کی

اجازت دی جاتی ہے۔ اُس صورت میں ہم نے جو دعویٰ کیا ہے وہ صحیح ثابت ہوگا۔ بعض مذہبی رہنما مذہب کو انوار کے دن کی بھڑکیلی پوشاکوں یا رقیق قلبی اور جذبات پرستی یا دنیائے غیب کے متعلق تو ہم پرستانہ عقاید یا ایک جماعتی تنظیم کے ساتھ تعلق و فادائی رکھنے کا مرادف قرار دیتے ہیں۔ بجائے اُس کے کہ اُسے عقلمندوں کا عمل کہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔ تو جس بات کے متعلق ہم نے اندیشہ ظاہر کیا ہے وہ ہو کر پرستی عقلمندوں کے عمل سے ہماری مراد وہ عمل ہے جس کی بدولت قوتِ انسانی کا تحفظ عمل میں آتا ہے اور انسان کو ارض کو اپنے زیرِ نگین کرنے کے کا رہنمائی میں کامیابی حاصل کرتا ہے اور تنازع للبقایں فتحیاب ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کا خلا صریحی امر ہے۔

اگر اس قانون کا مطلب ایک ترتیب و وضاحت کے ساتھ ذہن نشین کر لیا جائے۔ تو اس بات کا خطرہ نہ رہے گا کہ ہمارے مذہبی مبلغ غلط طریق کار کو انتخاب کریں گے یا صحیح طریق کار کے اختیار کرنے میں تذبذب ہوں گے۔ وہ فوراً اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیں گے کہ دیہات میں اُن کے گرجا کے جو اراکین ہیں۔ اُن کو دوسرے لوگوں کی یہ نسبت بہت کمزور بننے کی تلقین کرنی چاہیے۔ خدشہ صرف اس بات کا ہے کہ کہیں پادری لوگ کے نفسِ مطلب کو سمجھیں یا سمجھنے سے انکار کر دیں۔ اور اس خیال میں مبتلا رہیں۔ کہ تدبیرِ مدون اور مصلحت معاشرتی سے ایک بالاتر قوت اُن کی رہتا ہے۔ اس لئے قوانینِ زندگی اور قوانینِ معاشرت کو بالائے طاق رکھ دینے میں کوئی ہرج نہیں۔ اگر وہ ایسا خیال کریں۔ تو یقیناً ایک غلط فہمی کا شکار ہوں گے کیونکہ قانون آخر قانون ہے۔ اور قوانین میں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز نہیں کی جاسکتی۔ قانون کی خاصیت بس یہ ہے کہ وہ اعلیٰ اور ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ قوانینِ ربانی اور قوانینِ معاشرتی ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اس خیال کا مرادف ہے کہ کائنات کی بنیاد نامعقولیت پر قائم ہے۔ اور اس کے نظام میں کوئی ازلی فتور ہے۔ علاوہ بریں ضروری ہے کہ ہم مشیتِ ایزدی اور فرائضِ انسانی سے متعلق نتائج اُن حالات و واقعات سے اخذ کریں۔ جن کا مشاہدہ ہم اپنے عملی تجربے کی دنیا میں کرتے ہیں اور تدبیروں اور علمِ المعشیت کے قوانین بھی انہی مشاہدات کی ذیل میں آتے ہیں۔ اگر ہم یہ دریافت

کرنا چاہیں کہ آیام منشائے ازلی کی تکمیل کر رہے ہیں یا نہیں۔ تو اس کا صرف یہ طریقہ ہے کہ ہم یہ دریافت کریں کہ آیام اپنی فانی زندگی کے فرائض بھی انجام دیتے یا نہیں اور جب تک ہمارا عمل اُن طبعی یا معاشیاتی قوانین کے مطابق نہ ہو جو کہ ہمیں معلوم ہیں۔ اُس وقت تک ناممکن ہے کہ ہم اپنی خاندانی زندگی کے فرائض انجام دے سکیں۔

ممکن ہے بعض نہایت عقلمند اور صاحب فہم لوگ ایسے موجود ہوں جو یہ خیال کرتے ہوں کہ اگر کا مقصد اچھے کا شکر پیدا کرنا نہیں۔ بلکہ جو لوگ پہلے ہی اچھے کا شکر کریں اُن کو صحیح معنوں میں عیسائی بنانا۔ یہ بات بعض لوگوں کو نہایت معقول معلوم ہوگی کہ پادری لوگ صرف تبلیغ مذہب سے کام رکھیں اور اسی کو کافی سمجھیں۔ لیکن اگر عیسائیت قبول کئے کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ زیادہ قابلیت پیدا کی جائے۔ اپنے آپ کو ماحول کے زیادہ مطابق بنایا جائے۔ تنازع للبقا کیلئے بیش از بیش اہلیت حاصل کی جائے۔ اور قوت انسانی کا بہتر استعمال کیا جائے۔ تو مشکل ہے کہ گرجا کی بنیادیں مستحکم رہ سکیں۔ جہاں کہیں غیر عیسائیوں سے معاشیاتی معاملات میں مقابلہ آپڑے گا عیسائیوں کو شکست ہوگی۔ اور اس طرح اُن کے مذہبی ادارہ کی قوت کو ضعف پہنچے گا۔

اگر اس دنیا کا کارخانہ عقل کے مطابق چل رہا ہے۔ تو کیا ہمیں یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ جو مذہب یا مذہبی تحریک خواہ وہ بظاہر کس درجہ جاذب توجہ ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے پیروؤں کی اس قوت میں اضافہ نہ کرے۔ کہ وہ قوائے فطری کو اپنے تابع فرمان کر سکیں۔ زمین پر غلبہ حاصل کر سکیں اور اس پر حکومت کر سکیں اور اپنے آپ کو نئے حالات کے مطابق بنا سکیں اور جس مذہب یا مذہبی تحریک سے اُس قوم کی بہبودی اور خوشحالی میں ترقی نہ ہو۔ جو اسے قبول کرے۔ تو وہ سراسر باطل ہے! بطور مقدمہ اس دنیا کو مبنی بر عقل سمجھتے ہوئے کیا ہم یہ نتیجہ نہیں اخذ کر سکتے کہ کوئی نہ کوئی سچا مذہب ایسا ہے کہ اگر کوئی جماعت کوئی قوم اس کو قبول کرے اس جماعت یا قوم کی اپنے آپ کو موانعتی ماحول بنانے کی قوت ترقی کرے گی۔ وہ زمین کو اپنے زیر نگین کرے گی۔ اور اس جماعت یا قوم سے جو اس مذہب سے محروم ہے قوت اور دولت میں آگے نکل جائیگی اگر یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے۔ اور یہ سمجھا جائے کہ یہ شیطان کی دینا ہے

تو انہیں خداوندی سے برسرِ پیکار ہے۔ نہ کہ خدا کی دنیا جس کی بنیاد ہم آہنگی پر ہے۔
یہ عقیدہ اس قدر انقلاب پسندانہ عقیدہ نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال
اس کے یہ اس قدر قدیم ہے کہ دورِ حاضرہ میں یہ عقیدہ رکھنا رجعت پسندی کی دلیل ہے۔
جو لوگ بعض عقائدِ قدیمہ کو فراموش کر چکے ہیں۔ انہیں یہ ایک بدعتی اور انقلاب پسندانہ
عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے کہ دیہاتی اضلاع میں عیسائیت کی اشاعت
عام اُسی نسبت سے ہوگی۔ جس نسبت سے عیسائی غیر عیسائیوں کے مقابلے میں بہتر کشنکار
نہیں گے۔ تو پھر یہ بات بھی درست ہے کہ دیہاتی گرجا نے جو کچھ کامیابی گزشتہ زمانے میں حاصل
کی ہے۔ وہ اسی کا طفیل تھی۔ باستثنائے ان صورتوں کے کہ جبر یا کسی اور غیر معاشیاتی ذریعہ
سے کام لیا گیا۔ تاریخیاتی ہے کہ امر واقعہ یہی ہے۔ باوجود اس بات کے عیسائیوں کی مذہبی تعلیم
روحانیت پر زور دیتی رہی ہے۔ یا یوں کہئے کہ چونکہ یہ مذہبی تعلیم ایک درست اور معقول قسم کی
روحانیت پر زور دیتی ہے۔ اس کے زیراثر لوگوں نے فی الواقعہ کشنکاری میں ترقی کی ہے
مذہبی تعلیم میں جہاں عقاید اور اعمال کے متعلق بعض رسمی پابندیاں تھیں۔ وہاں بالعموم محنت
و مشقت۔ اعتدال۔ جُزری۔ عافیت اندیشی اور ایک دوسرے کی خیر خواہی اور ان جیسے
معاشیاتی محاسنِ اخلاق پر کافی زور دیا جاتا تھا۔ وہاں کہیں خالص اور اعلیٰ قسم کی
عیسائیت مروج رہی ہے۔ وہاں عیسائیوں نے غیر عیسائیوں کے مقابلے میں ان
محاسنِ اخلاق کا زیادہ ثبوت دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے الفاظ میں یہ ہے
کہ انہوں نے اپنی قوتوں کو بدکرداری۔ اوباشی۔ شورو و ہنگامہ اور فتنہ انگیزی کی زندگی
بسر کر کے کم ضائع کیا ہے۔ اپنی قوتوں کو کفایت سے استعمال کرنے کی وجہ سے وہ اس
قابل ہوئے کہ جو لوگ اپنی قوتیں ضائع کرتے تھے۔ ان پر غالب آسکیں۔ بعض اوقات اس
معاشیاتی ترقی کو روکنے کیلئے مخالفوں کی طرف سے جنگ و جدل اور ظلم و تعدی کے
طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ اور بعض اوقات خود عیسائیوں نے غلبہ پانے کے ان غیر معاشیاتی
طریقوں سے کام لیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں معاشیاتی قوتوں کو بلا مزاحمت بروئے کار آنے
کی اجازت دی گئی ہے۔ اور عیسائیت کو اس قابل سمجھا گیا ہے۔ کہ اُس کی حمایت و حفاظت

کی جائے وہاں عیسائیت نے محض ان معاشیاتی قوتوں کی مدد سے ترقی کی ہے اور اُسے کبھی جبر و تشدد یا حاکمانہ زیر دستی کی ضرورت نہیں۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ زراعتی مقابلہ کیا بد ذات خود جنگ کی ایک قسم نہیں ہے بعض فلسفی جن کا علم ناقص ہے اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن ذیل کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ جنگ میں کامیابی انحصار تباہ کرنے کے ارادے اور قابلیت پر ہوتا ہے۔ زراعت میں کامیابی کا انحصار پیدا کرنے کے ارادے اور قابلیت پر ہوتا ہے۔ جنگ میں وہ فتیاب ہوتے ہیں جو سب سے زیادہ دوسروں کو دُکھ اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ زراعت میں اُن کو کامیابی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ فائدہ بخش کام یا خدمت انجام دیتے ہیں۔ ایک صائب الرائے شخص کے لئے یہ فرق ایک حقیقی فرق ہے۔

لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے دعوؤں کو زراعت اور دیہاتی معیشت تک محدود کیوں رکھیں؟ کیا معاشیاتی کامیابی کے لوازم شہر میں وہی نہیں جو دیہات میں ہیں؟ اور کیا مذہب کو دیہات کی طرح شہر میں بھی لازماً مذہبی پر غالب نہ ہونا چاہیئے بشرطیکہ مذہب سے قوت انسانی کا زیادہ تحفظ عمل میں آتا ہو؟ وسیع معنوں میں یا بحیثیت مجموعی ان سوالوں کا جواب غالباً اثبات میں ہے۔ لیکن شہروں میں انفرادی معاشیاتی کامیابی حاصل کرنے کے لوازم اس قدر پیچیدہ ہیں۔ اور سیاح کاری اور دغا بازی کے موقعے اتنے زیادہ ہوتے ہیں۔ کہ وہ قانون جس کے مطابق کامیابی کا دار و مدار پیدا آور خدمت پر ہے۔ اُس کا عمل درآمد اگر فنا نہیں ہو جاتا تو کم از کم اُس کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

زراعت میں ہر شخص کو اپنی روزی فطرت سے حاصل کرنی پڑتی ہے اور فطرت کو دھوکا دینا یا اُس کے ساتھ چال چلنا محال ہے۔ لیکن ہماری شہری آبادی کا ایک عنصر عظیم جو غالباً سب پر غالب ہوتا ہے۔ دوسروں سے اپنی روزی حاصل کرتا ہے اور لوگوں کو دھوکا دینا آسان ہوتا ہے۔ بجائے اُسکے کہ لوگ یہ کوشش کریں کہ جہاں

پہلے گھاس کی ایک پتی پیدا ہوتی تھی وہاں اب وہ ہوں۔ وہ یہ کوشش کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کی جمیوں سے جہاں پہلے ایک ڈال رکھتا تھا اب وہ نکلیں۔ یہ آج تک کبھی نہیں ہوا۔ کہ دیدہ دلیری۔ چرب زبانی۔ اہوار شناسی یا بلاغت کلام کی بدولت ایک ایجرٹ زمین میں پہلے سے زیادہ فصل ہو۔ البتہ ان کی بدولت یہ ہوتا ہے کہ کسی عہدے پر ملک اسٹیج یا منبر سے پہلے کی یہ نسبت زیادہ ڈال کر جمع کئے جائیں۔ جو لوگ دوسروں کے غریبے روزی کھاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کیلئے دلچسپی کا سامان پیدا کریں۔ اور انسانوں کی افتاد طبعیت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ عجیب و غریب اور خارق عادت چیزیں بہ نسبت معمولی اور روزمرہ کی چیزوں کے ان کو زیادہ پسند آتی ہیں۔ اگر کوئی دوسرا لالچھڑا ان کو دکھایا جائے۔ تو وہ عجیب سے روپیہ ادا کر کے اس کو دیکھنے جائینگے۔ لیکن ایک معمولی ایک سرواے بچھڑے کو کوئی نہ پوچھے گا۔ اپنے جسم کی عجیب و غریب اور خارق عادت ساخت کی نمائش کر کے روپیہ کھاتا ہے۔ وہ اس سے ایسی اچھی مدد معاش اکنتاب کرتا ہے کہ ہم اسے معاشیاتی اعتبار سے کامیاب کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ اس فاش کے آدمی دنیا میں زندہ رہنے کے لائق ہیں۔ یا مذہب کو ان کے پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح اور آدمی ہیں۔ جو مقصودوں۔ افسانہ نویسوں اور ڈرامہ نگاروں کے نام سے اپنے آپ کو عوام سے متعارف کراتے ہیں۔ اور اپنے ذہنی اور اخلاقی غرور کی نمائش کر کے اعلیٰ وجہ کی کمائی کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اس اعتبار سے کہ وہ اچھی روزی کھاتے ہیں۔ معاشیاتی نقطہ نگاہ سے کامیاب لوگ ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس قبیل کے آدمی دنیا میں زندہ رہنے کے قابل ہیں۔ یا مذہب کو ان کی تعداد میں اضافہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جس قسم کی معاشیاتی کامیابی ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے وہ شہری نقطہ نگاہ سے کامیاب ہے نہ کہ دیہاتی نقطہ نگاہ سے۔ اور یہ حاصل بھی ہو سکتی ہے تو شہری حالات میں نہ کہ دیہاتی حالات میں۔ جب تک کہ ان لوگوں کا بول بالا ہو اور وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں۔ اس وقت تک کوئی وجہ نہیں کہ مذہبی آدمی جو اپنی قوتوں کو پیدا آور کاموں کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔ وہ ان کو نیست و نابود کرنے کی کوشش

کریں۔ اور اس میں کامیاب ہوں۔ اگر ان دھوکا بازوں کا تفسیر پاک کرنا مقصود ہے تو مذہب صرف ایک کام کر سکتا ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں کو بڑے بھلے مفید و غیر مفید کی تمیز سکھائی اُن کو تلقین کرے کہ معمولی بچھڑوں سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ دلچسپی رکھنی چاہیے معمولی انسان صورت آدمیوں سے بہ نسبت عجیب الخلق آدمیوں کے زیادہ وابستگی چاہیے اور عقلمند اور صحیح الذراع مصنفین کی کتابوں کو بہ نسبت اُن ذلیل کتابوں کے جن کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔ زیادہ شوق سے پڑھنا چاہیے۔ اگر یہ صورت حالات پیدا کی جاسکے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پابند مذہب اور متدین آدمی نہ صرف دیہات میں بلکہ شہروں میں بھی لاندہب آدمیوں پر غالب رہیں گے۔ بشرطیکہ جس مذہب کے وہ پابند ہوں۔ وہ مذہب کچھ قدر قیمت رکھتا ہو یعنی قوت انسانی کے تحفظ کا باعث ہو۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ سائنٹفک طریق کاشتکاری کے سکھانے سے بڑھ چڑھ کر اچھے کاشتکار پیدا کرنا اہمیت رکھتا ہے۔ سر بنجمن کڈر Benjamin Kidd نے اپنی کتاب "ارتقاء اجتماعی" میں اس بات پر زور دیا ہے کہ فضیلت علمی کا کتنا بڑا مقابلہ میں محاسن اخلاق کا اپنے میں پیدا کرنا زیادہ اہم ہے۔ اور صاحب موصوف کا یہ خیال بالکل درست ہے۔ اول تو علمیت و فضیلت سے فائدہ اُسی صورت میں اُٹھایا جاسکتا ہے کہ اُسکی بنیاد اخلاق محمودہ پر قائم ہو۔ دوسرے ایک قوم یا کسی شخص واحد کی علمیت و فضیلت کو باقی دنیا نہایت آسانی سے مستعار لے سکتی ہے بشرطیکہ وہ اخلاق حنیہ باقی دنیا میں موجود ہوں۔ جو علم سے استفادہ کرنے کیلئے ضروری ہیں۔ لیکن صفات اخلاق کا معاملہ جدا ہے۔ ان کو ایک قوم دوسری قوم سے مستعار نہیں لے سکتی۔ مثال کے طور پر جاپان نے یورپی اقوام سے جدید فن حرب یا سانی آلتساب کر لیا۔ اور اُن سے آلات تباہی بھی مستعار لے لئے۔ لیکن وہ بہت عالی اور حسن انتظام جن کی بدولت اُس نے ان آلتسابات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ اُن کو اس نے کسی غیر سے مستعار نہیں لیا۔ وہ اس کے اوصاف ذاتی تھے۔ اسی طرح ایک قوم دوسری اقوام سے زراعتی کلیں اور جدید طرق زراعت اخذ کر سکتی ہے۔ لیکن وہ اخلاقی صفات جو ان چیزوں سے مستفید ہونے کیلئے ضروری ہیں۔

اُن کا مستعار لینا اُس کے لئے محال ہے۔ قوتِ اخذِ رسانی و بلغ اور تحصیلِ علم کا شوق جو اخلاقی اوصاف نہیں بلکہ ذہنی اوصاف ہیں ان کو بالائے طاق رکھنے لیکن وہ صبر و استقلال کے ساتھ محنت کرنے کی قوت وہ اپنے زور بازو پر اعتماد و احساسِ فرض وہ عاقبتِ بینی جو آج کے عیش و عشرت کو کل کے نفع پر قربان کرتی ہے اور وہ باہمی ہمدردی جو دوسروں کی امداد و اعانت کیلئے آمادہ رہتی ہے یعنی وہ صفات جو دیہاتی کام کو عمدہ طور پر انجام دینے کے لئے لازمی ہیں اُن کو ہرگز ایک قوم دوسری قوم سے مانگ کر نہیں لے سکتی۔ اسی طرح عقلمندی اور صحت و دماغ کاشت کے کام میں پادریوں کی دعا کے خیر کے بجائے اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنا اور وہ الوالعزمی جو معقول کاموں کا بیڑا اٹھانے میں پس و پیش نہیں کرتی۔ یہ بھی وہ صفات ہیں جو ایک قوم دوسری قوموں سے عاریتہ نہیں لے سکتی۔ پھر وہ زمین کی محبت وہ گھر بار کی محبت اُگتی ہوئی فصلوں کی محبت اور گھر کے جانوروں کی محبت جو کامیاب دیہاتی لوگوں کا خاصہ ہے کس غیر قوم سے مانگ کر لجا سکتی ہے۔ چاہئے کہ یہ چیزیں قوم کی گھٹی میں پڑی ہوں اور اُس کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوں اور نہ صحیح معنوں میں نہ اعتنی ترقی ممکن نہیں۔ اعلیٰ درجہ کی کاشتکاری کے لئے یہ سب سے پہلے ضروری ہیں اور سائنسٹک علم کا درجہ ان کے بعد آتا ہے۔ ان اخلاقی صفات کی نشو و نما میں گریا کی تعلیم نے بہت حصہ لیا ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی لے۔

یہ انہی اخلاقی صفات کا طفیل تھا کہ جو لوگ اوّل اوّل انگلستان سے ہجرت کر کے نئی دنیا میں آئے انہوں نے نیو انگلینڈ کے جنگل کو صاف کر دیا اور بنجر زمین اور ناموائی آب و ہوا کے باوجود عظیم الشان دیہاتی آبادیاں قائم کیں اور یہ سب کچھ ایسی حالت میں کہ سائنسٹک معلومات کا کوئی وافر ذخیرہ اُن کے یہاں موجود نہ تھا گو یہ درست ہے کہ ہفتالیہ دوسری جماعتوں کے اُن کی زراعت سے واقفیت اعلیٰ درجہ کی نہ تھی۔ انہوں نے اپنا کام عزم بالجزم کے

ساتھ شروع کیا۔ اور یہی اُن لوگوں کے لئے زیبا تھا۔ جو ویرانے میں ایک سلطنت
تاکم کرنے کا پیش نظر رکھ کر گھر سے نکلے تھے۔ اُن کا احساسِ فرض جو کسی مشکل
کے سامنے نہیں جھکا اور اُنکی جُز رسی اور عاقبتِ مہنی اسی طرح زمانہ میں ضرب
المثل ہیں جس طرح اُن کی رسائی ذہنِ مستعدی اور بذلہِ سنجی زبانِ زوہدِ لایق
ہیں۔ لیکن ایک صفت جس نے اتنی شہرت حاصل نہیں کی خاص طور پر اُنکی کامیابی
کا وسیلہ تھی۔ یعنی یہ کہ وہ ایک دوسرے کی امداد و اعانت کے لئے کمرِ وقتِ آمادہ
ہوتے تھے۔ اس کا ثبوت اس سے ہم پہنچتا ہے کہ کس طرح مل کر وہ جنگل سے
شہتیریاں اور بالے جمع کرتے تھے کس طرح مکان تعمیر کرتے تھے۔ کس طرح ہم
مل کر آناج چھڑتے تھے اور اس قسم کے دوسرے کام کرتے تھے۔ یہ کام اُن
کے تفریح کے مشغول تھے اور اُن سے وہ عملی فائدے بھی حاصل کرتے تھے مادی
بھی اور اجتماعی مادی فائدے ان معنوں میں کہ میلوں ٹھیلوں کے بعد وہ شہرِ آب
خوری اور رنجِ کی وجہ سے دوسرے کرنے بیٹھ جاتے تھے۔ بلکہ کچھ مفید کام ان کے
دوران میں انجام دیتے تھے؛ اور اجتماعی فائدے ان معنوں میں کہ اُنکی نشاط و
تفریح کی بنیاد اجتماعی ہمدردی کے سب سے زبردست رشتے یعنی باہمی محنت
پر مبنی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے بڑا مسئلہ جو دیہاتی گرجا کو ان دنوں درپیش ہے
وہ پادریوں کے لئے کافی مددِ معاش ہتیا کرنے کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کا ایک
صریح حل یہ ہے کہ جس جس جگہ اتنے زیادہ گرجے ہیں کہ اُن کے اخراجاتِ دیہاتی
جماعت برداشت نہیں کر سکتی وہاں اُن کی تعداد کم کی جائے۔ یہ ایک عمدہ
حل ہے اور غالباً سب سے آسان طریقہ بھی ہے۔ لیکن یہ بہترین طریقہ نہیں۔ ایک
طریقہ اور ہے۔ وہ یہ کہ دیہاتی جماعت کی تنظیم ایسے طور پر کی جائے کہ کافی لوگ
گرجا کے رکن بنیں اور اُن کو کافی مالی مدد دے سکیں۔ یہ طریقہ غالباً پہلے سے
مشکل ہے۔ لیکن جہاں کہیں یہ ممکن ہو وہاں بہترین طریقہ ہے۔

ایک وقت ایسا تھا کہ دول پورپ کے وزرائے مالیات کو اتنے محاصل مہیا کرنے میں کہ جو اخراجات حکومت کے کفیل ہو سکیں بڑی وقت کا سامنا ہونا تھا۔ بعد اُن پر اس راز کا انکشاف ہوا کہ حکومت کیلئے کافی مالیہ وصول کرنے کے لئے بہترین طریقہ ہے کہ ملک کی خوشحالی کو ترقی دی جائے۔ جب اُنہوں نے ملک کی خوشحالی کو ترقی دینے کے وسائل پر غور کرنا شروع کیا تو اُس وقت تدبیرِ مدین یا تدبیرِ ملی کا علم وجود میں آیا۔ اسی طرح جب وہ لوگ جن کے ذمے گرجوں اور پادریوں کی امداد کے لئے روپیہ جمع کرنے کا کام ہوا اس بات کا احساس کریں گے کہ کافی امداد مالی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ گرجا کے علاقے کے لوگوں کو زیادہ خوشحال اور متمول بنایا جائے اُس وقت گرجا کے علاقے میں کفایت کی تدابیر سوچنے کا علم وجود میں آئے گا۔ یہ ہمارے ملک کے دیہاتی گرجوں کے لئے ایسا ہی مبارک واقعہ ہو گا جیسا علم تدبیرِ مدین کا ظہور حکومت ہائے جدیدہ کے حق میں تھا۔

گرجا کے واعظ اور خطبہ میں ان معاشیاتی محاسن اخلاق جیسے محنت و جفا کشی اعتدال جزر و سی سائنس کی عملی واقفیت اور ایک دوسرے کی امداد وغیرہ پر بیشک بہت زور دینا چاہیے۔ لیکن آخر الذکر دو صفات کے پیدا کرنے کی کوشش اس سے زیادہ کرنی چاہیے جتنی اب تک ہوتی رہی ہے۔ زراعت سے عملی سائنس و واقفیت اور گاؤں کی خوشحالی و بہبودی کو فروغ دینے میں امداد باہمی سے کوشش کرنا یہ از بس لازمی ہیں۔ اور اگر گرجے ان کی اشاعت میں مدونہ دینگے تو وہ مالی حیثیت سے مفلس اور محتاج رہیں گے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جلبِ منفعت کے طریقے سکھانا گرجا کیلئے کسرِ شان ہے اور اُسکی تعلیم کا مقصد اس سے بالاتر ہونا چاہیے اُن کے سامنے جو بہترین اور قاطع دلیل جو ہم پیش کر سکتے ہیں وہ معاشیاتی قانون ہے جس کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔

اگر خدا کی پادشاہت ایسی پادشاہت ہے جس کی بنیاد خدمت پر قائم ہے تو کسبِ معاش کے بہترین طریقوں کی تعلیم دینا ہرگز مذہب کے مقصد و منشا

کے منافی نہیں۔ اگر جماعت اس طرح خدمتِ خلق کی کوشش کرے اور خدمت کو اپنا فرضِ اولین سمجھے۔ تو باقی تمام چیزیں یعنی وافر دولت اراکین کی کافی تعداد اور عزت و عظمت اُس کو خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن اگر اُس کے برعکس وہ یہ کوشش کرے کہ اپنے اراکین کی تعداد میں نو مذہبوں کا اضافہ کئے جائے یا دولت جمع کئے جائے تو پھر دائمی کامیابی کی نہ اسے توقع رکھنی چاہیے اور نہ وہ اُسکی حق داری ہوگی۔

تبلیغی جماعت کو منظم طور پر یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے پیروؤں کو کفایتِ رہائی کی تلقین کرے زراعت کی باقاعدہ سائنٹیفک تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دے اور اُن میں وہ اخوت پیدا کرے جو امداد باہمی اور تعاونِ عدمِ معائرت اور عدمِ خصوصیتِ رفاہِ عام کی سرگرمی بہبودی جمہور کی ترقی دینے اور اپنی جماعت کو محکم و استوار کرنے کی خواہش نو جوانوں کو مفید اور پیدا آور کاموں کے شروع کرنے میں مدد و مینا بچوں کے لئے ایسی تعلیم کے مواقع ہتیا کرنا جس کی بدولت وہ کسبِ معاش کے بہتر طریقے سیکھ لیں اور ایسی ایسی باتوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر تبلیغی جماعت ایسا کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اُس کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی اور اُس کو پہلے سے زیادہ مالی امداد مل سکے گی۔ کیونکہ لوگوں کے پاس ایک نو دولت و استطاعت زیادہ ہو جائے گی اور دوسرے وہ یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ تبلیغی جماعت فی الواقعہ انکی مدد کی مستحق ہے۔

یہ نصیبِ العین جو ایک جماعت کی نہ صرف روحانی بلکہ مادی امور میں تعمیر کرنے کے لئے ضروری ہے کوئی غیر ممکن الحصول نصیبِ العین نہیں اس کی تکمیل زمانہ گذشتہ میں ہو چکی ہے اور آئندہ ہو سکتی ہے مثلاً مشہور مبلغِ چین فریڈرک اوبرلن (Friedrich Oberlin) نے جو سینٹال (St. Etienne) کا پادری تھا اس نصیبِ العین کی تکمیل کی قرونِ متوسطہ کے طریقے ہائے مذہبی کی تاسخ میں اسکی پیشکشِ مثالیں مل سکتی ہیں۔ یعنی ایسی جماعتوں کی مثالیں جو صاحب

ایشان مذہبی رہنماؤں کے فیضانِ تعلیم کی بدولت دولت مند اور فارغ البال بن گئیں۔
لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ نصب العین ایک ایسی تبلیغی جماعت کبھی
حاصل نہ کر سکے گی جہاں دنیا اور اس دنیا کی تمام چیزوں سے نفرت کا اظہار کرے
جو یہ خیال کرے کہ دنیا تاریکیِ ضلالت میں گم ہے اور خود اس کا فرض خدا کے بندوں
کو گمراہی و تباہی سے بچانا ہے۔

اگر مبلغین مذہب پہلے یہ تسلیم کر لیں کہ دنیا ہلاکت کی راہ پر گامزن نہیں
بلکہ ابھی اس کا قیام مدتوں تک ہے اور اس بات کا کامل طور پر احساس کریں کہ اگر
عیسائی اپنے آپ کو دنیا کے ضبط و تصرف کا اہل ثابت کریں گے تو بالآخر دنیا پر
عیسائیت کا تسلط ہوگا اور اگر غیر عیسائی دنیا میں عمل و دخل رکھنے کی قابلیت کا
ثبوت دیں گے تو دنیا میں ان کا بول بولایا ہوگا۔ یعنی عیسائیوں یا غیر عیسائیوں
کے اقتدار حاصل کرنے کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ ان میں سے کون بہتر کارکن
بہتر کاروباری آدمی بہتر مہندس اور بہتر سیاست دان ہیں تو اس صورت میں ضروری
ہے کہ مبلغین پہلے سے بہتر کارکن بہتر کاروباری آدمی بہتر مہندس سیاست دان
پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

خدمتِ خلق کیا چیز ہے؟ آج کل اس امر کو بہت شد و مد سے بیان
کیا جاتا ہے کہ مذہب کا مقصد خدمتِ مخلوق ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ خدمتِ
خلق بذاتِ خود ایک اعلیٰ چیز ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس کے متعلق لوگوں
کے خیالات بہت محدود اور تنگ نظری پر مبنی ہیں۔ جسے زمانہ سابق میں روحانیت
کا مفہم لوگوں کے ذہن میں بہت محدود تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ خدمتِ خلق
کا نام لے کر ایسی ایسی بادہ گویوں اور سرہرزہ سراہیوں کی اشاعت کرتے ہیں۔ جیسی
کسی زمانے میں روہانیت کے متعلق عام تھیں۔ فی الاصل ان لوگوں سے توقع ہی
یہ ہو سکتی ہے جو یہ سمجھتے سے قاصر ہیں کہ ہر طرح کا پیدا اور کام مثلاً دنیا کی خوراک
بہم پہنچانے کی خاطر مکی اور گیموں کی کاشت کرنا اور مویشی پالنا دنیا کی پوشاک کا

سامان جیتا کرنے کی غرض سے اُدن اور کپاس پیدا کرنا خدمتِ خلق میں داخل ہے اور بہترین خدمتِ خلق جو ایک متوسط درجہ کا آدمی کر سکتا ہے یہ ہے کہ اپنا کام باقاعدگی سے کرے مثلاً اگر وہ کاشتکار ہے تو اچھی فصلیں پیدا کرے اور اپنے خاندان کے ارکان کو جفاکشی میانہ روئی جُرسی قابلیتِ اعتماد اور امدادِ باہمی کی تعلیم دے الفقہ ہر وہ نام جو ملک کی تعمیر میں مدد ہو اور اُسے قومی طاقتور ترقی پسند اور خوشحال بنائے وہ خدمتِ خلق میں شامل ہے۔ جو تبلیغی جماعت جو خدمتِ خلق کی ان وسیع معنوں میں تعلیم دے گی وہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا سببِ عظیم بنے گی اور امکان نہیں کہ وہ مالی مدد اور اعانت سے محروم رہے۔

کاشتکار کو چونکہ اپنے اجتماعی ماحول سے بہت قریب کا تعلق ہوتا ہے اس لئے دیہات کے پادریوں کو ذرا عتی پیداوار کے حلقے سے باہر بھی حقیقی خدمت کا بہت موقع ہوتا ہے۔ اگر کوئی تنظیم ایسی ہر جس کی بدولت کاشتکار اور اُس کے خاندان کی معاشرتی زندگی خوشگوار بنائی جاسکے تو اس سے دیہات والوں کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوگی اور وہ اس کی مدد کو ہر طرح آمادہ ہوں گے۔ اگر دیہاتی پوری یہ کام انجام دے سکیں تو کیا وجہ ہے کہ لوگ اُن کو پوری پوری امداد نہ دیں۔ اگر وہ یہ کام انجام نہ دیں گے تو کوئی اور جماعت دیگی۔ یہ ضرورت ایسی ہے کہ اسکی تکمیل کے بغیر چارہ نہیں اس لئے یہ خود بخود اپنی تکمیل کے ذرائع ڈھونڈ لے گی۔

اس امر کے لئے کہ دیہاتی گرجا ایک خوشگوار دیہاتی زندگی کیلئے سہوار جہتیا کرنے میں مدد دے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ جشن اور نمائشیں مجالس موسیقی اور ورزشی اکھاڑے وغیرہ قائم کرے گو یہ چیزیں اپنی جگہ بڑی اچھی ہیں تاہم انہی ضروری بھی نہیں ہیں کہ ان کے بغیر گزارہ نہ ہو سکے۔ صرف ایک چیز لازمی ہے گو اُس کا حصول بعض اوقات بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جن لوگوں کے مقاصد مشترک ہیں اُن کو وقتاً فوقتاً مجتمع کیا جائے اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگر یہ بات ہو جائے تو اجتماعی زندگی کے متعلق کسی قسم

کا خدشہ باقی نہ رہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگوں میں مشترک مقاصد کا پایا جانا آسان نہیں۔ بعض زانوں اور ملکوں میں ایسا ہوا ہے کہ دین یا قیاسی مسائل یا سیاسی و علمی مباحث نے لوگوں کی توجہ کو ایسا اپنی طرف لگا رکھا ہے کہ اُن کے لئے مشترکہ دلچسپی کا ایک موضوع ہٹا کر دیا ہے۔ جب لوگ ان کی بدولت جمع ہونے لگے تو چونکہ اُن سب کو ایک ہی چیز سے دلچسپی تھی۔ اس لئے ایک دوسری کی صحبت اُن کو بہت پسند آئی اور بڑے بڑے مسائل پر اُن کو تبادلہ خیالات کرنے کا موقع ملا۔ اگر اس قسم کی مشترکہ دلچسپی کا کوئی موضوع موجود نہ ہو جو لوگوں کو یکجا کر سکے تو ضرور ہے کہ کوئی موضوع پیدا کیا جائے؛ ورنہ یہی ہوگا کہ گفتگو کا دائرہ فصل اور موسم کے معدودے چند امور تک محدود رہے گا اور کاشتکار من حیث الجماعت کوئی ذہنی ترقی نہ کر سکیں گے۔

لیکن یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ گفتگو دینیات سیاسیات یا سائنس کے دقیق مسائل کے متعلق ہی ہو دیہاتی زندگی میں کفایت کرنیکی تدابیر سوچنا اور دیہاتی کو زیادہ خوبصورت بنانے کی تجاویز پر غور کرنا یہی ایسے امور ہیں کہ پشتہاپشت تنگ گفتگو کا بحث ہٹا کر سکتے ہیں دیہات میں سرٹکیں پل در سے کھیلنے کے میدان چوک وغیرہ بنانے کے مسائل ایسے ہیں کہ امریکہ کے دیہاتیوں کے لئے سو سال تک بیکار وقت کا ایک مشغلہ ہٹا کر سکتے ہیں۔ اگر کسی دیہاتی حلقے کے لوگوں میں اپنے دیہات کو خوشنما اور آراستہ بنانے کا شوق پیدا ہو جائے تو ناممکن ہے کہ اُس حلقے میں اجتماعی زندگی نہ ترقی نہ کرے۔ اور اگر کوئی تبلیغی جماعت ایسی دلچسپی لوگوں میں پیدا کر سکے تو یہ سمجھئے کہ اُس نے دیہات میں ایک خوشگوار اجتماعی زندگی کے مسئلہ کا حل بڑی حد تک کر لیا۔

شائستگی کی ترقی کا ایک معروف اور عام طریقہ ہے جسے نظر انداز نہ کر دینا چاہیے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کے نزدیک اجتماعی زندگی بس یہی ہے دوچار دوست احباب مل کر کھائیں پئیں اور جب ایک میز کے ارد گرد اُن کو دوستوں

کے ساتھ مل کر بیٹھنے کا موقع مل جائے تو گویا اُن کے لئے اجتماعی زندگی کے جتنے لوازم میں سب مہیا ہو جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ایسی صورت میں یہ ہوتا ہے کہ چند لوگ جن میں مشترکہ دلچسپی کا رابطہ باہمی ہوتا ہے وہ یکجا جمع ہو جاتی ہیں۔ اس مجمع احباب سے شروع ہو کر اجتماعی زندگی بے انتہا وسیع ہو سکتی ہے۔ میں مفہم ہے علاوہ بریں اجتماعی زندگی کے اسباب ترقی میں ایک سبب تماشے اور تفریح کے کھیل وغیرہ بھی ہیں۔ دیہاتی جماعتوں کیلئے مل کر گانا جو تفریح کی بہترین صورت ہے۔ خاص قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اگر بہت سے لوگ دوسروں سے داد لینے کے لئے نہیں بلکہ محض اپنا دل خوش کرنے کے لئے مل کر گائیں تو یہ ذاتی غلط فہمیوں اور مخالفتوں کا ایک زبردست دفعیہ ہے اور اخوت و مدارات کو ترقی دینے کا بہترین طریقہ اور ربط اجتماعی کو مضبوط کرنے کے قدیم ترین قاعدوں میں سے ہے رقص و سرور محض شائستگی اور تہذیب کے تعلقات ہی نہیں ہیں اگر ان سے مناسب کام لیا جائے تو اجتماعی زندگی کے نشو و نما کیلئے یہ ایک نہایت عمدہ وسیلہ ہے۔

ڈنمارک کی مثال۔ زراعتی نشاۃ الثانیہ نئی زندگی یا حیات تازہ کی سب سے نمایاں مثال زمانہ جدید میں غالباً ڈنمارک کی ہے ۱۸۶۴ء میں اُسکی یہ حالت تھی۔ کہ وہ قومی ہلاکت کے درجے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اول ایک تباہ کن جنگ کے ہاتھوں جو ملکی قوت کی بربادی کا ایک بڑا سبب تھا۔ چند صوبے جو اُس کے بہترین صوبوں میں سے تھے اُس کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے! دوسرے اُسے ایک کثیر رقم تاوان جنگ کے طور پر ادا کرنی پڑی۔ اس پر طرفہ یہ ہوا کہ جرمنی کی منڈیوں سے اُس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ لیکن اس مجموعہ آفات کا ایک اچھا نتیجہ ہوا۔ وہ یہ کہ وطنیت و قومیت اور جمعیت کا ایک شدید احساس لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا۔ اس احساس نے یہ صورت اختیار کی کہ ملک کی از سر نو تعمیر کے لئے خاص کر زراعت کے میدان میں امداد باہمی کی تدابیر پر عمل رکھا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پچاس سال کے اندر اندر ڈنمارک پر اعظم یورپ کا سب سے زیادہ خوشحال ملک بن گیا

اور آج اس بات کا ایک زندہ ثبوت ہے کہ دانشمندی کے ساتھ امداد باہمی کی تدابیر اختیار کرنا کیسا کارگر اور فائدہ بخش طریقہ ہے۔ ڈنمارک میں امداد باہمی کی جو صورت رائج رہی ہے وہ ایسی امداد باہمی نہیں جس کے اختیار کرنے پر حکومت نے رعایا کو مجبور کیا ہو اور وہ ایسی امداد باہمی ہے جو حب وطن اور امداد باہمی کے جوش کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جس شخص نے بھی اس تحریر کی تاسیخ کا مطالعہ نظیر فائرسے کیا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے بغیر نہیں رہ سکتا کہ امداد باہمی کے جوش کے پیدا کرنے میں عام میلیں ٹھیلوں اور بیرونیوں نے بڑا حصہ لیا ہے اور جو گیت مل کر گائے جاتے رہے ہیں اُن کی بدولت ایک حب وطن اور جوش نہیں کی رو پھیلی رہی ہے جس کی مثال اتنے بڑے پیمانہ پر دور جدید میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

تجربہ گواہ ہے کہ کالج کا سر طالب علم اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ جب طلبہ کی کوئی جماعت کسی مشترکہ دلچسپی کی بنا پر مجتمع ہو مثلاً ورزشی مقابلوں کے لئے تو مختلف لوگوں کو یکجا کرنے میں کوئی وقت پیش نہیں آتی اور جب وہ ایک باریک جا ہو جائیں تو پھر سب کام خود بخود ہوئے جاتے ہیں۔ اور تو اور گانا بھی مدینیت کا ایک قدرتی اور مناسب اظہار ہے۔ بس اسی طرح جو شخص کسی قوم کی تاسیخ میں ایک نازک وقت مثلاً ایام جنگ کے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہی اصول فرابرے پیمانے پر وہاں بھی بروئے کار ہے۔ جب لوگوں کو کسی خاص چیز سے یکساں دلچسپی ہو جائے تو اُن کا اجتماع آسان بھی ہوتا ہے اور پر لطف بھی۔ یعنی وہ جلدی ایک دوسرے کی صحبت سے اُگتا نہیں جاتے۔ بل کر گانا مشترک احساسات و جذبات کے اظہار کا ایک قدرتی طریقہ ہے اور کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اس سے انکار کرتا ہو۔

ڈنمارک کے لوگوں نے اس بات کا عملی ثبوت ہم پہنچا دیا ہے۔ کہ ایک قوم کا ذرا عتی پیدا کش اور تعمیر ملی کے کام میں دلچسپی کی بنا پر متحد ہونا اتنا ہی آسان

ہے جتنا کالج کے طالب علموں کے لئے ورزشی مقابلوں کے معاملے میں یا ایک قوم کے لئے جنگ کے بارے میں متحد ہونا۔ اگر کوئی مذہبی جماعت اپنے پیروؤں میں ایسی ہی سرگرمی پیدا کر سکے تو اس کے لئے ایک اجتماعی زندگی کا پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اور جس جماعت میں مدنیّت کافی ترقی کر چکی ہو اس کے افراد کو مل کر گانا ناٹنا کھانا یا نامناسب فعل نہیں معلوم ہوتا۔ اگر کوئی ایسی دلچسپی کی رونہ ہو جو سب افراد کے دلوں میں بہتی ہو تو اس کا نتیجہ ہوتا ہے ایک ایسی اجتماعی زندگی جس میں کوئی اتفاق و اتحاد نہیں جو سہرا سر نکبر خود غرضی اور خود پرستی پر مبنی ہے اور جس میں تنظیم مفقود ہے۔ ایسی زندگی کے مقابلے میں جنگ بھی باوجود بدامنی اور نقصان جان و مال کے بہتر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے کم از کم اتنا تو ہوتا ہے کہ تمام افراد ملت ایک مشترکہ دلچسپی اور ایک مشترک مقصد کے رستہ میں پیوستہ ہو جاتے ہیں۔ وٹنارک نے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ ایک قوم صرف جنگ کے معاملے ہی میں متحد نہیں ہو سکتی بلکہ زمانہ امن کے فنون کے معاملے میں بھی وہ ایک مشترکہ دلچسپی پیدا کر سکتی ہے اس مثال سے جو وٹنارک نے پیش کی ہے ظاہر ہے کہ اور مثالیں بھی ایسا بات کا امکان ہے یا اور اس مکان کے متعلق لوگوں کے دلوں میں حسّ اعتقاد پیدا ہو جانا چاہیے۔ اور اس حسّ اعتقاد کے پیدا کرنے کی توقع اگر ہم مذہب سے نہ رکھیں تو اور کس سے رکھیں؟

دیہاتی مدرسہ۔ دیہاتی مدرسہ کو وجود میں آئے گو بمقابلہ گرجا کے تھوڑی ہی مدت ہوئی ہے تاہم اکثر ارباب رائے اُسکو بمقابلہ گرجا کے زیادہ اثر و اقتدار کا حامل سمجھتے ہیں۔ دراصل مدرسہ کو بعض باتوں کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے اور سب سے زیادہ فوقیت اس لحاظ سے کہ اُس کا تعلق کسی خاص فرقہ کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ساری کی ساری جماعت کے ساتھ اس بنا پر بمقابلہ گرجا کے مدرسہ کہ دیہات کی آبادی کا مرکز بنانا آسان ہے کیونکہ وہ فرقہ دارانہ اختلافات جو مذہب کے معاملے میں لوگوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں تعلیم کے معاملے میں کچھ وقعت نہیں رکھتے۔

لیکن دوسری طرف ایک بات مدرسہ کے مخالف بھی ہے۔ مدرسہ چونکہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ایک محدود علاقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی ایک خاص علاقے کے رہنے والے لوگ سب کے سب اُس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی علاقے کے لوگوں میں اکثریت ترقی کی مخالف اور جہالت پسند ہو تو مدرسہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ صرف اُس صورت میں مدرسے کا کچھ فائدہ ہو سکتا ہے کہ حکومت کے ایسا بے لست و کشادہ اُسے اپنے وظیفہ عمل کے با حُسن وجود ادا کرنے پر مجبور کریں۔ ورنہ حجت پسند لوگ اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیں گے اور اُس کے افادہ اجتماعی کو تباہ کر دیں گے۔ برخلاف اس کے گر جا چونکہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کی رکنیت اختیاری ہے۔ یعنی ہر شخص کو اجازت ہوتی ہے کہ جس گر جا کا چاہے رکن ہو جائے اس لئے اگر خوش قسمتی سے اُس کو ترقی پسند اور روشن خیال ارکان میسر آجائیں تو وہ اجتماعی زندگی کو دوبارہ زندہ کرنے کا کام ایسے طور پر کر سکتا ہے کہ مدرسے کے لئے ناممکن ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر گر جا تاریک خیال اور مخالف ترقی لوگوں کے قبضہ تصرف میں ہو تو وہ سراسر نقصان میں رہتا ہے۔ مدرسہ کا جو بچاؤ یوں ہو جاتا ہے اُس کا تعلق ساری جماعت سے ہوتا ہے وہ گر جا کو میسر نہیں۔

دیہاتی مدرسہ اساسی طور پر ایک ادارہ تعلیمی ہے۔ اس لئے اُسکی توجہ زیادہ تر اس امر پر منفعت ہونی چاہیے کہ وہ رسمی مضامین جن کو دنیا تعلیم کی اولین ضروریات میں شمار کرتی ہے یا امتحان زندگی کی تیاری کا ایک ضروری حصہ سمجھتی ہے اُن کی درس و تدریس بھیک طور پر انجام پائے۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ہر طرح کا پیداوار کام خدمتِ نبی نوع میں شامل ہے۔ ہمیں اس بات کے سمجھنے میں فخر و برابری نہ پیش آنی چاہیے کہ مدرسہ کا پہلا فرض اپنے طلباء کو کسی پیداوار کام میں انفرادی کامیابی حاصل کرنے کے قابل بنانا ہے اور یہ بات بھی ہمیں سمجھنی چاہیے کہ وہ پیداوار کام جس کے لئے دیہاتی مدرسہ اپنے طلباء کو بہترین طور پر تیار کر سکتا

ایک قوم
س میں
کچھ مشکل
ہر گز
و سب
حسب
صحبہ
نقصان
نام
تہ
بگ
ب
ن
اد

ہے زراعت ہے۔ بہر حال چونکہ ہمارا مقصد سر و ست یہ نہیں کہ ہم دیہاتی تعلیم کے مسئلہ پر بالکل بحث کریں بلکہ فقط یہ دیکھنا ہمارا مقصد ہے کہ دیہاتی مدرسہ کو ایک خوشگوار اور عمدہ اجتماعی زندگی کے پیدا کرنے کا ذریعہ کس طرح بنایا جاسکتا ہے اس لئے ہمیں دیہاتی مدرسہ کے نصابِ تعلیم سے بحث کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

ہم اے ملک میں مدرسہ کو حبِ وطن کی اشاعت کا ذریعہ بنانے کے متعلق دلچسپی عام ہو چکی ہے قومی جشن قائم کرنا قومی تعطیلات کے موقع پر خوشیاں منانا تقابلیات کا پرہیزنا جن میں جذبہ وطنی کی تعلیم دی گئی ہو اپنی قوم کے ادبِ العالیہ کا ازبر کرنا یہ نہایت عمدہ طریقے ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کے لوگوں نے اجتماعی زندگی کے مسئلہ کے بعض بڑے بڑے پہلوؤں کو کس خوبی سے سمجھا ہے۔ تاہم حبِ وطن کے وہ جذبات جن کی اشاعت میں ہم کوشش کر رہے ہیں ان کی ایک معین اور مادی شکل میں متشکل کرنے یا پیش کرنے کیلئے ابھی ہمیں بہت کام کرنا پڑے گا۔ حبِ وطن کو بحیثیت ایک صفت مجرد کے پیدا کرنا یعنی اس کو ایک اخلاقی فضیلت کے طور پر ترقی دینا جذبات ہے؟ اور اس کو ترقی قومی کے جوش کی معین اور مادی شکل میں نشوونما دینا بالکل جذبات ہے۔ ہر زمانہ اور ہر ملک میں جنگ میں فتیاب ہونیکے خواہش حبِ وطن اور قومی حمیت کو تحریک میں لانے کا سب سے زبردست موجب ثابت ہوئی ہے۔ وجہ یہ کہ اس سے لوگوں کے سامنے ایک ایسی مجسم چیز پیش ہو جاتی ہے جس کے لئے وہ کوشش کریں یعنی ایک ایسا عملی کارنامہ جس کی شکل میں جذبات حب الوطن ظہور پذیر ہو سکیں ہم سب اس قول کی صداقت کب متعلق کم و بیش یقین رکھتے ہیں کہ امن کے زمانہ میں بھی ایسی فتوحات حاصل کی جاسکتی ہیں جو جنگ کی فتوحات سے کم نشاندہ نہیں ہوتیں لیکن یہ محض ایک مبہم سا اعتقاد ہے! جب تک یہ کوئی خاص شکل اختیار نہ کرے یعنی جب تک ہم زمانہ امن کے فنون میں کوئی کار نمایاں انجام دینے کو اپنا مقصد

و مدعا قرار نہ دین اُس وقت تک یہ ناممکن ہے کہ جذبہ حب وطن اُسی جوش سے امن کے زمانے میں بھی بروئے کار آ سکے جس جوش سے وہ جنگ کے زمانہ میں بروئے کار آتا ہے۔ یہ بات خاص طور پر اُن طلباء پر واضح ہوگی جنہوں نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ مدرسہ کی محبت کا جذبہ محض ایک مجرور اخلاقی صفت کے طور پر پیدا نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ کوئی خاص کارنامہ مثلاً کوئی ورزشی مقابلہ یا کوئی علمی مباحثہ مقصود نہ قرار دیا جائے۔ اس بنا پر کیا ہمارے دیہاتی مدرسوں کے لئے اور کیا دوسرے تمام ادارات اجتماعی کیلئے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جماعت کے جذبات حب الوطنی کو کسی خاص شکل میں متشکل کیا جائے اور انکا مقصد و مدعا کسی پیدا آور کام کو بنایا جائے۔

لوگ وہ چیز عموماً حاصل کر کے رہتے ہیں جس کے جب پیدا آور متعلق زبردست خواہش اُنکے دلیں پیدا ہو جائے ایک عام جوش لوگوں میں پیدا ہو جائے تو وہ کام خود بخود انجام پائیگا اگر کوئی دیہاتی جماعت یہ چاہے کہ دیہات کے مکانات اور سڑکوں وغیرہ کو خوش منظر بنایا جائے تو یہ کام کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ اُسکی خواہش حقیقی خواہش ہو اور اُس میں اتنا اتفاق و اتحاد ہو کہ جو کام اور محنت اس کام کیلئے درکار ہے اُسکے خرچ کر نیکی لئے اُس کے افراد آمادہ ہوں اسی طرح کوئی جماعت اگر چاہے کہ اخلاق میں یا معاشیاتی ہمدردی میں ترقی کرے۔ تو اُنہی شرائط کے ماتحت اُس کے لئے بھی یہ کام آسان ہے۔ کسی جماعت میں کسی مشترکہ خواہش یا دلچسپی کا نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ نہ اسے جنگ میں کامیابی ہو سکتی ہے اور نہ وہ امن و امان کی دولت سے بہرہ اندوز ہو سکتی ہے۔

اگر کسی جماعت کے افراد کے دلوں میں یہ خواہش ہو کہ وہ اپنے گاؤں کو دنیا کے تمام گاؤں کیلئے زیادہ خوبصورت بنائیں یا اپنے قصبہ کو دنیا بھر کے قصبوں میں بہترین

قصبہ بنائیں اور اُس میں مکئی کپاس گہیوں یا آلوؤں کی پیداوار سب قصبوں سے زیادہ
 کریں۔ یا اپنے دیہاتی مدارس کو دنیا کے چوٹی کے مدارس کی حیثیت دیں یا ایسے
 گھوڑے اور مولیشی پیدا کریں جنکی نظیر کہیں نہ ہو۔ المختصر کوئی ایسی خوشامشن جو
 لوگوں کو منحدر کر سکے اور اُن میں عالمگیر جوش کی ایک برقی رو پھیل سکے اگر کسی
 جماعت کے ارکان کے دلوں میں ہو تو بہ نسبت میلوں اور جشنوں کے اس کے
 ذریعہ گاؤں یا قصبہ کی اجتماعی زندگی کو زیادہ شاندار بنایا جاسکتا ہے۔ اجتماعی
 زندگی صرف اس بات سے پیدا نہیں ہو جاتی کہ دو چار دوست مل کر بیٹھ گئے۔ اور
 کہیں ہانکنے لگے۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ کوئی مشترک مقصد ہو۔ اور وہ اتنا
 بلند مقصد ہو کہ تمام صحیح الدماغ لوگ اُس کو پسند کریں اور اُس پر توجہ محنت اور
 وقت صرف کریں۔ جس نسل سے امریکہ کے لوگ ہیں اُس کے نوجوانوں نے کبھی
 یہ نہیں کیا کہ اگر قومی ہیرو کی کسی کام کیلئے جس کو انہوں نے کر نیکی لائق سمجھا
 ہوا نہیں اٹھار اور جفا کشی کی دعوت دی جائے تو وہ اُس کو لیبیک نہ کہیں۔
 ملک میں خوشگوار اجتماعی زندگی پیدا کرنے کے اہم اسباب میں مشترک
 دلچسپی اور سرگرمی کے بعد دوسرا درجہ ایک دوسرے سے ملنے کے مواقع اور اُسی
 راہ و رسم کی سہولتوں کو حاصل ہے۔ مگر جابو خالص مذہبی خدمت انجام دیتا ہے
 اُس سے قطع نظر کے فقط یہ بات کہ وہ ہفتہ میں ایک مرتبہ لوگوں کو ایک جگہ جمع
 کرتا ہے بڑی اہمیت رکھتا ہے ترقی تہذیب کے موثرات میں سب سے زبردست
 موثر لوگوں کا ایک دوسرے سے آنکھیں چار کرتے رہنا ہے ناممکن ہے کہ اُن میں
 ملتنامی اور اشتنائی پیدا نہ ہو اور اگر وہ ایک دوسرے سے علیحدہ اپنی اپنی
 ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر رہیں تو ناممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے کو شک و شبہ
 کی نگاہوں سے نہ دیکھنے لگیں اور اُن میں اجنبیت و غیرت نہ پیدا ہو جس طرح
 گرجاؤں کو آپس میں ملنے کے مواقع ہوتا کرتا ہے اسی طرح مدرسہ علاوہ اپنے
 خالص تعلیمی و ظائف و وظائف کے ایک یہ خدمت بھی انجام دیتا ہے کہ نوجوانوں کی بذلت

مل بیٹھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

روزانہ موقعوں کے علاوہ بعض تقریبیں ایسی ہوتی ہیں جنکی بدولت لوگ رسول میں جمع ہوتے ہیں مثلاً قومی جشن یا دیہاتی میلے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک نے اُن مواقع سے جو دیہاتی میلوں اور تیوہاروں کی بدولت مہیا ہوتے ہیں پورا پورا فائدہ اٹھانے میں کوتاہی کی ہے۔ ابتدا میں ایسا تھا کہ گاؤں کے لوگ کئی کو پھیلنے کھلیان بنانے لحاف لگاندے اور ایسے اور اور کاموں کے موقعوں پر جمع ہوتے تھے اور اس طرح کام کا کام ہو جاتا تھا اور تفریح کی تفریح۔ اب ملک کے حالات نے ترقی کر کے یہ صورت اختیار کی ہے کہ ہم ایسے کاموں کی ضرورت نہیں محسوس کرتے؟ اور نہ ہم نے کوئی ایسی صورتیں پیدا کی ہیں کہ وہ ان کا بدل ہو سکیں۔ اس وجہ سے اب لوگوں کو مل کر کام کر نیکیے مواقع کم ملتے ہیں۔ یہ امریکہ کی دیہاتی زندگی کے حل طلب مسئلوں میں سے ایک مسئلہ ہے۔ گو ملک کے بعض حصوں میں اس کا حل کسی حد تک کیا گیا ہے۔ پرانے طرز کا (old way) جو جنوبی علاقے میں اب بھی رائج ہے کہ لوگ جمع ہو کر ہگ جلاتے ہیں اور سالم جانوروں کو بھوتتے ہیں؟ (old way settlers day) پرانے باشندوں کو دیوہار جو مشرق وسطیٰ کے بعض لوگوں میں اب بھی منایا جاتا ہے؟ اور نیوا انگلینڈ کا میلہ (old Home week) یہ اسی بات کی مثالیں ہیں کہ جہاں گاؤں کے سارے لوگ ایک دن مل کر چھٹی منایا کریں وہاں تفریح تماشے کے طریقے کیا ہونے چاہیں۔ یقیناً ملک کے اور حصوں میں اس کی اور مثالیں بھی ملیں گی۔ بعض قدیم ممالک میں یہ میلے اور تیوہار اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ دیہاتی زندگی کی ایک جاذب نظر خصوصیت بن گئے ہیں۔

برے ہمسائے۔ ہم امریکہ والوں کو ایک دقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم قدیم زمانے میں جو جنگلی زندگی بسر کر چکے ہیں اُس کے اثرات اب بھی اس حد تک باقی ہیں کہ ہماری دیہاتی آبادی میں شور شرابہ کر نیوالے لوگوں کا وجود اب تک معدوم نہیں ہوا۔ میلوں اور تیوہاروں کے موقعہ پر یہ لوگ اسقدر خرابیاں کرتے ہیں کہ جو لوگ شریف

اور عزت والے ہیں وہ دور نہنا پسند کرتے ہیں: نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میلہ سے جو معاشرتی فائدہ ہو سکتا تھا۔ وہ نہیں ہوتا۔ چند نسلوں تک اگر شدید مقابلہ ہوتا رہا تو یقیناً غنڈے اور غل غبارہ کرنے والے لوگ شریف اور باعزت لوگوں کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے اور فنا ہو جائیں گے۔ جب یہ امر انجام پا چکے گا تو ایک خوشگوار اجتماعی زندگی کی ترقی میں جو رکاوٹیں و پریشانی ہیں اُن میں سے ایک کم ہو جائے گا۔ اُن علاقوں میں جہاں کاشت سب سے اچھی ہوتی ہے آہستہ آہستہ کچے شہرے لوگوں کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے اور زیادہ وہ شائستہ اور ترقی یافتہ لوگ تعداد میں بڑھ رہے ہیں۔ جن علاقوں میں پیداوار کم ہوتی ہے اُن میں فی الحال ایسی صورت پیدا نہیں ہوئی وجہ یہ کہ اعلیٰ قسم کے لوگوں کو ابھی اُن علاقوں میں جانیکا خیال نہیں آیا جس دن وہ چلے گئے بس نکلتے اور زویل لوگوں کا خانہ ہو جائیگا۔

یہ بھی ایک متنازع مسئلہ ہے کہ اعلیٰ قسم کی زمینیں کیا ہمیشہ اعلیٰ قسم کے لوگوں کے قبضہ میں رہیں گی یا اعلیٰ طبقہ کے کاشتکار اُن پر تصرف حاصل کرینگے؟ جو عمل انتخاب فی زمانہ جاری ہے اُس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیٰ زمینیں اعلیٰ لوگوں کے ہاتھوں ہی میں رہیں گی۔ اگر زمین زرخیز ہو اور زراعتی اولوالعزمی کیلئے میدان و سلیج ہو تو ذہین اور ترقی پسند کاشتکار ایسی زمین کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ کم ذہین لوگوں کو مقابلے میں شکست دیں گے اور اُن سے زمینیں خرید لیں گے۔ پھر ذہین اور ترقی پسند کاشتکار جن کو ابھی کوئی زمین ہاتھ نہیں آئی وہ ایسی زمینوں کی تاک میں بیٹھے ہیں اور جہاں موقعہ دیکھیں گے اڑ کر جائیں گے بچاؤ کنندہ بن اور سست کاشتکار ایسے لوگوں کے مقابلے میں بھلا کیا ٹھہر سکیں گے؟ اتنی اتنی قیمتیں زمینوں کی تباہی کی جائیں گی کہ اُس کو خریدنے کی استطاعت نہوگی اگر اُس کے پاس پہلے ہی زمین موجود ہے تو صاحب حیثیت کاشتکار اتنی بڑی بڑی قیمتیں دیتے کو تیار ہوں گے کہ آج نہیں تو کل اُس کا جی لپچا آئیگا اور وہ زمین کو بیچ کر علیحدہ ہو جائے گا۔ برخلاف اس کے اگر زمین اعلیٰ قسم کی ہو اور ترقی کے مواقع

محدود ہوں تو قابل کاشتکار ایسی زمین کو خیر باد کہہ کر دوسری جگہ قسمت آزمائی کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ دوسری جگہ حالات بہتر نظر آئیں۔ اب جو لوگ اپنی زر خیز زمینوں کو بیچ کر اور زمین کی تلاش میں پڑے پھرتے ہیں وہ قدرتی طور پر اُن زمینوں کا رُخ کریں گے جو سستی ہیں اور جن کے خریدنے میں صاحب استطاعت اور قابل کاشتکاروں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑتا بلکہ اُن کے کاشتکاروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے لیکن ممکن ہے کہ ایسی زمینوں کے معاملے میں بھی مقابلہ آخر کار ایسا ہو جائے کہ ناکارہ لوگ یہاں بھی پیر نہ جاسکیں اور نکال باہر کئے جائیں۔

معیار زندگی۔ یہ جو ہم نے دعوے کیا ہے کہ بہترین زمینیں آہستہ آہستہ بہترین کاشتکاروں کے قبضہ میں آجاتی ہیں اس میں کسی قدر حد بندی کی ضرورت ہے۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زمینیں اُن لوگوں کے ہاتھ آتی ہیں جن کا معیار زندگی سب سے پست ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ باہر کے آگے ہوتے کاشتکار امریکہ کے کاشتکاروں سے زمینیں خریدتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ کاشتکاری کے فن میں زیادہ ماہر ہیں۔ بلکہ محض یہ کہ فن کی بوجہ و باش کا خرچ بہت کم ہے اور اسلئے وہ بڑی جلدی اصل جمع کر لیتے ہیں۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ امر اس بات کا مظہر ہے کہ ایک پست معیار زندگی ایک اعلیٰ معیار زندگی پر غلبہ حاصل کر رہا ہے۔ اور کاشتکاروں کی زندگی آئندہ اُن کے درجہ کی زندگی ہوگی۔

اس تنازع اور بالواسطہ خیال کے خلاف ہم دو دلائل پیش کر سکتے ہیں۔ اول اُتیسویں صدی کے ثلث آخر میں زراعت دوسرے کاروبار کے مقابلے میں کم نفع بخش تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ امریکہ کے کاشتکاروں کی جگہ باہر کے کاشتکاروں کی تعداد امریکہ میں ترقی کر رہی تھی۔ جو امریکن لوگ اچھے تعلیم یافتہ تھے اور کاروباری قابلیت رکھتے تھے اور اس بنا پر سیو پار یا ملازمت سمیلے مناسب و موزون تھے اُن کو مقابلہ دیہات کے شہر میں ترقی کر نیکار زیادہ موقع ہوتا تھا۔ باہر سے جو لوگ آتے تھے وہ اگر غیر معمولی

تعلیم رکھنے والے تو خیر ورنہ انہیں یا کاشتکاری کا پیشہ اختیار کرنا پڑتا تھا یا کوئی دستی کام کاشتکاری کو وہ ترجیح دیتے تھے۔ اور صرف یہی ایک چیز تھی جس میں انہیں ترقی کی صورت نظر آتی تھی۔ اب اگر امریکن کاشتکار اپنی زمینیں ایسی قیمتوں پر بیچتے تھے جو نووارد لوگ ادا کر سکتے تھے تو اُسکی وجہ یہ نہ تھی کہ نووارد زمین سے زیادہ پیداوار کر سکتا تھا بلکہ یہ کہ امریکن کو شہر میں ترقی کے ایسے موقع مل سکتے تھے جو نووارد کو حاصل نہ ہو سکتے تھے کیونکہ وہ امریکہ کی زندگی سے کما حقہ واقف نہ ہوتا تھا۔ ان دنوں زراعت خوشحالی میں ترقی کر رہی ہے اور امریکن کاشتکار کو دیہات میں بھی اتنے ہی اچھے موقع مل سکتے ہیں جتنے شہر میں اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا باہر کے کاشتکار امریکہ کے اصلی کاشتکاروں کو شکست دے سکتے ہیں یا نہیں یعنی امریکن کاشتکار ایسی قیمتوں پر زمینوں کو بیچنے پر تیار ہو گا جو باہر کا کاشتکار ادا کر سکے یا خود اتنی قیمتیں ادا کر لے کو تیار ہو گا جتنی باہر کا کاشتکار ادا کر سکتا ہے۔ دوسری دلیل جو ہم پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ لپٹ معیار زندگی لازمی طور پر اچھا معیار زندگی نہیں ہوتا۔ یعنی رہنے سہنے کے اخراجات کم کرنا معاشی اعتبار سے کامیابی کی دلیل نہیں۔ ایک ایسا طریق بود و باش جس میں خرچ زیادہ ہو اگر معقولیت پر مبنی ہو۔ تو مقابلہ میں بہ نسبت سستے طریق بود و باش کے زیادہ اچھا بنا سکتا ہے۔ فرض کیجئے ایک ایسا طریق بود و باش ہے جس میں اخراجات زیادہ ہوں گے اور ان اخراجات میں ایسے اخراجات شامل ہیں جو محض نام و نمود یا ٹھاٹھ یا ٹھکی خاطر یا نامتو خواہشات پوری کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں پھر اس سے ذہانت یا کام کرنیکی قابلیت میں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ ایسا طریق بود و باش ایسے لوگوں کے مقابلے میں جن کے معیار زندگی میں اس قسم کی نامعقول مذاات خرچ شامل نہیں انسان کا ناکارہ کر دیتا ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ ایک اور معیار زندگی ایسا ہے جس میں فقط وہ مذاات خرچ شامل ہیں جو قوت اور کام کرنیکی قابلیت کو بڑھاتے ہیں۔ دماغی طاقت اور استعداد کی ترقی دیتے ہیں اور اعلیٰ قسم کی ذہنی اجتماع اور جمالیاتی خواہش کی تسکین کرتے ہیں ایسا معیار زندگی ہرگز لپٹ معیار زندگی رکھنے والے لوگوں کے مقابلے میں انسان کو ناکارہ

ہر چیز میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور کشتکاری پر دیکھنے کی راہ میں۔

نہ کرے گا۔ اگر زندگی بسر کرنے کے معیاروں میں باہمی مقابلہ ہو تو اس کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ معیار اگر غیر معقول ہیں تو معقول ہو جائیں گے۔ اور جو مدائے خریج قابلیت کارپردازی میں ترقی کا باعث نہیں ہوتے وہ اڑا دئے جائیں گے اور جو مدائے خریج قابلیت کارپردازی میں ترقی کا باعث ہوتے ہیں ان میں اضافہ کیا جائیگا۔ یہ نتیجہ ہوگا اس امر کا کہ جن لوگوں کا طریقہ بود و باش معقولیت کی مطابقت ہوگا وہ زیادہ کامیابی حاصل کریں گے اور جن کا طریقہ بود و باش معقولیت سے بعید ہوگا وہ کم کامیابی حاصل کریں گے جب زراعت ایک ایسا نفع بخش چیز بن گئی کہ اُس میں ترقی کے مواقع اتنے ہی اچھے ہونے لگے جتنے شہر کے کاروبار اور پیشوں میں ہوتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہ ہوگی کہ جو کاشتکار اعلیٰ معیار زندگی رکھتے ہیں ان کو پست معیار زندگی والے کاشتکار شکست دیں۔ ہاں ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ جسے ہم اعلیٰ معیار زندگی کہتے ہیں وہ معقولیت پر مبنی ہو اور ایسا نہ ہو کہ اُس سے محض کمزور کر دینے والے جذبات اور نام و نمود اور ظاہری آرائش کی خواہش کی تسکین ہو۔

دیہاتی کھیل اور تفریح کے طریقے ہر وہ طالب علم جو محنت کا عادی ہے اس بات سے بخوبی واقف ہوگا کہ دماغی اور جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کیلئے تھوڑی بہت تفریح کس قدر ضروری ہے۔ وہ اس دعوے کی صداقت کو سمجھ سکیگا کہ معقول معیار زندگی وہ ہے جس میں مشاغل تفریح کی متعلق وقت اور زر کے صرف کی گنجائش نکالی جائے۔ یہ بتانا آسان نہیں کہ کس حد تک وقت اور زر کا تفریح میں خرچ کرنا مناسب اور معقول ہے تاہم اس امر کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا کہ ضرورت سے کم تفریح جس سے جسم مست پڑ جائے اور دماغ کی قوتیں شل ہو جائیں اتنی بڑی ہے جتنی بہت زیادہ تفریح جو محض وقت و قوت اور زر کی تضيیع ہے۔ نیز اس امر کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا کہ مشاغل تفریح ایسے ہونے چاہئیں جن میں ایک شخص دلچسپی سے حصہ لے سکتا ہو۔ معاشیات کے عالم تقسیم محنت کے اصول کو بہت پسند کرتے ہیں؛ لیکن ان میں کم ایسے ہوں گے جو اس قسم کی تقسیم کار کے

پسند کریں جو دیہات میں رائج ہے کہ کچھ لوگ تو دن رات کام کرتے ہیں اور انہیں کھیل تماشے کی فرصت ہی نہیں ہوتی اور بعض طفیلی اور عہدی لوگ جو یہیں گھنٹے وال پہلاؤ کے مشاغل میں صرف کر دیتے ہیں۔

دیہات میں اجتماعی زندگی کو برقرار رکھنے کیلئے جو دیہاتی میڈ تماشے ہوتے ہیں ان کا ایک ضروری حصہ دیہاتی کھیل ہیں۔ امریکہ والوں میں چونکہ یہ عادت ہے کہ جن بات کو شروع کرتے ہیں اُس کو حد سے بڑھا دیتے ہیں۔ اُس لئے ان کو یہاں دیہات میں کوئی ایسے کھیل نہیں جو خاص دیہات کی خصوصیت ہوں اور جنہیں دیہاتی زندگی کا ایک مستقل جزو دکھا جا سکے۔ لومڑی کا شکار اور گھوڑ دوڑ یہ دونوں تو اقل میں دیہات کے کھیل۔ لیکن شہر کے بڑے بڑے امرا و رؤسائے ان میں تکلفات پیدا کر دے ہیں اور رہا سہا لطف گاؤں کے شوقینوں نے جو رنگین وریلوں میں بھولے نہیں سماتے اُس ساوگی کو جو ان کھیلوں کی خصوصیت تھی تباہ کر دیا ہے۔ اگرچہ فاسخ البال کاشتکار مل کر شکار کو جائیں اور ان کا مقصد یہ ہو کہ دیہات میں جو تکلیف وہ جانور ہیں ان کا صفا یا کر دیں تو یہ ایک نہایت عمدہ مشغلہ ہوتا ہے؛ لیکن جب چند شہری لوگ جنہوں نے مدرسہ نئی چار دیواری چابک سواروں سے سواری سیکھی ہے شکار کے ارادے سے دیہات کا رخ کریں اور ایک غریب لومڑی کے پیچھے گھوڑے بھاگا کر اپنی امارت کی شان دکھائیں۔ تو یہ کوئی قابل دید منظر نہیں ہوتا۔ اس طرح جب چند کاشتکار اپنے تربیت کردہ گھوڑوں کو مقابلوں میں دوڑائیں اور ان کے جوہر دکھائیں تو یہ ایک نہایت عجیب منظر ہوتا ہے۔ یہ ایسے مقابلوں ہی کا طفیل ہے کہ گھوڑوں کی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ کون کونسے گھوڑے ایسے ہیں کہ ان کی تربیت کرنی چاہیے۔ لیکن جب گھوڑ دوڑ محض شان و شوکت کی نمائش کی صورت اختیار کر لے یا جو اُن میں جائے جس میں چند پیشہ ور قمار باز جو گھوڑ دوڑ کے گروں سے خوب واقف ہیں ان لوگوں کو نوٹے ہیں جو ان گروں کے بھیدی نہیں تو پھر یہ کہنا پڑتا ہے کہ گھوڑ دوڑ دیہات میں اجتماعی زندگی کی ترقی کیلئے جیسا ذریعہ تھی وہ اب نہیں رہی اور اُسکی قدر قیمت

بالکل ضائع ہو گئی ہے۔

ہم امریکہ والے چونکہ فطرۃً قدرے افراط انتہا پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ بات نہایت اہم ہے کہ یہاں دیہاتی کھیل ایسے ہوں کہ خاص خاص ماہرین اُن کو اپنا مخصوص فن نہ بنالیں بلکہ سب لوگ اُن میں شریک ہو سکیں؛ ورنہ یہ احتمال ہے کہ اختفاہیں جو لوگ اُن میں خاص حقہ لیتے ہیں اُن کو اپنا خاص مہر بنالین گے اور باقی لوگ صرف تماشا دیکھنے والے رہ جائیں گے۔ اس سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ کھیل کھیل نہیں رہتا بلکہ ایک تماشا ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایک اور بات نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ کھیل قسم قسم کے ہوں۔ تاکہ بہت سے لوگ بیک وقت شریک ہو سکیں لیکن یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ یہ کھیل ایسے ہوں کہ موسم موسم کی ضرورت کے مطابق ہوں۔ یعنی جیسا کام کسی موسم میں دیہات میں کیا جاتا ہو اُسی کے مطابق کھیل ہوں۔ شہر میں کام ہمیشہ کچھ ایسا ایک ہی ڈھنگ کا رہتا ہے کہ تفریح کی بوقت کو ہم بارہ مہینے میں برابر برابر تقسیم کر سکتے ہیں۔ یعنی یوں کہ دن بھر میں چند گھنٹے کے لئے کام ہو اور ہفتہ دو ہفتہ مہینہ دو مہینہ کے بعد آدھے آدھے دن کی چھٹی ہو۔ اس سے کام کرنے والوں کو تفریح کیلئے کافی وقت مل جاتا ہے۔ لیکن دیہات میں چونکہ ایسے موسم آتے ہیں کہ اگر کام چند گھنٹوں کیلئے کیا جائے اور آدھے دن کی چھٹی دی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فصل کا ستیاناس ہو جائیگا۔ اس لئے تفریح کی بوقت کی تقسیم ایسے باقاعدہ وقت مقرر کیا جائے اور ایسے کھیل کھیلے جائیں جو ضروری نہیں کہ ایک ہی دن میں ختم ہو جائیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ملک کے مختلف حصوں کے موسم اور زراعت کے حالات کے مطابق سالانہ میلے کیسے ضروری ہیں تاکہ جو سہ توڑ محنت کا شکاروں کو کرنی پڑتی ہے اُس سے فراغت پا کر وہ تازہ دم ہو سکیں۔ ایسے میلے اگر ہوتے رہیں تو مزدور اور خاص کر نوجوان لوگ میلے کا خیال رک کر کے اپنے جی میں خوش ہوتے رہتے ہیں اور اپنا کام تھل و پراشت سے کرتے ہیں اور جی لگا کر کرتے ہیں چھ کہ مزدور خوشدل کہندہ کار۔ بشری۔ پھر یہ بات بھی

مکن ہے کہ کام بل جمل کر ایسے طور پر کئے جائیں کہ کام کا کام ہو جائے اور تفریح کی تفریح۔ یہ اب بھی ہوتا ہے لیکن اتنا نہیں جتنا ہونا چاہیے ہمارے اسلاف میں جو یہ دستور تھے کہ وہ مل کر کھدیاں بناتے تھے۔ لکڑیاں جمع کرتے تھے اور ایسے ایسے اور کام کرتے تھے وہ اگر از سر نو زندہ کئے جاسکیں تو موجودہ نسل کے افراد کے لئے اناج چھڑنے کے موسم میں اور ایسے ایسے اور موقعوں پر تفریح کا سامان مہیا کیا جاسکے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ کاشتکار اپنی سال بھر کی محنت کا پھل یعنی اپنی اگائی ہوئی فصل گھراٹھا اٹھا کر لیجاتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ تاہم گزشتہ زمانے میں اناج کا چھڑنا ایک ایسا مشکل کام تھا اور اتنی دھول اڑانی پڑتی تھی کہ اگر کسی کو کوئی خوشی کی بات سوچتی تھی تو بارے دم گھسنے کے وہ منہ سے بول نہ سکتا تھا سب گونگوں کی طرح اپنے کام میں لگے ہوتے تھے لیکن تیار زمانے میں پہلے سے بہتر کلیں اور اعلیٰ درجہ کی مشینیں تیار ہو گئی ہیں جنکی بدولت اناج چھڑنے کے کام کا جو سب سے دشوار اور ناخوشگوار حصہ تھا۔ وہ اب آدمیوں کو نہیں کرنا پڑتا بلکہ مشینیں کر لیتی ہیں۔ ان حالات کے تحت اس بات کا امکان ہے کہ اناج چھڑنے کے موسم کو جشن کا موقع بنایا جاسکتا ہے جس میں مرد اور عورتیں یکساں حصہ لیں اور پاری مدرسہ اُستانی جی کاشتکار تکبیرے سب شریک ہوں۔ لیکن یہ ہم نے صرف ایک بات سمجھائی ہے علامہ درست ایسا نہیں ہوتا۔

گرینچ جو منظم جماعتیں امریکہ کے دیہات کی اجتماعی زندگی کی ترقی کا باعث ہیں ان میں گرینچ (Grange) کو فی زمانہ بڑا درجہ حاصل ہے۔ کسی حد تک اسوجہ سے کہ اس کا مقصد ہی اجتماعی زندگی کی ترقی ہے۔ لیکن ایک لحاظ سے یہ کس قدر محدود اثر رکھتی ہے وجہ یہ کہ اس کا مقصد صرف اپنے اراکین کی اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے اور باقی جماعت سے اس کو کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ ان سے بھی زیادہ محدود حلقہ باثر ان لاجوں اقامت گاہوں اور خفیہ جماعتوں کا ہے جو صرف اپنے اراکین کی ضروریات اجتماعی کو پورا کرنے کو اپنا مقصد بناتی ہیں۔ اب ہمارے سامنے ایک ایسا مسئلہ درپیش ہے جو دیہات کی معیشت کا سب سے مشکل مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ کیا ہم اجتماعی زندگی کو قائم رکھ سکتے ہیں بغیر کسی ایسے وسیلہ کے جس

ہم مناسب آدمیوں کو انتخاب کر لیں اور نامناسب آدمیوں کو خارج کر دیں؛ جن محالک میں اُسرا کا راج ہے۔ اور مختلف طبقوں کی تفریق قدیم الایام سے چلی آتی ہے وہاں اجتماعی زندگی صرف اپنے اپنے طبقے تک محدود ہوتی ہے؛ لیکن طبقے کی حدود کے اندر وہ نہایت آزادی سے ترقی کرتی ہے۔ امریکہ ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں ذات پات کا کوئی امتیاز ملحوظ نہیں رکھا جاتا نہیں اور نہ مختلف طبقوں میں کوئی فرق مراتب کیا جاتا ہے؛ ہمارے یہاں اجتماعی حالات نے بھی کوئی مقررہ صورت اختیار نہیں کی۔ بالخصوص دیہات میں۔ البتہ اس بات کا رجحان موجود ہے کہ مختلف گروہ بنائے جائیں ایسے طور پر کہ اپنی پسند کے آدمی لئے جائیں اور باقیوں کو نہ لیا جائے۔ اس قسم کی تقسیم میں چونکہ صرف اس بات کا لحاظ نہیں رہتا کہ یہ شخص امیر زادہ ہے اور یہ شخص نہیں۔ بلکہ کسی خاص امر کی بنا پر تفریق کی جاتی ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذات پات کی تفریق کا جو پُرانا طریقہ تھا بایہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز کیمطابق طبقوں میں تقسیم ہوتی تھی۔ اس سے یہ نیا طریقہ بدرجہا ترقی یافتہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس پر جمہوریت کی تعریف پوری پوری صادق نہیں آتی۔ کیونکہ جمہوریت تو اس کا نام ہے کہ بغیر طبقہ یا فرقہ یا دین و مذہب یا برادری کے فرق کا لحاظ ہوئے لوگ آزادی سے آپس میں راہ و رسم رکھیں۔ لیکن اس جمہوری نصب العین نے ابھی عملی صورت اختیار نہیں کی کیونکہ جن ملکوں میں حسب و نسب کا لمبا چوڑا فرق نہیں وہاں خفیہ جماعتیں برادریاں وغیرہ بن گئی ہیں اور وہ جماعت کو گروہوں میں تقسیم کئے ہوئے ہیں اس میں کلام نہیں کہ ایک جمہوری نظام معاشرت کے ماتحت عامی لوگ جو خواہ مخواہ بھلے لوگوں کے کاموں میں دخل دیتے ہیں اُس سے اُن خفیہ جماعتوں وغیرہ کی بدولت رہائی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اس بات کا خدشہ ہے کہ جو لوگ ایسی جماعتوں کے رکن بنتے ہیں وہ دوسرے لوگوں سے علیحدہ رہ رہ کر کہیں نوبت فروش نہ ہو جائیں اور آپ کو اصیبت بڑا نہ سمجھ لگیں۔

دیہاتیوں کے معیار جدا ہونے چاہئیں یا اعلیٰ منظم انجمنیں وغیرہ دیہات انہیں شہریوں کی پیروی کرنی چاہئے یا کی اجتماعی زندگی کی ترقی کا باعث ہیں وہ اگر دیہات کی زندگی کو شہری زندگی کے معیاروں اور رواجوں سے بے نیاز

نہ کر دیں تو وہ پائے کھمال سے بہت گری ہوئی ہیں۔ ایسی انجمنوں کا سب سے بڑا مقصد ہونا چاہیے کہ وہ دیہات کی اجتماعی زندگی کی ایک جداگانہ شان سے محروم رہے گی۔ جب تک دیہات والے شہروں کے لباس کی وضع قطع اُن کے عادات و اطوار اور اُن کے قواعد و شرائط کی پیروی کریں گے۔ اُس وقت تک دیہات کی اجتماعی زندگی تسلی بخش ترقی نہ کرے گی۔ اگر شہر کے رسم و رواج دیہات کے رسم و رواج پر غالب رہیں تو یہ فی الاصل ایک دماغی اور ذہنی غلبہ ہے۔ یعنی شہر والے دیہات والوں کو دماغی پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ اس ذہنی غلامی کی قید و بند سے دیہات والے اُس وقت آزاد ہوں گے جب وہ اپنے لئے شائستگی کا معیار خود قائم کریں گے اور شہر والوں کی اندھا دھند پیروی کو ترک کر دیں گے۔ جس دن انہوں نے اس بات کو باریک فہم سمجھنا شروع کیا کہ ہم دیہاتی ہیں ہمارا لباس دیہاتی ہے۔ ہماری عادتیں دیہاتی ہیں؟ ہمارے رسم و رواج دیہاتی ہیں۔ اور جس دن انہوں نے حقیقی دیہاتیوں کی طرح سمجھ بوجھ اور دانش مندی سے سیدھی ساری زندگی بسر کرنی شروع کی۔ تو اُس دن ہم یہ کہنے کے قابل ہوں گے کہ آج صحیح معنوں میں ایک دیہاتی تہذیب وجود میں آئی ہے۔ اگر یہ نہ ہوا تو یہ جتنی دیہاتی زندگی کی نام نہاد اصلاحات ہیں۔ ان سے صرف یہ حاصل ہوگا کہ دیہات شہر کا ایک جز ہو کر رہ جائے گا اور دیہاتیوں کی ذہنی غلامی پہلے سے بھی بڑھ جائیگی۔ شہر سے جوڑ اک آتی ہے اُس میں اگر کاشتکاروں کے نام شہر کے روزانہ اخبار آیا کریں۔ جن میں نمائش پسندانہ اور خرد و خرد شانہ اشتہارات ہوتے ہیں۔ اور سنسنی پیدا کر نیوالی چھوٹی سچی خبریں ہوتی ہیں۔ اور اس کا نتیجہ اگر یہ ہو کہ دیہات والے اُن ہل چل پیدا کرنے والی چیزوں کو پسند کر لے لگیں جنہاں شہر کے لوگ پسند کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی جیب سے اُن کے دام ادا کرتے ہیں۔ تو اس سے یہ ہوگا کہ شہر کی کشش دیہاتیوں کی نگاہیں اور بھی بڑھ جائیگی۔ اور وہ پہلے سے زیادہ شہر کی ہر بات کی پیروی کرنے لگیں گے۔ دیہات والوں کو اکثر یہ شکایت کرتے سنا گیا ہے کہ دیہات کی زندگی ایسی بے لطفی کی زندگی ہوتی ہے کہ آدمی اُس سے بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ حالانکہ

در اصل وہ سکون اور خاموشی کی زندگی ہوتی ہے، اور جو روزانہ اخبار شہر سے آتے ہیں ان کو وہ اپنی زندگی میں کچھ لطف اور دلچسپی پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ آثار دیہات کی اجتماعی زندگی کے حق میں مفید نہیں۔ اگر دیہات والوں نے ایسے خیال و لمبیں لانے شروع کر دیں تو ایک دن وہ دیہات کو شہر کی مکمل نقل بنائیلیکوشش کرنے لگیں گے یا دیہات چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ لیکن اگر دیہاتی ڈاک دیہاتی ٹیلیفون کی طرح دیہات کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور دیہاتی لوگوں کے باہمی تبادلہ خیالات کا ایک وسیلہ ہے اگر وہ دیہاتی لوگوں میں اپنی جماعت کی محبت کا جذبہ پیدا کر دے اور ان کو اپنی علیحدہ اجتماعی زندگی قائم کرنے کے قابل بنائے۔ تو اس سے ایک اعلیٰ درجہ کی دیہاتی تہذیب وجود میں آئیگی اور دیہات کی زندگی تسلی بخش اور خوشگوار بن جائے گی۔

یہ امر کیا بالیاتی اور کیا اجتماعی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر شہر میں ہر وہ چیز موجود ہوئی جس کی خواہش دیہات والوں کو ہو سکتی ہے تو وہ شہر میں جا کر اپنا روپیہ خرچ کریں گے۔ اگر کوئی کاشتکار اتنا خوشحال ہو گیا کہ اپنی کمائی مزے سے بیٹھ کر کھا سکتا ہے تو وہ شہر کا رخ کرے گا اور وہاں جا کر رہنا شروع کرے گا، وہ بہت سی چیزیں خریدے گا اور ایک مکان بنائے گا اور اپنا وقت اور روپیہ شہر میں خرچ کرے گا۔ لیکن اگر دیہات ہی میں وہ تمام چیزیں موجود ہوں۔ جن کی خواہش دیہات والوں کو ہو سکتی ہے۔ تو وہ اپنا روپیہ دیہات میں خرچ کریں گے۔ اب اگر وہ کاشتکار جو اپنے کام سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ اس روپیہ کو جو شہر میں مکان اور گھر کا سامان خریدنے کے لئے خرچ کرنا پڑتا دیہات ہی میں خرچ کریں۔ مثلاً اپنی زمینوں ہی میں عالی شان مکان بنائیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑی سی مدت میں دیہات ایسی جگہ بن جائے گی کہ جہاں انسان کا جی لگے گا۔ مدرسے گرہیا گھر۔ کتب خانے۔ دفانی کشتیاں وغیرہ ایسی ایسی اور چیزیں اگر شہر میں میسر آ سکتی ہیں تو کیا دیہات میں میسر نہیں آ سکتیں؟ لیکن اگر لوگ اس شور و غوغا۔ بجلی کے ہنڈول بڑے بڑے اشتہار کے تختوں۔ اور اسی قسم

کی اور نمائشی چیزوں کو پسند کرنے لگیں۔ تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں۔ دیہات ان چیزوں میں شہروں کے مقابلے سے عاجز ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دیہات کے لوگ آہستہ آہستہ دیہات چھوڑ کر شہروں کو سدھاریں گے اور اپنی پسند کی چیزیں خریدنے میں روپیہ خرچ کریں گے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اگر دیہات میں ایسی چیزیں پیدا کر دی جائیں جو شہر کے لوگوں کو مطلوب ہوتی ہیں اور جن کے لئے وہ قیمت ادا کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ تو اس سے دیہات کی مالی اعتبار سے ترقی ہوگی۔ لیکن ہمیں اس نتیجہ پر بغیر تامل کے نہ پہنچنا چاہیئے۔ یہ ہرگز خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اگر چند شہری لوگ دیہات میں جا کر اپنا روپیہ اور وقت خرچ کرنے کے لئے تیار ہوں تو یہ اتنی سی بات اس امر کی مظہر ہے کہ وہ دیہات کی زندگی کو فی الحقیقت پسند کرتے ہیں۔ یا یہ کہ اس سے شہری لوگ حقیقی معنوں میں کاشتکار بن سکتے ہیں۔ جن کا اصل ذریعہ معاش کاشتکاری ہوتا ہے اور جو شہری مشاغل تفریح پر دیہاتی مشاغل تفریح کو ترجیح دیتے۔ اگر کسی شخص کے پاس قالین و روپیہ جمع ہو گیا اور وہ اس کا پوچھ بھلا کر لے کیئے دیہات میں کا ہے ماسے چلا جائے۔ تو یہ امر اس کا مرادف نہیں کہ وہ کاشتکار کے بیدھے ساف کھیل تماشوں کو جن میں اور تو اور موٹر گاڑی تک کی ضرورت نہیں ہوتی حقیقی معنوں میں پسند کرتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دیہاتی زندگی کے مسئلہ کا صرف ایک حل ہے۔ وہ یہ کہ چند مالدار صاحب اثر لوگ دیہات میں عالیشان محلات بنائیں اور اپنے فراغت کی وقت کا کچھ حصہ وہاں جا کر بسر کیا کریں اس خیال کے برخلاف سر رابرٹ پلانکیٹ (Sir Robert Plunkett) ذیل کے گرانمایہ الفاظ میں اظہار رائے کرتے ہیں میرے دوست مجھ سے کہتے ہیں کہ جدید حالات کے متعلق تمہاری واقفیت کافی نہیں تم زمانہ سے بہت پیچھے ہو۔ شہر اور دیہات کے مقابلے کے متعلق لوگوں کی رائے نے بہت بدلنا کھایا ہے یہ معلوم کرنے کی دور جانکی ضرورت نہیں کہ زمانے کی ہوا بدل چکی ہے۔ لانگ آئی لینڈ (Long Island) کے گھروں میں انوار کے روز اگر موسم اچھا ہو بہت سے مزدور چلے ہفتہ دہشتی محنت کر کے کھردے ہو چکے ہیں گاؤں والوں کا

کا لباس پہنے ہوئے اپنی جرتسی (Jerssey) گائے اور مرغیوں جگر کی کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ لوگ نیویارک کے ایک مخصوص حلقے کے لئے مکھن اور انڈے مہیا کرتے ہیں۔ اور معقول قیمتیں طلب کرتے ہیں۔ دیہات میں نئی قسم کی جو زندگی وجود میں آئی ہے اس کی ایک نمائش فارمرز کلب (Farmers Club) کی سالانہ تقریب ہے جو ڈیلمونیکو (Delmonico) کے ہوٹل میں منعقد ہوتی ہے۔ اس تقریب کے موقعہ پر راعت کی تعریف میں نہایت شاندار تقریریں کی جاتی ہیں۔ اور ہڈس ویلا (Hudson villa) اور نیو پورٹ کاٹیج (Newport cottage) میں دیہاتی نئی زندگی کے آثار ویسے ہی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جیسے لانگ آئی لینڈ کے گھروں میں۔ مہر دوستوں کا فرمانا بالکل بجا ہے۔ لیکن جہاں تک میری راعتی معلومات کا تعلق ہے کہ ہفتہ کی شام کو جو دیہاتی زندگی کے مناظر شہر میں نظر آتے ہیں۔ ان کا ردِ عمل دیکھنا ہو تو پیر کی صبح کے مناظر ملاحظہ فرمائیے۔

اگر دیہات میں دو چار شاندار مکانات شہر کے اُمرا نے تفریح کیلئے بنائے۔ اور وہاں جا کر انہوں نے وہ رویہ جو شہر میں انہوں نے جمع کیا ہے خرچ کر لیا۔ تو جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو اپنی روزی زمین سے براہِ راست حاصل کرتے ہیں ان کے لئے یہ دیہاتی زندگی کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں۔ اس مسئلہ کا حل صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ دولت کے ساتھ خوش مذاقی معاملہ فہمی اور دیہاتی لوگوں کے ساتھ ہمدردی بنی شامل ہو۔ اگرچہ یہ چیزیں مفقود ہوں۔ تو شہر کی شان و شوکت کا اظہار دیہات میں جا کر کرنا اُلٹا دیہات کے توجہ ان مرد عورتوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ دیہات سے بیزار ہو کر شہر چلے جائیں۔ اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ دیہات میں شاندار زندگی بسر کرنی ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ شہر چلے جاؤ اور وہاں جا کر دولت پیدا کرو اور پھر وہاں سے واپس آکر دیہات میں دولت کے مزے لوٹو۔ اُٹلی کے دیہات میں بہت سے مکانات جو روم کے روسا کی ملکیت تھے ان لوگوں بھی موجود تھے جب اُٹلی میں دیہاتی زندگی زوال کے سب سے نیچے درجے کو پہنچ چکی

تھی۔ شہر کو گاؤں پر کچھ ایسا غلبہ حاصل تھا کہ دیہات کو اس لائق ہی نہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ وہاں جا کر کوئی رہے۔ البتہ جس کے پاس کافی دولت ہوتی رہی دیہات میں جا کر مکان بناتا اور رہتا۔ گویا دیہات کو ایک سیرگاہ تصور کر رکھا تھا۔ وہ صرف اس مصرف کی چیز تھی کہ اچھے اچھے موقعہ تلاش کر کے مکان بنائے جائیں اس سے قطع نظر کہ دیہات کو صرف ایک ایسی جگہ خیال کیا جاتا تھا۔ جہاں سے شہر کے لوگوں کی خوراک کی رسد آتی تھی۔ لوگ اصل میں رہتے تو تھے شہروں میں باقی تفریح کیلئے گاؤں میں چلے جاتے تھے۔ یا وہاں سے اپنے لئے خوراک لاتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ شہر کا گاؤں پر غلبہ تمدن قدیم کی ایک خصوصیت ہے۔ کو بعض بعض زمانے میں یہ غلبہ مکمل تھا اور بعض میں نہ تھا۔

اس صفت میں عمارت ہائے ذیل غور کر نیکیے قابل ہیں۔
 شہر رومی الاصل محض ایک بلدیہ تھا۔ حکومت روم اور تھی مختلف ادارات کے ایک مجموعے سے جو ایک ایسی آبادی کے مناسب حل تھے۔ جو ایک شہر کی عقل کے اندر رہتی ہو۔ یہ ادارات بلدیہ کے ادارات دفاتر تھے۔ بس یہ ان کی امتیازی خصوصیت ہے۔
 روم ہی پر کیا منحصر ہے اگر ہم اس زمانے کے اٹلی کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ روم کے ارد گرد تمام شہر ہی شہر تھے۔ جس چیز کو اس زمانے میں قوم کے نام سے موسوم کرتے تھے وہ محض شہروں کے ایک مجموعہ عبارت تھی۔ یوں کہتے کہ افالوی قوم شہروں کے ایک مجموعہ کا نام تھا۔ (Sturucum) (Samnites) (Sabines) اور (Magna Graecia) کے تمام باشندوں کی حالت کو ہم انہی الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں۔

اس زمانہ میں دیہات کا وجود کم نہیں تھا۔ یعنی دیہات کو جس صورت میں ہم آجکل دیکھتے ہیں اس کی ان دنوں میں یہ صورت نہ تھی۔ اُس میں قبلہ رانی تو ضرور کی جاتی تھی لیکن آبادی زمینیں مطلق نہ تھی۔ زمین کے مالک وہ لوگ تھے جو شہروں میں رہتے تھے۔ وہ گلے گلے اپنی جاگیروں کا معائنہ کر نیکیے چلے جاتے تھے اور اپنے ساتھ چند غلام لے جاتے تھے جیسے ہم آجکل گاؤں یا دیہات کے نام سے موسوم کرتے ہیں یعنی وہ مختصر سی آبادی جو اکیلے دیکھنے پر غلوں میں

یا چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ اُس کا وجود اٹلی میں
سرسے سے مفقود تھا۔

جب رومانے اپنے رقبہ کی وسعت دی تو پھر اُس نے کیا کیا تاریخ کا مطالعہ
کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اُس نے نئے شہر فتح کئے یا نئے شہر بسائے۔ اُس کی اگر
جنگ ہوتی تھی تو شہروں کے ساتھ اگر صلح اور موافقت ہوتی تھی تو شہروں کے
ساتھ وہ اگر نوآبادیاں قائم کرتا تھا تو وہ بھی شہروں میں۔ روم کے دنیا کو فتح کرنے کی
تاریخ شروع سے لے کر اخیر تک بے شمار شہروں کے آباد کرنے کی
تاریخ ہے۔

فرانس اور اسپین میں بھی آپ کو شہر ہی شہر نظر آئیں گے شہروں سے کچھ دور
سمٹ کر دلدلیں ہیں اور تنگل۔ ذرا روم کی قدیم یادگاروں اُسی قدیم سڑکوں کا بنظر غور
... مطالعہ کیجئے۔ بڑی طویل سڑکیں ہیں جو ایک شہر سے دیگر دوسرے شہر تک
چلی جاتی ہیں؛ ہمارے زمانے میں کوئی آستانہ تقار قرون وسطی کے بعد سے تمام
یورپ میں جو بے شمار گاؤں دیہاتی مقامات اور گرجا گھر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں ان
کی قسم کی کوہیز اُس وقت موجود نہ تھی۔ روم کے باقیات جو اُس نے اپنی یادگار میں
چھوڑے ہیں کیا ہیں؟ عظیم الشان عمارتیں جن کا تعلق بلدیات سے تھا۔ اور جو بہت سے
لوگوں کے اجتماع کیلئے بنائی گئیں تھیں۔

جاگیر داری کا دستور جب قائم ہوا تو اُس نے ایک ایسی تبدیلی کی جسکی اہمیت
بلا شک وشبہ بہت زیادہ ہے؛ اُس نے آبادی کو از سر نو تقسیم کیا اور اُس کو نئی
ترتیب سے بسایا۔ اب تک زمین کے مالک اس طور پر رہتے آئے تھے کہ یا انجان آبادی
کے شہروں میں رہتے تھے یا بڑے بڑے گروہ بنا کر ملک بھر میں پڑے پھرتے تھے لیکن
جب جاگیر داری کا نظام رائج ہوا تو یہی لوگ اپنی اپنی سکونت گاہ میں ایک دوسرے
دور و دراز فاصلوں پر علیحدہ علیحدہ رہنے لگے۔ آپ فی الفور اندازہ کر لیں گے کہ اس
تغیر نے تمدن پر کیا کچھ اثرات کئے ہوں گے۔ معاشرت میں جو غلبہ و افندہ اثر ہو سکتا

حاصل تھا وہ شہروں سے منتقل ہو کر گاؤں میں گئے۔ پہلے ملکیت عامہ زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ اب ملکیت انفرادی کی اہمیت زیادہ ہو گئی۔ پہلے اجتماعی زندگی کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اب انفرادی زندگی کو حاصل ہوئی۔ جاگیر داری کے طرز معاشرہ کے رواج پانے کا یہ سب سے پہلا اثر تھا۔ ہم جتنا زیادہ غور سے اس کا مشاہدہ کریں اتنا ہی اس ایک واقعہ کے نتائج و عواقب ہماری آنکھوں کے سامنے منکشف ہوں گے۔“ لہ

ایک اور مقام پر (صفحہ ۱۵۵) اس معروف امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جدید تمدن اس نظام میں پھر انقلاب پیدا کر رہا ہے اور پھر آبادی دولت اور قوت شہروں میں جمع ہو رہی ہے۔ اور شہری زندگی کا نصب العین یہ نسبت دیہاتی زندگی کے نصب العین کے زیادہ اہمیت حاصل کرتا جا رہا ہے کاشتکاری کے متعلق تحریر پھر اور عملی طور کاشتکاری کرنا ان دونوں

میں سے کونسا شہرت و امتیاز کا بہتر ذریعہ ہے؟ امریکی نصب العین کو دیہاتی نصب العین پر جو غلبہ حاصل ہے اس کا ایک ثبوت اس امر سے ہم پہنچتا ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ زراعت کو کارہائے نمایاں انجام دینے کے لئے اچھا میدان خیال نہیں کرتے۔ سائنس کے اصولوں سے زراعت میں عملی طور پر کام لیتا یا زراعتی پیداوار کے عالمین کی تنظیم میں ان پر کاربند ہونا یوں تو ہر صاحب فکر کے نزدیک ملک کے لئے بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ لیکن اس پر ہم فی الواقعہ بہت کم توجہ مبذول کرتے ہیں۔ قدیم زمانے کا یہ جو مقولہ ہے کہ جو شخص گھاس کی ایک پتی کے بجائے دو پتیاں اگانے کا باعث ہو۔ وہ بمقابلہ سیاست دان کے (ریالوں کیے کہ بمقابلہ باتیں بگھانے والے شخص کے) زیادہ قدر و منزلت رکھتا ہے۔ اس مقولہ کو ہم بالکل تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن عملاً ہم بالقویٰ کو کام کرنے لے گئے۔ تاریخ تمدن۔

والے شخص کے مقابلے میں بہتر سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص اگر اعلیٰ درجہ کی قابلیت نظم و نسق اور سائنٹفک علمیت سے کام لے کر کاشت کرے تو وہ اچھی فصل پیدا کر سکتا ہے اور نفع پاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کچھ مقامی شہرت بھی حاصل کرے۔ خاص کر کاشتکاروں کے حلقے ہیں۔ لیکن جب تک وہ اپنے کام کے متعلق زبان یا قلم سے اشتہار نہ دے۔ اُس وقت تک اُسی کی قوم اُس کے کمال کا اعتراف نہ کرے گی۔ اس کا ثبوت درکار ہو تو ذرا کتاب ”تذکرہ“ ناموران امریکہ (*Who's Who in America*) کو دیکھیں جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُس میں تمام اُن اشخاص کے نام منکور ہیں جنہوں نے انسانی جدوجہد کے کسی شعبہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ اُس کے صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو زراعت انسانی جدوجہد کا کوئی بڑا شعبہ ہی نہیں ہے۔ یا کوئی ایسے لوگ نہیں ہیں۔ جنہوں نے اس شعبے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہو۔ ہم اُن سیاستوں کو لیتے ہیں۔ جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُن میں زراعت ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۰۸ تا ۱۹۱۰ء کے ایڈیشن میں کسی کاشتکار کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ وہ ممتاز آدمی جو زراعت سے یا اس کے متجاس ہم جنس شعبہ ہائے صنعت و حرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کی تعداد حسب ذیل ہے:-

ریاست مین	(Maine)	کاشتکار اور دستکار۔ اچیندر (جامعہ مٹھی میں)
اوہیو	(Ohio)	زراعتی معلم۔ زراعت پیشہ۔
انڈیانا	(Indiana)	نخلیند۔
ایلینوائس	(Illinois)	کاشتکار۔
آئیووا	(Iowa)	فارسٹر و ناظم جنگلات، اچین بندرادیہ دونوں
جائوروں		اشخاص ایبٹس کے سرکاری کالج میں ملازم ہیں
		کاشتکار۔

ریاست کنس (Kansas) - ذخیرہ دار - + میووں کی کاشت کرنیوالا - ۱ -
 زراعتی معلم - ۱ - + فارسٹر ناظم جنگلات
 نبراسکا (Nebraska) - ۱ - + کاشتکار - ۱ -

اگر کاشتکاروں کا تذکرہ نہیں کیا گیا تو اس کا الزام ہمیں کتاب کے مولفوں کو نہ دینا چاہیے۔ اُن کا نو کام یہ ہے کہ اپنی کتاب میں اُن لوگوں کے نام درج کریں جو مشہور و معروف ہیں اور جن کا تذکرہ لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ یہ امر کہ ایک اعلیٰ درجہ کا کامیاب کاشتکار مشہور و معروف اشخاص میں نہیں ہے۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اہل ملک کو اس قسم کے کار نمایاں سے دلچسپی نہیں ہے۔

اس بات کا ایک اور ثبوت اس سے بہم پہنچتا ہے۔ کہ گذشتہ چند سال میں کسی کاشتکار نے سیاسیات میں کوئی امتیاز حاصل نہیں کیا۔ اوروں کا تو تذکرہ ہی کیا۔ خود مسٹر روزولٹ (Roosevelt) نے باوجود اس سرگرمی کے جو انہوں نے دیہاتی ترقی کے معاملے میں ظاہر کی اُن لوگوں کو جو کاشتکاری کے متعلق باتیں کرنا جانتے ہیں۔ ہمیشہ اُن لوگوں پر ترجیح دی جو عملاً کاشتکاری کرتے ہیں مثلاً کے طور پر مسٹر موصوف نے جو دیہاتی زندگی کے متعلق کمیشن مقرر کیا وہ اعلیٰ درجہ کا کمیشن تھا۔ لیکن افسوس اس کے ارکان کاشتکار نہ تھے۔ بلکہ مشہور مشہور آدمی جنہوں نے زراعت اور اُس کے متعلق مسائل پر طویل طویل کتابیں لکھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کاشتکاروں کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ کمیشن کے کام کا نتیجہ انکے حق میں اچھا نکلیگا جب تک انسانی فطرت ایسی ہے کہ لوگ نام و نمود اور شہرت کے خواہشمند ہیں اُس وقت تک وہ ایسے کاموں سے گریز کریں گے جن میں انہیں اس مقصد کے حاصل کرنے کا موقع نظر نہ آئے۔ کاشتکار کی جو عزت ہمارے دل میں ہے اگر وہ اسی بات تک محدود رہی کہ ہم اُسکے کام کو تو پسند کریں۔ لیکن اُس کے نام کو روشن نہ کریں۔ اور اگر ہم نے کاشت کار اور اُس کے ذاتی کارنامے کی قدر کرنی شروع نہ کی تو ناظرین

ہے کہ جو بلند ہمت اور عالی خیال نوجوان دیہات کو چھوڑ کر شہرت کی غرض سے شہروں کو جا رہے ہیں ہم اُن کو روک سکیں۔

غیر حاضر رہنے والے زمیندار (Absentee landlord) جنگ و بائی امراض اور قحط و آفتیں ہیں جو دیہاتی کے لئے تباہی کا پیغام ہوتے ہیں۔ ان کے بعد اگر کوئی بلا ہے تو وہ یہ کہ زمیندار زمینوں سے غیر حاضر رہیں اور اُن کی خبر گیری خود نہ کریں۔ اس کا نتیجہ اول تو یہ ہوتا ہے کہ لگان وصول کیا جاتا ہے اور جمع کر کے زمیندار کے پاس بھیجا دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اور

جگہ اُس کو خرچ کرے۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ جس علاقے سے لگان جمع کیا گیا ہو۔ وہ اُس کے فائدے سے محروم رہ جاتا ہے۔ لیکن یہ تو اس طریقے کے نقصانات ہیں عشر عشر کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایسا موجود نہیں ہوتا۔ جس کو زمین سے صرف اس وجہ سے دلچسپی نہ ہو کہ وہ اُس کی آمدنی کا ذریعہ ہے بلکہ اس سے قطع نظر کر کے مستقل دلچسپی ہو۔ زمین جو لوگوں کے پاس ٹھیکہ یا لگان پر ہو اُن کو کیا پڑھی ہے کہ گاؤں کی خوبصورتی بڑھانے کے لئے روپیہ یا وقت خرچ کریں یا اپنے اخلاقی اور اجتماعی ماحول کو بہتر بنانے کی تکلیف اٹھائیں۔ اُن کو تو صرف اس بات سے غرض ہوتی ہے کہ اُنہیں جتنی زیادہ آمدنی زمین سے ہو سکے وہ آمدنی حاصل کریں۔ زمیندار چونکہ گاؤں میں رہتے نہیں۔ اس لئے وہ بھی دیہاتی جماعت کی پرواہ نہیں کرتے سوائے اس کے کہ اُسے آمدنی کا ایک ذریعہ سمجھیں۔ اور وہ ہرگز اس بات کیلئے تیار نہیں ہوتے کہ اصلاحات پر روپیہ صرف کریں۔ الا اس صورت میں کہ اُنہیں لگان کے بڑھ جانے کی توقع ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس زراعتی جماعت کے پاس ایسے زمینداروں کی زمینیں ہوں جو خود غیر حاضر رہتے ہیں وہ جماعت کوئی ترقی نہیں کرتی۔ اور اُس کے یہاں مدرسے گریا گھر اور دوسرے ادارات اجتماعی صرف اسی قدر ہوتے ہیں جتنے قانوناً ضروری ہوں۔ تیسری قباحت جو زمینداروں کے غیر حاضر رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ زمیندار

اور اسامی ایک دوسرے سے اس قدر علیحدہ رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے لٹری کے اُن کو اس قدر کم موقع ملتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے مزاج اور طبیعت کے آستانہ بن سکتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرقہ دارانہ لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور طرح طرح کی بد مزگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر کوئی دیہاتی علاقہ سارے کا سارا ایسا ہو کہ وہاں کے مزارع غیر حاضر رہنے والے زمیندار سے مخالفت رکھتے ہوں۔ تو اُس کو نقصان پہنچانے کے ہزار ہا چیلے ڈھنڈے جاتے ہیں۔ اُدھر زمیندار کے دل میں انتقام کا جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ اتنا زیادہ اور کس کر لگان لیتے ہیں کہ مزارع چیخ اُٹھتے ہیں۔ بعض اوقات مزارعوں میں جیڈیہ جماعت داری اس قدر قوی ہو جاتا ہے۔ کہ وہ مصنوعی "حقوقِ مزارع" ایجاد کرتے ہیں جو قوانین ملکی کے مخالف ہوتا ہے پھر یہ ہوتا ہے کہ قوانین اور زیادہ سخت کر دئے جاتے ہیں تاکہ ان "حقوقِ مزارع" کو دبایا جاسکے۔

اگر یہ مزارعوں اور زمینداروں کے طبقوں کی باہمی لڑائی اس حد تک طول نہ کھینچے تو کم از کم بہت سی انسانی قوت اس بات میں بیکار صرف ہو جاتی ہے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو ٹھکٹے اور جھانڈے دینے کی کوششیں کرتا ہے۔ اور اس طرح جو آپس کا بیزاری اور عناد پیدا ہوتا ہے وہ دیہاتی زندگی کی نیکنامی پر ایک بد نما وضع ہوتا ہے۔

بہاؤ شاہ ملک میں اسامی داری کے طریقے کو بُرا سمجھا جاتا ہے۔ تاہم اس طریقے کے

سفرائس کے بعضوں حصوں میں پہلی حکومتوں کے ماتحت یہ ہوتا تھا کہ مزارع جمع ہو کر خود لگان مقرر کرتے تھے اور نئی آسامیہ کو زمین لگان پر لینے سے روکے گئے۔ آپس میں زرخیز کرتے تھے یہاں تک کہ مزارع اپنا حق بیج لگنا تھا اور اُسے اپنے بیج کو ورنہ دینا نہ تھا۔ یا وہ زمین تھی جو اُس کے قبضہ میں تھی۔ اگر کوئی اُدھر سے لڑائی میں کود پڑتا تو کوئی مزارع اپنے بیج کو بدل لیتا۔ یا بیج کو قبضہ پالنے میں اُمت کرتا تو اُس کی جان خطرے میں آتی تھی۔ ملک نے بہت سے قانون وضع کیے۔ لیکن ان میں سے کوئی مزارعوں کی متحدہ مخالفت کے مقابلے میں کارگر نہ ہو سکا۔

متعلق بنفس چاہے کچھ کہا جائے۔ اس امر میں ذرہ برابر شک نہیں کہ بدترین طریقہ وہ ہے جس کے مطابق زمیندار اپنی زمین سے کوسوں دور رہے۔ اور اُس سے سولے لگان لینے کے اور کوئی واسطہ نہ رکھے۔ اگر زمیندار اپنی زمینوں میں رہے اور کام کی خود دیکھ بھال کرے تو اسامی کے طریقے کی جو بدترین خرابیاں ہیں۔ وہ دور ہو جاتی ہیں۔ زمیندار کا اپنے گھر بار کے کام سے دلچسپی رکھنا اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ اُس کا رویہ اپنے دیہاتی علاقے کے متعلق ایسا ہو جاتا ہے کہ غیر حاضر رہنے والے زمیندار کا نہیں سکتا۔ مزید بریں ایک ایسا طریقہ جس کے مطابق زمیندار کو بڑی بڑی اصلاحی تجویزیں سوچنے کا موقع ملے اور اُس کے مزارع فصل اُگانے کے کام میں ہمہ تن مشغول رہیں بعض فائدوں کا حامل ہے۔ امریکن زراعت میں یہ ہوتا ہے کہ زمین چھوٹے درجہ کے یا متوسط درجے کے کاشتکاروں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اور وہ خود اپنا کام کرتے ہیں۔ اس دستور کا سب سے بڑا نقصان یہی ہے کہ اس کے مطابق زمیندار کو اپنی زمینوں کو بہتر بنانے کے متعلق تجویزیں سوچنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ کسی شخص کے پاس اتنا وقت ہے یا اتنا فالتواصل ہے کہ عمدہ عمدہ تجربے کر لے۔ پانی کے نکاس کی شاندار تدبیروں پر عمل کرے۔ یا اس کی اور بڑے پیمانے کے اصلاحات کا بیڑا اٹھائے؟ انگریزوں کے یہاں یہ دستور ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ کہ بڑے بڑے زمینداروں نے ان اصلاحی تجویزوں کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ لوگوں میں عام بیداری پیدا ہو لے۔ ریاست ہائے متحدہ میں یا اور ممالک میں جہاں چھوٹے چھوٹے زمیندار رہتے ہیں۔ اس قسم کے کام یا تو حکومت نے انجام دئے ہیں یا امداد باہمی کی انجمنوں نے یہ طریقہ اپنی جگہ نہایت عمدہ ہے۔ لیکن انگریزی طریقے کے مقابلے میں ان کا عمل بہت سست ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سیدھی سادی ہے۔ یعنی یہ کہ عام لوگ خاص خاص زمین لوگوں کے مقابلے میں ہمیشہ سست رفتار ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ریاست ہائے متحدہ میں مرکزی حکومت کا مبیغہ زراعت سرکاری زراعتی کالج اور تجربہ گاہیں۔ اس قسم کا کام اتنے بڑے پیمانے پر کام کر رہی ہیں کہ اگر زمینداروں کی کوئی انجمن غیر سرکاری طور پر قائم ہوتی تو وہ ان کا

بڑا نہ اٹھا سکتی تھی۔ چاہے اُنکی جائدادیں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں یہ درست ہے
کہ انگریزوں نے ایسا کام اپنی اپنی زمینوں میں کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ صرف
کام تھا۔ اتنا اعلیٰ درجہ کا کام نہ تھا۔

اسامی داری کا دستور جیسے انگلستان میں رائج ہے اُس کا ایک اور فائدہ یہ ہے
کہ اس سے زراعتی اغراض و مقاصد کی ایک قسم کی تنظیم ہو جاتی ہے۔ کوئی بڑا زمیندار
اگر اپنی زمینوں میں رہتا ہو۔ اور اُن بہتر بنانے کے کام سے دلچسپی رکھتا ہو تو وہ قدرتی
طور پر دیہاتی جماعت کیلئے جو کہ اُسکی انسامیوں پر مشتمل ہوتی ہے بمثل ایک رہبر
اور قائد کے ہوتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ میں یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے۔ کہ
دیہاتی جماعتوں کی تنظیم میں جو امر سب سے زیادہ مزاحم ہے وہ یہ ہے کہ اچھے رہنما
موجود نہیں ہیں۔ اگر مزارعوں اور زمینداروں کی آپس کی دشمنی نے اس وقت کو وہ
بھی بڑھادیا تو پھر جماعت کی شیرازہ بندی کا مسئلہ ناقابل حل ہو جائیگا۔ اگر دیہاتی
گرجا اس باہمی خصوصیت و عداوت کو اخوت کی تعلیم دے کر دور کر سکے تو بہت بہتر
درجہ کاری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی دیہاتی علاقے کی جماعت اپنی تنظیم اور شیرازہ بندی کیونکر
کر سکے گی۔ ہم نے اپنے زراعتی کالجوں۔ تجربہ گاہوں۔ اور محکمہ زراعت کی مدد سے
اتنا تو کیا ہے کہ علیحدہ علیحدہ خاندان بنا کر کاشت کرنے کے جو نقصانات ہیں۔ اُن کو
دور کر دیا ہے۔ اگر ہم اپنے دیہاتی اغراض و مقاصد میں ایک تنظیم پیدا کر سکیں تو
بڑے بڑے زمینداروں کے ماتحت اسامی داری کے دستور میں جتنے فائدے ہیں
وہ سب ہمیں حاصل ہوں گے اور جتنے نقصان ہیں۔ اُن سب سے ہم محفوظ رہیں گے۔

تنظیم یا مقصد اور تنظیم کے مقصد میں فرق یہ بات ہرگز قرین قیاس
شیرازہ بندی بغیر کسی معین مقصد کو پیش نظر رکھے وجود میں آسکے تنظیم اگر محض تنظیم
کی خاطر کی جائے تو یہ کوئی اعلیٰ پروگرام نہیں۔ اس طرح یہ بات بھی عجیب از قیاس ہے
کہ کوئی خاص واحد مقصد یا مجموعہ مقاصد تنظیم قومی کی بنیاد بن سکتا ہے ہمارے

دیہاتی اغراض اس قدر مختلف اور جدا جدا قسم ہیں کہ ایسی تنظیم کا ہرگز امکان نہیں اگر تمام ملک کے کاشتکاروں کی بہ حیثیت مجموعی تنظیم کرنے کی کوشش کی جائے تو ایسی کوشش یقیناً ناکامیاب ہوگی اور اب تک جب کبھی ایسی کوشش کی گئی ہے ناکامیاب ہوئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقامی اغراض کی تنظیم معین مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کرنی چاہیے۔ اگر کسی جگہ بہت سے کاشتکاروں کے سامنے کوئی خاص مقصد ہو۔ تو وہ اس کے لئے تنظیم کرنے میں کسی مشکل سے دوچار نہیں ہوتے اس کی بہترین مثالوں میں کیلیفورنیا کا پھل اگانے والوں کو میا دلہ

(California Fruit Growers Exchange) ہے۔ بہت سے پھلوں کے اگانے والوں نے یہ دیکھا کہ اگر بازار کا انتظام ٹھیک ٹھاک نہ کیا گیا تو سب کے سب دیوالیے ہو جائیں گے۔ پس پھر کیا تھا۔ یہ بذات خود ایک زبردست محرک تھا ایسی صورتوں میں قیادت (سرکاری۔ رہنمائی) کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ جو شخص وہ کام کرنا چاہتا ہے جس کے کئے جانے کے دوسرے لوگ خواہشمند ہیں بس وہ شخص حقیقی معنوں میں اُن کا رہنما ہے۔ اور اس کا حق اُس کو صرف اس طور پر پہنچتا ہے کہ وہ فطرۃً اس کے لئے موزوں واقع ہوا ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال ذرا چھوٹے پیمانے پر نیو ہمشائر کے ایک علاقے کے کاشتکاروں نے جو منڈی کے جو یا تھے پیش کی۔ اُنہوں نے کیا کیا کہ کیمبرج واقعہ میکوسٹس (Cambridge Mass.) میں ایک اسٹور کھولا اور اپنی اپنی پیداوار وہاں بھیج دی اُن کا رہنما کون تھا۔ ایک دیہاتی پادری۔ اور بھی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جو اس اصول کی صداقت پر وال ہیں کہ اول تو تنظیم مقامی ہونی چاہیے دوسرے اُس کے پیش نظر کوئی معین مقصد ہونا چاہیے۔

تاہم ہماری یہ مراد نہیں کہ دیہاتی اغراض کی تنظیم مقامی ہی رہے اور اس طرح ہر مقام میں جدا جدا تنظیم ہو۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مقامی تنظیم ترقی کر کے زیادہ وسیع ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں کو دیہاتی تنظیم سے دلچسپی ہے وہ تحریر مزید

سے سبق سیکھیں۔ جب شروع شروع میں تمام مزدوروں کی مجموعی طور پر تنظیم کرنے کی کوشش کی گئی تو کامیابی کی کچھ امید تھی۔ لیکن اُس میں یہ نقص تھا کہ کوئی مقررہ مقصد پیش نہ تھا اور اتحاد مقامی ناپید تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا اثر نفوذ بہت جلد زائل ہوتا شروع ہوا حالانکہ امریکہ میں جو انجمنیں *American Federation of Labour* کے نام سے قائم ہوئی اُس وقت بہت جلد اثر و اقتدار حاصل کر لیا۔ اس تحریک کے طریقہ کار و بار کے ارکان کی مقامی انجمنیں تنظیم کی جائیں۔ پھر ان کو ایک مرکزی انجمن کے ماتحت کیا جائے۔ اس طور پر کہ ہر انجمن کو مقامی خود مختاری دی جائے۔

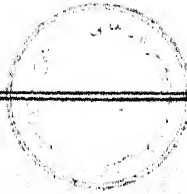
دستور العمل نہایت صحیح اور معقول ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ متحدہ مرکزی جمعیت (*federation*) بہترین بنیاد ہے جس پر دیہاتی تنظیم کو قائم کرنا چاہیے۔ ملک بھر میں جو مقامی تنظیمیں انجمنیں بکھری پڑی ہیں اُن کو ایک مرکزی جمعیت کے تحت میں لانے کی کوشش شروع کر دی گئی ہے۔ اگر ان کو سرکاری اور قومی جمعیتوں کی صورت میں منظم کیا جاسکے۔ اس طور پر کہ ہر مقامی انجمن آزاد اور خود مختار ہو۔ کم از کم اس حد تک کہ جہاں تک اُس کے مخصوص مقاصد کا تعلق ہے۔ تو پھر ممکن ہے۔ کہ ایک ایسی تحریک شروع کی جاسکے جس سے کاشتکاروں کی تنظیم بھی ویسے ہی ہو جائے جیسے امریکن فیڈریشن آف لیبر کی بدولت مزدوروں کی ہو گئی۔ گو یہ ضروری نہیں کہ ہمارا عملی پروگرام بالکل وہی ہو جو مزدوروں کا تھا۔

بہر حال یہ بات نہایت تاکید سے بیان کرنے کے قابل ہے۔ کہ کوئی تنظیم جس کا مقصد کوئی تعمیری کام نہ ہوگا۔ یا ملک کی مجموعی خوشحالی اور بہبودی نہ ہوگا اُس کا انجام یقیناً ناکامی ہوگا اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ یہ بات ملک کے مجموعی مفاد کے حق میں نہایت ضروری ہے کہ پھلوں کی رسد کو طلب کھیر طالب بنایا جائے۔ اور یہ نہ ہو کہ ایک بازار میں تو پھلوں کا طوفان بد تمیزی برپا ہو جائے اور دوسرے بازار میں ڈھونڈ ہے نہ بلیں۔ پھل اُگانے والوں کا مبادلہ پھلوں کو جہاز پر دلاتے اور بیچنے کے کام کی تنظیم کرنا ہے۔ اور رسد و طلب دو کو ایک دوسرے کے مطابق

حال بناتا ہے۔ اس بنا پر وہ ملک کی بحیثیت مجموعی ایک پیدا آور خدمت انجام اور کامیابی کا مستحق ہے۔ جب وہ اپنی قوتوں کا بے جا استعمال شروع کر دے یعنی بجائے رسد اور طلب میں مطابقت پیدا کرنے کے اپنی مرضی کی قیمتیں مانگنے لگے۔ تو اُس وقت وہ ناکامی کا مستحق ہو گا۔ اور بالآخر یقیناً ناکام ہو گا یہی قول ڈیری والوں۔ بازار کے لئے پھل ترکاریاں اُگلنے والوں۔ اور کپاس کی کاشت کرنے والوں۔ وعلیٰ ہذا القیاس وہ سہروں پر صادق آتا ہے۔ بہر حال اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس قسم کی تنظیمی جمعیتوں کو خیرات اور رفاہ عام کے کام کرنے چاہئیں۔ یعنی اپنی جیب سے خرچ کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچانا چاہیے برعکس اس کے اُن کو چاہیے کہ اپنے ذاتی مفاد کا سب سے پہلے خیال کریں؛ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ذاتی مفاد کی حفاظت کے لئے..... جیسا کہ ہم ان اصلاحات کی تعریف باب اول میں کر چکے ہیں اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل ایسے طور پر کرتا کہ تمام ملک کی قوت پیدا آوری میں ترقی ہو یقیناً مستحق اور قابلِ داد ہے۔ لیکن ملک کے فائدے کا خیال نہ کر کے اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کرنا مستحق ناکامی قابلِ سہر زنش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امداد یا ہمی کے کام جو محض کسی ذخیرہ دار جہا جن کے ساتھ حسد کرنے کی وجہ سے یا کسی اور شخص کو جو کوئی مفید اور دیانت دار نہ کام انجام دے رہا ہو نقصان پہنچانے کے لئے شروع کئے جاتے ہیں۔ وہ عموماً ناکامیاب ہوتے ہیں لیکن ایسے امداد یا ہمی کے کام جن کا مقصد کوئی تعمیری خدمت انجام دینا ہوتا ہے مثلاً کسی نئی حرفت کا شروع کرنا۔ کسی نئے بازار کا بنانا یا پیداوار کو فضول ضائع ہونے سے بچانا چونکہ اُن کے پیش نظر ایک ایسا مقصد ہوتا ہے۔ جو آپس کے بے ر اور حق سے بالاتر ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے کام عموماً کامیاب ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کاموں شریک ہوتے ہیں اُن کو نفع ہوتا ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ جب تک ہمارے دیہاتی اغراض و مقاصد کی تنظیم نہ ہوگی

اُس وقت تک دیہاتی زندگی پر شہری مقاصد شہری معیار شہری نصب العین
غالب رہیں گے۔ اور اس وجہ سے دیہاتی زندگی کی حیثیت حقیر اور کمزور ہوگی۔
مزید بریں دیہاتی اغراض و مقاصد کی تنظیم کسی واحد جمعیت کی صورت میں مشکل
ہے۔ کیونکہ ہمارے زراعتی مفاد و مقاصد بہت مختلف ہیں۔ تنظیم پونہ جونی
چاہیے کہ پہلے مقامی انجمنیں بنائی جائیں۔ جن کے پیش نظر معین تعمیر مقاصد
ایک طرف ہوں اور بعد اُن مقامی انجمنوں کو ایک متحدہ جمعیت کی صورت
میں جمع کر دیا جائے جس میں اتحاد اور یکانیت اور دوسری طرف تنوع اور مقامی
آزادی کی صفات مجتمع ہوں +



Checked
1987



۲۲۵۹۳	
#	فن نمبر
>14	تکتاب نمبر

مطبوعہ کو اپریٹو سٹیم پرنٹنگ پریس و طن بلڈنگ لاہور
باہتمام ملک فیروز الدین صاحب مینجر